جواہر عزیزی

اردو ترجمہ

تفسیر عزیزی

تصنیف لطیف:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

مترجم:

رئیس المتکلمین عالم باعمل پیر طریقت حضرت علامہ مولانا الحاج

صاحبزادہ پیر سید محمد محفوظ الحق شاہ چشتی صابری قادری

جواہرِ عزیزی

اردو ترجمہ

تفسیرِ عزیزی

پارہ انتیسواں

تصنیفِ لطیف:

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم:

[illegible]

صاحبزادہ پیر سید محمد محفوظ الحق شاہ چشتی صابری قادری

نوریہ رضویہ پبلیکیشنز

11- داتا گنج بخش روڈ لاہور 042-7313885

نام کتاب	ــــــــ	تفسیر عزیزی (انتیسواں پارہ)
مصنف	ــــــــ	شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ
مترجم	ــــــــ	صاحبزادہ سید محمد محفوظ الحق شاہ صاحب چشتی صابری قادری
زیر اہتمام	ــــــــ	صاحبزادہ پیر سید محمد محمود الحق شاہ قادری
کمپوزنگ	ــــــــ	ورڈز میکر
اشاعت	ــــــــ	جمادی الاول ۱۴۲۹ھ/ جون ۲۰۰۸ء
ناشر	ــــــــ	سید محمد شجاعت رسول شاہ قادری
مطبع	ــــــــ	اشتیاق اے مشتاق پرنٹرز لاہور
کمپیوٹر کوڈ	ــــــــ	1N-131

ملنے کے پتے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ
وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

نوریہ رضویہ پبلی کیشنز

فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

سورۃ الملک

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے ساتھ مکی ہے کہ الم السجدۃ کے بعد مکہ شریف میں اُتری اس کے بعد سورۃ الحاقۃ اور سورۃ المعارج نازل ہوئی ہیں جبکہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کی اور بعض دوسروں کی روایت کے ساتھ مدنی ہے' اس کی تیس (۳۰) آیات ہیں اس صحیح حدیث کے مطابق جو کہ صحاح میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ کتاب اللہ کی ایک سورۃ نے جو کہ تمام وکمال تیس آیات ہیں' گناہگار آدمی کے حق میں شفاعت کے لیے اس قدر اصرار کیا کہ اسے جہنم کی گہرائی سے نکالا اور جنت میں داخل کیا اور وہ سورۃ تبارک الملک ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ یہ سورۃ ہر مومن کے دل میں ہو یعنی چاہیے کہ ہر مسلمان اس سورۃ کو یاد کرے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے کہ میت کو جب قبر میں رکھتے ہیں اور عذاب کے فرشتے آتے ہیں' یہ سورۃ حمایت کے لئے اور انہیں روکنے کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے اگر پاؤں کی طرف سے آتے ہیں تو کہتی ہے کہ میں تمہیں اس طرف سے راستہ نہیں دوں گی کہ یہ شخص اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر نماز میں میری تلاوت کرتا تھا اور اگر سر کی طرف سے آتے ہیں تو کہتی ہے کہ اوپر سے تمہیں راستہ نہیں دوں گی کہ یہ شخص اپنی زبان سے میری تلاوت کرتا تھا اور اگر دائیں بائیں سے آئیں تو کہتی ہے کہ ان دونوں طرفوں سے تمہیں راستہ نہیں دوں گی کہ یہ شخص مجھے اپنے سینے میں یاد رکھتا تھا۔

اور حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ عشا کی نماز کے بعد دو رکعت نفل میں بیٹھ کر یہ

سورۃ پڑھا کرتے تھے اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام فرمانے سے پہلے اس سورۃ کی ضرور تلاوت فرمایا کرتے تھے اس لیے حدیث شریف میں اس سورۃ کو مانعہ - منجیہ اور واقیہ کا نام دیا گیا ہے اس لیے کہ عذابِ قبر کو روکتی ہے اور عذاب سے نجات بخشتی ہے اور قیامت کے صدموں اور پریشانیوں سے حفاظت کرتی ہے۔

اس سورۃ کے سورۃ التحریم کے ساتھ رابطہ کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ تحریم میں عیال داری کے آداب اور شرائط کا بیان ہے کہ مرد کو اپنی عورتوں اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ کس طرح خانہ داری کرنا چاہیے اور اگر اس کے اہل و عیال چاہیں کہ گناہوں کا ارتکاب کریں اور جہنم کی آگ والے راستے پر چلیں تو اسے واجب ہے کہ ان کی اس راہ پر چلنے سے نگہبانی کرے۔

اور اس سورۃ میں خدائی اور شہنشاہی کے لوازم اور قواعد مذکور ہیں۔ وہاں ایک گھر کی سرداری مذکور ہے جبکہ یہاں تمام جہان کی سرداری بیان فرمائی ہے۔ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کرنے کے انداز کا تقاضا ہے کہ پہلی کو دوسری پر مقدم کریں۔ نیز اُس سورۃ میں جہنم کی آگ کی صفت اس مضمون کے ساتھ ذکر فرمائی گئی ہے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ جبکہ اِس سورۃ میں اس مضمون کے ساتھ کہ اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا وَّهِيَ تَفُوْرُ نیز مذکور ہے سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَآ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَذِيْرٌ اور دونوں مضمون ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ اس سورۃ میں مذکور ہے وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ جبکہ اِس سورۃ میں مذکور ہے وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ اور اُس سورۃ میں مذکور ہے کہ وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ جبکہ اس سورۃ میں ہے قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا۔

نیز اُس سورۃ میں مذکور ہے کہ اپنی عورتوں کی خوشنودی کے لیے خدا تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیز کو کیوں حرام کیا؟ جبکہ اِس سورۃ میں مذکور ہے کہ حقیقی بادشاہی صرف خدا تعالیٰ

کے لیے ہے پس اس کے احکام کی تبدیلی میں دوسروں کی پیروی نہیں کرنا چاہیے کہ حکمرانی بادشاہوں کا خاصہ ہے اور دوسروں کی خوشنودی کے لیے بادشاہوں کے حکم کے خلاف کرنا درست نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس غور وفکر کے بعد مناسبت کی بہت سی وجوہ نکلتی ہیں۔

وجہ تسمیہ اور ذاتِ حق کے لائق چند چیزوں کا ذکر

اور اس سورۃ کو سورۃ ملک اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں جو کچھ حقیقی بادشاہت کے لائق ہے' حضرت حق تعالیٰ کی ذات پاک کے لیے ثابت فرمایا ہے اور وہ چند چیزیں ہیں: پہلی چیز خیرات کی کثرت اور انعام واحسان وافر کرنا کہ لفظ تبارک سے سمجھ آتا ہے۔

دوسری چیز عموم قدرت یہاں تک کہ یہ عموم زندہ کرنے اور مارنے تک پہنچا کہ بادشاہوں میں سے کسی کو میسر نہیں ہے اور یہ مضمون وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ کے الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے۔

تیسری چیز رعایا' اہلِ مراتب اور ملک کے رئیسوں کے اعمال کی خبر گیری جو کہ بادشاہی کے لوازمات سے ہے اور لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اور اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ کے لفظوں سے معلوم ہوتا ہے۔

چوتھی چیز غلبہ' عزت اور مرتبہ جو کہ لفظ عزیز کا مفاد ہے۔

پانچویں چیز خطاؤں کو بخشنا اور معاف کرنا جو کہ لفظ غفور سے نکلتا ہے۔

چھٹی چیز اپنے پیش کاروں' خادموں اور غلاموں کے لیے بلند عمارات تعمیر کرنا جو کہ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا کا مضمون ہے۔

ساتویں چیز رعایا کے درمیان فرق نہ کرنا جو کہ مَا تَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ سے سمجھ میں آتا ہے۔

آٹھویں چیز اپنی مملکت کے شہروں کو زینت بخشنا' ان کی آئینہ بندی اور سامانِ روشنی اور مشعل خانہ کا انتظام جو کہ لفظ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ سے معلوم ہوتا ہے۔

نویں چیز دشمنوں کو مغلوب کرنے کے لیے آلات تیار رکھنا جیسے توپ گولا' قید خانہ

اورفوجی جوکہ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِّلشَّيَاطِيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيْرِ اور سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيْرٌ سے معلوم ہوتا ہے۔

دسویں چیز دوستوں اور فرماں برداروں پر رحم وفضل کرنے کے وافر اسباب مہیا کرنا جوکہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ سے معلوم ہوتا ہے اور آیت ءَ اَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ تین آیات کے آخر تک میں بھی دونوں مضمونوں کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

گیارہویں چیز وحشی جانوروں کی تسخیر اور توشہ خانہ کی آبادی جوکہ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافَّاتٍ سے معلوم ہوتی ہے۔

بارہویں چیز ملک میں امن، نرخوں کی ارزانی، رعایا اور متوسلین کی روزی اور تنخواہوں میں فراخی کرنا جس کا ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ سے لے کر بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ تک کے مجموعے سے پتہ چلتا ہے۔

تیرہویں چیز کسی کو حفاظت کرنے کی طاقت نہیں ہے کہ اس درگاہ کے دھتکارے ہوئے کو جگہ دے اور حمایت کرے یا اس بارگاہ کے محروم و مردود کو روزی پہنچائے اور کوئی نفع پہنچائے اور یہ معنی اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ تا آخر بَلْ لَّجُّوْا فِيْ عُتُوٍّ وَّنُفُوْرٍ سے سمجھا جاتا ہے۔

سور رحمانیات اور ربانیات

اور یہ سورۃ رحمانیات سے ہے کہ اس میں اسم ذات کی بجائے اسم رحمٰن استعمال ہوتا ہے جیسے سورۂ انبیاء، سورۂ یٰسین، سورۂ مریم اور سورۂ طٰہٰ جس طرح کہ سورۂ نون، سورۂ الحاقہ اور دوسری بہت سی سورتیں۔ جیسے طویل سورتوں میں سے سورۂ ھود اور سورۂ یوسف اور قصار میں سے سورۂ الفجر وغیرہ ربانیات ہیں کہ ان میں اسم ذات کی بجائے اسم رب مستعمل ہوا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبَارَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ بہت بابرکت ہے وہ ذات پاک جس کے دستِ

یہاں جاننا چاہیے کہ دس اذکار سے جو کہ تسبیح، تحمید، تکبیر، تہلیل، توحید، حوقلہ (لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ) حسبلہ (حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) بسملہ (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) استعانت اور تبارک ہیں، ہر شریعت میں ان کے مختلف صیغے رائج اور معمول ہیں اور یہ ذکر جو کہ تبارک سے عبارت ہے، قرآن مجید کی دو سورتوں کے شروع میں واقع ہوا جس طرح کہ تحمید پانچ سورتوں کی ابتدا میں واقع ہوئی اور تسبیح سات سورتوں کی ابتدا میں۔

برکت کا مفہوم

اور اس ذکر کی حقیقت اللہ تعالیٰ کے انعام واحسان کی کثرت کو ملاحظہ کرنا ہے جو کہ ذراتِ عالم کے ہر ذرہ میں ہمیشگی کے ساتھ جلوہ گر ہے اس لیے کہ برکت کے مفہوم میں دونوں چیزیں داخل ہیں، خیر کا صادر ہونا اور اس کی ہمیشگی۔ اسی وجہ سے جس چیز سے خیر صادر نہ ہو اسے مبارک نہیں کہتے اور جس چیز سے ایک دوبار خیر صادر ہو اسے بھی مبارک نہیں کہتے جب تک کہ ہمیشہ اور دائم رہنے والی خیر کا مصدر نہ ہو۔

ملک وملکوت کی حد اور ان کے اعتبار سے صفات کا ذکر

نیز جاننا چاہیے کہ غیر متناہیہ عوالم کے اصول دو عالم ہیں، ملک اور ملکوت۔ ملک عرش سے لے کر فرش تک عالم اجسام کا نام ہے جبکہ ملکوت قلم اعلیٰ سے انسانی نفس ناطقہ تک عالم ارواح کا نام ہے اور حضرت حق تعالیٰ کے لیے دونوں عالموں میں بادشاہانہ تصرف اور مالکانہ تدبیر ثابت ہے۔ عالم ملک کے تصرف کے اعتبار سے اسے تبارک کے ساتھ موصوف فرماتے ہیں جو کہ خیر دائمی کی کثرت کے معنوں میں ہے اس لیے کہ یہ عالم روز بروز زیادتی اور ترقی میں ہیں اور دم بدم عجیب حالات اور نادر ترکیبات قوت واستعداد کی کمیں گاہ سے فعلیت اور ظہور کے مقام پر جلوہ گر ہو رہی ہیں جبکہ عالم ملکوت کی اپنے ارادہ کے تقاضے کے مطابق تسخیر کے اعتبار سے تسبیح کے ساتھ موصوف کرتے ہیں جس کا معنی تنزیہہ وتقدیس ہے جیسا کہ سورۂ یٰسین کے آخر میں فَسُبْحَانَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ

مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ ہے اس لیے کہ تنزہ قدس اور پاکیزگی عالم ارواح کے مناسب ہے۔

اور چونکہ اس کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی کاری گری کے عجیب نشانات جو کہ عالم ملک میں مشاہدہ میں آتے اور محسوس ہوتے ہیں اور سرحد امکان سے وجود کے مقامات میں داخل ہوکر محاصرہ کی حد اور عقل کے استدلال کے احاطہ سے خارج ہیں' کی طرف اشارہ پورا ہوا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اس عالم میں اس کا تصرف اور تدبیر اس کی موجودہ مقدار تک منحصر نہیں ہے بلکہ جو کچھ ممکنات میں داخل ہے' وہ بھی اس کی قدرت کے ساتھ متعلق ہے۔

وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور وہ سب چیزوں پر خواہ موجود ہوں' خواہ نہ ہوں' خواہ عادی ہوں' خواہ نہ ہوں' قادر ہے اور اس جہت سے کہ ہر موجود کی امکانی صورتوں کی کوئی حد نہیں اس کی قدرت کے معمور خزانوں کو کوئی پورے طور پر سمجھ نہیں سکتا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا ہے وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ اور خزانوں کا یہ وافر ہونا کسی بادشاہ کے لیے متصور نہیں ہوسکتا۔

اب اس کی بادشاہی کے چند اور کارخانوں کو غور سے ملاحظہ کرنا چاہیے کہ کتنے عجیب آثار رکھتے ہیں تاکہ اس کی بادشاہی کی وسعت کا تھوڑا سا تصور تمہارے ذہن میں آئے اور قدرے معرفت جو کہ اس کی بارگاہ میں توجہ کو صحیح کرنے والی ہو' تمہیں نصیب ہو۔ تمام کارخانوں سے پہلے اپنی نوع کے کارخانے کو جو سرکارِ عالی کے چیلے ہیں' غور وفکر کے ساتھ دریافت کرو کہ اللہ تعالیٰ کی برکت نے تقاضا فرمایا کہ موجودات میں سے ایک نوع کو اپنی قدرت اور اختیار سے ایک سایہ اور نمونہ دینا چاہیے اور اپنے علم وشعور کا ایک عکس اسے عطا فرمانا چاہیے تاکہ اختیار کے ساتھ خیرات دائمی کا مصدر ہونے میں اپنے خالق کے ساتھ مشابہت پیدا کرے اس لیے کہ دوسری مخلوقات جو کہ مصدر خیرات ہوتی ہے یا تو بے اختیار ہوتی ہے جیسے افلاک' ستارے' عناصر' کانیں اور نباتات یا ضعیف اختیار کے ساتھ جو کہ طبیعت کا حکم رکھتا ہے اور اس ضعیف اختیار کی وجہ سے تعریف اور مذمت کا

مورد نہیں ہوتی اوران کی خیرات دوام اور ہمیشگی کے زیور سے خالی ہوتی ہے جیسے حیوانات یا اپنے اختیار میں مجبور ہیں اور اپنے مالک کے حضور بے اختیاروں کی طرح مغلوب جیسے ملائکہ اور ارواح مدبرہ۔ اس لیے اس نے تمہاری نوع کو پیدا فرمایا اور قدرت' اختیار' شعور اور ادراک کلی دینے کی وجہ سے جو کہ ہمیشہ رہنے والے نشانات کے افعال کا مصدر ہو سکے اور ایک عالم کی بناء کر سکے' اسے اپنا خلیفہ بنایا اور اسے بطورِ خود چھوڑ دیا پھر اس کے لیے ایک ایسی چیز چاہیے تھی جو کہ اس کے جذبۂ خیر کو حرکت دینے والی اور شر سے روکنے والی ہو۔ پس اللہ تعالیٰ

نِ الَّـذِیْ خَـلَـقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ وہ با اقتدار بادشاہ ہے کہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا فرمایا تا کہ حیات کی وجہ سے اعمال اختیاریہ پر قادر ہوں اور موت کی وجہ سے تمہارے عمل کے حسن کے آثار ظاہر ہوں تو جس طرح حیات اعمال کی اصل اور ان کے تخم کے ظہور کا باعث ہے' موت ان اعمال کے نتائج اور آثار کی نمود کا باعث ہے اور یہ عجیب تدبیر اس لیے فرمائی

لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً تا کہ تمہارا امتحان کرے کہ تم میں سے کون عمل کی رو سے زیادہ اچھا اور نیک ہے اور حسن عمل کے درجات مختلف ہونے کی وجہ سے اپنے خالق کے ساتھ تمہاری مشابہت کے مرتبے بھی مختلف ہوتے ہیں جس قدر حسن عمل زیادہ ہوگا' تم میں برکتِ الٰہی کا ظہور زیادہ ہوگا پس اس تدبیر کے ساتھ اس نے برکت کا بیج بویا تا کہ اس بیج کی پیداوار ایک جہان کی آبادی کا باعث ہو جسے عالم آخرت کہتے ہیں۔

اور یہ تدبیر بلاتشبیہ خزانوں کے مالک کی تدبیر کی طرح ہے جو چاہتا ہے کہ اپنے خزانے کو زراعت اور تجارت کے ساتھ زیادہ کرے اور دوسرا رنگ اور ایک اور نقش باندھے۔ فرق یہ ہے کہ صاحبِ خزانہ اس تدبیر میں اپنے غیر سے مدد لیتا ہے اور اس کا محتاج ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض مخلوق کو بعض کے ساتھ ترکیب دے کر اپنے غیر سے مدد مانگے بغیر یہ نقش باندھا ہے اور اسی لیے باوجودیکہ یہ نقش باندھنے کے لیے اس نے اقتدار اور اختیار والے بندوں کو درمیان میں رکھا ہے اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا

جیسا کہ حدیث قدسی میں فرمایا: اِنَّمَا هِیَ اَعْمَالُكُمْ اُحْصِیْهَا عَلَیْكُمْ وہ تمہارے اعمال ہیں' انہیں میں تم پر شمار کرتا ہوں اس کے غلبہ اور عزت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی اس لیے کہ ہر چیز کی لگام بلکہ ان واسطوں کے اقتدار اور اختیار کی لگام بھی اپنے قبضۂ قدرت میں رکھتا ہے۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ اور وہ ایسی عزت والا ہے کہ اس عزت کی مثل کا اس کے غیر میں تصور نہیں ہو سکتا اور اگر اس کی یہ عزت نہ ہوتی تو اس مخلوق کو کہ جسے اس نے اپنا خلیفہ بنایا اور تصرف میں خود مختار فرمایا ہے' اپنی نافرمانی اور ناراضگی پر مواخذہ اور سزا نہیں دے سکتا تھا جس طرح کہ دنیا کے بادشاہ جب کسی کو اپنی جگہ مقرر کرتے ہیں اور بااختیار کرتے ہیں پھر اس سے یہ عہدہ چھین نہیں سکتے اور اپنی ناراضگیوں پر مواخذہ اور سزا نہیں دے سکتے اور اس تمام عزت اور غلبہ کے باوجود جو کہ اسے حاصل ہے' ایک اور وصف بھی رکھتا ہے کہ

اَلْغَفُوْرُ پردہ پوش اور بخشنے والا ہے' اپنے ان خود مختار بندوں کی کوتاہیوں سے درگزر فرماتا ہے اور پکڑنے میں جلدی نہیں فرماتا تا کہ ان کی سرکشی اور عناد ثابت ہو جائے اور حکمت کے تقاضے کے مطابق پردہ پوشی اور بخشش کی جگہ نہ رہے۔

دو جواب طلب سوالات

یہاں دو جواب طلب سوال باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ موت کو حیات سے پہلے کیوں لایا گیا حالانکہ موت تو حیات کے بعد ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نیک عمل کرنے کا سبب درحقیقت موت ہے اور یہاں اس معاملۂ امتحان میں حسن عمل کا منظور ہے نہ کہ اصل عمل پر اطلاع پس موت بمنزلہ مقصود ہے کہ امر مقصود یعنی حسن عمل کا سبب ہے اور حیات بمنزلہ وسیلہ کے ہے کہ ایسے امر کا سبب ہے جو کہ وسیلہ ہے اور مرتبے کے اعتبار سے مقاصد وسائل سے پہلے ہوتے ہیں اگرچہ زمانے کے اعتبار سے وسائل مقاصد سے پہلے ہوتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ عالم ملک میں موت ذاتی ہے اور حیات عرضی ہے اور ذاتی عرضی سے مقدم ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ موت کو اس وجہ سے مقدم فرمایا گیا کہ موت ہر آدمی کی آنکھوں کے سامنے اور پیش نظر رہے اور اس سے کبھی غفلت نہ کرے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ لذتوں کی قاطع کا ذکر زیادہ کرو یعنی موت کا۔ نیز وارد ہے کہ بئس العبد عبد نسی المقابر والبلٰی بہت بُرا ہے وہ بندہ جو قبروں اور بوسیدہ ہونے کو بھول گیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ موت سے مراد دنیوی موت ہے اور حیات سے مراد اخروی حیات ہے اور دنیوی موت کو حیاتِ اخروی پر تقدم زمانی حاصل ہے اور دوسرے مفسرین سے منقول ہے کہ موت سے مراد نطفہ ہونے کی حالت ہے اور حیات سے مراد دنیوی حیات اور نطفہ کی حالت حیات سے پہلے ہے اور اس تفسیر پر لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً کے ساتھ مناسبت اس طرح بیان کی جا سکتی ہے کہ اس نے جب تمہیں پہلے مردہ کیا پھر زندہ کیا پس تمہیں چاہیے کہ جانو کہ ہر موت کے بعد ایک زندگی ہے کہ اعمال خیر کے ساتھ اس زندگی میں تم نفع حاصل کرو گے جبکہ بُرے اعمال سے ضرر پاؤ گے اور اس جاننے سے اپنے اعمال کو اچھا کرنے میں کوشش کرو اور اپنے اعمال کو بُرا کرنے سے پرہیز کرو۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ موت کو پیدا کرنے کا کیا معنی ہے اس لیے کہ موت زوال حیات کا نام ہے اور ہر چیز کا زوال جو کہ اس چیز کا عدم ہے' مخلوق نہیں ہے اس چیز کو پیدا نہ کرنا زوال حاصل کرنے میں کافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ موت وحیات ایک ساتھ عدم اور استعداد ہیں اس لیے کہ حیات حسن وحرکت ارادیہ سے عبارت ہے اگرچہ وہ حرکت ارادی مجبوراً ہو جیسے سانس لینے والا اور موت حس وحرکت ارادی کا نہ ہونا ہے اس سے جو حس وحرکت کے قابل تھا اس لیے پتھر اور لکڑی کو نہیں کہا جا سکتا کہ میت اور مردہ ہے اور عدم استعداد عدم محض نہیں بلکہ وجود کی آمیزش رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ محل کے بغیر صورت نہیں پکڑتا اور جب اسے وجود سے آمیزش حاصل ہوئی تو پیدائش کے قابل ہو گیا جیسے حیات

دوسرا جواب حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے منقول ہے کہ موت وحیات

کی خلقت سے مراد ان دونوں کی مثالی صورتوں کی خلقت ہے اس لیے کہ موت کو عالم مثال میں سیاہ وسفید داغوں والے مینڈھے کی صورت میں پیدا کیا گیا ہے کہ جب کسی چیز پر اس کا گزر ہو اور اس کی بو اس چیز کے نتھنوں میں پہنچتی ہے' وہ مر جاتی ہے اور زندگی کو ابلق گھوڑی کی شکل میں پیدا کیا گیا ہے کہ جب کسی چیز پر اس کا گزر ہوتا ہے اور اس کی بو اس کے نتھنوں میں پہنچتی ہے' زندہ ہو جاتی ہے اور اسی وجہ سے صحیح حدیث پاک میں آیا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کے جنت اور دوزخ میں داخل ہونے کے بعد موت کو مینڈھے کی شکل میں لا کر ذبح کریں گے تا کہ دوزخیوں کا غم پر غم بڑھے اور بہشتیوں کو سرور پر سرور حاصل ہو۔ نیز سامری کے قصہ میں واقع ہوا ہے کہ اس نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ابلق گھوڑی پر سوار دیکھا تھا اور اس گھوڑی کے سم کے نیچے سے کچھ خاک اُٹھا کر اپنے پاس رکھی کہ سونے کے بچھڑے میں ڈال کر ایک طلسم بنایا اور اسے معبود قرار دیا۔

اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور جب آپ اس لفظ پر پہنچے کہ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تو ارشاد فرمایا: اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا واورع عن محارم اللہ واسرع فی طاعۃ اللہ یعنی حسن عمل سے مراد نوافل کی کثرت نہیں ہے بلکہ آداب کی رعایت اور محرمات سے نفس کی نگہبانی ہے اس لیے کہ نافرمانی جب اطاعت کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہے تو نیکی کے اثر کو کمزور کرتی ہے۔

پھر اس سلطنت کی عمارات اور بلند تعمیرات کے کارخانہ میں غور کرو اور بالکل ظاہر ہے کہ عالم ملک کے کمال کی انتہا آسمانوں کی پیدائش میں ہے اس لیے کہ عالم میں کوئی چیز مضبوطی' حسن انتظام اور قرائن کی رعایت میں اس کے برابر نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وہ با اقتدار بادشاہ جس نے ساتوں آسمان پیدا کیے ہیں تا کہ ہر آسمان کے واسطے سے جہان میں ایک خاص فیض نازل فرمائے اور لوگ اس فیض کو اس آسمان اور اس آسمان کے ستاروں اور اس آسمان سے متعلق روحوں کے ساتھ نسبت کریں اور فعل الٰہی اس پردے میں مخفی اور چھپا رہے جب کہ بادشاہوں کی عادت

ہے کہ اپنے فعل کو اپنے اہلکاروں کے افعال کے پردہ میں چھپا رکھتے ہیں اور دنیا کی کوئی نعمت نہیں ہے مگر اس کا مبدا اور اصل آسمان سے ہے اور آسمان کے رہنے والے ان نعمتوں کا فیض دینے میں واسطہ واقع ہوئے ہیں اور ان سات آسمانوں کو جدا جدا بنایا تاکہ جہان والوں کو اس فیض کے پہنچنے میں نزدیکی اور دُوری کا اختلاف واقع ہو بلکہ ان سات آسمانوں کو بنایا۔

طِبَاقًا تہ بہ تہ ہر آسمان اپنے نچلے آسمان کو محیط ہے اور جو فیض کہ نازل ہوتا ہے اعلیٰ کے نچلے کا احاطہ کرنے کے سبب سے اس فیض کا گزر نچلے آسمان اور جو کچھ اس کے اندر ہے اس کے اوپر سے صورت پکڑے اور ساتوں آسمانوں کے فیوض کا امتزاج سب کے ساتھ زمین والوں پر متحقق ہو۔ نیز ساتوں آسمانوں کو ایک ساتھ ایک دوسرے کے مطابق کر دیا تاکہ بعض کے بعض کے ساتھ موافقت کی وجہ سے کائنات کے احکام میں خلل اور تضاد اور خرابیاں رونما نہ ہوں اور یہ عجیب تدبیر کائنات کی تکمیل اور حسن اعمال کے مفاسد کا موجب ہو۔ اسی لیے

مَاتَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمَانِ تو عام رحمت والے خدا کی تخلیق میں نہ عالم علوی میں نہ عالم کون و فساد میں مِنْ تَفَاوُتٍ کوئی تفاوت دیکھتا ہے؟ حکمت کی رعایت، حسن انتظام اور ہر چیز سے مطلوب تاثیروں کے صادر ہونے میں ہاں جو تفاوت کہ ہے صور نوعیہ کی طبیعتوں میں اختلاف اور اختیار والی چیزوں کے جذبات اور ارادوں میں اختلاف کی وجہ سے ہے اور یہ تفاوت حکمت اور جہانداری کے تقاضوں کے عین مطابق ہے اگر یہ تفاوت نہ ہوتی، عجیب تاثیریں اور حیران کن ترکیبات نمودار نہ ہوتیں۔

اور اے سننے والے! اگر اس امر میں تجھے کوئی شک ہے اور تو اس تفاوت کو حکمت کی رعایت میں تفاوت کا موجب نہیں سمجھتا فَارْجِعِ الْبَصَرَ پس اپنی نگاہ کو عالم بالا کی طرف پھیر کہ کائنات اور فاسدات کا مبدا وہی ہے اور جب تک کسی شے کے مبدا میں خلل نہیں پڑتا اس شے میں خلل کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ کیا تو اس عالم بالا میں کوئی شگاف دیکھتا ہے جو کہ فعل اور

رعایت حکمت کے اتفاق پر دلالت نہ کرے اور اگر تجھے اس ایک بار کے دیکھنے سے تسلی خاطر حاصل نہ ہو تو کہے کہ پہلی نظر حماقت ہے۔

ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ اس عالم کے احوال میں اپنی عقلی چشم کو پھر لوٹا کَرَّتَيْنِ تکرار سے يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا تیری نظر تیری طرف پھرے گی دُھتکاری ہوئی گویا اللہ تعالیٰ کی حکمت کے دلائل ہر طرف سے کوتاہی طلب کرنے والے کو دُھتکارتے ہیں۔

وَّهُوَ حَسِيْرٌ اور وہ نظر تھکی ہوئی اور عاجز ہوئی ہوگی۔ پس یہ امر اس بات پر صریح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز میں حکمت کو پسند کرتا ہے تو تمہارے اختیاری اعمال میں بھی اسی کو پسند کرتا ہے کہ ممکن حد تک اچھے طریقے سے واقع ہوں کہ کسی طرح بھی ان میں حکمت کی مخالفت اور رخنہ پیدا نہ ہو تا کہ بقدرِ امکان اپنے خالق کے ساتھ مشابہت حاصل کر لے۔

اور اس آیت میں اسم ذات کی بجائے لفظ رحمٰن اس وجہ سے لایا گیا ہے کہ عام پیدائش میں حکمت کی رعایت تمام نعمتوں کا مبدا ہے اور یہ عام انعام صفت رحمانیت کا اثر ہے جو کہ عموم رحمت کے معنوں میں ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ آسمان کا جوہر بسیط ہے اور جواہر عناصر اور عناصر کے مرکبات سے وراء ہے۔ پس جس طرح پانی' آگ' ہوا اور خاک کو نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں چیز سے مرکب ہو کر آیا اسی طرح آسمان کو بھی نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں جوہر سے مرکب ہے اور جو کعب احبار وغیرہ سے روایات آتی ہیں کہ آسمان دنیا پانی کی موج ہے جو کہ معلق کھڑی ہے اور دوسرا آسمان سفید مروارید سے ہے' تیسرا آسمان لوہے سے' چوتھا تانبے سے' پانچواں چاندی سے' چھٹا سونے سے اور ساتواں آسمان سرخ یاقوت سے ہے تو یہ تشبیہ و تمثیل کے طریقے پر ہے یعنی اگر آسمانی جواہر کو دنیا کے معلوم جواہر پر مطابقت اور تمثیل دیں تو یہ جوہر فلاں آسمان کے مشابہ اور مانند ہے جس طرح اسی مطابقت اور تشبیہ کی وجہ سے سورج کو سونے کا اور چاند کو چاندی کا خیال کرتے ہیں اور دن کو سفید اور رات کو سیاہ کہتے ہیں۔

اور جب رعایت حکمت اور عالم بالا کی اونچی عمارات جو کہ بمنزلہ بادشاہی تخت کے ہے اور نچلا عالم جو کہ کائنات اور فاسدات پر مشتمل ہے اس عالم بالا کی نسبت شہر میں رعایا کے گھروں کے مرتبے میں ہے کے کارخانہ میں عمل کے اتفاق کے بیان سے فارغ ہوئے اب فرمایا ہے کہ حکمت کو پورا کرنے اور ان خاص عمارات میں حسن ذاتی کا کامل کرنے کے علاوہ ہم نے عرضی خوبیوں اور زینتوں کو بھی کامل فرمایا ہے اور ان محاسن اور زینتوں کو اعداء پر قہر اور چوروں سے پہرے کا سبب بنایا کہ ان خاص محلات کے قریب پھٹک نہیں سکتے اور یہ تدبیر انتہائی عجیب ہے کہ ایک چیز میں زینت اور سلطنت کی رونق بھی ہو اور دشمنوں پر قہر اور فسادیوں کو سزا بھی اور کسی بادشاہ کو ایسی تدبیر نہ آئی۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا اور تحقیق ہم نے زمین سے نزدیک آسمان کو زینت بخشی ہے کہ چانداس میں گڑا ہے بِمَصَابِيْحَ بے شمار چراغوں کے ساتھ جو کہ اس آسمان کے اوپر درجہ بدرجہ معلق ہیں' ثوابت کرسی میں' زحل ساتویں آسمان میں' مشتری چھٹے آسمان میں' مریخ پانچویں میں' سورج چوتھے میں' زہرہ تیسرے میں' عطارد دوسرے آسمان میں اور ان تمام چراغوں کی شعاع نچلے آسمان میں ہو کر اسے بہت زیادہ زینت بخشتی ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کسی مکان کو چراغاں کے ساتھ زینت دینا اس پر موقوف نہیں کہ وہ سب چراغ اس مکان میں رکھے ہوئے ہوں بلکہ معمول بھی نہیں بلکہ مکان کو چراغاں کے ساتھ زینت دینے کا یہی طریقہ ہے کہ اس مکان کے اوپر لڑیوں میں یا بلند طاقوں میں قندیلیں لٹکاتے ہیں تاکہ اس چراغاں کی شعاع اس پورے مکان میں پھیلے اور اگر چراغاں کو اس مکان کے اندر رکھیں تو اس چراغاں کی شعاعیں اس مکان میں نہ پھیلیں تو اس آیت سے ستاروں کا نچلے آسمان میں ہونا سمجھنا عرف کے خلاف ہے اور درحقیقت ستاروں کے تمام انوار کے ساتھ تزئین و آرائش اسی آسمان کو حاصل ہے جو کہ سب سے نیچے ہے اور سب کی شعاعوں کی جلوہ گاہ ہوا خصوصاً زمین والوں کی نظر میں آسمانوں کے

صاف شفاف ہونے کی وجہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب ستارے اسی آسمان میں ہیں اور زینت میں یہی امر معتبر ہے کہ لوگوں کے دیکھنے کے مطابق ہو نہ یہ کہ واقعی ہو۔ اسی لیے چاندی پر سونے کا جڑاؤ کرتے ہیں اور ملمع کرتے ہیں تاکہ دیکھنے میں خوبصورت لگے اور ایک چراغ کو ہزاریں آئینہ میں دیکھتے ہیں تاکہ بے شمار چراغ نظر آئیں اور زینت حاصل ہو۔

اور آسمان دنیا کی تخصیص اس وجہ سے فرمائی ہے کہ آسمان دنیا عالم بالا کے دروازے کی طرح ہے کہ بادشاہی کے تخت کا حکم رکھتا ہے اور دروازے کو زیب و زینت کرنا اور اس پر پہرے داروں' چوکیداروں کو مقرر کرنا اور وہاں توپ اور گولہ مہیا رکھنا شاہانہ انتظام کے مطابق ہے۔ نیز اس آرائش میں اس بات کا اشارہ ہے کہ میں آدمی کو بھی ان درجوں کے ساتھ زینت بخشتا ہوں جو فی الحال اس کی قدر سے زیادہ ہوتے ہیں اور درحقیقت وہ مرتبے اس کے فوقانی ارباب کے مرتبے ہیں کہ اس میں ظہور کرتے ہیں تاکہ اس میں جن چیزوں کی قوت سپرد کی گئی ہے' انجام کار وہ فعلیت اور ظہور میں آئے۔

وَجَعَلْنَاهَا اور ہم نے اس چراغاں کو کر دیا توپ کے گولوں کی طرح کہ ہو جاتے ہیں رَجُوْمًا لِّلشَّيَاطِيْنِ شیطانوں کو سنگسار کرنے کا سبب جو کہ خبروں کی چوری اور عالم بالا کی تدبیروں کی جاسوسی کے لیے جاتے ہیں تاکہ ان خبروں اور تدبیروں کو زمین کے لوگوں تک پہنچائیں اور ان کے اعمال کو خراب کریں اور اپنے آپ کو ان کے نزدیک عالم الغیب اور تدبیرات الٰہیہ میں شریک ظاہر کریں اور ان سے عبادتیں قربانیاں اور اُجرتیں اپنے لیے اور اپنے دشمنوں کے لیے طلب کریں۔

شیاطین کے رجم کا طریقہ

اور ستاروں کے ساتھ شیطانوں کی سنگساری کا طریقہ یہ ہے کہ فرشتے ستاروں کی شعاعوں سے جو کہ آسمانِ دنیا میں جمع ہوئی ہیں' ایک آگ جلاتے ہیں اور اس آگ کو ہر آسمانی راز چرانے والے شیطان کے پیچھے بھگاتے ہیں اور آسمانِ دنیا کی خصوصیت اس وجہ سے ہے کہ چونکہ اوپر کے آسمانوں کے نیچے کوئی ایسا جہنم نہیں ہے جو کہ ستاروں کی

شعاعوں کو گرم کرنے کی کیفیت کے قابل ہو تا کہ اس قابلیت رکھنے والے جسم میں تاثیر کریں اور گرم کریں اس لیے کہ فاعل' قابل کے بغیر مؤثر نہیں ہو سکتا۔ بخلاف آسمانِ دنیا کے کہ اس کے نیچے اس کیفیت کو قبول کرنے والی لطیف ہوا اور اوپر چڑھنے والے بہت سے بخارات موجود ہیں اور یہی وجہ ہے کہ سورج کی شعاع جب زمین اور پتھر پر پڑتی ہے تو بہت گرم ہوتے ہیں جبکہ اجسام فلکیہ میں بلکہ کرۂ ہوا کے طبقات میں بھی قابل کے تصور کی وجہ سے اس کی اپنی گرمی ظاہر نہیں ہوتی پس اگر کہا جائے کہ ہم نے زمین اور پتھر کو سورج کی شعاعوں کی وجہ سے جلانے اور پکانے کے قابل بنا دیا ہے باوجودیکہ سورج کے جسم سے بہت دُور ہیں تو بالکل صحیح ہے۔

اور وہ جو حکماء نے کہا ہے کہ شہابوں کی حقیقت یہی جلانے والے بخارات ہیں تو اس کا معنی یہ ہے کہ اس تاثیر کو قبول کرنے والے یہی بخارات ہیں نہ یہ کہ انہیں ستاروں کی شعاعوں کی ضرورت نہیں یا فرشتوں کو ان شعاعوں کے ساتھ ان بخارات کو روشن کرنے میں کوئی دخل نہیں اس لیے کہ اگر جلے ہوئے بخارات کرۂ نار میں داخل ہونے کی وجہ سے خود بخود جل جاتے تو لازم تھا کہ اوپر چڑھنے میں زیادتی قبول کرتے اور خطِ مستقیم پر اوپر جانے والی حرکت کرتے اس لیے کہ اس صورت میں ان کی حرکت محیط طبعی کی سمت کو ہوتی حالانکہ اکثر اوقات جلنے کے بعد بخارات نازل ہوتے ہیں اور کبھی دائیں بائیں بھاگتے ہیں اور حرکات قسریہ جو کہ خود مختار ہونے کے ارادے کو توڑتی ہیں' ان میں بالکل ظاہر محسوس ہوتی اور نظر آتی ہیں جیسا کہ تجربہ اور گہری نظر رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں ہے۔

وَاَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ اور ہم نے ان شیطانوں کے لیے مہیا کیا ہے اس خبروں کی چوری کے سوا جس کا مقصد بنی آدم کو گمراہ کرنا ہے' ان کے دوسرے گناہوں کی وجہ سے

عَذَابَ السَّعِيۡرِ جہنم کی آگ کی جلن کا عذاب اگرچہ وہ بھی آگ سے پیدا کیے گئے ہیں پس ان کے مادے کو انہیں کی صورت پر مسلط کرتے ہیں تا کہ عذاب دیں اس لیے کہ جب تک صورت مادہ پر مسلط ہے' کام طبیعت کے مطابق ہے اور جب مادہ

صورت پر مسلط ہوا تو بنیاد اور افعال میں خلل لازم ہوا جس طرح کہ بیماریوں کے پیدا ہونے میں تجربہ اور امتحان کیا گیا ہے کہ خون اور دوسری اخلاط کے غلبہ کی وجہ سے مزاج خراب ہوتا ہے اور افعال میں خلل پڑ جاتا ہے اگرچہ بدن کا مادہ یہی خون اور اخلاط ہیں۔

ایک جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ سورۃ کی ابتدا سے لے کر اس آیت تک کلام کی بناء غیب پر رکھی گئی اور اپنی ذات پاک کا ذکر غائب کے صیغے کے ساتھ فرمایا اس آیت میں غیبت سے متکلم کی طرف التفات کیوں فرمائی گئی اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے ایسا ایسا کیا' انداز کے اس بدلنے میں نکتہ کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ابتدائے سورۃ سے لے کر اس آیت تک ان اوصاف کا ذکر فرمایا گیا جو کہ مخلوق سے مقصود نہیں ہو سکتے۔ یعنی خلق' موت' حیات سات طبقوں والے آسمانوں کو پیدا کرنا پس متکلم کو معین کرنے کی ضرورت نہ تھی کہ ہر عقل مند جانتا ہے کہ یہ کام خدائی کام ہیں جبکہ اس آیت میں جو کام ذکر فرمائے گئے ہیں یعنی مکانات کو قندیلوں اور چراغاں کے ساتھ زینت دینا' دشمنوں پر پتھر پھینکنا اور اپنے دشمنوں کے لیے سزا کے اسباب مہیا رکھنا اس قسم سے ہیں کہ آدمی یہی کرتے ہیں۔ پس متکلم کی تعریف جو کہ تعریف کے انتہائی درجات تک پہنچی ہے' ضروری ہوئی تا کہ شبہ کی گنجائش نہ رہے۔

اور تفسیرات عجیبہ میں سے وہ تفسیر ہے جو کہ بعض مضبوط فقہاء نے اس آیت میں کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ رجوما بوگس خیالات کے معنوں میں جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص رجما بالغیب باتیں کرتا ہے یعنی بے اصل گمان فاسد کرتا ہے اور شیاطین سے مراد نجومی ہیں جو کہ اپنی جھوٹی خبروں کے ساتھ لوگوں کو' جسے پہلے لاتا ہے' اسے مؤخر کرنے اور جسے مؤخر کرتا ہے اسے پہلے لانے میں گرفتار کرتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں اوہام اور وسوسوں کو راہ دیتے ہیں۔ پس اس آیت کا معنی یوں ہوا کہ ہم نے ان ستاروں کو نجومیوں کے لیے جھوٹ بولنے کے اسباب بنایا ہے اور ہم نے ان نجومیوں کے لیے جو کہ ستاروں

[illegible]

جلن کا عذاب مہیا کیا ہے وَلِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اوران لوگوں کے لیے جو کہ اپنے پروردگار کے ساتھ کافر ہو گئے ہیں' ان شیطانوں کے گمراہ کرنے کی وجہ سے ایک اور عذاب ہے جو کہ قسم قسم کے دُکھ اور تکلیف کو جمع کرنے والا ہے اس لیے کہ انہوں نے بھی اپنے پروردگار کے ساتھ کفر کر کے بدی کی کئی قسموں کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے اور وہ عذاب

عَذَابُ جَهَنَّمَ جہنم ہے جو کہ آگ کی جلن' زمہریر کی ٹھنڈک' طوق اور زنجیریں پہننے کے ساتھ ساتھ سانپوں اور بچھوؤں کے کاٹنے' زقوم' غساق اور غسلین کھانے' گرم کھولتا پانی اور پیپ پینے' چڑھائی پر چڑھائی وغیرہ ذالک کو جمع کرنے والا ہے۔

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ اور بہت بُری جگہ ہے لوٹنے کی وہ دوزخ۔ اس لیے کہ مکان کا بُرا ہونا یا اس مکان کی ذات سے ہے یا اس مکان میں رہنے والوں اور وہاں کے مالکان امر سے ہے مکان کی برائی جیسے تنگ اور ہوا کے بغیر مکان کہ یہ بُرائی اس کی ذات کی وجہ سے ہے اور جیسے کھلے فضا والے مکان کی بدی جس میں کوئی جن مسلط ہے اور وہاں ہر جانے والے کو ایذاء دیتا ہے جبکہ دوزخ میں دونوں قسم کی بدیاں جمع ہیں۔ دوزخ کی ذات اس میں سکونت کا قصد کرنے والوں کے ساتھ اس طرح پیش آتی ہے۔

اِذَآ اُلْقُوْا فِيْهَا جب یہ کفار اس دوزخ میں پھینکنے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں' تو مرحبا کہنے' استقبال اور تعظیم کرنے کی بجائے سَمِعُوْا لَهَا شَهِيْقًا اس دوزخ کی بہت مکروہ اور بلند آواز سنتے ہیں جیسے گدھے کی اونچی آواز۔ صرف فرق یہ ہے کہ گدھا اس قسم کی آواز کر کے چپ ہو جاتا ہے۔

وَّهِيَ تَفُوْرُ اور وہ دوزخ زیادہ جوش مارتی ہے جیسے دیگ جوش مارتی ہے اور یہ تیز آواز اور سخت نعرہ نکالنے سے اس کا غصہ اور غضب دُور نہیں ہوتا بلکہ ان کفار کو دیکھتے ہی اس کا غصہ اس قدر بڑھ جاتا ہے کہ

تَكَادُ تَمَيَّزُ قریب ہو جاتی ہے کہ پارہ پارہ ہو جائے اور کفار پر ٹوٹ پڑے۔ مِنَ الْغَيْظِ غصے کی شدت سے اس لیے کہ ان کفار نے بھی دوزخ کے پروردگار کو ناراض کیا تھا

اور اللہ تعالیٰ کے پیغام کو جو کہ رُسل علیہم السلام کی زبان پر ان کے پاس بھیجا گیا تھا' سنتے ہی خود بھی غضب ناک ہو جاتے تھے اور اپنے بتوں اور اپنے طور طریقے اور آئین کی حمایت میں جوش دِکھاتے تھے اور غصے کے وقت اس حالت کا سبب یہ ہے کہ غصے میں دل کا خون جوش میں آ جاتا ہے جبکہ قاعدہ ہے کہ جب خون جوش کرے اس میں حجم بڑھتا ہے اور اس کے اندازے کو فراخ کرتا ہے اور ظرفوں میں تناؤ پیدا ہو جاتا ہے یہاں تک کہ پھٹنے کے قریب ہو جاتے ہیں جس طرح کہ شدید خونی زخموں میں محسوس ہوتا ہے۔

اور اس مکان کے ساکن اور مالک اس قدر بد خلق اور طعن کرنے والے ہیں کہ صرف ایک طعنہ دینے اور ڈانٹنے پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ کُلَّمَا اُلْقِیَ فِیْهَا فَوْجٌ جب بھی اس دوزخ میں ایک گروہ ڈالا جاتا ہے جو ایک ہی گناہ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے یا ایک ہی شہر میں رہتے تھے یا ایک دوسرے کے ہم عصر تھے یا خود کو ایک نبی کی اُمت کہتے تھے اور اس نبی علیہ السلام کے قانون اور اس کے فرمان سے گزر گئے اور اگرچہ اس قسم کے بے شمار گروہ اسی دوزخ میں جمع ہوں گے لیکن ڈالنے میں پس و پیش کریں گے اس لیے کہ ان سے بعض پہلے ڈالنے کے مستحق ہیں اور بعض بعد میں ڈالنے کے قابل اور بعض نچلے طبقے کے مستحق ہیں جبکہ بعض اوپر کے طبقے کے لائق' قصہ مختصر وہاں کے مالک جو کہ دوزخ کے نگہبان ہیں اس میں ڈالتے ہی بغیر اس کے کہ سانس لینے کا موقع دیں' طعن و تشنیع کے ساتھ پیش آئیں گے۔

سَاَلَهُمْ خَزَنَتُهَا اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَذِیْرٌ ان سے پوچھیں گے دوزخ کے محافظ کہ کیا تمہارے پاس دنیا میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا جو تمہیں اس سیاہ مصیبت سے ڈراتا اور تم اپنے آپ کو اس سے بچانے کی فکر کرتے اس لیے کہ عقل مندوں کا کام یہی ہے کہ اگر کم درجہ اور ذلیل لوگوں سے بھی کسی خوف کی بات سنتے ہیں تو اس خطرناک امر سے اپنی حفاظت کی فکر کرتے ہیں چہ جائیکہ جب کوئی قابلِ اعتبار شخصیت ڈرائے اور ان محافظوں کی اس سوال سے نیت یہ ہے کہ جب انسان' رُسل علیہم السلام کے آنے کا انکار کریں تو غصے کی آگ بھڑکے اور ہم ان پر دست درازی کریں اور کافر بھی قرائن کی وجہ سے سمجھ

جائیں گے کہ سوال کا مقصد یہی ہے' مجبوراً سچائی اور راستی کی راہ اختیار کرتے ہوئے
قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَ نَا نَذِيْرٌ کہیں گے کیوں نہیں' ہمارے پاس ڈرانے والے ضرور آئے تھے اور ہم میں سے ایک گروہ بھی ان کی خبر پر یقین کر کے ان کے ساتھ متفق ہو کر ہمیں ڈراتا تھا جن کا ہم نے واعظ' ملا' پند گو اور نصیحت کرنے والے نام رکھا ہوا تھا۔
فَكَذَّبْنَا تو ہم نے سب کو جھوٹ کے ساتھ منسوب کیا حالانکہ ان کے پاس دلائل اور معجزات بھی تھے اور وہ ایک کلام کا نشان دیتے تھے کہ اسے حق تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور اس کلام میں دوزخ سے ڈرایا لیکن ہم نے قبول نہ کیا۔
وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اور ہم نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا ہے نہ امر و نہی' نہ وعدہ و وعید اور نہ پند و نصیحت۔ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ كَبِيْرٍ تم نہیں ہو مگر بڑی گمراہی میں کہ خدا تعالیٰ پر اس لیے بہتان باندھتے ہو تاکہ لوگ خدا کے گرویدہ ہو جائیں اور اس کی عبادت میں لگ جائیں اور جہاں میں فسق و فجور نہ رہے اور فتنہ' فساد' لڑائی اور جھگڑا رفع ہو جائے اور وہ جانتے ہیں کہ یہ بہتان عین اس کی مرضی اور اسے پسند ہے کہ ہم اس کے لیے کرتے ہیں اور ہم اس کی راہ میں کھنچتے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ افتراء باندھنا جس نیت سے بھی ہو' روسیاہی ہے اور اب ہمیں معلوم ہوا ہے کہ ہم خود بڑی گمراہی میں تھے کہ ہم نے سچوں کو جھوٹا قرار دیا اور خیر خواہی اور شفقت کرنے والوں کے ساتھ ہم نے بدگمانی کی اور ان کی بات تک نہ سنی اور ان کے حالات میں ہم نے غور و فکر اور عقل نہ کی کہ ان کی عزت کا میدان جھوٹ اور افتراء سے ہزاروں مرحلہ دور تھا۔

وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے وہ معجزات جو اس کی سچائی پر گواہی دیتے تھے' وعدہ اور وعید کی خبروں اور احکامِ شرعیہ سے گو ہماری عقل میں نہ آئیں۔ اَوْ نَعْقِلُ یا ہم عقل کے ساتھ ان چیزوں کا حسن اور سچائی دریافت کر لیتے جو انبیاء نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں پہنچائیں۔ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ تو آتشِ دوزخ کے ملازموں میں نہ ہوتے جو کہ ہم پر یہ ظلم کر رہے ہیں اور جب تکلیفاتِ الٰہیہ کے دلائل یہی

دو قسم ہیں: سمعی اور عقلی تو سمعیات اور عقلیات میں غور و فکر نہ کرنے پر حسرت کریں گے۔

اور بعض مفسرین نے سمع کو تقلید پر اور عقل کو تحقیق و اجتہاد پر محمول فرمایا ہے کہ دونوں نجات کی راہیں ہیں اور صاحب کشاف نے کہا ہے کہ **ومن بدع التفاسير ان المراد لو كنا على مذهب اهل الحديث او مذهب اصحاب الراى ما كنا فى جهنم** اس کے بعد معتزلی ہونے کے تعصب کی بناء پر اس تفسیر کو باطل کرنے میں بہت فضول باتیں کی ہیں جو کہ سب تعصب اور ناانصافی پر مبنی ہیں اس قابل نہیں ہیں کہ علماء ان باتوں کی طرف متوجہ ہوں۔ المختصر ان کفار نے موت کے بعد اس وقت ڈرانے والوں سے عبرت پکڑی اور اپنے گمراہ ہونے کا اقرار کیا۔

فَاعْتَرَفُوْا بِذَنْۢبِهِمْ پس اپنے گناہ کے قائل ہوئے کہ ہم نے بلا وجہ انبیاء علیہم السلام اور واعظوں کا انکار کیا اور معجزات اور مضبوط دلائل کی طرف سے روگردانی کی اور ہم عقل کے تقاضوں سے دُور رہے لیکن اس وقت ڈرنا اور قائل ہونا انہیں مفید نہیں ہوگا۔

فَسُحْقًا لِّاَصْحٰبِ السَّعِيْرِ تو اس وقت دُور گرنا اور دُور رہنا ہے' آگ والوں کے لیے نجات' چھٹکارا پانے' اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم اور رحمتِ رحمانیہ سے' اس ڈرنے اور اقرار کرنے کی وجہ سے بحرِ رحمت ہرگز جوش میں نہیں آئے گا اور ان کے گناہ بخشے نہیں جائیں گے۔ ہاں!

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ تحقیق وہ لوگ جو غائبانہ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں' دوزخ کا عذاب دیکھے بغیر اور اس کی تیز آوازیں سنے بغیر اور دوزخ کے موکلوں کی ڈانٹ ڈپٹ کے بغیر کہ ان کاموں کی ابتدا موت کے وقت اور بدن سے روح کے جدا ہونے سے ہوتی ہے اور اگرچہ وہ خواہشِ نفسانی اور غضب نفسانی کے غلبے کی وجہ سے بُرے اعمال کے مرتکب ہوئے تھے لیکن ڈرنے کے وقت جو ڈر کہ وہ رکھتے تھے اور وہ ڈر بُرائی کے ارتکاب کے بعد انہیں ندامت اور شرمساری کا موجب ہوتا تھا۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ ان کے لیے بخشش ہے' ان گناہوں کی جو انہوں نے شہوت اور غضب کے غلبہ کی وجہ سے کیے۔

وَاَجْرٌ كَبِيْرٌ اور بہت بڑا اجر ہے اس ڈرنے' نادم ہونے اور شرم ساری اُٹھانے پر جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۔

اور واقع میں پروردگار کی ذات پاک کے لائق یہی ہے کہ اس سے غائبانہ ڈرنا چاہیے کہ کسی شخص سے غائب ہونا اس وقت امن اور بے خوفی کا موجب ہوتا ہے کہ اسے غائب ہونے کی صورت میں اس شخص کے اقوال اور افعال کی اطلاع نہ ہو جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک علام الغیوب ہے' کوئی چیز اس کے علم کے احاطہ سے غائب نہیں ہے اس حد تک کہ ظاہر اور پنہاں اس کے حضور برابر ہے۔

وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اور اپنی بات کو چھپاؤ اَوِ اجْهَرُوْا بِهٖ یا کھلے عام بلند آواز سے کہو' وہ ان دونوں باتوں کو جانتا اور سنتا ہے۔ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ تحقیق اللہ تعالیٰ دلی فطرات کو جاننے والا ہے جو کہ سینوں کے اندر ہیں۔

اکثر مفسرین نے روایت کی ہے کہ کفار قریش اپنی محفلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کے بارے میں طعن اور بدگوئی کرتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی والہام کے ذریعے اس کی اطلاع ہوتی تھی اور ملاقات کے وقت آپ ان کفار کو آگاہ فرماتے کہ تم نے فلاں دن فلاں مجلس میں میرے حق میں یوں کہا' مناسب نہ تھا اس کے بعد کفار نے باہمی پابندی کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن اور بدگوئی بلند آواز سے نہیں کرنی چاہیے اس گماں سے کہ شاید آپ کے معتقدین میں کوئی یہ سُن کر آپ کو پہنچا دیتا ہے' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھیجی اور ارشاد فرمایا کہ یہ علم الٰہی ہے جس میں چھپا اور ظاہر برابر ہے بلکہ جو کچھ دل میں چھپا ہے' وہ بھی ظاہر ہے اور اگر تمہیں بعید معلوم ہو کہ قرب اور حاضر ہونے کے بغیر ہمارے اقوال اور افعال کا ادراک کیسے کیا جا سکتا ہے' خصوصاً ان چیزوں کو جو ہم دل میں چھپا رکھتے ہیں اور زبان پر بالکل نہیں لاتے' کیسے جانتا ہے' ہم کہتے ہیں۔

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ کیا وہ نہیں جانتا کہ جس نے ان دلی خطرات کو تمہارے دلوں میں اور ان اقوال اور کلمات کو تمہاری زبانوں پر اور ان حرکات و سکنات کو تمہارے اعضاء

پر پیدا کیا ہے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ کسی چیز کو پیدا کرنا اس چیز کے حالات کی تفصیلات کو جانے بغیر ممکن نہیں اور اگر تم کہو کہ ان چیزوں کو اپنے میں ہم خود پیدا کرتے ہیں نہ کہ خدا جیسا کہ معتزلہ اور فلاسفہ کہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اس قدر تو معتزلہ وفلاسفہ کے نزدیک بھی مانی ہوئی بات ہے کہ مجردات کو واقع ہونے والی اشیاء کا علم ضروری ہے۔

وَهُوَ اللَّطِيْفُ اور وہ یعنی اللہ تعالیٰ مجردات سے لطیف ترین ہے کہ مادہ سے کسی وجہ سے بھی تعلق نہیں رکھتا تو اس قسم کے مجرد کے لیے نفس الامری حقائق کے ادراک سے کسی مانع کا تصور نہیں ہے ہاں ان حقائق کی طرف توجہ اور التفات ان حقائق کے حاضر کرنے کی شرط ہے جبکہ اللہ تعالیٰ

الْخَبِيْرُ خبردار ہے کہ جہان کے ذروں میں سے ہر ذرے کے احوال پر توجہ فرماتا ہے اور اسے کسی ذرہ کے حال سے ذہول اور غفلت کبھی رونما نہیں ہوتی پھر اس کی بادشاہت کے کارخانوں میں سے ایک اور کارخانے پر نظر کرو۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا وہ وہی بادشاہ فیاض آباد فرمانے والا ہے کہ جس نے تمہارے لیے زمین کو رام اور مسخر کر دیا ہے اور تمہیں زمینداروں اور جاگیرداروں کی طرح اس زمین میں آباد کیا اور زمین میں جو کچھ کانیں، چشمے، قوتِ نامیہ کارآمد حیوانات جیسے گائے، اونٹ، گھوڑا اور گدھا سب کو تمہارے قبضے میں دے دیا تاکہ ان جانوروں سے خدمت لے کر زمین کی کانوں کو باہر لاؤ اور کھیتیاں اور پھل اگاؤ اور کنویں اور چشمے جاری کرو اور عمارتیں مرتب کرو۔

فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا پس چلو زمین کے کندھوں پر تجارت اور ایک ملک کی جنس کو دوسرے ملک تک لانے اور سیر وتماشا اور ہر ملک کی آب و ہوا اور خاصیتوں کو پہچاننے کے لیے وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ اور اس کے دیئے ہوئے رزق کھاؤ جو تمہیں زمین سے عطا فرماتا ہے تو تم اس معاملہ میں مزارعوں اور عاملوں کی طرح ہوگئے کہ تمہاری تنخواہ بھی تمہارے کام سے ہی نکلتی ہے لیکن اس کے باوجود تم سے مطلوب یہ ہے کہ تم نے بادشاہ کا حق بھی ادا کیا ہو اور دوسرے تنخواہ داروں کو جو کہ مساکین، محتاج، یتیم اور بے کس ہیں اور

حکم حضور کی دستاویز کے ساتھ تم سے چاہتے ہیں بھی محروم نہ رکھو اس لیے کہ عملداری کی مدت ختم ہونے کے بعد آخر تمہیں اس زمین اور ان منافع سے گزرنا ہے۔

وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ اور اسی کی طرف زندہ ہو کر اُٹھنا ہے اور وہ تم سے ایک ایک جو کا حساب لے گا اور حقوق ضائع کرنے پر تمہاری پکڑ دھکڑ ہوگی اور اس بات پر دھوکہ کھائے ہوئے ہو کہ زمین کا مالک ہمیں بنایا ہے اور زمین ہم پر چھوڑ دی ہے اور اس کی فوج اور لشکر جو کہ فرشتے اور ارواح مدبرہ ہیں' سب آسمان میں ہیں اور آسمانوں کی ہم سے ہزاروں سال کی مسافت ہے اگر فرشتے اور ارواح چاہیں کہ ہمارے گناہوں پر ہمیں تنبیہ کریں تو نہیں کر سکتے اگرچہ تنبیہ کے متعلق انہیں حکم الٰہی پہنچے۔

ءَاَمِنْتُمْ کیا تم بے خوف ہو گئے ہو اور ڈرتے نہیں ہو۔ مَنْ فِي السَّمَآءِ اس بادشاہ سے جس کی سلطنت کا ظہور اور اس کے احکام کے خدام آسمان میں ہیں اس گمان کی وجہ سے کہ آسمان سے ہمارا تدارک کیسے کر سکتا ہے کہ ہم تو زمین میں ہیں اور تمہارا یہ خیال نرا فاسد خیال ہے' بے خوف رہتے ہو۔ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ اس سے کہ تمہارے ساتھ زمین کو غرق کر دے جس طرح کہ اب تسخیر اور مطیع کرنے کی وجہ سے زمین کے کندھوں پر سوار پھرتے ہو' سمجھتے نہیں ہو کہ جس نے ہمیں زمین پر سوار کیا ہے ایسا بھی کر سکتا ہے کہ زمین کو ہم پر سوار کر دے۔

فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ پس اچانک وہ زمین ہلنے لگے اور دریا کی موج کی طرح موج مارے اور تم اس کی موجوں کے تلاطم کی وجہ سے زمین کے پیٹ میں پاش پاش ہو کر نیست و نابود ہو جاؤ اور اگر اس دلیل کے واضح ہونے کے باوجود اس کے دستِ تصرف کو زمین سے اس کے دارالسلطنت کے دُور ہونے کی وجہ سے چھوٹا جانو تو تم سے ایک اور بات پوچھتا ہوں۔

اَمْ اَمِنْتُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ آیا اس بادشاہ سے بے خوف ہو گئے ہو جس کی سلطنت کا ظہور آسمان میں ہے۔

اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا اس سے کہ تم پتھر برسانے والا بادل بھیج دے کہ پانی

کے قطروں کی بجائے اس سے پتھر برسیں جس طرح کہ رب پانی برساتا ہے اور زمین میں تمہارے رزق کی پیدائش کا سبب ہوتا ہے اور اگر بالفرض وہ بادشاہ تمہیں دنیا میں چھوڑ دے۔

فَسَتَعْلَمُوْنَ تو قریب ہے کہ تم جان لوگے سفر آخرت کی پہلی منزل میں کَيْفَ نَذِيْرِ کہ میرا ڈرانے والا کیا سچ بولنے والا تھا اور یہ کفار آپ سے اس ڈرانے کا یقین نہ کریں اور کہیں کہ زمین کا دھنسنا عادت کے خلاف ہے اور آسمانوں سے پتھر برسنا بھی کبھی واقع نہیں ہوا تو یقین سے جانیں کہ انہوں نے آپ کی تکذیب پر اصرار کیا۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور تحقیق ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے تکذیب کی تھی جیسے قارون اور لوط علیہ السلام کی قوم نے اسی قسم کے خلاف عادت عذابوں کی۔

كَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ تو کیا ہوا میرا انکار کرنا ان پر کہ میں نے قارون کو زمین میں دھنسا دیا اور وہ قیامت تک ایک طرف سے دوسری طرف کو دھنستا جا رہا ہے اور زمین اس کے بارے میں دریا کے حکم میں ہوگئی کہ غرق بھی کیا ہے اور اپنی موجوں کے تلاطم کے ساتھ اسے زیر و زبر بھی کرتی ہے اور لوط علیہ السلام کی قوم کے لیے آسمان کی طرف سے کنکر پتھر برسے جو کہ اوپر سے نیچے تک گزرتے ہی گئے اور اگر ان واقعات کو سننے کے باوجود بھی اس ڈرانے پر یقین نہ کریں اور کہیں کہ سنا ہوا دیکھے ہوئے کی طرح کب ہوتا ہے تو یقین جانیں کہ یہ کمال بے عقلی میں ہیں۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ کیا وہ ہوا میں اُڑنے والے جانوروں کو نہیں دیکھتے ہیں جو کہ پتھر کی طرح بھاری ہیں اور ان میں جو ہر زمینی غالب ہے اور ہر ثقیل شے اپنی حرکت میں نچلی سمت کو طلب کرنے والی ہے جبکہ وہ جانور حکم الٰہی کے ساتھ فَوْقَهُمْ ان کے سروں کے اوپر ہوتے ہیں ایک ایک یا دو دو نہیں تاکہ اس بات کا احتمال پیدا ہو کہ سنگ ریزے ہوا کی حرکت کے زور سے اُڑ گئے ہوں بلکہ

صَافّٰتٍ صفیں باندھے ہوئے سینکڑوں ہزاروں جس طرح کہ کبوتروں اور کونجوں

میں محسوس کیا اور دیکھا جاتا ہے اور اگر کہیں کہ یہ جانوروں کے پروں کی خاصیت کی وجہ سے ہے جو کہ ہوا میں تیرتے ہیں' مثل دوسرے جانوروں کے جو کہ پانی میں تیرتے ہیں۔ہم کہتے ہیں کہ اُڑنے کی حالت میں کبھی پروں کو کھول لیتے ہیں۔

وَيَقْبِضْنَ اور پروں کو سمیٹ بھی لیتے ہیں اور اس حالت میں بھی زمین پر نہیں گرتے تو معلوم ہوا کہ ان کی طبیعت کے حکم کے خلاف جو کہ نچلی حرکت کو چاہتی ہے' ہوا میں ان کی نگہداشت صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ ہے۔

مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ ہوا میں ان نگہبانی نہیں کرتا مگر وہ ذات جو کہ رحمانیت کے ساتھ موصوف ہے اور اس کی رحمانیت ان کے منافع ان تک پہنچانے کی متقاضی ہے اور وہ منافع ہوا کے طبقات میں امانت رکھے ہوئے ہیں تو جب تک ان کی ہوا میں نگہداشت نہ کی جائے' وہ اس کے منافع کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی ضرورت کو دیکھتا ہے اور غیبی تدبیر کے ساتھ انہیں ہوا کے طبقے میں پہنچاتا اور نگہداشت فرماتا ہے۔

اِنَّهٗ بِكُلِّ شَيْءٍۭ بَصِيْرٌ تحقیق وہ ہر چیز کو دیکھنے والا ہے اس کے نفع ونقصان کو جانتا ہے اور اسے منافع حاصل کرنے اور نقصان دُور کرنے کی تدبیر سکھاتا ہے پس ان جواہر ارضیہ کی ہوا میں نگہداشت دونوں چیزوں پر اس کی قدرت کی دلیل ہے اس لیے کہ خسف کی حقیقت بھی زمینی اجزا کو ہوا کی مداخلت کے ساتھ حرکت دینا ہے اور آسمان سے پتھر برسنا بھی موقوف ہے' زمین کے سخت شدہ اجزا کو اوپر لے جانے اور ان اجزا کی اس وقت تک کہ پتھر کی صورت پورے طور پر قبول کر لیں نگہداشت پر پھر انہیں ان کی طبیعت پر چھوڑ دینا تاکہ اپنے طبعی تقاضے کی وجہ سے زمین پر گر پڑیں بلکہ اگر غور کیا جائے تو اُڑنے والے جانوروں کا حال ان دونوں چیزوں سے زیادہ عجیب ہے اس لیے کہ اگر کوئی شخص اپنے آپ کو کرۂ ہوا میں خیال کرے اور ہوائی جانوروں کا اجتماعی طور پر اور ایک دوسرے کے پیچھے اُڑنا ملاحظہ کرے تو یقین جانے کہ زمین کی طرف سے ایک بادل اُٹھ کر سنگ باری کرتا ہے اور زمینی اجزا آسمان کی طرف دوڑتے آتے ہیں جبکہ خسف اور

آسمان سے سنگ باری اس قدر عجیب وغریب نہیں ہے اس لیے کہ زمینی اجزا ہر صورت میں نچلی سمت کو حرکت کرتے ہیں تو معلوم ہوا کہ آسمان اور زمین کے بادشاہ کی پکڑ سے بے خوف ہونا اور نہ ڈرنا اس کے عاجز ہونے کے وہم کی بناء پر نہیں بلکہ مقابلہ ممکن ہونے کے وہم کی بناء پر ہے تو ان سے پوچھنا چاہیے کہ

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ آیا کون ہے اس قسم کا شخص جو تمہارا لشکر ہو اور تمہارے نوکروں کی طرح تمہارے مخالف سے جنگ کے لیے وقت پر حاضر ہو جائے۔

یَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ تمہاری مدد کرے' رحمان کے مقابلہ میں آ کر۔

اور اگر یہ لوگ جہالت اور حماقت کے طریقے پر کہیں کہ ہاں ہم نے اپنے معبودوں اور شیطانوں کا ایک لشکر جمع کر لیا ہے جو کہ ضرورت کے وقت خدا تعالیٰ کے عذاب کو ہم سے دُور کر سکتا ہے تو یقین جان کہ

اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ نہیں ہیں یہ کفار مگر دھوکے میں جو کہ بظاہر ہر حقیقت سے دھوکہ کھا گئے ہیں اور اسباب کو مسبب کے مقابلہ میں کرتے ہیں۔

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ یَرْزُقُكُمْ آیا کون ہے اس طرح کا آدمی جو تمہیں روزی دے۔

اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ اگر حق تعالیٰ اپنے رزق کو بند کر دے اور اس کے اسباب بارش' ہوا' سورج' چاند' بیج اور بیل اُٹھا لے اور ظاہر ہے کہ جب رزق کا ایک سبب جو کہ بارش ہے' بند ہو جاتی ہے' ان کے بتوں اور معبودوں میں سے کوئی بھی ان کی فریاد کو نہیں پہنچتا اور اس بند شدہ سبب کو نہیں کھولتا' دوسرے اسباب تک کیا پہنچے گا تو معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے مقابلے کا امکان بھی خیال باطل ہے لیکن وہ اپنے جھوٹے مقدمات کے باطل ہونے کا کھوج نہیں لگاتے۔

بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ بلکہ عناد اور حق کو قبول کرنے سے نفرت میں جھگڑا کرتے ہیں جبکہ امر کی حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے سیدھی راہ کو گم کر دیا ہے اور اپنی نظر کو سفلی اسباب پر جما کر مسبب الاسباب سے بالکل غافل ہو چکے ہیں تو ان سے پوچھنا چاہیے۔

اَفَمَنْ يَّمْشِىْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ آیا وہ جو اپنے چہرے کے بل گرا اُلٹا چلتا ہے کہ سفلی چیزوں یعنی زمین اور جو کچھ اس پر ہے کے سوا دیکھتا ہی نہیں۔ اَهْدٰۤى زیادہ راہ پانے والا ہے اَمَّنْ يَّمْشِىْ سَوِيًّا یا وہ جو سیدھا چلتا ہے اور آسمان، ستارہ، علم اور منارہ سب کچھ اس کی نظر میں ہے جس طرح توحید کو ماننے والا اپنی نگاہ مسبب الاسباب پر رکھتا ہے اور وہ اس ملاحظہ کی وجہ سے عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ سیدھی راہ پر قائم ہے کہ اسباب کو اسمائے الٰہیہ کے مظاہر سمجھتا ہے جبکہ حق تعالیٰ کو اسباب کے نزدیک مؤثر مانتا ہے نہ مؤثر بشرط اسباب اور اس کے باوجود امور کی ترتیب میں حکمت کی رعایت فرماتا ہے اور ان اسباب پر اعتماد کیے بغیر اسباب کو سببیت عطا فرماتا ہے، بخلاف اس شخص کے جس نے صرف مسبب پر نظر جمائی اور اسباب کو اعتبار کے درجہ سے بالکل گرا دیا کہ اس نے کارخانۂ حکمت کو دریافت نہ کیا اور اعتدال کی راہ سے باہر نکل گیا اور اگر ان واضح تقریروں کے ساتھ بھی حقیقت کار کا سراغ نہ لگائیں تو انہیں سمجھانے کے لیے ایک اور راستہ اختیار کیجیے۔

قُلْ هُوَ الَّذِىْۤ اَنْشَاَكُمْ کہہ دیجیے کہ وہ ایسا مسبب الاسباب ہے جس نے تمہیں عدم کے پردے سے پیدا فرمایا اور اس وقت تمہارے وجود کا تقاضا کرنے والا کوئی سبب نہ تھا اس لیے کہ پیدا ہونے کے اسباب کی انتہا والدین کا جماع ہے اور بالکل ظاہراً معلوم ہے کہ والدین کے جماع کی بیٹا پیدا کرنے میں کوئی تاثیر نہیں ہے، کئی سال یہ عمل جاری رہتا ہے اور وہ اولاد کی آرزو میں ہوتے ہیں اور نہیں ملتی اور قویٰ دینے اور قویٰ کے مقام کو پیدا کرنے میں خود اس جماع کی تاثیر کا کوئی تصور نہیں۔ تو وہی ہے کہ جس نے تمہیں پیدا بھی فرمایا۔

وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ اور بنایا تمہارے لیے سماعت، بصارتوں اور دلوں کو کہ ان تینوں چیزوں کی وجہ سے تم نے اشیائے عالم کی دریافت شروع کی اور انہیں چیزوں کے ساتھ اسباب کی سببیت کا سراغ لگاتے ہو اگر یہ چیزیں نہ ہوتیں تو تم اسباب کو کبھی اسباب نہ سمجھتے۔ پس درحقیقت تم نے اسباب کو اسباب بنایا ہے ورنہ

افعالِ الٰہی ایک دوسرے کے بغیر ہوتے چلے جاتے۔

قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ بہت کم شکر کرتے ہو تم اس لیے کہ یہ دونوں حواس اور دل جو کہ عقل و شعور کا مقام ہے، تمہیں اس لیے دیئے گئے تھے کہ اس کی توحید اور تاثیر میں منفرد ہونے کا حق ادا کرو اور اسباب کو اس کی حکمت کے مظاہر جانو جبکہ تم نے اپنے ان سب آلات کو اسباب کی پہچان میں اس قدر رنجا کر دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کو تاثیر میں منفرد سمجھنے سے محروم ہو گئے۔

اور اگر بالفرض وہ فہمائش کے اس طریقے سے بھی راہ پر نہ آئیں اور اسباب کی سببیت کے حقیقی ہونے کے اعتقاد پر اڑے رہیں تو ایک اور راستہ اختیار کیجیے اس موجب کے قول کی راہ اختیار کریں، قُلْ کہیے اگر وہ صحیح ہے جو تم کہتے ہو تو تمہارے اعمال بھی تمہاری جزا کا سبب ہوں گے اس لیے کہ

هُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ وہ ایسی قدرت والا ہے جس نے تمہیں پیدا کر کے پھیلا دیا ہے۔ فِي الْاَرْضِ زمین میں تاکہ اس میں تم سے قسم قسم کے اعمال سرزد ہوں۔ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ اور اسی کی طرف تمہارا حشر ہوگا تاکہ اپنے اعمال کی جزا پاؤ۔ پس تمہارے اعمال بھی اسباب میں سے ہیں تو تم انہیں معطل کیوں چھوڑتے ہو؟ اور بُرے کاموں سے نہیں ڈرتے ہو۔

وَيَقُوْلُوْنَ اور اس الزام کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم اعمال کو اس وجہ سے معطل چھوڑتے ہیں اور ان کی سببیت کا اعتقاد نہیں کرتے کہ اعمال کے آثار ہماری معلوم مدتوں میں ظاہر نہیں ہوتے مگر تم ان اعمال کے آثار کے ظہور کے لیے دُور دراز مدت کا وعدہ کرتے ہو اور جب تک اس وعدے کو معین نہ کرو، ہم کیسے یقین کریں۔

مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ کب ہوگا یہ وعدہ اگر تم سچ کہنے والے ہو تاکہ اگر اس وعدے کے مطابق حشر اور جزا واقع ہو جائے تو تمہارا سچا ہونا ظاہر ہو جائے ورنہ تمہارا جھوٹ واضح ہو۔ ان کی اس بات کے جواب میں

قُلْ کہہ دیجیے ہم اس وعدے کو معین نہیں کرتے اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ہمیں اس

کے معین کرنے پر آگاہ نہیں فرمایا۔ (غیوبِ خمسہ جن میں سے علم قیامت بھی ہے' کے متعلق صحیح یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم بھی عطا فرمایا اور جہاں اس کی نفی معلوم ہوتی ہے تو وہ آپ کو وقت قیامت کی خبر دینے سے پہلے کی بات ہے۔ چنانچہ تفسیر صاوی زیرِ آیت فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰهَا لکھا ہے۔ وھذا قبل اعلامه بوقتها فلاينافي انه عليه السلام لم يخرج من الدنيا حتي اعلمه الله بجمع مغيبات الدنيا والآخرة یعنی یہ آیت حضور علیہ السلام کو وقتِ قیامت کی خبر دینے سے پہلے کی ہے لہٰذا یہ اس قول کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ السلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا و آخرت کے سارے علوم دے دیئے۔ نیز یہی تفسیر زیرِ آیت يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَاللّٰهِ لکھا ہے المعنى لايفيد علمه غيره تعالىٰ فلاينافي ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لم يخرج من الدنيا حتى اطلع ماكان ومايكون وما هوكائن ومن جملته علم الساعة معنی یہ ہیں کہ علم قیامت اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا تو یہ آیت اس کے خلاف نہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا سے تشریف نہ لے گئے یہاں تک کہ رب تعالیٰ نے انہیں سارے اگلے پچھلے واقعات پر مطلع فرمایا' ان میں سے قیامت کا علم بھی ہے۔ مسئلہ علم غیب کی تفصیلات کے لیے دیکھیے الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ از حجۃ الاسلام اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور جاء الحق ج ا از حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خان صاحب گجراتی رحمۃ اللہ علیہ)

بلکہ اسے مبہم رکھا اور حکمت اس کے مبہم رکھنے میں ہے اس لیے کہ اگر اس وعدے کو اس کے مقدمات کے قریب ہونے کے پیش نظر قریب بیان کریں جو کہ ہر شخص کی موت کے بعد شروع ہو جاتے ہیں اور ہر شخص کی اَجل کو اس کے ساتھ معین کر کے نشان دے دیں تو کارخانۂ عالم بے کار ہو جائے اور ہر کسی کو اپنی اَجل کا خوف پریشان کر دے اور اگر اس وعدے کو اس کی انتہا کے پیش نظر جو کہ روزِ قیامت ہے' دُور بیان کریں تو لوگ بالکل بے خوف ہو جائیں اور ہر بُرے اعمال کرنے پر جرأت کریں اس لیے کہ انسان کی جبلت

ہے کہ اپنے زمانے سے دُور ہونے والے واقعات پر توجہ نہیں کرتا اور ان سے نہیں ڈرتا اس لیے اس علم کو مخلوقات میں سے کسی کے سامنے نہیں کھولا بلکہ

اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَاللّٰهِ اس کے سوا نہیں کہ اس واقعہ کا علم بلکہ ہر کسی کی اَجل کا علم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہے اور اس کے غیر کو اس پر اطلاع نہیں ہے۔

وَاِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ اور میں نہیں ہوں مگر ڈرانے والا' واضح کرنے والا کہ قطعی دلائل اور تصدیق کرنے والے معجزات کے ساتھ اس کے وقوع کو ثابت کرتا ہوں اور ان دلائل اور ان معجزات کے باوجود میری صداقت کو اس وقت کے بیان کرنے پر موقوف رکھنا کمال بے عقلی ہے اور اس کے باوجود اس کے وقت کو جاننا کافروں کے حق میں سخت نقصان دہ ہے۔ چنانچہ جب اس وعدے کا وقت آ پہنچے گا اور کافر بھی اس وقت زندہ ہو جائیں گے۔

فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً تو جب اس وعدے کو قریب آیا دیکھیں گے۔ سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ان لوگوں کے چہرے بگاڑ دیئے جائیں گے جنہوں نے کفر اختیار کیا اور سیاہی' دُھندلاہٹ' پھٹکار اور غبار آلودگی ان سب پر ٹوٹ پڑے گی۔

وَقِيْلَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تَدَّعُوْنَ اور کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جسے تم تاکید سے طلب کرتے تھے اور اگر یہ کفار کہیں کہ اگر یہ واقعہ جس طرح کہ تم کہتے ہو' درست ہے تو ہم اور تم سب کے سب ہلاکت کی آفت میں گرفتار ہو جائیں گے اور ہر کسی کی روح قبض ہوگی۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ فرما دیجیے آیا تم نے دیکھا اور غور کیا اِنْ اَهْلَكَنِيَ اللّٰهُ وَمَنْ مَّعِيَ اگر مجھے ہلاک فرمائے اللہ تعالیٰ اور انہیں جو میرے ہمراہ ہیں' موت کے ساتھ یا نفخۂ اولیٰ یا آخرت میں میرے ہمراہوں کو گناہوں کی شامت کی وجہ سے اَوْ رَحِمَنَا یا ہم پر مہربانی فرمائے کہ موت کے بعد سکون و راحت نصیب فرمائے اور نفخۂ اولیٰ تک اسی حال میں رکھے اور آخرت میں کوتاہیوں سے درگزر فرمائے تو تمہیں کیا فائدہ اور جب تمہارا ڈر ان چیزوں سے زائل نہیں ہوتا تو اپنے امن کی فکر کرو۔

فَمَنْ يُّجِيْرُ الْكَافِرِيْنَ پس کون ہے جو کافروں کو پناہ دے گا۔ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ دردناک عذاب سے۔

قُلْ کہہ دیجیے یہ ساری شقیں جو میں نے ذکر کی ہیں صرف تمہارا انکار ملاحظہ کیا ہے ورنہ میں اپنے طور پر نجات اور ثواب کا امیدوار ہوں اس لیے کہ هُوَ الرَّحْمٰنُ وہ کثیر الرحمت ہے۔ پس اس کی طرف سے کبھی رحمت کے خلاف واقع نہیں ہوتا مگر یہ کہ ہم کفر وعناد کریں اور اس کی رحمت کو غضب کے ساتھ بدل دیں یا اس کی توحید اور تاثیر میں انفرادیت کے قائل نہ ہوں اور بتوں اور دوسرے وہم پر مبنی اسباب کی سفارش پر اعتماد کر کے اس کی ناپسندیدہ چیزوں میں بے احتیاطی کریں اور ان معاملات میں سے کوئی بھی ہم میں موجود نہیں ہے۔

اٰمَنَّا بِهٖ ہم اس پر ایمان لائے وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا اور اسی پر ہم نے اعتماد کیا ہے اور اسباب میں سے کسی کو ہم نہیں دیکھتے۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ پس تم عنقریب جان لو گے کہ کون ظاہر گمراہی میں ہے، ہم یا تم۔

اور اگر وہ کہیں کہ گمراہی ظاہر ہے کہ یہی ہے کہ تم اسباب کے بے کار کرنے کے قائل ہوتے ہو۔ قُلْ اَرَءَيْتُمْ فرما دیجیے کیا تم نے اس بات میں غور کیا ہے کہ آسمانی یا زمینی کوئی سبب کارآمد ہوتا ہے؟ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا اگر صبح کرے تمہارے چشموں، کنوؤں اور دریاؤں کا پانی زمین میں گہرا نیچے جا کر کہ اسے باہر لانے کے لیے کوئی آلہ کارگر نہ ہو۔ فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ تو کون ہے جو تمہارے پاس جاری پانی لائے جو آنکھ کے ادراک سے دریافت ہو سکے حالانکہ پانی ایک ایسی چیز ہے کہ ہر وقت درکار ہے اور جب آسمانی اور زمینی اسباب اس ضروری امر کو حاصل کرنے میں بے کار ہیں تو ہم اسباب پر کس طرح اعتماد کریں اور اسباب کو معطل سمجھنے کے قائل نہ ہوں۔

منقول ہے کہ خام حکیموں میں سے ایک نے یہ آیت سنی اور کہنے لگا کہ اگر ایسا اتفاق ہو تو ہم کسیوں اور کدالوں کی طاقت سے پانی نکال لیں گے اسی وقت نزول الماء کے طریقے سے سیاہ پانی اس کی دونوں آنکھوں میں اتر آیا اور اندھا ہو گیا اور اس نے

غیب سے آواز سُنی کہ پہلے اپنی آنکھوں سے سیاہ پانی دُور کر اور اس کی جگہ سفید پانی پیدا کر پھر کنویں اور چشمے کا پانی نکال اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو شخص اس آیت کو پڑھے تو چاہیے کہ کہے اَللّٰہُ یَاْتِیْنَا بِہٖ وَھُوَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ ۔

چند سوالات

اس سورۃ کی تفسیر میں چند سوالات باقی رہ گئے جو کہ اہلِ عربیت' علمائے اسرار اور ارباب نظم کرتے ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَذِیْرٌ فرشتوں کی زبان سے نقل فرمایا ہے جبکہ قد جاء نا نذیر دوزخیوں کی زبان سے حکایت کی اور اتیان اور مجیٔ دونوں ایک دوسرے کے ہم معنی ہیں۔لفظ میں اس اختلاف میں کیا نکتہ ہوگا۔

اس کا جواب امام جلال الدین السیوطی کی تفسیر اتقان میں مذکور ہے اور وہ اتیان اور مجیٔ کے اصل معنوں میں متحد ہونے کے باوجود استعمال میں فرق پر مبنی ہے اور وہ فرق چند وجہ سے ہے اور ہر وجہ کی ان آیات میں موجود مضمون سے مطابقت ایسی تفصیل اور طوالت چاہتی ہے جو کہ اس تفسیر کے موضوع سے خارج ہے اور جس قدر تفسیر کے لائق ہے' یہ ہے کہ اتیان محسوس اور غیر محسوس' مقدر اور موجود دونوں چیزوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بخلاف مجیٔ کے کہ غالب طور پر فعل سے متصل محسوس چیزوں میں استعمال ہوتا ہے اسی لیے دنیا میں تجلی الٰہی کو کہ پردۂ عزت میں مستور ہے' لفظ اتیان کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں کہ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ اور اللہ تعالیٰ کی قہری تجلی کو کہ آخرت میں بے پردہ اور بے حجاب ہوگی لفظ مجیٔ کے ساتھ کہ وَجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا

اور عذاب مقدر کی اکثر لفظ اتیان کے ساتھ تعبیر ہوئی' اَتٰىٓ اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ اور ثابت اور واصل عذاب کو زیادہ تر لفظ مجیٔ کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ فَلَمَّا جَآءَ هُمْ اَمْرُنَا وَجَآءَ هُمْ بَاْسُنَا پس ان آیات میں ملائکہ کی زبان سے عام لفظ ارشاد ہوا کہ آیا تمہارے پاس کوئی ڈرسنانے والا محسوس یا غیر محسوس' مقدر یا محقق نہیں پہنچا تھا اس لیے

کہ الزامِ حجت اسی انداز سے ہوتا ہے اور بے خبری کا عذر اُٹھ جاتا ہے جبکہ دوزخیوں کی زبان سے زیادہ حسرت دلانے' خطا ظاہر ہونے کی شدت اور گناہ کی بڑائی کے لیے لفظ مجی لائے۔ یعنی ہمارے پاس ایک ڈرسنانے والے محسوس تشریف لائے اور ہم نے انہیں دیکھا اور سُن کر قبول نہ کیا اور اسی فرق کی تائید اس استعمال سے ہوتی ہے جو کہ حضرت خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کی طرف حکایت کے طور پر سورۂ مریم میں واقع ہوا۔ یَآ اَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَ نِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَالَمْ یَاْتِكَ اور وہ جو سورۂ مومنون میں واقع ہوا اَمْ جَآءَ هُمْ مَّالَمْ یَاْتِ اٰبَآءَ هُمُ الْاَوَّلِیْنَ۔

احتمال ہے کہ جگہ جگہ اس استعمال کو اختیار کرنا سلامت لفظ کے لیے ہو اس لیے کہ ابتدائے کلام میں ہمزۂ متحرکہ اور انتہائے کلام میں ہمزہ ساکنہ ثقیل معلوم ہوتا ہے جس طرح کہ ذوقِ سلیم اس کا فیصلہ کرتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ سورۃ انعام میں اوپر کے عذاب کو نیچے کے عذاب پر مقدم فرمایا ہے کہ قُلْ هُوَالْقَادِرُ عَلٰی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ جبکہ یہاں نچلے عذاب کو اوپر کے عذاب سے مقدم فرمایا کہ ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فرمایا پھر ارشاد فرمایا اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْكُمْ حَاصِبًا عبارت کے اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

اس سوال کا جواب یہ ہے سورۂ انعام میں اس سے پہلے جو آیت گزری ہے کہ وَهُوَالْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَیُرْسِلُ عَلَیْكُمْ حَفَظَةً پس پہلے اوپر کے عذاب کو لانا مناسب ہوا جبکہ اس سورۃ میں اس سے پہلے آیت گزری ہے۔ هُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ پس نچلے عذاب کو جو کہ زمین کی طرف سے ہے' پہلے لانا زیادہ مناسب ہوا۔

تیسرا سوال یہ ہے کے صافات اور یقبضن دونوں طیر سے حال واقع ہوئے ہیں۔ ایک حال کو اسم فاعل کے صیغے کے ساتھ مفرد لانا اور دوسرے کو جملہ فعلیہ مضارعہ کر دینا کس لیے ہے؟ یصففن اور یقبضن کیوں نہ فرمایا اور صافات وقابضات ارشاد کیوں نہ فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہوا میں اُڑنا' پانی میں تیرنے کی طرح ہے اور ان دونوں کاموں میں اصل اطراف کو کشادہ کرنا اور کھولنا ہے تاکہ پانی اور ہوا کی سطح کو چیرنا آسان ہو جائے جبکہ ان دونوں صورتوں میں اطراف کو سمیٹنا طبیعت کی استراحت کے لیے عارضی ہے تاکہ جدید قوت پیدا ہو جیسے لومڑی اور دوسرے حیوانات کا جست لگانے اور جھپٹنے کے وقت سکڑنا اور اسم فاعل کا صیغہ ثبوت اور ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے جبکہ جملہ فعلیہ مضارعہ نئے سرے سے کسی شے کے بننے پر۔ تو گویا یوں ارشاد ہوا کہ جانور ہوا میں ہمیشہ صف بنائے اپنے پر پھیلائے ہوتے ہیں اور پروں کو کھولنے میں مدد دینے کے لیے کبھی کبھی ان پروں کو سمیٹ لیتے ہیں' پانی میں تیرنے والوں کی طرح اور دونوں حالتوں کا یہ فرق صیغہ بدلے بغیر سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ اس سورۃ کی کیا خصوصیت ہے کہ عذابِ قبر سے نجات بخشتی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ قبر کا عذاب زیادہ تر بداعتقادی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ خصوصاً قبر میں بُرے اعمال کی باز پرس سے غفلت' نفسانی تاریکیوں کی صورتوں کے تہ بہ تہ ہونے اور نجاستوں سے آلودگی کی وجہ سے۔ جو شخص معنی سمجھ کر اس سورۃ کو ہمیشہ پڑھے' اسے پورا یقین ہو جاتا ہے کہ موت کے بعد اعمال کی باز پرس ہونا ہے اس لیے کہ آیت خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا اس پر واضح دلالت رکھتی ہے۔ نیز وہ اس بات کا یقین کر لیتا ہے کہ سینوں کی چھپی ہوئی باتیں اور میرے نفس کی مخفی چیزیں سب کی سب میرے پروردگار کے حضور ظاہر ہیں کہ وَاَسِرُّوْا قَوْلَكُمْ اَوِاجْهَرُوْا بِهٖ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ پس اس اطلاع کے ساتھ علم کی وجہ سے ان چھپی ہوئی باتوں کی جو ہر نفس کو خراب کرنے کی تاثیر کچھ کم ہو جاتی ہے۔

نیز قبر میں پہنچتے ہی جو صدمہ ہوتا ہے جو کہ زمین کے دبانے کی وجہ سے ہوتا ہے کہ اس میں موج والی حرکت ظاہر ہوتی ہے اور میت کو اپنے تھپیڑوں سے زبر و زبر کر دیتی ہے۔ ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ کی تلاوت کی وجہ سے یہ خوف ہمیشہ تلاوت کرنے والے کے سامنے رہے گا اور اِنَّ الَّذِيْنَ

یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ کے سچے وعدے کے مطابق معافی اور مغفرت کے لائق ہو جاتا ہے اور اس کی آخری آیت کہ اِنْ اَصْبَحَ مَآءُ كُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ اور اس کی درمیانی آیت اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖ اَهْدٰى اَمَّنْ يَّمْشِيْ سَوِيًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ بھی اس بارے میں قوی مناسبت رکھتی ہیں جیسا کہ غور کرنے کے بعد پوشیدہ نہیں رہتا اور آیت هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا بھی اپنے بعض بطون میں قبر میں راحت کی متقاضی ہے۔

عذاب قبر دور کرنے کا اشارہ-- ارواحِ انبیاء واولیاء اہل قبور کی مدد کرتی ہے

اور اس سورۃ میں عذابِ قبر کو دُور کرنے میں دیگر اسرار بھی امانت رکھے گئے ہیں کہ یہ مقام ان کے بیان کا متحمل نہیں ہے' صرف اتنا اشارہ کیا جاتا ہے کہ تبارک کے لفظ میں جو کہ خیر کی ہمیشگی اور موت کے بعد احسان اور انعام کا معاملہ جاری رکھنے کا اشارہ کرتا ہے' غور کرنا چاہیے۔ نیز نورانی ستاروں کی قندیلوں کے ساتھ آسمان کو منور کرنے اور اس کے گردونواح سے ان کی شعاعوں کی وجہ سے شیاطین کو دُور رکھنے میں اس امر کا صریح اشارہ ہے کہ آسمانی کیفیتیں قبر میں روشنی دینے اور قبر کی تاریکی اور شیاطین کی تشویش سے محفوظ رہنے کا موجب ہوں گی بلکہ اگر گہرائی میں اُتر کر غور کریں تو ظاہر ہو کہ قبر میں داخل ہونے کے بعد زمین کے اوپر کا طبقہ قبر میں دفن آدمی کے حق میں آسمان دنیا کا حکم پیدا کرتا ہے اور ہدایت کے چراغوں کے ساتھ جو کہ انبیائے علیہم السلام اور اولیاء کی نورانی ارواح ہیں اور انہوں نے اس طبقہ میں اپنی شعاعیں بکھیر کر اسے مزین کیا ہے اور نچلے لوگوں سے شیاطین کو دُور کرنے میں مدد فرماتی ہیں جس طرح آسمان دنیا روئے زمین کے ساکنوں کی نسبت اوپر کے غیبی انوار کی شعاعوں کی حکایت کرنے والا ہے اسی طرح زمین کی اوپر کی سطح ان فوقانی غیبی انوار کی شعاعوں کی زمین کے پیٹ میں رہنے والوں کی نسبت سے حکایت کرنے والی ہے۔ ہاں بصیرت کی نگاہ کا سلامت ہونا شرط ہے جو کہ اعتقادات کے صحیح کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا میں' قبر میں اور بعث ونشر کے دن ہر تکلیف سے امن عطا فرمائے۔ آمین

سورۃ نون

شانِ نزول

اس سورۃ کا ابتدائیہ بلاشبہ مکی ہے اور اس کی بعض آیات میں اختلاف ہے کہ مکی ہیں یا مدنی اور اختلاف کے بغیر اس سورۃ کی پنجاہ آیات ہیں اور اختلاف کے ساتھ باون (۵۲) اور اس سورۃ کا سبب نزول یہ تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی اور آپ کو وضو اور نماز کا طریقہ غیب سے سکھایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دینِ حق کو ظاہر کرنا شروع کر دیا اور حضرت خدیجہ' حضرت ابوبکر' حضرت علی اور حضور علیہ السلام کے منہ بولے بیٹے حضرت زید اور حضور علیہ السلام کی خادمہ اُم ایمن رضوان اللہ علیہم اجمعین ایمان لائے اور حضور علیہ السلام کے اہلِ بیت میں نماز ادا کرنا رائج ہوا اور یہ تازہ حرکات جنہیں اہلِ مکہ نے کبھی نہ دیکھا تھا اس شہر کے درمیان ہر محفل کا موضوع ہو گئیں۔ کافروں نے کہا کہ فلاں دیوانہ ہو گیا ہے اور اس نے اپنے تمام گھر والوں کو دیوانہ بنا دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باتیں سُن کر تکلیف ہوئی' اللہ تعالیٰ نے یہ سورۃ بھیجی اور قسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ آپ دیوانے نہیں ہیں بلکہ آپ کی عقل تمام خلائق کی عقل سے زیادہ ہے۔

سورۃ الملک سے رابطہ کی وجہ

اس سورۃ کا سورۃ الملک سے رابطہ یہ ہے کہ وہ سورۃ حق تعالیٰ کی حقیقی بادشاہت کے اکثر کارخانوں پر مشتمل ہے۔ پہلا کثرت خیرات' دوسرا عموم قدرت جو کہ انتہا کو پہنچ کر زندہ کرنے اور موت دینے تک پہنچی۔ تیسرا لوگوں کے اعمال سے خبردار ہونا اس حد تک کہ جو کچھ ان کے سینوں میں ہے' وہ بھی ایسا کے حضور پوشیدہ نہیں ہے' چوتھا غلبہ' پانچواں

قدرت کے باوجود بخشش اور معافی، چھٹا اپنے خدام کے لیے بلند عمارات، ساتواں رعایا کے درمیان فرق نہ کرنا، آٹھواں اپنی مملکت کے شہروں کی زینت اور زیبائش، نواں دشمنوں پر غلبے کے اسباب کی تیاری، دسواں دوستوں پر رحمت کے اسباب کا وافر ہونا، گیارہواں امن، بارہواں نرخ سستے کرنا، تیرہواں مخالفوں کو بے قدرت کرنا اس سے کہ دشمنوں کی حمایت کرسکیں یا اس درگاہ کے محروموں کو رزق دے سکیں۔ یہی عمدہ کارخانے ہیں جنہیں جمع کرنے سے مملکت کا کام قوت پکڑتا ہے۔

ایک عمدہ کارخانہ باقی رہ گیا کہ یہ تمام کارخانے اسی کے ساتھ وابستہ ہیں جس کا ذکر اس سورۃ میں نہ ہوا تو تکمیل کے طور پر اس کا اشارہ اس سورۃ میں ضروری ہوا اور وہ کارخانہ اہلِ قلم اور دفتروں کے پیش کاروں کا کارخانہ ہے۔ پس یہ سورۃ گویا تمام کارخانوں کے ساتھ مملکت کے وجود خطی کا بیان ہے جیسا کہ سورۃ الملک میں تمام کارخانوں کے ساتھ خارجی بادشاہت کے وجود کا بیان ہے اور وجود خطی وجود خارجی کا ظل ہے اور ان دونوں کے درمیان حکایت اور محکی عنہ کا تعلق ثابت ہے اس بناء پر کہ ظل کا مرتبہ اصل کے مرتبے سے متاخر ہے۔

ان کارخانوں کو اِس سورۃ میں کہ اس سورۃ کے بعد ہے۔ بیان فرمایا ہے تاکہ اشارہ ہو اصلیت اور ظلیت میں فرق کا اور اسی لیے اس کارخانہ کو اس سورۃ میں دوسرے کارخانوں کے ساتھ درج کر کے ایک جگہ نہیں لایا گیا اور اس کے باوجود دونوں سورتوں کے مختلف مضامین میں مناسبت محقق ہے وہاں فرمایا ہے کہ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً جبکہ یہاں فرمایا ہے اِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اَصْحَابَ الْجَنَّةِ اور اس سورۃ میں جہنم میں کافروں کا عذاب اور دوزخ کے موکلوں کی ڈانٹ ڈپٹ، حکومت اور بادشاہت کے آئین کے ساتھ مذکور ہے جبکہ یہاں وہی مضامین پیش کاری کے آئین کے ساتھ ہیں کہ اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ، اَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ، اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا بَالِغَةٌ جو کہ دستاویزات اور لکھنے پڑھنے اور قول و قرار کے متعلق صریح سوال ہے اور یہ انداز دفاتر کے پیش کاروں کا انداز ہے۔

نیز اس سورۃ میں اصحاب الجنۃ کا واقعہ مذکور ہے جو کہ پیش کاری کے قواعد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس لیے کہ کسی بستی کے زمیندار جب فصل خلاف معمول لائیں اور تنخواہ داروں کو ان کا جائز حق نہ دیں اس بستی کو ان کے ہاتھ سے لے کر حق سرکار میں ضبط کر لینا چاہیے اور ان کا سارا مال قرق کر لینا چاہیے جبکہ اُس سورۃ میں اسی قسم کے خطرناک دنیوی واقعات سے بادشاہت اور حکومت کے آئین کے ساتھ ڈرایا ہے کہ هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمُ الْاَرْضَ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ۔

نیز اس سورۃ میں دریا کی مچھلی کا ذکر ہے جو کہ جہان کی گہرائی میں مخلوقات کے طبقات سے نیچے رہتی ہے اور تسخیر الٰہی کے ساتھ مسخر ہے کہ عظیم پیغمبر علیہ السلام کو اس کے پیٹ میں رکھا گیا اور اس نے پوری احتیاط کے ساتھ اس رسول علیہ السلام کے بدن مبارک کی حفاظت کی جبکہ اُس سورۃ میں ہوا میں اُڑنے والے جانوروں کا ذکر ہے جو کہ تسخیر الٰہی کے ساتھ مسخر ہیں۔ پس گویا ارشاد ہوتا ہے کہ مرغ سے لے کر مچھلی تک سب کے سب ہماری بادشاہت کے زیر فرمان ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس غور اور گہری نظر دیکھنے کے بعد بہت سی وجوہ مناسبت دریافت ہوتی ہیں۔

سورۂ نون کی وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ نون ابجد کے حساب سے پچاس کے عدد پر دلالت کرتا ہے اور اس سورۃ کی آیات جن پر اتفاق ہے' پچاس ہیں۔ نیز حضور علیہ السلام کی نبوت کا زمانہ پچاس سال تھا۔ ۲۳ سال خود بنفس نفیس حیات ظاہری کی حالت میں وسادۂ نبوت پر جلوہ افروز رہے اور اس کے بعد آپ سرکار کے خلفاء ۲۷ سال تک اسی طرز اور قانون پر عمل کر کے تشریف لے گئے جب حضور علیہ السلام کے وصال شریف کے ستائیسویں سال خلیفۂ وقت کو حکم بنانے کے واقعہ میں اُتارا اور معزول کیا گیا تو دورِ نبوت منقطع ہو گیا گو اصل خلافت خلیفہ برحق کے وجود کی وجہ سے تیس سال تک رہی لیکن جب نبی علیہ السلام کے خلیفہ کا حکم جاری نہ ہوا تو گویا حکم نبی جاری نہ ہوا اور برکتِ نبوت منقطع

ہوگئی اس لیے کہ اس وقت نبوت کا حکم اس وقت کے خلیفہ کے حکم میں منحصر تھا۔

(اس سے مراد یہ ہے کہ کاروبارِ حکومت میں فیوض و برکات نبوت کا دور ختم ہوا نہ کہ ازروئے دینِ اسلام کیونکہ یہ سلسلہ تو تا قیامِ قیامت جاری ہے اور آپ کی نبوت قیامت تک ہے' آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا' آپ خاتم النبیین ہیں صلی اللہ علیہ وسلم

رونق از ما محفل ایام را

او رسل را ختم وما اقوام را

نیز اس سورۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو آپ کی ذات پاک سے جنون کی نفی کے حوالے سے بہت زیادہ واضح بیان کے ساتھ ثابت فرمایا گیا ہے۔ ن کا حرف سر نبوت ہے۔ نیز حرف ن کو اس سورۃ کے مطالب سے ہر عمدہ مطلب میں دخل ہے اس لیے کہ پہلے اس سورۃ میں حضور علیہ السلام پر اپنی نعمت بیان کر کے جنون کی نفی فرمائی ہے پھر آپ کو نہ ختم ہونے والے اجر کا وعدہ دیا گیا اور آپ کے دشمنوں کو مفتون فرمایا اس کے بعد کافروں کے بارے میں سستی کرنے سے منع فرمایا خصوصاً وہ کافر جس سے اللہ تعالیٰ کی توہین ظاہر ہوئی ہو۔ چغل خور اور خیر سے بہت روکنے والا اس کی صفت ہو اور اس کے ساتھ ساتھ زنیم لینے یعنی والدالزنا بھی ہو اور اپنے مال اور اولاد پر مغرور اور نازاں بھی اس کے بعد باغ والوں کے امتحان کا واقعہ ہے اور مساکین کے حق کو جدا کرنے کو ترک کرنا' نیند کی حالت میں ان کے باغ کو آفت پہنچنا' ان کا ایک دوسرے کو آواز دینا' پوری خوشی کے ساتھ چلنا اور حق مساکین کو روکنا اس کے بعد کافروں سے امن کی دستاویز کا سوال ہے جو کہ یمین یعنی قسم ہے اس کے بعد ذکر کید متین۔ ازاں بعد حضرت ذوالنون علیہ السلام کا ذکر اور ان کی ندا کا بیان اور اس ندا کی برکت سے اس بند مکان سے ان کی حفاظت اور اس حرف کی تفسیر میں جو کہ اس سورۃ کی ابتدا میں واقع ہوا اور یہ سورۃ اس حرف کے ساتھ مسمّٰی ہوئی' بہت اختلاف ہے۔

مچھلی اور بیل کا واقعہ جو زمین کے نیچے ہیں

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما' قتادہ' سدی' مقاتل اور کلبی وغیرہم سے منقول

ہے کہ اس سے مراد وہ مچھلی ہے جس کی پشت پر زمین ہے اور اس کا نام لہموت' یا لشوما یا بلہوت یا بونیا ہے اور ان بزرگوں سے یوں روایت آئی ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا' اپنے عرش کے نیچے سے فرشتہ بھیجا جو کہ ساتویں زمین کے نیچے آ گیا اور اسے اپنے کندھا پر لے لیا اس کا ایک ہاتھ مشرق میں اور دوسرا مغرب میں ہے اور اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں۔ ساتوں زمینوں کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے کھڑا ہے اور اس فرشتے کے دونوں قدموں کے قرار کی جگہ نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے جنت الفردوس سے ایک بیل بھیجا جس کے چالیس ہزار سینگ ہیں اور چالیس ہزار پاؤں اور اس فرشتے کے دونوں قدموں کی جائے قرار اس کی کوہان پر ہے اور چونکہ اس فرشتے کے دونوں قدم اس کوہان پر جے نہیں رہتے تھے' اس لئے زمرد سبز کا ایک ٹکڑا بھی جنت الفردوس سے لا کر اس بیل کی کوہان پر اس کے کان تک بچھا دیا یہاں تک کہ اس فرشتے نے اس پتھر پر قیام کیا اس بیل کے سینگ زمین کی اطراف سے باہر نکلے ہوئے ہیں اور اس بیل کی ناک کے سوراخ دریائے شور میں ہیں جب وہ بیل سانس لیتا ہے تو دریائے شور کا پانی زیادہ ہو جاتا ہے اور جھاگ لاتا ہے اور سانس اندر کھینچتا ہے تو دریائے شور میں جزر پیدا ہوتا ہے' یعنی سمٹتا ہے اور اس بیل کے پاؤں کی قرارگاہ کے لیے ایک چٹان پیدا کی گئی ہے جو کہ سات آسمانوں اور سات زمینوں کے موٹاپے اور حجم کے برابر ہے اور اس بیل کے پاؤں اس چٹان پر ہیں اور یہ وہی چٹان ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کے علاوہ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کی نصیحت میں اسے ذکر کیا ہے کہ یٰبُنَیَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِى السَّمٰوٰتِ اَوْ فِى الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ ۔

جبکہ اس چٹان کے قرار کے لیے ایک بہت بڑی مچھلی پیدا کی گئی ہے جس کی پشت پر وہ چٹان ہے اور اس کا باقی بدن خالی ہے اور وہ مچھلی ایک دریا پر ہے اور وہ دریا ہوا پر اور ہوا قدرت پر لٹکی کھڑی ہے تا کہ جانیں کہ اس جہان کی بنیاد سب کی سب ہوا پر ہے۔

کعب احبار نے کہا ہے کہ ایک دن ابلیس نیچے اُتر کر اس مچھلی تک پہنچا اور اس کے دل میں وسوسہ ڈالا کہ تو نے اتنے بڑے بوجھ کو کیوں اپنے اوپر لیا ہے' ایک بار جنبش کر

تا کہ سب آسمان' زمینیں اور پہاڑ تیری پشت سے گر پڑیں اور تو بے فائدہ بوجھ اُٹھانے سے چھوٹ جائے اس مچھلی نے ارادہ کیا کہ اپنے کو حرکت دے صرف اس قصد کے ساتھ ہی حق تعالیٰ نے ایک جانور بھیجا جو کہ اس مچھلی کے نتھنے میں داخل ہوا اور اس کے دماغ تک پہنچ گیا اس کی وجہ سے مچھلی بے قرار ہوگئی اور بارگاہِ خداوندی میں شکایت عرض کی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس وسوسۂ شیطانی کی سزا ہے جسے تو نے قبول کیا پھر اس جانور کو حکم فرمایا کہ اس مچھلی کے کان کی راہ سے باہر آئے اور اس کے سامنے حاضر رہے تا کہ اگر دوسری مرتبہ یہ خیال اس کے دل میں آئے' اس کے دماغ میں پھر داخل ہو جائے۔

ن کے متعلق دیگر اقوال

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ن سے مراد وہ مچھلی ہے جس کے پیٹ میں حضرت یونس علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو رکھا گیا' تین دن تک یا چالیس دن تک آپ کو اپنے پیٹ میں رکھا اور بعض نے کہا ہے کہ وہ مچھلی مراد ہے جس کے خون میں رنگین ہو کر نمرود کا تیر آیا تھا اس لیے کہ یہ دونوں مچھلیاں اپنی جنس میں ایسی عظمت رکھتی ہیں جو دوسری مچھلیوں کو حاصل نہیں۔ وہ ایک مچھلی ایسے عظیم رسول علیہ السلام کو اپنے میں لینے کے لیے مقرر کی گئی اور اس نے اس قدر ادب کی رعایت کی کہ آپ کے گوشت پوست کو کوئی گزند نہ پہنچی اور اس دوسری نے خود کو حضرت حق تعالیٰ کا فدیہ بنایا اور اپنی جان کی اس ذات پاک کے دشمن کے مقابلہ میں بازی لگا دی جس طرح دورانِ جنگ کوئی شخص اپنے آپ کو سردار کی جگہ ظاہر کرے تا کہ اس کے دشمنوں کے تیر و تفنگ اپنے اوپر لے اور سارے لشکر سے ممتاز ہو جائے اور ضحاک اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ن سے مراد دوات ہے جیسا کہ ایک پرانے شاعر نے کہا ہے ۔

اذا ما الشوق برح بی الیھم

القت النون بالدمع السجوم

اور یہ تفسیر لفظ قلم کے ساتھ بہت مناسب ہے اور اس حدیث مرفوع کی مؤید ہے کہ

اوّل شیء خلقه اللہ القلم ثم خلق النون یعنی الدواۃ ثم قال اکتب ماھو کائن

من عمل او اثر او رزق او اجل فکتب ما کان اوھو کائن الیٰ یوم القیامۃ ثم ختم علی القلم یعنی سب سے پہلی شے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا' قلم ہے پھر نون یعنی دوات کو پیدا فرمایا پھر فرمایا لکھ جو کچھ ہونے والا کام' نشان' رزق یا اجل تو قلم نے جو ہو چکا اور جو قیامت تک ہونے والا لکھا پھر قلم پر مہر لگا دی گئی۔

اور معاویہ بن قرہ سے مرفوعاً روایت آئی کہ النون لوح من نور یکتب فیہ الملائکہ مایؤمرون بہ نون نور کی ایک تختی ہے جس پر فرشتے وہ کچھ لکھتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اور بعض نے کہا ہے نون ایک نہر کا نام ہے لیکن ان سب تفسیرات پر ایک نحوی اعتراض وارد ہوتا ہے کہ صرف نون پر وقف کرنا جس پر قراء کا اجماع ہے' ان تفسیروں سے انکار کرتا ہے اس لیے کہ لفظ نون اگر اسم جنس ہے تو حرف قسم کے مقدر ہونے کی وجہ سے اس کی جر اور تنوین لازم ہو جاتی ہیں اور اگر اسم علم منصرف ہوتا تو بھی اس پر جر اور تنوین آتی اور اگر غیر منصرف ہوتا تو حرف قسم کی تقدیر کی وجہ سے فتحہ ضروری ہو جاتا۔

اور اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اس مقام میں اس لفظ کا ذکر قسم سے کنایہ ہے' صریح قسم نہیں ہے اور حرف قسم کا مقدر ہونا اور اس کا اس لفظ میں عمل کرنا صریح قسم کو لازم ہے نہ کہ کنایہ کو لازم۔

ن اور عارفین کاملین

اور عطاء اور بعض مفسرین سے منقول ہے کہ نون نور اور ناصر کے پہلے حرف کا اشارہ ہے اور محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ ایمان والوں کی نصرت کا اشارہ ہے اور حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نون سے مراد وہی مچھلی ہے جو کہ دریا میں ہوتی ہے اور اسے عارفین کاملین کے ساتھ ایک قوی مناسبت ہے اس لیے کہ ساری زندگی دریا اور پانی میں ہوتی ہے اور اس سے کبھی سیر نہیں ہوتی اور اگر لمحہ بھر کے لیے پانی سے جدا ہو جائے تو مر جائے اور جان دے دے اور اسی طرح عارف لوگ ہمیشہ بحر حقیقت میں غوطہ زن ہوتے ہیں اور سیر فی اللہ کے مرتبوں سے کبھی سیر نہیں ہوتے اور اگر ایک لمحہ اس کی یاد

سے جدا ہوں' ہلاک ہو جائیں اور کیا ہی اچھا کہا گیا۔ جو مچھلی کے سوا اس کے پانی سے سیر ہوا' جان لے کہ وہ روزی سے خالی ہے اور اسے دیر ہو گئی۔

تو اس حرف کو مطلب میں شروع ہونے سے پہلے لانا اس بات کا اشارہ ہے کہ یہ کفار آپ کو کمال شوق اور کشش کی وجہ سے جو کہ آپ ہماری طرف رکھتے ہیں اور ہر لحظہ اور ہر دم آپ ہماری بات کرتے ہیں اور اپنی حرکات وسکنات کو جو کہ ان کی عادت کے خلاف ہیں' ہماری خاطر ان بے سمجھوں کے ہنسی مذاق کی جگہ بناتے ہیں اور ہمارے شغل کے بغیر آپ ایک لحہ نہیں رہ سکتے' مجنون کہتے ہیں۔ چنانچہ حدیث صحیح میں وارد ہے اذکرو اللہ حتی یقال مجنون اور وہ نہیں سمجھتے کہ مچھلی کو دریا کے ساتھ یہی حالت ہے اگر آپ کو اپنے لازمی محبوب کے ساتھ یہ حالت رونما ہو تو کیا عجب اور جنون پر کیوں محمول ہو۔

اور حضرات صوفیاء قدس اللہ اسرارہم نے فرمایا ہے کہ نون سے مراد نفس کلیہ ہے کہ لوحِ محفوظ ہے اور مبدأ وحی ہے اور قلم سے مراد قلم اعلیٰ یعنی عقل اوّل ہے جو کہ لوحِ محفوظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا مبدا ہے اور ان میں سے بعض نے فرمایا ہے کہ نون سے مراد نفسِ رحمانی ہے جو کہ جناب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت کا مبدا ہے اور قلم سے مراد قلم اعلیٰ ہے جو کہ اس روحانیت کے وجود کا مبدا ہے اور بعض نے نون سے مراد ولایت محمدیہ کا نور لیا ہے جو کہ قیامت باقی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَ یعنی آپ کی نبوت بلاشبہ برحق ہے' آپ کا نور جہان میں سرایت کرے گا تو آپ کی مدد واقع ہو گی اور آپ کا نفع پچاس سال تک روز بروز ترقی اور زیادتی میں رہے گا۔ یہاں جاننا چاہیے کہ حرف ن شکل کے اعتبار سے الف اور با کی طرح اصول حروف سے ہے اس لیے کہ شکل کے اعتبار سے اصول حروف وہ حروف ہیں کہ دوسرے حروف کی شکلیں ان حروف کی شکلوں سے مرکب ہوئیں اسی طرح الف ایک کھڑا خط ہے کہ لام نے اس کے مرکز کی طرف تین نقطے ملانے سے صورت پکڑی اور با ایک بچھایا ہوا خط ہے

کہ تا اور ثا اور یا نے ایک نقطہ یا دو نقطوں کی زیادتی کے ساتھ اس سے امتیاز کیا اور نون ایک قوس دار خط ہے کہ۔ صاد' ضاد' سین' شین اور قاف اس کے مظاہر ہیں اور بعض محرف خطوط اور نقطوں کی زیادتی کے ساتھ اس سے ممتاز ہوئے ہیں۔

پس نون کو نبوت کے ساتھ مضبوط مناسبت حاصل ہے کہ قاف جناب حق سے بندوں کا قرب اور صاد ان کی معاد اور معاش کی صلاح و درستی اور سین سیاستِ الٰہیہ بطریق خلافت اور شین خیر اور شر کے اعمال پر شہادت اور ضاد باطل اور غلط کی ضدیت اس کے مظاہر اور آثار سے ہیں۔

نیز نون ان تین حروف دوائر میں سے ہے کہ جب ان کا تلفظ کریں تو حرف کا عین کلمہ اس کے آخر میں آئے جیسے واؤ' میم مگر یہ کہ واؤ کا اوّل مفتوح میم کا اوّل مکسور اور نون کا اوّل مضموم ہے اور اسی لیے ان تینوں حرفوں میں حروف مد یعنی الف یا اور واؤ اسی ترتیب کے ساتھ درمیان میں آئے ہیں پس یہ تینوں حروف اس چیز پر دلالت کرتے ہیں جس کی انتہا ابتدا کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور انتہا اور ابتدا کا درمیان عدم کا حکم رکھتا ہے کہ حروف مد گویا حروف نہیں ہیں صرف حرکات کا اشباع ہیں لیکن واؤ اس چیز پر جو کہ کشادہ اور کھلی نہ ہو' دلالت کرتی ہے اور میم اس چیز پر جو کہ نچلی ہو اور نون اس چیز پر جو بلند و بالا ہو اور حروف ہجایں سے نون کے سوا کوئی حرف ایسا نہیں ہے جس کا اوّل مضموم ہو۔ پس اسے مرتبہ' نبوت کے ساتھ کلی مناسبت پیدا ہوگئی کہ سلوکِ الٰہی کی راہ کا مبدا بھی ہے اور منتہا بھی' تمام ولایتیں اسی مرتبے سے شروع ہوتی ہیں اور آخر میں اسی مرتبے کی طرف رجوع کرتی ہیں بلکہ ہدایت کی ابتدا مطلقاً انبیاء علیہم السلام سے ہے اور ہدایت کی انتہا جو کہ جذب کی منزلوں کو پہنچنا ہے' بھی انبیاء علیہم السلام کے دست مقدس پر ہے۔

نیز ایسا حرف کہ لغت عرب میں اعراب کے وقت ہر اسم متمکن کے ساتھ مل جاتا ہے کہ جب تک یہ حرف اس کے ساتھ نہ ملے اس کا اعراب پورا نہیں ہے اور یہی حال ایک نبی علیہ السلام کا ہے کہ بنی آدم کے فرقوں میں سے کوئی فرقہ بادشاہ' ولی' حکیم سے لے کر کناس' جاروب کش تک تاوقتیکہ انبیاء علیہم السلام میں سے کسی ایک کی طرف رجوع

نہ کرے' اس کی دنیا و آخرت درست نہیں ہو سکتی اور ہر فرقے کا کمال پورا نہیں ہوتا۔

اور لغت عرب میں اس حرف کے عجیب خواص ہیں' فعل کے آخر میں تاکید کے لیے آتا ہے اور حرف کے آخر میں ترنم' آواز کھینچنے اور اسے اچھا کرنے کے لیے جبکہ اسم کے آخر میں اظہارِ اعراب کے لیے اور انبیاء علیہم السلام کی مثال' ان کی نبوت کی وجہ سے فرشتوں کے لیے جو کہ بمنزلہ افعالِ الٰہیہ کے ہیں' مراتب قرب کی تاکید حاصل ہو جاتی ہے اور جنوں اور انسانوں کو جو کہ منصرف اسموں کی طرح ہیں' اپنے کمال کے درجات جو کہ اعراب کا نمونہ ہیں' ہاتھ آتے ہیں جبکہ دوسری مخلوقات جیسے حیوانات' نباتات اور معدنیات جو کہ حروف ادواتی کے مرتبہ سے زیادہ نہیں ہیں' کے لیے انبیاء علیہم السلام کا وجود مسعود فخر اور زینت کا موجب ہے اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ توسل کرنے میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں اور ان کا حکم مانتے ہیں اور انہیں سلام کرتے اور ان کی تعظیم کرنے پر قائم رہتے ہیں۔

نیز علم حروف کے علماء کے نزدیک جو کہ حروف کو افلاک اور عناصر پر تقسیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ افلاک کے کارکن اور حقائق کے عناصر حروف ہیں اور انہوں نے افلاک کو گیارہ شمار کیا ہے۔ سات' سات ستاروں کے لیے اور فلک کرسی' فلک عرش' فلک لوح اور فلک قلم۔ یوں مقرر ہے کہ نون فلک قلم کا حرف ہے جو کہ وحی و تنزیل کے جہاں سے عبارت ہے اور اس کا سفلیات میں کوئی حرف نہیں ہے جیسا کہ فلک لوح کے لیے بھی جو کہ عالم حیات سے عبارت ہے' سفلیات میں کوئی حرف نہیں ہے اور باقی افلاک اور تیرہ عناصر کے لیے علویات میں بھی کوئی حرف نہیں اور نہ ہی سفلیات میں۔ پس نون کو اثبات نبوت کے مقام میں لانا انتہائی مناسبت رکھتا ہے کہ حقیقت نبوت وحی و تنزیل کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے۔

وَالْقَلَمِ قلم کی قسم اُٹھاتا ہوں جو کہ انسانوں کے جہان' غیب کی چھپی ہوئی اشیاء کو میدانِ ظہور میں جلوہ گر کرتا ہے تاکہ زمان و مکان کا ہر دور افتادہ آدمی اس پر مطلع ہو۔ یہی معنی ہے نبوت اور رسالت کا کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی بشریت کی پستیوں میں دُور

پڑے لوگوں تک پہنچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کلام کو افرادِ انسانی کی سماعت پر لاتے ہیں۔

قلم کے اسرار اور بارگاہِ نبوت کے ساتھ مشابہت

نیز اگر کوئی شخص جو کہ قلم کی حرکت کی غرض سے آشنا نہ ہو اور اسے دوسرے کے ہاتھ میں بے اختیار دیکھے' مجنون اور دیوانہ خیال کرے کہ سفید کاغذ کو بلاوجہ سیاہ کرتا ہے اور خود بخود پیچ وتاب کھاتا ہے اور کبھی رجوع کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور ٹیڑھا ہو جاتا ہے حالانکہ اس کی حرکت اور اس کے ہر پیچ وتاب میں عجیب باریکیاں لپٹی ہوئی ہیں اسی لیے حکماء نے کہا ہے کہ **الخط هندسة روحانية ظهرت باله جسمانيه** یعنی لکھنا ایک روحانی ہندسہ ہے جو کہ جسمانی آلہ کے ساتھ ظاہر ہوا۔ نیز کہا ہے **القلم لسان اليدو سفير الضمير وستودع الاسرار ومستنبط الاخبار وحافظ الاثار** قلم ہاتھ کی زبان' ضمیر کا ترجمان' اسرار کی آماجگاہ' اخبار کو باہر لانے والا اور تاریخ کا محافظ ہے۔

اور قلم کے عجائب سے یہ ہے کہ دوات سے سیاہی کو باہر لاتا ہے اور کاغذ پر ثبت کرتا ہے اور آدمی کے باطن میں اسی سیاہی کو نور اور روشنائی کر کے پہنچاتا ہے۔

نیز قلم کو جس کی ہر حرکت وسکون' بولنا اور چپ رہنا اس کے مالک کے ہاتھ میں ہے اور اپنی طرف سے کوئی حرکت نہیں کرتا اور دَم نہیں مارتا' انبیاء علیہم السلام کے ساتھ کمال مشابہت ہے کہ **يد الله فوق ايديهم— ان هو الاوحی یوحی** ۔

نیز اسے اپنی حرکات میں رکوع' سجود' قیام' بار بار اپنے چہرے کو دوات کے چشمے میں دھونے اور طہارت کرنے اور پانچ انگلیوں میں ملازم ہونے سے پانچ وقت کے نمازیوں کی پوری حکایت حاصل ہے اسی لیے شاعروں میں سے بعض نے قلم کی پیچیدگی کے بارے میں کہا ہے۔

وذی اصطبار راکع ساجد اخی نحول ومعه جاری ملازم الخمس لاوقاتها معتکف فی خدمة الباری

یعنی صبر والا' رکوع وسجود کرنے والا' لاغر جس کے آنسو جاری' پانچوں کا ان کے وقتوں میں ملازم' بنانے والے کی خدمت میں معتکف ہے

نیز قلم کو چار مرتبہ تکلیف اُٹھانے کی مجبوری ہے تا کہ اپنے مالک کا ہاتھ چومنے کے قابل ہو سکے اور اسے اس کی روح القدس کی ترجمانی کا منصب حاصل ہو اور ان چار مواقع کو لکھنے والوں کی اصطلاح میں فتح' نحت' شق اور قط کہتے ہیں اسی طرح سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چار بار سینہ مبارک کے شق ہونے کی تکلیف دی گئی حتیٰ کہ معراج کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا اور حضرت باری عز اسمہ کی مطلق ترجمانی کا منصب حاصل ہوا۔

نیز بنی آدم کی دنیا و آخرت کی درستی قلم کے ساتھ وابستہ ہے' احکامِ دین قلم کے وسیلے سے محفوظ ہیں' حقوق اور کتابیں اسی کے واسطے سے لکھی اور محفوظ کی جاتی ہیں۔ گزشتہ صدیوں اور اُمتوں کی خبریں اور واقعات اسی کے ساتھ دریافت ہوتے ہیں اسی لیے کہتے ہیں کہ دین و دنیا کے امور کا دارومدار دو چیزوں پر ہے' قلم اور تلوار اور تلوار قلم کے حکم کے نیچے ہے اور اس مضمون کو عرب کے بعض شاعروں نے خوبی کے ساتھ نظم کیا ہے۔

ان یخدم القلم السیف الذی خضعت

لہ الرقاب و دانت حذرہ الامم

اگر قلم کی خدمت کرے وہ تلوار جس کے سامنے گردنیں جھک گئیں اور اُمتیں اس کے ڈر سے جھک گئیں۔

فالموت والموت لا یغالبہ

مازال یتبع ما یجری بہ القلم

پس موت اور موت پر کوئی غالب نہیں' ہمیشہ اسی کی تابع رہی جیسے قلم چلتی ہے۔

لذا قضی اللہ للاقلام مذبرئت

ان السیوف لھا مذ ارھفت خدم

اسی لیے اللہ تعالیٰ قلموں کے لیے جب سے بنی ہیں' فیصلہ فرما دیا کہ تلواریں اس کی خدمت گزار ہیں۔

اور اسی طرح آدمیوں کی دنیا و آخرت انبیاء علیہم السلام کے وجود مسعود کے ساتھ وابستہ ہے کہ دین کے احکام ان سے لیے جاتے ہیں اور حشر و نشر کی خبریں انہیں کی زبان مبارک سے سنتے ہیں اور اعمال کے اچھے بُرے ہونے کے درجات انہیں کے ظاہر کرنے پر معلوم ہوتے ہیں اور بنی آدم کے تمام بادشاہ اور گروہ انہیں کے فرمان کے تابع ہوتے ہیں۔

وَمَا يَسْطُرُوْنَ اور میں قسم اُٹھاتا ہوں اس کی جو لکھنے والے قلم کے ساتھ لکھتے ہیں جو کہ بہت عجائب و غرائب رکھتا ہے اس لیے کہ قلم یا علموں کا قلم ہے یا حکموں کا قلم اور علم یا تکوین و ایجاد سے متعلق ہے یا تشریع و ارشاد سے متعلق اور قلم احکام بھی یا تکوین و ایجاد کے ساتھ متعلق ہے یا تشریع و ارشاد سے متعلق اور ہر قلم کے لیے لکھنے والے یا علوی یا سفلی' علوی فرشتے اور سفلی انسان اور جن۔ قلم علوی ہر باب میں اصل ہے جبکہ قلم سفلی ظل اور فرع ہے اگر سفلی علوی کے مطابق پڑے تو صحیح راہ چلا ورنہ غلطی کی اور یہ صواب اور خطا تین قسموں میں متصور ہے اور چوتھی قسم میں کہ تکوین و ایجاد کے متعلق احکام ہیں' متصور نہیں ہے اس قسم میں مطابقت کے سوا واقع نہیں ہوتا۔

اور اگر ان چار اقلام کی تفصیل یہاں پورے طور پر بیان کریں تو اس تفسیر کی طرز سے باہر نکلنا لازم آئے گا۔ مجبوراً بطورِ نمونہ کچھ حصہ بیان کرتے ہیں تا کہ ذہن میں قلم کی عظمت پختہ ہو جائے۔ قلم اعلام جو کہ ایجاد و تکوین کے ساتھ متعلق ہے' عالم علوی میں ایک ایسا قلم ہے جس نے خلق کی پیدائش سے پہلے ساری کائنات کو لکھ چھوڑا اور علم الٰہی کی حکایت کرنے والا ہوا جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ **جف القلم علی علم اللّٰہ** قلم اللہ تعالیٰ کے علم پر خشک ہو گیا اور عالم سفلی میں نجومیوں کا قلم ہے جو کہ ہر صدی یا ہر سال میں اس صدی یا اور اس سال کے احکام جنتریوں میں لکھتا ہے اور رمل والوں اور جفر والوں کا علم بھی اسی قلم میں داخل ہے اور واقعات لکھنے والوں' خفیہ نویسوں' مؤرخوں' انبیاء علیہم السلام کی سیرت نگاروں' گزشتہ بادشاہوں کے تذکرہ نگاروں' ممالک' مسالک' پہاڑ' سمندر' چشمے اور آباد اور غیر آباد زمین لکھنے والوں کے قلم اسی قلم کے شعبوں کا ایک شعبہ

ہے اور معدنیات' نباتات' حیوانات ادویہ کے مفردات اور قرابادین کے خواص کا علم رکھنے والے اسی قلم کے شعبوں سے مدد اور فیض لیتے ہیں بلکہ فضاؤں کی کائنات' طبقات عناصر' ہیأت آسمانی' رصد افلاک اور ستاروں کی صورتوں کے علم کی بحث کرنے والے اسی قلم سے اپنے علوم لیتے ہیں اور آنے والوں کے لیے لکھتے ہیں۔

اور قلم اعلام جو کہ تشریع وارشاد کے متعلق ہے' عالم علوی میں ملاء اعلیٰ کا قلم ہے کہ ہر قوم اور ہر زمانے کی استعداد کے مطابق ایک شریعت لکھ چھوڑی ہے اور پانچ شریعتوں کو اس شریعت کے منصوص تمام احکام اور اس شریعت کے مجتہدوں کے نکالے ہوئے احکام کے ساتھ ثبت کیا ہے اور عالم سفلی میں مذاہب اربعہ کے فقہاء اور اولیائے اللہ کے مختلف قسم کے اشغال اور اوراد کے طریقوں کی تدوین کرنے والوں کا قلم ہے اور قلم احکام جو کہ تکوین وایجاد کے متعلق ہے' عالم علوی میں ارزاق اور روزیوں کا قلم ہے جو کہ میکائیلی دفتر ہے۔ نیز موت کے مقررہ اوقات اور مصیبتوں کا قلم ہے جو کہ عزرائیلی دفتر ہے اور عالم سفلی میں ان دونوں قلموں کے بے شمار شعبے ہیں' ان میں سے سپہ سالاری کا قلم ہے جس کے ساتھ لشکر کے سواروں اور پیادوں کے رزقوں کا تعین وابستہ ہے اور ان میں سے قلم صدارت کہ مستحقوں اور محتاجوں کے رزق اس کے ساتھ متعلق ہیں اور ان میں استیفاء کا قلم ہے کہ خراج اور محصولات لینا اس کے ساتھ وابستہ ہے اور ان میں سے طبیبوں کا قلم ہے کہ بیماریوں سے صحت وشفا حاصل کرنا اس سے وابستہ ہے اور ان میں سے کوتوالی کا علم جو کہ قانون کے مطابق مجرم کو سزا دینے والوں کا محکمہ ہے کہ ہر گناہ گار کی سزا کی مقدار قتل' قید' پٹائی اور گھونسا مارنا ان کے سپرد ہے۔ وعلیٰ ہذا القیاس

اور احکام کا قلم جو تشریع وارشاد کے متعلق ہے' عالم علوی میں ملاء اعلیٰ کا قلم ہے جو کہ جبرئیلی دفتر ہے اور احکام الٰہی کو لکھ کر تازہ بہ تازہ بھیجتے ہیں اور یہی وہ قلم ہے جس کی آواز کو شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ سے اوپر سنا ہے۔ چنانچہ حدیث معراج میں واقع ہے کہ فظہرت لمستوی اسمع فیہ صریف الاقلام یعنی میں ایسے مستوی پر پہنچا جہاں میں قلموں کی آواز سن رہا تھا جبکہ عالم سفلی میں شرعی قبالے اور

حکم نامے لکھنے میں قاضیوں کے قلم' ہر واقعہ کی روایات نکالنے میں مفتیوں کے قلم اور وراثت کے حصے مقرر کرنے میں فرائض نویسوں کے قلم اس قلم کا شعبہ ہیں۔ پس جو شخص ان لکھنے والوں کی تمام تحریروں کو اجمالی طور پر نظر میں لائے تو یقین کے ساتھ جان لے کہ بارگاہِ خداوندی سے ہر وقت اور ہر لمحہ جہان والوں پر علوم و معارف کا فیض پہنچ رہا ہے اور قسم قسم کے احکام اس دربار عالی سے ذرات عالم میں ہر ہر شخص کے بارے میں آناً فاناً پہنچتے ہیں۔ پس اسے نبوت کے برحق ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے اور انبیاء علیہم السلام کے افعال اور اقوال کو جو کہ ان احکام کی نری تبلیغ اور ان علوم کا القاء ہیں' جنون پر محمول نہ کرے اسی لیے ان دو قسموں کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ آپ اپنے پروردگار کے فضل و کرم سے بے عقلی اور جنون زدہ نہیں ہیں جس طرح کہ کافر بکتے ہیں اور اس سورۃ کے آخر میں ان کی زبان سے نقل فرمایا ہے۔

جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے حق میں کلام کفار کہ جس سے جنون کی نسبت سمجھی جاتی ہے' سورۃ کے آخر میں مذکور ہے جبکہ جنون کی نفی جو کہ اس حکایت کا رد ہے' یہاں سورۃ کی ابتدا میں ہے حالانکہ عرف یہ ہے کہ پہلے مخالف کی کلام کو نقل کرتے ہیں۔ ازاں بعد اس کا رد و ابطال کرتے ہیں اب معروف ترتیب کو یہاں بدلنے میں کیا نکتہ ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ کفار سے یہ باتیں سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا تھا اس لیے پہلے آپ کے سامنے جنون کی نفی اس کے نقیضیں ثابت کر کے ضروری ہوئی تا کہ آپ کا قلب مقدس تسلی پکڑے اس کے بعد اس سورۃ میں اس گمان کا بھرپور رد واقع ہوا پھر اس مردود قول کو آخر میں نقل فرمایا تا کہ عقل والے اس کا مذاق اُڑائیں اور دشمن کی بکواس کو باطل کرنے میں یہ انداز بلغاء اور عقل مندوں کے نزدیک بہت دلچسپ اور فرض میں راسخ ہونے والا ہے۔

اور یہاں جاننا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنون کی نفی میں ایک اجمالی دلیل کے ساتھ اشارہ فرمایا ہے جس سے ہزاروں تفصیلی دلائل نکالے جا سکتے ہیں اور وہ اجمالی دلیل اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی آپ کی ذات پر ظاہری اور باطنی نعمتوں کو ملاحظہ کرنا ہے جیسے فصاحت' کمال عقل' خوبی ذہن' نبوت' ولایت' ہدایت عامہ اور اخلاق کریمہ پس گویا اس بات کا اشارہ فرمایا ہے کہ اس گمان کو باطل کرنے کے لیے آپ کی ذات میں اتنے دلائل موجود ہیں جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا مگر اس اجمالی دلیل کے ساتھ اور فی الواقع جو شخص حضور علیہ السلام کی سیرت میں کمال عقل اور عرب کے وحشیوں اور ان کے جنگلی ظالمون کو اپنی طرف مائل کرنے میں آپ کے حسن تدبیر پر غور کرے کہ آپ نے ان بے سروپا لوگوں کو کس طرح اپنے مطیع فرمایا یہاں تک کہ انہوں نے آپ کی حمایت میں اپنے رشتے داروں اور قبیلوں کے ساتھ جنگیں لڑیں' شہید ہوئے' قتل کیا اور آپ کے ساتھ بغیر کسی سابقہ شناسائی اور تعلق کے اپنے وطنوں اور اپنے دوستوں کو آپ کی محبت میں چھوڑ دیا تو یقین کے ساتھ اس حقیقت کو مان لے جو کہ وہب بن منبہ نے بیان فرمائی ہے کہ میں نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کی اکہتر (۷۱) کتابیں پڑھی ہیں' میں نے ان سب میں یہ لکھا پایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی پیدائش کی ابتدا سے لے کر اس کی انتہا تک عقل مندوں کو جتنی عقل گرانمایہ عطا فرمائی ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کے مقابلے میں صرف ایسے ہے جیسے دنیا کے تمام ریگستانوں کے مقابلہ میں ریت کا ایک ذرہ جیسا کہ اسے ابونعیم نے حلیہ میں اور اس سے ابن عساکر نے روایت کیا۔

ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کی وسعتوں کا بیان

اور عوارف المعارف میں ایک بزرگ سے روایت کی ہے کہ عقل کے سو حصے کیے گئے ہیں' ننانوے (۹۹) حصے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئے جبکہ ایک حصہ باقی مخلوقات میں تقسیم کیا گیا ہے اور جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کو معلوم کرنا چاہے' اسے چاہیے کہ سیرت کی کتابوں کا گہری نظر سے مطالعہ کرے کیونکہ یہاں ان واقعات کی تفصیل ایک عظیم طوالت کا موجب ہے' نمونے کے طور پر ان میں سے دو تین واقعات

لکھے جاتے ہیں۔

پہلا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر آیا اور عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھ میں چار بُری عادتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ بدکار ہوں، دوسری یہ کہ چوری کرتا ہوں، تیسری یہ کہ شراب پیتا ہوں اور چوتھی یہ کہ جھوٹ بولتا ہوں، ان چاروں چیزوں کو بیک وقت چھوڑنا میرے لیے ممکن نہیں، آپ فرمائیں کہ میں آپ کی خاطر ایک چیز چھوڑ دوں۔'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جھوٹ مت بول'' جب وہ شخص اپنے گھر چلا گیا، رات ہوئی اس نے چاہا کہ شراب نوشی اور بدکاری میں مصروف ہوں اس کے دل میں خیال آیا کہ اگر میں صبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہوں اور آپ مجھ سے پوچھیں کہ آج رات تو نے بدکاری کی یا نہیں اور تو نے شراب پی یا نہیں؟ تو میں کیا کہوں گا۔ اگر صحیح کہوں تو رسوا ہو جاؤں اور مجھ پر بدکاری اور شراب کی حد جاری فرمائیں ورنہ میں نے جھوٹ بولا ہوگا' شراب نوشی اور بدکاری کا خیال چھوڑ دیا جب رات زیادہ ہوگئی اور لوگ سو گئے۔ اس نے چاہا کہ چوری کے لیے جائے لیکن اسی طرح کا خیال اسے چوری سے مانع ہوا کہ اگر کل کو مجھے اس چوری کی تہمت لگائیں اور مجھ سے پوچھیں تو میں کیا کہوں گا اگر اقرار کروں تو میرے ہاتھ کاٹ دیں گے اور رسوائی ہوگی ورنہ جھوٹا ہوں گا' مجبوراً اس خیال کو بھی چھوڑ دیا۔ علی الصبح حضور علیہ السلام کی خدمت میں دوڑتا آیا اور عرض کی ''یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ چھوڑنے نے مجھ میں موجود چار بُری عادتیں مجھ سے چھڑا دیں'' حضور علیہ السلام بہت خوش ہوئے۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں ایک شخص کو پکڑے ہوئے حاضر آیا اس دعوے کے ساتھ کہ اس نے میرے بھائی کو قتل کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ ''خون بہا لے لے'' اس نے کہا ''مجھے قبول نہیں'' پھر فرمایا ''معاف کر دے تاکہ تجھے آخرت میں بہت ثواب حاصل ہو'' اس نے کہا ''مجھے یہ بھی منظور نہیں'' فرمایا ''جا اسے قتل کر دے کیونکہ اقراری ہے'' جب وہ شخص اس مرد کو قتل کرنے کے لیے چلا گیا تو آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا ''اگر یہ شخص اس

آدمی کو قتل کر دے گا تو اسی کی مانند ہو جائے گا" انہوں نے دوڑ کر اسے خبر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا ہے اس نے فوراً معاف کر دیا اور اس آدمی کو چھوڑ دیا جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے' معلوم کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ اسے قتل کر دے تو وہ جان کا قاتل ہونے میں اس کی مانند ہوگا نہ کہ گناہ میں۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر آیا اور عرض کی "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرا ایک ہمسایہ ہے جو بہت ستاتا ہے" آپ نے فرمایا "جا اور اپنے گھر کا سامان باہر نکال کر راہ پر ڈال دے اور اگر لوگ پوچھیں کہ تو کیا کرتا ہے تو کہنا کہ میرا ہمسایہ ستاتا تھا' میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اس کی شکایت کی تو آپ نے مجھے یونہی ارشاد فرمایا ہے" وہ شخص چلا گیا اور اپنے گھر کا سامان نکال کر سرراہ ڈال دیا' لوگوں نے ہجوم کر کے اسے پوچھنا شروع کر دیا کہ "تجھے کیا ہوا؟" اس نے وہی بات کہی اس ہمسایہ کو برا بھلا کہا جانے لگا اور ہر کوچہ و بازار میں یہ بات مشہور ہوگئی' وہ ستانے والا ہمسایہ اس شخص کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "خدارا! مجھے اس قدر رسوا نہ کر اور اپنا سامان اپنے گھر لے جا" اور اس نے پختہ عہد و پیماں کیا کہ "میں تجھے پھر نہیں ستاؤں گا۔"

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے مکہ معظمہ میں بہت بڑا سیلاب آیا جس سے حجر اسود اکھڑ گیا اور کعبہ معظمہ کی بنیاد میں بھی کئی رخنے پڑ گئے اس سیلاب کے چلے جانے کے بعد تمام سردارانِ قریش نے اپنے ہاتھوں اس عظیم گھر کی مرمت شروع کر دی جب حجر اسود تک نوبت پہنچی تو ہر فرقے اور ہر قبیلے کے سردار نے چاہا کہ اس پتھر کو میں اپنے ہاتھ سے رکھوں' دوسروں نے مزاحمت کی' جھگڑا کھڑا ہو گیا' آخر انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے منصف مقرر کیا جبکہ اس وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال کی تھی اور انہوں نے کہا کہ "اس نوجوان جیسا عقل مند قبیلہ قریش میں کبھی پیدا نہیں ہوا جو وہ کہے ہم اس کی پیروی کریں گے۔" حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ "حجر اسود کو ایک بڑی چادر میں رکھ کر اس کے ہر گوشے کو ایک ایک سردار اُٹھائے اور اسے اُٹھانے میں سب شریک ہوں جب پتھر اپنے مقام کے برابر پہنچے تو مجھے اپنی طرف سے سب وکیل قرار دیں تاکہ میں اپنے ہاتھ سے رکھوں کہ میرا ہاتھ وکالت کے حکم سے سب کا ہاتھ ہوگا۔" تمام سردار اس فیصلے پر راضی ہو گئے۔

پانچواں واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ حدیبیہ میں جب کافروں کے ساتھ مغلوبانہ صلح قرار پائی، کفار نے یہ شرط کی کہ مسلمانوں سے جو بھی بھاگ کر ہمارے پاس آئے، ہم اسے واپس نہیں دیں گے اور ہم میں سے جو بھی بھاگ کر مسلمانوں کے پاس جائے، ہم اسے واپس لے لیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو قبول فرمالیا۔ حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ ماجرا سُن کر بہت پریشان ہوئے اور سب حضور علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے کہ "یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم یہ شرط ہرگز قبول نہیں کریں گے اس لیے کہ ان دونوں صورتوں میں ہم پر ذلت عائد ہوگی اگر اپنے بھاگنے والے کو وہ واپس لیں گے، ہم بھی اپنے بھاگے ہوئے کو واپس لیں گے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تھوڑا سا غور کرو کہ جو شخص ہم سے بھاگ کر جائے گا، وہ نہیں ہوگا مگر منافق کہ اس کے دل میں کفر اور کفار کی رفاقت کی محبت ہوگی، اوّل تو وہ اسی قابل ہے کہ ہمارے پاس نہ رہے، انہیں کے ساتھ رہے، ہمیں چاہیے کہ اسے اپنے میں سے باہر نکال دیں حالانکہ وہ خود بخود چلا گیا، ہم اسے واپس کیوں لیں؟" سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس نکتے کو سمجھ گئے اور سب نے حضور علیہ السلام کے کمالِ عقل کی تحسین و آفریں کی۔

چھٹا واقعہ یہ ہے کہ غزوۂ احزاب میں طویل محاصرے کے بعد جب کافروں نے چاہا کہ علی الصبح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کریں اور کافر بارہ ہزار کے قریب تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ابتدا میں تین ہزار ساتھی تھے اور آخر میں محاصرہ کے طویل ہونے اور آب ودانہ نہ ملنے کی وجہ سے بہت قلیل رہ گئے تھے، اتنی بڑی فوج کے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے وقت حذیفہ بن الیمان کو جاسوسی کے لیے ان کے لشکر میں بھیجا اور فرمایا کہ سردارانِ قریش کو ڈھونڈ کر کہنا کہ کل حملے

کا دن ہے' سب لوگ تمہارے ہی لشکر کو جو کہ اس ہنگامے کا مرکزی کردار ہے' آگے کریں گے اور خود تمہارے پیچھے رہیں گے اور اس سمت سے تم پر ہر ممکن ضرب اور حملہ ہوگا تو ہر طرف بھی قبیلۂ قریش والے ہی مقتول اور مجروح ہوں گے جبکہ دوسرے قبائل محفوظ رہیں گے اور فتح اور شکست دونوں صورتوں میں تمہیں ہی سستی اور ضعف لاحق ہوگا اور اس کے بعد دوسرے قبائل تم پر ظلم کا ہاتھ بڑھائیں گے' اسے خوب سمجھ لو اور سمجھ کر قدم اُٹھاؤ۔ وہ لوگ اسے سنتے ہی اپنے ارادے میں پھسل گئے اور انہوں نے حملہ ترک کر دیا یہاں تک کہ اس لشکر کے درمیان صریح نفاق ظاہر ہوگیا اور کسی ظاہری سبب کے بغیر کوچ کر گئے۔

مختصر یہ کہ ایسے عظیم عقل مند کے متعلق یہ گمان کہ سودائی اور مجنون ہو' بعینہٖ اسی طرح ہے کہ کوئی سورج کو تاریک گمان کرے اور کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ مجنون ہوں؟

وَاِنَّ لَكَ لَاَجْرًا غَيْرَ مَمْنُوْنٍ تحقیق آپ کے لیے وہ اجر و ثواب ہے کہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا اس لیے کہ آپ کے ہاتھوں سارے عالم کو ہدایت کلیہ پہنچے گی اور وہ ہدایت قیامت تک باقی رہے گی جبکہ مجنون کو اپنی حرکات و افعال کی خبر نہیں ہوتی۔ چہ جائیکہ کسی کو ہدایت کرے' اپنے کسی عمل میں ثواب کا مستحق نہیں ہوتا اس لیے کہ بے عقلی کی وجہ سے اس کا عمل نیت سے خالی ہوتا ہے چہ جائیکہ اسے غیر منقطع ثواب حاصل ہو جب یہاں غیر منقطع ثواب کے معنی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وعدہ ہو چکا معلوم ہوا کہ اس سے مراد آپ کی اُمتوں کے اعمال کا ثواب ہے جو کہ قیامِ قیامت تک منقطع نہ ہوگی تو جو اشکال یہاں وارد ہوتا تھا' زائل ہوگیا۔

اور اس اشکال کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر ممنون اجر کا وعدہ ہر مومن کے لیے سورۃ انشقاق اور سورۃ والتین میں کیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کی خصوصیات میں اس کا ذکر کیا مناسبت رکھتا ہے اور اس اشکال کے زائل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مومنین کے حق میں جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے' ثواب بہشت کا ہمیشہ ہونا ہے اور جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہے' اعمال اُمت کے ثواب کا قیامت تک اور اس غیر منسوخ ہدایت عامہ کلیہ کے منشا کا غیر منقطع ہونا ہے جو کہ حضور علیہ السلام کی خصوصیات میں ہے اور دونوں کے

درمیان کافی فرق ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کوئی نبی علیہ السلام نہیں ہے مگر اسے اس کے اعمال کا ثواب پہنچتا ہے جو اس پر ایمان لایا اور اس کے دین میں داخل ہوا اس لیے کہ وہ جو عمل کرتا ہے اپنے پیغمبر علیہ السلام کی دلالت اور ارشاد کے ساتھ کرتا ہے اور کارِ خیر پر دلالت کرنے والا کارِ خیر کرنے والے کی طرح ہے اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے دین منسوخ ہوتے چلے آئے ہیں حتیٰ کہ آخری دین جو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دین ہے خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ساتھ منسوخ ہو گیا اور منسوخ دین پر عمل اجر وثواب کا موجب نہیں ہے تو گزشتہ انبیاء علیہم السلام کا اجر وثواب لازماً منقطع ہو گیا اور قیامِ قیامت تک طویل نہ ہوا۔ بخلاف خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے اجر وثواب کے کہ قیامِ قیامت تک منقطع ہونے والا نہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ اخلاق کا بیان

نیز وہ آپ کو مجنون کس طرح گمان کرتے ہیں وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ تحقیق آپ بہت بڑے خلق پر جلوہ گر اور قائم ہیں جبکہ مجنون کا کوئی قابلِ اعتماد خلق نہیں ہوتا اس لیے کہ حالات کا عدم استحکام اوہام اور خیالات کی تبدیلی جنوں کے لوازمات میں سے ہے اور اسی عدم استحکام اور تبدیلی کے ساتھ خلق کا پختہ ہونا متصور نہیں ہے اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور علیہ السلام کا خلق مبارک کیا تھا کہ اسے حق تعالیٰ نے مقامِ تعریف میں یاد فرمایا؟ آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا یعنی جس چیز کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہے آپ سے طبعی طور پر صادر ہوتی تھیں اور جس چیز کو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بُرا کہا ہے اس سے طبعی طور پر آپ نفرت فرماتے تھے۔

اور علماء میں سے بعض نے کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم وہ تھا جس کی آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں تعلیم فرمائی ہے کہ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ اور واقع میں دعوت الی اللہ اور حق کی امداد کرنے کی صورت

میں اس سے زیادہ مشکل اور کوئی چیز نہیں ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلقِ عظیم یہ تھا کہ ظاہری طور پر مخلوق کے ساتھ باہمی میل جول رکھتے تھے لیکن باطن میں حضرت حق کے ساتھ مشغول اور آرام فرماتے تھے اور ہمیشہ ظاہر و باطن کو باہمی طور پر ملا کر زندگی بسر فرماتے تھے اور یہ کام بھی بہت سخت اور مشکل ہے اس لیے کہ جب ظاہر اور باطن ایک طرف متوجہ ہوں تو کام آسان ہو جاتا ہے۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ **انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** یعنی میری بعثت اس لیے ہوئی ہے کہ تمام گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی بزرگیوں کو میں پورا کروں جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی صفوت' حضرت ادریس علیہ السلام کا فہم' نوح علیہ السلام کا شکر' ہود علیہ السلام کی سخاوت' صالح علیہ السلام کی عبادت' خلیل علیہ السلام کی خلت' موسیٰ علیہ السلام کا عزم' ایوب علیہ السلام کا صبر' داؤد علیہ السلام کا عدل' سلیمان علیہ السلام کا تمکن' حضرت یحییٰ علیہ السلام کا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا زہد اور اسی وجہ سے آپ کو خلقِ عظیم کے ساتھ موصوف فرمایا گیا کہ ان تمام بزرگوں کے تمام اخلاق کے ساتھ موصوف تھے۔

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نیز حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب آیت **خُذِ الْعَفْوَ** نازل ہوئی' حضور علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس کی تفسیر پوچھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا آپ کو مکارم اخلاق عطا فرمائے گئے کہ آپ اس سے تعلق رکھیں جو آپ سے قطع تعلق کرتا ہے اور اسے عطا فرمائیں جو آپ کا حق نہیں دیتا اور اسے معاف فرمائیں جس نے آپ پر ظلم کیا ہے یعنی یہ آیت آپ کو تمام اچھے اخلاق سکھاتی ہے۔

اور جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے آگاہ ہو وہ یقین سے جان لے کہ حضور علیہ السلام نے ان درجات کو انتہا تک پہنچایا کہ اس سے آگے انسان کی طاقت نہیں اور عناد کرنے والے کفار کے ساتھ آپ کے معاملات میں سے یہ تھا کہ جب جنگِ احد میں حضور علیہ السلام کے چچا بزرگوار کو شہید کر دیا گیا اور آپ کے عمدہ یاروں میں سے

بہتر افراد کو قتل کر دیا گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے جگر کو نکال کر چبا کر پھینک دیا گیا اور دوسرے شہداء کا مثلہ کر دیا گیا یعنی کان' ناک کاٹ دیئے گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو گہرا زخم لگایا گیا اور دندانِ مبارک کو شہید کر دیا گیا حتیٰ کہ سر اور منہ مبارک سے خون جاری تھا اور لوگوں نے یہ حالت دیکھ کر بے تاب ہو کر عرض کی کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اب یہ کفار ظلم و ستم اور بے ادبی میں حد سے گزر گئے' ان کی ہلاکت کی دعا فرمانا چاہیے۔ آپ نے فرمایا مجھے ہلاک کی دعا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا بلکہ رحمت اور ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ **اللھم اغفر لقومی واھد قومی فانھم لایعلمون** اس واقعہ کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں معتبر سند کے ساتھ بیان کیا اور دوسرے محدثین نے بھی روایت کی ہے۔

حلم کا بحر بیکراں

اور طبرانی' حاکم' ابن حبان' بیہقی اور دیگر محدثین نے علمائے یہود میں سے زید بن ثعنہ سے روایت کی ہے کہ مجھے آخر الزماں رسول علیہ السلام کے تمام اوصاف جو کہ میں نے پہلی کتابوں میں دیکھے تھے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک میں نظر آ گئے مگر دو صفات مجھے معلوم نہ ہوئیں۔ ایک یہ کہ اس کی بردباری اس کے غصے پر غالب ہوگی' دوسری یہ کہ تلخ نوائی کے مقابلے میں ان کی نرمی اور زیادہ ہوگی۔ میں نے چاہا کہ ان دونوں صفات کا امتحان کروں' میں وقت کے انتظار میں تھا کہ اچانک یوں اتفاق ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے کافی مقدار میں کھجور قرض خرید کی اور قیمت کی ادائیگی کے لیے ایک مدت مقرر فرمائی' میں اس مدت سے دو تین دن پہلے چلا گیا اور تقاضا شروع کر دیا' میں نے دیکھا آپ بالکل بے جا نہیں ہوتے اور یہ نہیں فرماتے کہ ابھی وعدے کی مدت نہیں گزری تو کیوں تقاضا کرتا ہے؟ میں نے تقاضے کے ارادے سے بدکلامی شروع کر دی جب میں نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں بہت سے صحابہ کرام جمع ہو گئے ہیں تو میں نے زیادہ سختی شروع کر دی تا کہ آپ کو ان یاروں کے حیا کی وجہ سے غصے کا غلبہ ہو اور مجھے کوئی سخت بات فرمائیں لیکن آپ بالکل بے ضبط نہ ہوئے یہاں

تک کہ میں نے یہ بات بھی کہی کہ آپ کے خاندان میں قرض کی ادائیگی میں اسی طرح کی لیت و لعل کرتے آئے ہیں' کسی قرض خواہ نے تم لوگوں سے اپنا قرض آسانی کے ساتھ وصول نہ کیا۔ یہ بات سنتے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غصے سے بھڑک اُٹھے اور میں اُٹھ کھڑا ہوا اور آپ کے پیراہن مبارک اور چادر مبارک کو اپنے ہاتھوں سے کھینچا اور میں نے تیز نگاہ سے دیکھا اور کہا کہ اُٹھو اور ابھی میرا قرض ادا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بے چین ہو کر تلوار اُٹھائی اور میرے سر پر آ کھڑے ہوئے اور کہا او دشمنِ خدا! تو باز نہیں آتا' میں ابھی تیرا سر قلم کرتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ ہمیں تم سے اس کی توقع نہ تھی' تمہیں چاہیے تھا کہ مجھے نرمی کے ساتھ اچھی طرح قرض ادا کرنے اور اسے اچھی طرح تقاضا کرنے کی نصیحت کرتے' یہ کیا لفظ ہیں جو تم نے کہے ہیں؟ حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نادم ہو کر عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے اس سے زیادہ صبر نہ ہو سکا اب آپ مجھے فرمائیں کہ میں اس کا قرض ادا کروں؟ فرمایا جاؤ اور اس کا سارا حق پورا کرو اور اس کے حق سے بیس صاع اور زیادہ دو تا کہ وہ بدسلوکی جو تم نے اس سے کی ہے اس کا بدلہ حاصل ہو جائے۔ میں یہ بات سنتے ہی مسلمان ہو گیا۔

نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح روایت میں آیا کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ جلوہ افروز ہو کر باتیں فرما رہے تھے اور آپ وہاں سے اُٹھے تا کہ دولت خانہ میں تشریف لے جائیں' ہم بھی آپ کے ساتھ اُٹھے اچانک ایک جنگلی ظاہر ہوا اور اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک کو سر انور سے زور سے کھینچا یہاں تک کہ گردن مبارک سرخ ہو گئی اور قریب تھا کہ سر مبارک دیوار کے ساتھ لگے اس جنگلی کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ تیرا کیا مقصد ہے؟ کہہ- اس نے کہا میرے یہ دونوں اونٹ غلے سے لاد کر دیں کیونکہ آپ کے پاس جو مال ہے' خدا کا مال ہے' آپ کا یا آپ کے باپ کا مال نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو سچ کہتا ہے کہ یہ مال میرا یا

میرے باپ کا نہیں ہے لیکن یہ جو اتنی سختی تو نے مجھ پر کی ہے میرا حق ہے میں اس کا بدلا لوں گا۔ اس نے کہا کہ میں اس کا قصاص ہرگز نہیں دوں گا اور اس حالت میں آپ پوری بشاشت کے ساتھ تبسم فرما رہے تھے جب کچھ وقت اس گفتگو میں گزر گیا تو ایک شخص کو بلایا اور فرمایا کہ اس کے ایک اونٹ پر کھجوریں اور دوسرے پر جو لاد کر دے دو۔ اس حدیث پاک کو ابوداؤد نے اپنی سنن میں روایت فرمایا ہے۔

اور تمام سیرت نگاہ متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے کے منافقین کے ساتھ ایسا سلوک فرماتے تھے کہ کسی کو طاقت نہیں کہ اپنے مخالفوں کے ساتھ ایسا سلوک کرے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے باوجودیکہ ارحم الراحمین ہے آپ کو سختی کرنے کی تاکید فرمائی اور یہ حکم اُتارا یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْهِمْ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوستوں سے بار بار فرمایا کرتے تھے کہ لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسٰی بن مریم وقولوا عبداللہ ورسولہ یعنی میری وہ تعریف نہ کرو جو کہ پورے مبالغہ کے ساتھ نصاریٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کرتے تھے' میری نعت میں یہی کہو اللہ تعالیٰ کے بندہ اور اس کے رسول علیہ السلام ہیں کہ اس کی بندگی میرے لیے کافی عزت ہے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت لائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں کبھی بھی کنیزوں' غلاموں اور خدمت گاروں میں سے کسی کو نہ پیٹا اور ترمذی میں وارد ہوا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خدمت گار کو کبھی بھی سخت آواز کے ساتھ ڈانٹ نہ پلائی اور اپنا بدلہ لینے کے لیے کسی کو نہیں ستایا ہے۔ نیز صحاح میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مجلس میں دوستوں کی موجودگی کبھی بھی پاؤں مبارک دراز نہ فرمائے اور اگر کوئی ملاقات کے لیے حاضر آتا جب تک وہ بیٹھا رہتا' ہرگز نہیں اُٹھتے تھے اور بیٹھنے میں آپ کے زانوئے مبارک کسی کے زانوؤں سے آگے نہیں بڑھتے تھے اور آپ کے اہلِ بیت یا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے جب بھی کوئی آپ کو یارسول اللہ! کہہ کر پکارتا تو

اس کے جواب میں لبیک فرمایا کرتے تھے۔

اور تاریخ طبری میں مذکور ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام سفر میں تھے کہ آپ نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ آج ہم چاہتے ہیں کہ ایک بکری کے کباب بنائیں۔ دوستوں نے عرض کی بہت بہتر' ان میں سے ایک نے عرض کی کہ میں ذبح کرتا ہوں' دوسرے نے کہا میں کھال اُتارتا ہوں' تیسرے نے کہا گوشت بنانا میرے ذمہ ہے اور چوتھے نے کہا اس کا پکانا میرے ذمے ہے۔ علی ہذا القیاس اس کام کے تمام لوازمات کو تقسیم کرلیا تاکہ جلدی تیار ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور تمام دوست کام میں لگے ہوئے تھے' آپ کچھ دیر کے بعد تشریف لائے اور جنگل سے ایندھن لائے' صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام بھی ہم کرلیتے' آپ کو بنفس نفیس تکلیف اُٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اس بات کو پسند نہیں فرماتا کہ اپنے دوستوں میں امتیاز کے ساتھ بیٹھے اور ان میں شامل نہ ہو۔

صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ مدینہ عالیہ کی کنیزوں میں سے کوئی کنیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی' آپ انکار نہیں فرماتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ پاک میں ایک عورت تھی جس کی عقل میں کچھ خلل واقع ہوگیا تھا' اسے فاسد سے خیالات آتے تھے اور لوگوں کے سامنے ان خیالات کا اظہار کرتے حیا کرتی تھی۔ بار بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتی اور تنہا بیٹھ کر وہ ساری باتیں کہہ دیتی جب بھی کوئی دُور سے ظاہر ہوتا تو وہم کرتے ہوئے کہتی کہ یہاں سے اُٹھئے کسی دوسری جگہ خلوت اختیار کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی یہ سب تکلیفیں قبول فرماتے تھے۔

دستِ مبارک سے شفا طلب کرنا

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ جب نمازِ فجر سے فارغ ہوتے تھے تو اہلِ مدینہ کے غلام اور لونڈیاں پانی سے بھرے ہوئے برتن لاتے تاکہ آپ ان برتنوں میں اپنا

دست مبارک ڈال دیں، وہ پانی متبرک ہو جائے اور وہ سارا دن کھانے اور دوائی میں وہ پانی استعمال کرتے تھے اور بعض اوقات کہ موسم سرما ہوتا اور برتن زیادہ اور پانی بہت ٹھنڈا، ہر برتن میں ہاتھ ڈالنے میں بہت تکلیف ہوتی تھی لیکن اس کے باوجود کسی برتن کو خالی نہ چھوڑتے، ہر ایک میں ہاتھ مبارک ڈالتے۔

اور آپ کی خوش خلقی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ چھوٹی عمر کے بچوں کے ساتھ بھی خوش طبعی فرماتے تھے۔ ایک بچہ تھا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بھائی اس کے پاس نغیر نام کا ایک جانور تھا جسے ہندی زبان میں لال کہتے ہیں اس نے پالا تھا، اتفاقاً وہ لال مر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لال کی تعزیت کے لیے اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا یا ابا عمیر مافعل النغیر تا کہ یہ مقفی کلام سُن کر اس کا دل خوش ہو جائے اور غم نہ کرے۔

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم تھے، فرمایا ہے کہ میں نے دس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی، آپ نے کبھی نہ فرمایا کہ تو نے یہ کام کیوں نہیں کیا اور یہ کام کیوں کیا؟ اور صحیح حدیث پاک میں وارد ہے کہ قیامت کے دن ایمان والوں کے اعمال کے ترازو میں سب سے وزنی چیز اچھا خلق ہوگا۔ نیز وارد ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کچھ جانتے ہو کہ زیادہ تر کس وجہ سے لوگ جہنم میں جائیں گے؟ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم خدا اور رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا دو کھوکھلی چیزیں آدمی کے جسم میں جو کہ منہ اور مقام شرم ہے، زیادہ تر آگ میں داخل ہونے کا موجب ہوں گے پھر فرمایا کچھ جانتے ہو کہ کونسی چیز زیادہ تر جنت میں داخل ہونے کا سبب ہوگی؟ عرض کی اللہ و رسولہ اعلم، فرمایا تقویٰ اور حسنِ خلق۔

نیز وارد ہے کہ صاحب ایمان آدمی اپنے حسنِ اخلاق کی وجہ سے ہمیشہ روزے رکھنے والے اور ساری رات قیام کرنے والے کا مرتبہ پا لیتا ہے اور جب یہ ثابت کرنے سے فراغت ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں باوجود ان اعمال خیر اور ہدایتِ

کلیہ کو دیکھنے کے جو کہ غیر منقطع اجر وثواب کا سبب ہے اور باوجودیکہ ان اخلاقِ کریمہ پر مطلع ہونے کے جو کہ کمال عقل پر دلالت کرتے ہیں' جنون کا گمان صریح طور پر غلط اور صاف باطل ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ عنقریب آپ دیکھ لیں گے اور یہ بھی دیکھیں گے جبکہ دنیا میں آثارِ ہدایت اور آپ کے اخلاقِ کریمہ کی کشش انہیں راہ پر لے آئے گی اور آپ اکمال ان کے سامنے جلوہ گر ہوگا اور موت کے بعد جب حقیقت سے پردہ اُٹھائیں گے اور عقل ودانش سے ہر ایک کا مرتبہ ظاہر ہوجائے گا کہ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنَ کہ تم میں سے کسے جنون اور دیوانگی ہے' آپ؟ جو کہ جامع کلمات کے ضمن میں انہیں عالم ملک وملکوت کے مخفی اسرار کا پتہ دیتے ہیں یا یہ لوگ؟ جو کہ اپنی ذات کی حقیقت سے اور آیاتِ الٰہی سے جو کہ ان کے نفسوں میں روشن اور چمکتی ہیں' حجاب میں رہے' دیوانوں کی طرح تراشے ہوئے پتھروں اور ناتراشیدہ لکڑی کی عبادت کے فتنے میں گرفتار رہے ہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ تحقیق آپ کا پروردگار ہی زیادہ جاننے والا ہے' اسے جو کہ حقیقی مجنون اور بالکل مفتون ہے کہ اس کی عقل تہ بہ تہ پردوں میں چھپی رہی یہاں تک کہ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ گمراہ ہوگیا اپنے مالک کی راہ سے اور جانور سے بھی کمتر ہوگیا کہ وہ اپنے مالک کے گھر کی راہ پہچانتا ہے۔ وَهُوَ اَعْلَمُ اور وہی ہے زیادہ جاننے والا عقل صحیح والے عقل مندوں کو کہ جنہیں تعبیر کیا جاتا ہے۔ بِالْمُهْتَدِيْنَ راہ پانے والوں کے نام سے کہ انہوں نے اپنے مالک کا راستہ پہچان لیا اور اس کی طرف متوجہ ہوئے اور جب ان دونوں فرقوں کے درمیان بہت فرق اور کافی دُوری ہے تو چاہیے کہ آپ اپنے حسن خلق کی بناء پر بظاہر بھی ان سے موافقت نہ کریں جس طرح کہ آپ باطن میں بھی ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتے اس لیے کہ ظاہر کی موافقت باطن کی موافقت کا اثر ہے اور اس کی علامت۔

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ پس آپ انکار کرنے والوں کی بات نہ مانیں۔ کہتے ہیں کہ ولید بن مغیرہ' ابوجہل' اسود بن عبد یغوث اور اخنس میں شریق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ اگر آپ کو خلط سوداوی ان حرکات اور ان کلمات کا موجب ہوتی ہے تو ہمیں اطلاع دیں کہ ہم آپ کے بھائی بند اور رشتے دار ہیں اور اگر عیش و عشرت کا خیال ہے تو فرمائیں ہم آپ کے لیے پسندیدہ عورتیں' نفیس لباس' لذیذ کھانے اور بے پناہ مال و دولت مہیا کریں اور اگر آپ سرداری اور مرتبہ چاہتے ہیں تو لیجیے ہم تمام سردار آپ کے مطیع اور تابع فرماں ہیں' سرداری کی مسند پر بیٹھیے اور حکمرانی کیجیے کہ آپ حسب و نسبت اور عقل و دانش میں سب سے عمدہ اور زیادہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ان میں سے کچھ بھی منظور نہیں' مجھے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی فرماں برداری منظور ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر آپ کو یہ کام منظور ہے تو بسر و چشم لیکن ہماری ایک بات سُن لیں کہ ہمارے بتوں کو بُرا نہ کہیں اور لوگوں کو ان کی عبادت سے منع نہ کریں اور خود خدا کی عبادت میں مشغول رہیں' ہم آپ کو خدا کی عبادت سے نہیں روکیں گے اور آپ پر کوئی طعنہ اور طنز نہیں کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم خداوندی کے انتظار میں خاموشی اختیار فرمائی اور یہ آیات نازل ہوئیں اور ارشاد ہوا کہ بتوں کی مذمت اور ان کی پوجا کی قباحت کے بیان کے بارے میں ان کی بات بالکل نہ سُنیں۔

وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ وہ پسند کرتے ہیں کہ کاش آپ اپنے طریقے اور آئین میں کچھ سستی کریں۔ پس وہ خود سست اور بے غیرت ہیں اور مقصد یہ ہے کہ مرد حقانی کو مخالفین کے کہنے کی بالکل پرواہ نہیں کرنا چاہیے اور ان کی رضاجوئی کو پیش نظر نہیں رکھنا چاہیے کہ آخر یہ مقصد دین میں سستی تک لے جاتا ہے۔ ہاں نرمی اور خوش خلقی ہر کسی کے ساتھ قابلِ تعریف ہے لیکن اس کے بغیر کہ اپنے طریقے اور قانون میں کوئی کمزوری واقع ہو اور اپنے دین کے بارے میں کچھ سستی رونما ہو۔ اور یہ ایک ایسا مقام ہے جو بہت مشکل ہے اور یہاں امتیاز کرنے اور پہچاننے میں اکثر لوگوں نے لغزش کی ہے کچھ لوگوں نے خلق کو اچھا کرنے' دِلوں کو مائل کرنے اور خاطر داری میں اس قدر کوشش کی کہ دینی معاملات صریح طور پر سستی کرنے لگے اور بعض دین کے تعصب و حمیت میں اتنا دُور چلے گئے کہ انہوں نے تلخ نوائی اور بد خلقی کو عین عبادت سمجھا۔

مدارات اور مداہنت میں فرق

اور سیدھا راستہ مدارات اور مداہنت کے درمیان کے فرق پر موقوف ہے۔
مدارات اپنے حقوق سے درگزر کرنا ہے جیسے ہاتھ اور زبان کے ساتھ تعظیم' اکرام اور احسان کرنا اور عیب پوشی اور خیر خواہی جبکہ مداہنت دین کے حقوق جیسے امر بالمعروف' نہی عن المنکر' حدیں قائم کرنا اور حق کو بیان کرنا' حق کو پورا کرنے میں سستی کرنا ہے۔
بہر حال منکروں کی موافقت اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے ہو'ہدایتِ عامہ' کلیہ میں خلل ڈالتی ہے اور غیر ممنون اجر کے استحقاق میں عیب لگاتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اذالقیت الفاجر فالقه بوجه خشن یعنی جب تجھے فاجر آدمی ملے تو اس ترش روئی سے مل اور حقائق التنزیل میں مذکور ہے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے من صحح ایمانه واخلص توحیده فانه لایانس الی مبتدع ولایجالسه ولایوا کله ولایشاربه ویظهر له من نفسه العداوة ومن داهن بمبتدع سلبه الله تعالٰی حلاوة الایمان ومن تحبب الی مبتدع نزع نورالایمان من قلبه یعنی صحیح الایمان شخص کو چاہیے کہ بدعتیوں کے ساتھ اُنس نہ پکڑے اور ہم مجلس' ہم کاسہ اور ہم نوالہ نہ ہو اور جس نے بدعتیوں کے ساتھ دوستی پیدا کی تو ایمان کا نور اور اس کی حلاوت اس سے لے لیتے ہیں۔
خصوصاً منکروں میں سے وہ شخص جو کہ رذیل النفس اور بداخلاق ہو اس کے ساتھ موافقت کرنا اگرچہ ظاہر کے اعتبار سے ہو حسنِ اخلاق کے کمال کو نقصان پہنچانے کا سبب ہے تو جسے اللہ تعالٰی نیک اخلاق پر ثابت قدم رکھے' اسے ان کی موافقت سے پرہیز ضروری ہے تا کہ اس کی معاملت کی کثرت اور اس رذیل النفس کی صحبت کی وجہ سے اس کے اخلاق میں کمی نہ پڑ جائے۔ چنانچہ فرمایا
وَلَا تُطِعْ اور ہرگز اطاعت نہ کر ان منکروں میں سے کُلَّ حَلَّافٍ ہر بہت قسمیں اُٹھانے والے کی جو کہ ہر بات میں خدا تعالٰی کی قسم کھاتا ہے اس لیے کہ بہت قسمیں کھانا دو وجہ سے نفس کے کمینہ پن کی دلیل ہے۔

زیادہ قسمیں کھانے والے کے کمینے پن کا بیان

اوّل تو یہ کہ اپنے مالک کے مرتبے کی بزرگی اور عظمت کو نہیں جانتا کہ اس کے عظیم نام کو اس درجہ ہلکا کر دیتا ہے اور اس کی قباحت کے راز سے غافل ہے جبکہ عزت نفس اپنے بزرگوں کے حقوق دریافت کرنے کے ساتھ ہے اور اس کا کمینہ پن ان حقوق سے غفلت کی وجہ سے۔ اسی لیے کمینے اپنے والدین کا نام تعظیم کے ساتھ نہیں لیتے اور جہان میں کوئی شخص بھی بندے کی نسبت سے اتنے حقوق نہیں رکھتا جتنے کہ اس کا خالق و مالک رکھتا ہے جب اس نے اس طرح کے حقوق نہ پہچانے تو کمال کمینہ پن کی دلیل ہوئی۔

دوسری وجہ یہ کہ جو زیادہ قسمیں کھاتا ہے' غالباً جھوٹا ہوتا ہے اور جھوٹ بولنا لوگوں کی نظر میں کمال حقیر ہونے کا موجب ہے اور اس حقارت کو جان بوجھ کر ہر وقت اپنے آپ پر گوارا کرنا نفس کے کمینے پن کی دلیل ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں ایک قوی اشکال ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر بہت قسمیں اُٹھانا بُرا اور معیوب ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ہر بات میں قسم کیوں زیادہ واقع ہوئی؟ وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ فرمایا کرتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں قسم کا کثرت سے استعمال چند وجہ سے آپ کی رفعت وشان کو زیادہ کرنے کا موجب تھا۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ آپ اپنی ہر بات میں یادِ الٰہی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے اور یہ کمال محبت کی علامت ہے' من احب شيئا اكثر ذكره۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جن مضامین پر قسم فرماتے تھے' غالب طور پر اس وجہ سے کہ عوام کی عقل اور حواس سے بالاتر ہوتے تھے' تاکید کی ضرورت پڑتی تھی۔ پس قسم لانے میں تاکید اور دعوت الی اللہ حاصل ہوتی تھی اسی لیے دنیوی امور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قسم کھانے کا اتفاق نہ ہوا۔ آپ نے جو قسم اُٹھائی ہے' احکامِ شرعیہ کے بیان یا عذابِ الٰہی سے ڈرانے میں اُٹھائی ہے۔ بخلاف زیادہ قسمیں کھانے کے جو کہ دوسروں سے واقع ہو کہ ان امور میں

سے ہر چیز وہاں معدوم ہے۔

اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں قسم کے کثرت سے استعمال ہونے کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے غیر شرعی قسموں کا رواج بہت ہو چکا تھا۔ باپوں' بیٹوں' اپنی آنکھ اور کان' بزرگوں' مقتداؤں اور بتوں کی قسمیں کھاتے تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ضروری ہوا کہ اپنے کلام میں بار بار قسم کا استعمال فرمائیں تا کہ لوگ آپ سے قسمیں کھانے کا طریقہ سیکھیں اور اپنی ان غیر شرعی قسموں کو چھوڑ دیں اور یہاں تبلیغ قولی کافی نہ تھی اس لیے پکی عادتوں کا قلع قمع ایک دوبار کہنے سے میسر نہیں ہوتا۔

مختصر یہ کہ اس شخص کا بہت قسمیں کھانا معیوب ہے کہ وہ وصف مَّهِينٍ کے ساتھ بھی موصوف ہوتا ہے' یعنی پست ہمت اور رذیل الطبع کہ اپنی قسمیں غیر موزوں مقاصد اور ذلیل اغراض کو ثابت کرنے میں خرچ کرتا ہے اور سمجھتا نہیں ہے کہ کس عظیم نام کو کس نالائق امر کا وسیلہ بناتا ہوں بلکہ قسم کی یہ کثرت اس کے نفس کے کمینے پن اور اس کے ذلیل ہونے کی دلیل ہے کیونکہ عزت والا عزت والے کی قدر جانتا ہے اور ہر صاحب عزت کی رعایت کرتا ہے جبکہ ذلیل شخص ہر چیز کو اپنے پر قیاس کرتا ہے اور ذلیل سمجھتا ہے۔

اور اگرچہ اس طرح کا رذیل النفس جو کہ خدا تعالیٰ کے نام کی عزت کی رعایت نہیں رکھتا جو بھی ہو' پرہیز اور کنارہ کشی کے لائق ہے لیکن اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں ولید بن مغیرہ کے حال کا اشارہ مراد ہے جو کہ مال دار اور کثیر الاولاد آدمی تھا۔ چنانچہ اس کے احوال اور اولاد کی کچھ تفصیل سورۂ مدثر میں مذکور ہے اس کے باوجود یہ ذلتیں رکھتا تھا اور اپنے پروردگار کے نام کی عزت کی رعایت نہیں کرتا تھا۔ کاش وہ اسی کمینے پن پر اکتفا کرتا اس کمینے پن کے ساتھ ساتھ یہ وصف بھی رکھتا تھا کہ

هَمَّازٍ مخلوق کو طعن کرنے والا اور بُرا کہنے والا ہے کہ پیٹھ پیچھے بھی اور آمنے سامنے بھی لوگوں کو تعریض اور طعن کے ساتھ پیش آتا تھا اور ہر شخص کے نسب وحسب اور اخلاق

وعادات میں عیب نکالتا تھا۔ پس گویا وہ ایک کاٹنے والا کتا تھا کہ لوگ اس کی صورت سے بے زار تھے اور یہ بھی اس کے نفس کی رذالت کی دلیل ہے اس لیے کہ جو شخص دوسروں کی آبرو کا پاس نہیں کرتا' پہلے اس نے اپنی آبرو کو چھوڑا ہوگا تو حقیقت میں اپنی آبرو کا پاس نہیں رکھتا اور عجیب بات یہ ہے کہ لوگوں کی آبروریزی میں اپنی طعن و تشنیع پر ہی اکتفا نہیں کرتا بلکہ

مَّشَّـآءٍ بِنَمِيمٍ اپنے پاؤں کے ساتھ چغل خوری کے لیے چلنے والا ہے۔ ایک کی بات دوسرے کے بارے میں اس تک پہنچاتا ہے تاکہ باہمی کدورت ہونے کی صورت میں لڑیں اور ایک دوسرے کی آبروریزی کریں اور خود بھی اس حرکت میں ہلکا اور رسوا ہوتا ہے اس لیے کہ عقل مندوں کے نزدیک چغل خوری بہت حقیر ہونے کا موجب ہے۔ جو دوسروں کے عیب تیرے پاس لائے اور شمار کرے' بلاشبہ وہ تیرے عیب دوسرے کے پاس لے جائے گا۔ یہ ہے وہ اذیت جو مخلوق کو ذلیل کرنے اور لوگوں کی حرمت اور آبرو کو ضائع کرنے میں اس سے ظاہر ہوتی ہے اور جو اذیت کہ اموال' حقوق اور دین و دنیا کے فوائد کو برباد کرنے میں اس سے ظاہر ہوتی ہے' یہ ہے کہ

مَّنَّـاعٍ لِّلْخَيْرِ نیکی کو بہت روکنے والا ہے اس بات کا ہرگز روادار نہیں ہے کہ کوئی کسی کی جگہ نیکی کرے یہاں تک کہ اپنے بیٹوں اور غلاموں اور نوکروں سے کہتا تھا کہ اگر تم محمد کے پاس گئے اور تم نے اس کی بات سُنی تو تمہارے واجبات اور خوراک بند کر دوں گا اور اس کے قریبیوں میں سے جو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آتا اس سے برادری کا سلوک منقطع کر دیتا تھا۔

مُعْتَدٍ ظلم و تعدی کرتا ہے اور مخلوق' جیسے نوکر' مزدور اور لین دین کرنے والوں کے واجب حقوق ادا نہیں کرتا۔

اَثِيـمٍ سخت گناہ گار ہے کہ شراب بھی پیتا ہے اور بدکاری اور لواطت بھی کرتا ہے۔ پس اپنی جان پر بھی ظلم کرتا ہے کہ اسے ہلاکت ابدی کے گڑھے میں ڈالتا ہے اور ان کے علاوہ ایک اور وصف بھی رکھتا ہے کہ

عُتُلٍّ سرکش، سخت طبع اور درشت خو ہے کہ نصیحت اور سمجھانے کی وجہ سے راہ پر نہیں آتا اور خود پسندی کے جال میں گرفتار رہتا ہے اگر کسی کی بات سنتا تو احتمال تھا کہ اس کی ان سخت بیماریوں کا علاج ہو جاتا جبکہ کسی کی بات نہیں سنتا اس کا علاج بھی ممکن نہ رہا۔

بَعْدَ ذَالِكَ ان تمام قباحتوں کے بعد جو کہ اس میں ہیں زَنِيمٍ ولد الزنا ہے کہ اٹھارہ سال تک اس کا باپ معین نہ تھا، اٹھارہ سال کے بعد مغیرہ نے کہا کہ یہ میرے نطفہ سے پیدا ہوا ہے، میں نے اس کی ماں سے مقاربت مقارمت کی تھی اور بعد ذالك کے لفظ میں اس بات کا اشارہ ہے کہ اس کی یہ صفت قباحت کے مرتبوں میں سب سے بلند ہے کہ ترقی کر کے ان تمام صفات کے بعد عقل وہاں تک منتقل ہوتی ہے ورنہ وجود خارجی میں اس کا ولد الزنا ہونا تمام صفات سے پہلے تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نطفہ جب خبیث ہوتا ہے اور حرام طریقے سے باہر آئے اور حرام جگہ میں آئے تو تمام خبیث اخلاق پیدا کرتا ہے۔ پس یہ صفت گویا تمام اخلاقی پستیوں کے جھاڑو کی رسی ہے کہ سب کی تعداد کے بعد دل میں بیٹھتی ہے اور کاش ان تمام جمع شدہ رذالتوں کے بعد جو کے برابر عقل رکھتا جو اس کی ان تمام ذلتوں کی پردہ پوش ہوتی، عقل سے اس قدر بے بہرہ ہے کہ

اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ اس وجہ سے کہ وہ مال کثیر اور بیٹوں والا تھا، مغرور اور نازاں ہو کر اس ذات کی آیات کے انکار اور تکذیب میں پڑ گیا جس نے یہ مال اور یہ بیٹے اسے عطا فرمائے ہیں اور اس کا مقابلہ اس حد تک شروع کر دیا کہ

اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا جس وقت اس پر ہماری آیات کی تلاوت کی جاتی ہے اور وہ صریح طور پر جانتا ہے کہ یہ کلام مخلوقات کی طاقت سے باہر ہے۔ بلاشبہ خالق کا کلام ہے اور خالق وہی ذات ہے جس نے مجھے نسبت حسب اور اخلاق کی اس رذالت کے باوجود مال کثیر اور خوبصورت بیٹوں کی ان نعمتوں سے نوازا ہے، مجھے چاہیے کہ اس کے شکر میں بے حد کوشش کروں۔ ایک طرف ہو جاتا ہے اور ناشکری کرتا ہے یہاں تک کہ

قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کہتا ہے کہ پہلے لوگوں کے درد کے افسانے ہیں جو وہ لکھ گئے ہیں اور کلامِ الٰہی نہیں ہے لہٰذا اس کفرانِ نعمت کرنے والے سرکش کے بارے میں

قیامت کے دن کا انتظار نہیں کروں گا جو کہ اچھی بری جزا کے وعدے کا وقت ہے بلکہ

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ عنقریب ہم اس کی ناک پر ایک داغ لگائیں گے کہ آدمی کے اعضاء میں سے زیادہ تر فخر اور غرور کا مقام وہی ہے اور آبرو' عزت اور غیرت کا مظہر وہی ہے تا کہ اسے سخت مجرموں کی طرح ناک کاٹ کر چھوڑ دیں۔

حضرت ابن عباس اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جنگِ بدر کے دن انصار میں سے ایک مجاہد کی تلوار اس کی ناک پر پہنچی اور اس کی ناک زخمی ہو گئی جب مکہ شریف میں پہنچا' اس زخم کے علاج میں لگ گیا' افاقہ نہ ہوا اور پھوڑا بن گیا حتیٰ کہ اسی مرض میں مر گیا۔

علماء نے کہا ہے کہ ولید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک طعن سے زبان کھولی تھی اور مجنون کا حرف زبان پر لایا' حق تعالیٰ نے اسے دس طعن کیے۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مقامِ عدل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء دینے والوں کو ایک کا دس کر کے بدلا دیا تو جو لوگ کہ حب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں' انہیں ایک کے بدلے دس انعام عطا فرمائے گا اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ من صلی علی واحدۃ صلی اللہ علیہ عشرا یعنی جو شخص مجھ پر ایک بار درود شریف بھیجے' اللہ تعالیٰ اس پر دس مرتبہ رحمت فرماتا ہے۔

اور خرطوم کے لفظ میں جو کہ لغت میں ہاتھی اور سور کی ناک کو کہتے ہیں' اس کی کمال حقارت ہے۔ گویا وہ شخص دائرۂ انسانیت سے نکل گیا اور اس نے بے شرمی میں خنزیر اور غرور و تکبر میں ہاتھی کا حکم حاصل کیا ہے۔ نیز اس نے اصحابِ فیل کے واقعہ کو دیکھا سنا تھا اس واقعہ کا اشارہ بھی منظور تھا کہ ہم وہی ہیں جو ہاتھیوں کی ناک کاٹتے ہیں۔ اہلِ تدقیق نے لکھا ہے کہ ہر جانور کی ناک بلندی کی طرف مائل ہوتی ہے مگر ہاتھی اور خنزیر کی ناک جو کہ پستی کی طرف لٹکتی ہے۔ پس لفظ خرطوم کے ذکر میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس کی ساری بلند ہمتی پستی میں ترقی معکوس کرتی ہے اور جانور کی طرح جتنا بڑا ہو اس کی مقعد اسی قدر تنگ ہو جاتی ہے اور اس پست ہمت کو جتنا مال اور بیٹے زیادہ ہوتے ہیں' بے شرمی

اور رذالت میں نیچے گرتا ہے اور یہ بے شرموں اور بدذاتوں کے خصائص میں سے بھی ہے۔

اور اگر کسی کو اس ولید پلید اور اس کے ہم مشربوں جنہوں نے مکہ معظمہ کی سرزمین کو اپنی ناپاک سرداری کے ساتھ آلودہ کیا تھا اور فرمائی روائی اور حکمرانی کا منصب حاصل کیا' کا واقعہ سننے سے دل میں یہ بات کھٹکے کہ اس قسم کے کافر منش کمینہ نفس لوگوں سے کام کیوں لینا چاہیے اور انہیں سرداری کے منصب پر کیوں بٹھایا جائے تاکہ وہ اپنی ان خباثتوں اور قباحتوں کا اظہار کریں اور لوگ چار و ناچار ان کے طریقے کی اتباع کی وجہ سے گمراہی اور ذلت میں گرفتار ہوں اور اس قسم کے عظیم رسول علیہ السلام کو ان کی طرف سے اذیت پہنچے اس کے جواب میں فرمایا کہ

اِنَّا بَلَوْنَاهُمْ تحقیق ہم بھی آزمائش کرتے ہیں شہر مکہ کے ان لوگوں کی بدخلقوں کو مال اور سرداری دے کر تاکہ دیکھیں کہ وہ لوگ مال اور مرتبے کی پیروی کرتے ہیں؟ اور ان رذیلوں کے مشورہ اور احکام کے مطابق کام کرتے ہیں؟ اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور اطاعت کا حق ضائع کرتے ہیں؟ حتیٰ کہ آخر میں قحط' سرداروں کے مارے جانے' اموال کے ضائع ہونے اور فوجوں کے خوف میں گرفتار ہوتے ہیں' یا حق کو پہچانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حق اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کی ادائیگی کو اپنے مال داروں اور سرداروں کی پیروی سے مقدم کرتے ہیں اور اس حق شناسی کے وسیلے سے سعادت دارین' تمام ممالک اور شہروں پر قبضہ اور بے شمار خزانوں کی فتوح تک پہنچتے ہیں۔

كَمَا بَلَوْنَا جس طرح کہ ہم نے امتحان کیا تھا اس قسم کے اَصْحَابَ الْجَنَّةِ باغ والوں کا جو کہ باغ ضرواں کے نام سے مشہور تھا۔

اصحابِ جنۃ یعنی باغ ضرواں کا واقعہ

اور وہ ایک باغ یمن کے دارالحکومت صنعا کے متصل اس شہر سے چار کوس کے فاصلے پر سرراہ واقع ہے اور اس کا مالک بنوثقیف کا ایک شخص تھا جس نے اس باغ میں میوہ دار درخت اور پیداواری فصلیں کاشت کر رکھی تھیں اور اسے اس باغ سے ہر فصل میں

کافی پیداوار حاصل ہوتی تھی اور اس نے اپنے اوپر یوں مقرر کر رکھا تھا کہ میوے چننے اور فصل کاٹنے کے وقت جو پیڑ میں باقی رہ جاتا' فقراء کو دے دیتا اور کھلواڑا صاف کرنے کے وقت جو کچھ ہوا کی وجہ سے بکھر جاتا' وہ بھی فقراء کو دے دیتا اور میوے جھاڑنے کے وقت جو کچھ بچھے ہوئے کپڑے سے باہر گر جاتا' وہ بھی فقیروں کو دے دیتا اور اس باغ کی پیداوار گھر لانے کے بعد بھی فقیروں کا حصہ نکالتا تھا اور اپنے گھر میں اس نے پابندی لگا رکھی تھی کہ غلے کا آٹا پیستے وقت بھی دسواں حصہ جدا کریں اور فقیروں کو دیں اور روٹی پکانے کے وقت بھی دس روٹیوں میں سے ایک روٹی گداؤں کے لیے جدا کرے' سنبھال رکھتا جب وہ فوت ہو گیا اس کے سب اس کے تین بیٹے رہ گئے' انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ ہم میں سے ہر ایک قبیلہ دار ہو گیا ہے اور ہمارے بیوی بچے ہیں جبکہ ہمارے باپ کا ایک گھر تھا اب ہمارے تین گھر ہیں جس قدر وہ فقیروں کو دیتا تھا' ہم سے نہیں ہو سکتا' کیا تدبیر کی جائے؟ ان کے درمیانے بھائی نے کہا کہ کوئی تدبیر نہ کرو اور اپنے باپ کے طریقے پر چلو' حق تعالیٰ برکت دے گا۔ دوسرے دو بھائیوں نے اس کی بات نہ مانی اور باہم اتفاق کیا کہ پھل اُتارتے اور فصل کاٹتے وقت فقیروں کو آنے نہ دیں اور بغیر اطلاع جا کر پھل اور فصل اُٹھا لیں اور فقیروں کا حصہ نہ نکالیں۔ ہاں ہمارے کھانے کے وقت اگر کوئی فقیر سوالی بن کر آئے گا' اسے روٹی کا ٹکڑا دے دیں گے اور درمیانے بھائی کو بھی جھڑکی اور ملامت کے ساتھ خاموش کر دیا۔

اِذْ اَقْسَمُوْا جبکہ ان تینوں نے باہم قسم اُٹھائی لَیَصْرِمُنَّهَا اس بات کی کہ اس باغ کا پھل اور کھیتی ضرور کاٹیں گے۔ مُصْبِحِیْنَ صبح کرتے ہوئے تا کہ کسی منگتے اور مسکین کو خبر تک نہ ہو جبکہ ان کا باپ چاشت کے وقت میوہ اور فصل کاٹتا تھا تا کہ منگتے جمع ہوتے اور اپنا حق لے لیتے۔ وَلَا یَسْتَثْنُوْنَ اور انشاء اللہ تعالیٰ نہیں کہتے پھرتا کہ اس قسم کو توڑنے کا احتمال بھی نہ ہو اس لیے کہ حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کوئی قسم کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ کہہ دے تو اس کے ذمے قسم لازم نہیں ہوتی اگر چاہے تو اس قسم کے مطابق عمل کرے اور اگر چاہے تو اس کے خلاف کرے۔ انہوں نے اس لیے کہ اس قسم کے خلاف درمیانے بھائی

کے کہنے پر جو کہ اس حرکت پر راضی نہ تھا' کرنے تصور نہ رہے' استثناء کو ترک کر دیا اور جس رات انہوں نے یہ نیت کی اور باہم عہد و پیماں باندھا' سو گئے' قضائے آسمانی ایک دوسرے پر نازل ہوئی۔

فَطَافَ عَلَيْهَا پس ان کے اس باغ اور کھیتی کے گرد گھوم گیا۔ طَائِفٌ مِّنْ رَّبِّكَ گھومنے والا تیرے پروردگار کی طرف سے اور وہ ایک آگ تھی جو کہ آسمان کی طرف سے گری جس نے درخت' عمارتیں' بیل اور اس باغ کے مزارعے سب جلا دیئے۔

وَهُمْ نَائِمُوْنَ اور وہ خواب میں پڑے تھے جس طرح اہلِ مکہ قحط' روزِ بدر اور دوسرے غزوات سے غافل ہیں اور آپ کا حق جو کہ تعظیم و اطاعت ہے اور آیاتِ الٰہی کا حق جو کہ ایمان و تصدیق ہے' بجا نہیں لاتے۔

فَاَصْبَحَتْ پس صبح کے وقت ان کا وہ باغیچہ ہو گیا۔ كَالصَّرِيْمِ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کہ اس میں فصل کا کوئی نام و نشان رہا اور وہ خوابِ غفلت سے اُٹھے اور اپنے حال سے بے خبر

فَتَنَادَوْا مُصْبِحِيْنَ ان تینوں نے ایک دوسرے کو صبح کرتے ہوئے آواز دی۔ اَنِ اغْدُوْا عَلٰى حَرْثِكُمْ کہ اپنی کھیتی کی طرف علی الصبح چلو۔ اِنْ كُنْتُمْ صَارِمِيْنَ اگر تم آج اپنی فصل کو کاٹنے والے ہو اس لیے کہ اگر تم دیر کرو گے تو منگتوں کے ہجوم کی وجہ سے فصل کاٹنا ممکن نہیں ہو گا اور کام دوسرے دن پر جا پڑے گا اور وہ یہ نہیں جانتے تم کہ ہمارے پہنچنے سے پہلے فصل کٹ چکی اور سب کچھ سرکار کے حق میں پہنچ چکا۔

فَانْطَلَقُوْا پس وہ تینوں بھائی خدمت گاروں اور مزدوروں سمیت روانہ ہوئے۔

وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ اور وہ آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے اور گلیوں میں سے چھپ چھپا کر باہر آ رہے تھے اور ان کے اشاروں کا مقصد اَنْ لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ یہ کہ آج اس باغ میں تمہارے پاس کوئی گدا داخل نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ اگر گداؤں میں سے کوئی اس باغیچے میں آئے گا تو مجبوراً اس کے حاضر ہونے کی شرم کرتے ہوئے کچھ دینا پڑے گا۔ پس تدبیر یہی ہے کہ دروازے پر لوگوں کو بٹھا دینا چاہیے تا کہ منگتوں کو

اندر آنے نہ دیں جس طرح کہ اہلِ مکہ بھی کوشش کرتے تھے کہ شہر کے غریبوں اور کمزوروں کو اسلام میں داخل ہونے نہ دیں۔

وَغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قَادِرِيْنَ اور منکوں کو اصرار کے ساتھ روکنے کے قصد سے علی الصبح پہنچ گئے۔ فَلَمَّا رَاَوْهَا تو جب انہوں نے اس باغیچہ کو دیکھا کہ جلا ہوا' اس کی عمارت تباہ شدہ اور درخت اور فصل نیست و نابود تو پہچان نہ سکے کہ یہ ہمارا باغیچہ ہے۔ قَالُوْآ آپس میں کہنے لگے کہ ہم کہاں آ پڑے' یہ باغ ہمارا باغ نہیں ہے۔ اِنَّا لَضَآلُّوْنَ تحقیق ہم نے راستہ گم کر دیا ہے اور صبح کی تاریکی کی وجہ سے ہم اپنے باغیچے کی راہ نہیں پڑے پھر جب دائیں بائیں غور سے دیکھا اور اپنے باغ کے نشانات دیکھے تو کہنے لگے کہ ہم نے راستہ گم نہیں کیا۔

بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ بلکہ ہم درگاہِ ازلی کے محروم کیے ہوئے ہو گئے کہ ظاہری سبب کے بغیر ہمارا یہ سرسبز باغ جو کہ ہماری گزر بسر کا سرمایہ تھا' ضائع ہو گیا اسی طرح اہلِ مکہ قحط اور روز بدر کو دیکھ کر پہلے کہیں گے کہ یہ حقیقی قحط نہیں ہے اور جنگ عذاب نہیں بلکہ ایک مدت تک بارش رُک گئی ہے' خود بخود کھل جائے گی اور اس جنگ میں ہم نے شکست کھائی ہے پھر فتح پا لیں گے اور جب یہ قحط اور یہ شکست دائمی اور متواتر ہو گی تو معلوم کریں گے کہ ہم درگاہِ ازلی کے محروم ہیں جس طرح باغ کے مالکوں نے دریافت کیا اور افسوس کے ساتھ ہاتھ کاٹے اور اس وقت

قَالَ اَوْسَطُهُمْ ان کے درمیانے بھائی نے کہا جب اس نے دیکھا کہ اپنی محرومی پر حسرت کر رہے ہیں۔ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ کیا میں نے اس سے پہلے کہا نہیں تھا کہ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ تم اللہ تعالیٰ کو پاک کیوں نہیں جانتے اس سے کہ اپنے وعدے کے خلاف کرے اور زکوٰۃ اور صدقات دینے کی وجہ مال کی برکت کو کئی گنا نہ کرے اور تم نے خدا تعالیٰ کے متعلق بدگمانی کیوں کی کہ فقیروں کو دینے کی وجہ سے ہمیں فقر میں گرفتار کر دے گا۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ بخیل کو خدا تعالیٰ پر بدگمانی کرنا ضروری ہے اسی لیے حدیث

شریف میں آیا ہے کہ البخیل بعید من اللہ وبعید من الناس وبعید من الجنۃ قریب من النار یعنی بخیل اللہ تعالیٰ سے دُور' لوگوں سے دُور' جنت سے دُور اور جہنم کے قریب ہے جبکہ سخی کو اللہ تعالیٰ کے کرم اور اس کے وعدہ کی سچائی پر اعتماد لازم ہے اسی لیے حدیث شریف میں فرمایا ہے السخی قریب من اللہ قریب من الناس قریب من الجنۃ بعید من النار سخی اللہ تعالیٰ کے قریب' لوگوں کے قریب' جنت کے قریب' جہنم سے دُور ہے۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ میں تین چیزوں پر قسم اُٹھاتا ہوں اس لیے کہ ظاہری طور پر عقل سے دُور معلوم ہوتی ہے۔ پہلی چیز یہ کہ ما نقصت صدقۃ من مال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مال دینا' مال کو کم نہیں کرتا۔ گو بظاہر تمہاری سمجھ کے مطابق نقصان معلوم ہوتا ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ ما تواضع احد للہ الا رفعہ اللہ ہرگز کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ اس کا مرتبہ بلند فرماتا ہے اور خداتعالیٰ کے لیے تواضع کرنے کی تفسیر اس طرح ارشاد فرمائی گئی کہ خدا تعالیٰ کے لیے تواضع تین شخصوں کی تعظیم ہے۔ پہلا حافظ قرآن یا اس کے معنوں کو سمجھنے والا یا اس کے مطابق عمل کرنے والا' دوسرا عمر رسیدہ مسلمان مرد کی تعظیم کرنا' تیسرے والدین کی تعظیم کرنا۔

تیسری چیز یہ کہ ما ازداد عبد عفوا الا اعزہ اللہ یعنی جو شخص کہ انتقام کی طاقت ہونے کے باوجود معاف کر دے' اسے اللہ تعالیٰ ضرور عزت بخشتا ہے اگرچہ ظاہری عقل انتقام ترک کرنے کو ذلت کا سبب سمجھتی ہے۔

اور جب وہ دونوں بھائی اور ان کے مشیر درمیانے بھائی کی گفتگو کی وجہ سے خبردار ہوئے' بربادی کے بعد قَالُوْا کہنے لگے اب ہم معتقد ہو گئے کہ

سُبْحَانَ رَبِّنَا ہمارا پروردگار پاک ہے اس سے کہ اپنے وعدے کے خلاف کرے اور ان جواں مردوں کو برکت نہ دے جو کہ اس کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ تحقیق ہم ستمگار تھے کہ گداؤں کے حق میں ہم نے بُری نیت کی اور اپنے

باپ کا طریقہ چھوڑ دیا اور خدا تعالیٰ کے سچے وعدے پر بھروسہ اور اعتماد نہ کیا اور جب انہوں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا۔

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَلَاوَمُوْنَ پس ان کے بعض بعض پر متوجہ ہوئے کہ ملامت کرتے تھے۔ ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو کہا کہ پہلے تو نے مشورہ دیا کہ فقیروں کو اندر آنے نہیں دینا چاہیے اور علی الصبح چلنا چاہیے اور اس بھائی نے اس بھائی کی ملامت کی کہ پہلے تو نے مجھے فقیری سے ڈرایا اور تو نے کہا کہ ہم کثیر العیال ہیں اور تو نے مجھ سے اس کی تدبیر پوچھی اور دونوں بھائی اپنے مشیروں کو چمٹ گئے اور انہیں ملامت کرنے لگے۔ آخر کافی بدحواسی کے بعد جب انہوں نے دیکھا کہ واقعہ کے وقوعہ کے بعد ملامت کا کوئی فائدہ نہیں' بے اختیار گرفتارِ حسرت ہو کر قَالُوْا سب نے متفقہ طور پر کہا يٰوَيْلَنَا اے افسوس ہم پر

اِنَّا كُنَّا طٰغِيْنَ تحقیق ہم سرکشی کرنے والے تھے اس لیے کہ ہمیں اس مسئلے میں مشورہ کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ کارِ خیر مشورے کا مقام نہیں ہوتا اور ہمارے مشیروں کو کیا مناسب تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حق کو بالکل ختم کر دیا اور اب کہ ہم اپنی اس سرکشی اور ظلم پر نادم ہو گئے ہیں عَسٰى رَبُّنَآ اپنے پروردگار سے ہم توقع رکھتے ہیں کہ اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَآ اس باغ کے بدلے ہمیں اس سے بہتر عطا فرمائے اور کسی دوسری راہ سے اس سال ہم پر روزی فراخ فرمائے اس لیے کہ اگرچہ ابتدا میں ہم نے اس کے کرم پر اعتماد نہ کیا لیکن اس وقت مصیبت دیکھنے کے باوجود کہ ہم اس کے لطف سے ناامید نہیں ہیں۔

اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا رٰغِبُوْنَ تحقیق ہم اپنے پروردگار کی طرف قوی رغبت رکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حق تعالیٰ نے اس بات میں ان کے اخلاص کو پسند فرمایا جب حسرت کرتے ہوئے شہر پہنچے تو اس شہر کے بادشاہ نے یہ ماجرا سنا اور انہیں اپنے سرسبز باغات میں ایک باغ جس کا نام حیوان تھا' عطا فرمایا اور اس باغ میں انگور اس نشوونما کے ساتھ ہوتے تھے کہ اس کا ایک ایک گچھا ایک اونٹ کا بوجھ بنتا تھا۔

اسی طرح اہلِ مکہ نے اپنے بھائیوں' باپوں اور بیٹوں کے قتل ہونے' جنگوں میں اموال ضائع ہونے' سات سالہ قحط جس میں مردوں کی ہڈیاں پیس کر کھاتے تھے اور مردوں کی کھال بھون کر کھاتے تھے اور اونٹ کے معدے کا پانی پیتے تھے' کے بعد نادم اور پشیمان ہو کر بامر مجبوری رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور قرآن مجید پر ایمان کی نعمت کی قدر کو پہچانا اور سیدھی راہ کا رُخ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں چھ سو چھپن (٦٥٦) سال کی مدت تک انہیں روئے زمین کی خلافت سے نوازا اور انہیں بے پناہ فتوحات' بے شمار خزانے' ہر فضا شہر اور دلکش باغات عطا فرمائے یہاں تک کہ چنگیز خاں کے ہاتھوں ان کی بادشاہی برباد ہوئی اور پھر نہ آئی۔ اللہ تعالیٰ مکہ والوں کے حال کو باغ ضرواں کے مالکوں کے حال کے ساتھ مطابقت دینے کے بعد فرماتا ہے۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ اہلِ مکہ اور باغ ضرواں کے مالکوں کی آزمائش کی طرح ہر دنیوی عذاب ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھی خیر کی توقع باقی رہتی ہے اور توبہ' ندامت اور بے گناہوں کا اقرار اس عذاب کے دُور کرنے میں کارگر ہو جاتا ہے۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور بڑا ہے' اسے دنیا کے عذاب پر قیاس نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ اس وقت غضب الٰہی اس حد تک شدید ہوگا کہ اس عذاب کے بعد توقع منقطع ہو جائے گی اور توبہ استغفار' ندامت اور گناہوں کا اقرار عذاب دُور کرنے میں ہرگز مفید نہیں ہوگا۔ ہاں ایمان والے گناہ گاروں کو خشم نمائی یعنی اظہارِ غضب کے بعد جنت میں داخل کر دیں گے لیکن وہ خشم نمائی حقیقت میں عذاب نہیں ہے بلکہ انہیں گناہوں کی آلائش سے پاک کرنے کے لیے ہے تاکہ جنت میں داخل ہونے کے قابل ہو جائیں جس طرح کہ چیتھڑے پہنے ہوئے' گرد آلود مسافر کو جب بادشاہ کے دربار میں لے جانا چاہتے ہیں تو پہلے اسے حمام میں لے جاتے ہیں اور اسے مالش کرنے والوں' بال مونڈنے والوں اور مل مل کر دھونے والوں کے سپرد کرتے ہیں اور گرم پانی اور حمام کی گرم ہوا کے ساتھ اس کے بدن کی میل اور بدبو دُور کرتے ہیں تاکہ بادشاہی مجلس میں حاضر ہونے کے قابل ہو جائے لیکن اچھائیوں کو وہ لوگ سمجھتے ہیں جو کہ

امور کی حقیقتوں کو پہچانتے ہیں اور دنیا کی حقیقت کو آخرت کی حقیقت سے جدا سمجھتے ہیں اور یہ کافران چیزوں کو بھی نہیں سمجھتے۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ اگر وہ اشیاء کی حقیقتوں کو جانتے اور آخرت کو دنیا پر قیاس نہ کرتے لیکن یہ لوگ امتیاز سے اس قدر خالی ہیں کہ کہتے ہیں کہ جس طرح باغ ضرواں کے واقعہ میں درمیانے بھائی کو بھی آفت پہنچی اور باغ سے اس کی پیداوار کا حصہ ضائع ہو گیا اور اسی طرح مکہ کے مومنین ہمارے ساتھ قحط میں شریک ہوئے اور پیاس اور بھوک میں گرفتار ہوئے اس پر قیاس کرتے ہوئے عذاب آخرت میں بھی سب نیک و بد شریک ہوں گے حالانکہ ان کا یہ قیاس بالکل غلط اور قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ تحقیق متقی لوگوں کے لیے اگرچہ دنیا میں ان کے باغ ضائع ہو جائیں اور ان کے مال برباد ہوں اور وہ بہت رنج اور تکلیف اٹھائیں لیکن ان کے لیے عِنْدَ رَبِّهِمْ ان کے پروردگار کے نزدیک اس کے عوض جو انہیں دنیوی مصیبتیں پہنچی ہیں۔ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ نعمتوں سے پر باغات ہیں۔ پس کافروں اور بروں کا دنیوی مصائب میں ان کے ساتھ شریک ہونا عبادت اور ریاضت کے قبیلے سے ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کے درجات کی ترقی کا موجب ہوتا ہے اور یہ فرق بالکل ظاہر ہے اس لیے کہ متقی ہمیشہ اپنے مالک کے تابع فرمان ہوتے ہیں جبکہ برے ہمیشہ نافرمان ہوتے ہیں۔

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ کیا ہم کر دیں گے مسلمانوں کو جو کہ ہر باب میں ہمارے فرمان کی اطاعت کرتے ہیں' ان مجرموں اور بدکاروں کی طرح جو کہ ہمیشہ نافرمانی میں کوشش کرتے ہیں۔

مَا لَكُمْ تمہیں کیا ہے عقل و دانش کے باوجود كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ کس قسم کا فیصلہ کرتے ہو کہ ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے حالانکہ تم میں سے کوئی غلام' لونڈیاں اور خدمت گار رکھتا ہے' اطاعت کرنے والوں اور تعمیل حکم کرنے والوں کو سرکشوں اور نافرمانوں کے برابر نہیں کرتا بلکہ تم لاف زنی کے طور پر کہتے ہو کہ اگر مسلمانوں پر کوئی عطا اور نوازش ہوگی تو ہمارے لیے اس سے بہتر اور زیادہ ہوگی۔ چنانچہ

مقاتل نے روایت کی ہے کہ مکہ کے کافروں نے اس آیت کے نزول کے بعد مسلمانوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں دنیا میں تم پر بزرگی دی ہے تو لازماً آخرت میں بھی ہمیں تم پر بزرگی دے گا۔ حق تعالیٰ نے ان کے اس فاسد خیال کو رد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مسلم اور مجرم کے درمیان برابری کرنا انسان کے فطری علوم کے خلاف ہے چہ جائیکہ مجرم کو مسلم پر ترجیح دی جائے جو کہ عقل سے زیادہ دُور ہے۔

اور اگر تم کہو کہ امورِ آخرت عقلی قیاس کے ساتھ درست نہیں آتے' وہ امور نرے توقیفی ہیں کہ ان کی وجہ عقل میں نہیں آتی۔ ہم کہتے ہیں کہ اس صورت میں ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ اَمْ لَكُمْ كِتَابٌ کیا تمہارے کوئی آسمانی کتاب ہے کہ فِيْهِ تَدْرُسُوْنَ اس کتاب میں نص جلی پڑھتے ہو اس لیے کہ نص خفی پڑھنے میں نہیں آتی صرف استنباطی ہوتی ہے اس نص جلی کا مضمون یہ ہے کہ

اِنَّ لَكُمْ فِيْهِ لَمَا تَخَيَّرُوْنَ تحقیق تمہارے لیے اس کتاب میں وعدہ دیا گیا ہے کہ ہم تمہیں وہی دیں گے جسے تم بہتر اور اچھا سمجھ کر اپنے لیے منتخب کر کے چاہو گے اور اگر تم کہو کہ اگرچہ اس قسم کی کوئی کتاب تو ہمارے پاس نہیں ہے لیکن ابتدائے پیدائش سے لے کر اس وقت تک ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ اسی طرح رہا ہے اور اللہ تعالیٰ خلافِ معمول نہیں کرے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم تم سے پوچھتے ہیں کہ

اَمْ لَكُمْ اَيْمَانٌ عَلَيْنَا کیا تمہارے لیے ہمارے ذمہ قسمیں ہیں جو ہم نے اُٹھائی ہوں اور وہ قسمیں بَالِغَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ روزِ قیامت تک پہنچنے والی ہیں کہ تمہاری پیدائش کی ابتدا سے لے کر قیامت واقع ہونے تک ہم ایک سا معاملہ کریں گے اور معاملہ میں کوئی تغیر و تبدل بالکل نہیں ہوگا اس لیے کہ اِنَّ لَكُمْ لَمَا تَحْكُمُوْنَ ان قسموں کا مضمون یہ ہے کہ تحقیق تمہارے لیے ہم وہی کریں گے جو تم حکم دو گے اور ظاہر ہے کہ چند روز کا معمول کسی عہد و پیماں کے بغیر محل اعتماد نہیں ہوتا اور یہ کفار اگر طعنے کے طور پر کہیں کہ ہاں خدا کے ساتھ ہمارا اس قسم کا عہد و پیماں ہے۔

سَلْهُمْ اَيُّهُمْ بِذٰلِكَ زَعِيْمٌ آپ ان سے پوچھیں کہ ان میں سے اس قسم کے

ثبوت کا کون ذمہ دار ہے اور ضامن ہوتا ہے اور اگر وہ کہیں کہ ہمارا اعتماد خدا کے کرم پر نہیں ہے اور نہ ہی ہم اس کی طرف سے کوئی عہد یا قسم رکھتے ہیں لیکن ہمارا تمام اعتماد ان پر ہے جن کی عبادت میں ہم ساری عمر مصروف رہے ہیں اور وہ خدا کے نزدیک اس حد تک مقرب ہیں کہ وہ ان کی شرکت اور شمولیت کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا اگر وہ ہم پر کبھی غصہ بھی کرتا ہے تو ہمارے وہ معبود عرض معذرت کر کے اصلاح کر دیتے ہیں اور ہمارے ساتھ اس کا معاملہ برقرار رکھتے ہیں اس میں کسی قسم کا فتور یا کمی واقع نہیں ہونے دیتے۔
ہم کہتے ہیں کہ ان سے پوچھنا چاہیے کہ

اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ کیا ان کے لیے اس قسم کے شریک ہیں؟ فَلْيَاْتُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ تو چاہیے کہ اپنے شریکوں کو خدا کے مقابلے میں لائیں اس وقت جبکہ ہم ان پر قحط مسلط کرتے ہیں اور ان پر مسلمانوں کے غزوات پے در پے ڈالتے ہیں۔ اِنْ كَانُوْا صَادِقِيْنَ اگر وہ سچ بولنے والے ہیں اس امر میں کہ ان کے مشورے کے بغیر جہان میں کوئی چیز نہیں ہوتی۔

اور صاحب کشاف نے اس آیت کے عجیب معنی نکالے جو کہ لطافت سے خالی نہیں اس نے کہا ہے اَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ یعنی ناس لشارکونہم فی ہذا القول یعنی کیا کوئی ایسے لوگ بھی ہیں جو کہ اس بات میں ان کے ساتھ شریک ہوں اور اس تفسیر پر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر ان کافروں کو مسلم و مجرم میں برابری یا مجرم کو مسلم پر فضیلت دینے کی کوئی عقلی یا نقلی دلیل میسر نہیں آتی تو ان سے پوچھنا چاہیے کہ جہان کے عقل مندوں کی جنس میں سے کوئی بھی اس قول اور اس مذہب میں ان کے ساتھ شریک ہے اس لیے عقل مندوں کے ساتھ متفق ہونا بھی ایک دلیل ہے اگر ان کے ساتھ اس بات میں کوئی شریک ہو تو چاہیے کہ اپنے اس شریک کو میدانِ مناظرہ میں لائیں۔ پس معلوم ہوا کہ اس قول کا عقل والوں میں سے کوئی بھی قائل نہ ہوا اور کسی نے بھی اس بے ہودہ مذہب کو قبول نہ کیا۔ یہ لوگ ذوی العقول میں سے اس سلسلے میں جدا ہیں اور جب انہیں نقلی اور عقلی دلیل اور اس مسئلے میں عقل مندوں کا اتفاق میسر نہ ہوا تو یہ قول نرا باطل اور بے اصل ہوا لیکن

قرآن پاک کے عرف میں شرکاء کے لفظ کا معنائے متعارف معبودان باطلہ ہیں اور قرآن کے اسلوب متعارف کے خلاف اس کے الفاظ کی تفسیر اچھی نہیں۔

اور اگر کفار کہیں کہ ہمارے معبود اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کاملہ کے مظہر ہیں اور اس کے ساتھ ایسا اتحاد رکھتے جیسا کہ مظہر کو ظاہر کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ غیریت اور مقابلہ تاکہ ہم انہیں بارگاہِ خداوندی میں مناظرہ کرنے اور غلبہ دینے کے لیے لائیں اور ہمارا اپنے معبودوں کو پوجنا بھی عبادتِ خداوندی ہے اور اپنے معبودوں کی طرف ہماری نظر عین خداتعالیٰ کی طرف نظر ہے' ہم انہیں عبادت میں ایک واسطہ کے سوا کچھ نہیں جانتے اور نظر میں عینک کے سوا کوئی مقام نہیں دیتے اس لیے کہ نری تنزیہہ کے مرتبہ کی عبادت اور اس مرتبے کو دیکھنے سے ہم سر کی آنکھوں کے ساتھ بھی اور عقل کی نظر سے بھی عاجز ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ بھی تمہارا باطل خیال ہے اس لیے کہ اگر تمہارے معبود عبادت میں واسطہ اور نظر میں عینک ہوتے تو تمہاری ساری عبادت اور نظر حق کی ذات منزہ تک پہنچتی اور اس عبادت اور توجہ کا اثر اعمال کے آثار ظاہر ہونے کے دن ظاہر ہوتا لیکن تمہیں یہ عبادت قطعاً فائدہ نہ دے گی اور اس توجہ اور نظر کا ظہور نہیں ہوگا۔

يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ جس دن کہ ظاہر کر دی جائے گی اور پردہ اُٹھا دیا جائے اس حقیقت سے کہ اس حقیقت کا نام ساق ہے اور اسے تمام حقائقِ الٰہیہ کے ساتھ وہی نسبت ہے جو کہ ساق یعنی پنڈلی کو تمام اعضائے انسانی کے ساتھ ہے اور اسی وجہ سے تشبیہہ واستعارہ کی بناء پر اس حقیقت کو یہ نام دیا گیا ہے۔

اور یہاں جاننا چاہیے کہ حقائقِ الٰہیہ کمالِ الٰہی کی ان جہتوں سے عبارت ہیں جو کہ عالم میں ظہور کرتی ہیں اور یہ حقائق صفات سے ماوراء ہیں اس لیے کہ تمام صفات کمال ان حقائق میں جمع ہیں اس لیے کہ ہر کمالِ الٰہی تمام صفات کمال کو پیچھے لگانا چاہتا ہے اور صفات کا جدا جدا ظہور عالم میں نہیں ہے۔ مثلاً علم قدرت کے بغیر' قدرت ارادے کے بغیر اور یہ تینوں صفات حیات کے بغیر ظہور نہیں کر سکتیں۔ بخلاف جہالت کمال کے کہ ظہور میں ہر جہت جدا اور مستقل ہے اور یہ حقائق ان صفات کے درمیان جو کہ کوئی استقلال

نہیں رکھتیں اور نری تابع ہیں اور اس ذات کے درمیان جو کہ ان کی اصل الاصول ہے اور ہر وجہ سے ایک استقلال رکھتی ہے' برزخ واقع ہوئی ہیں تو ان حقائق کو تشبیہ و استعارہ کی بناء پر اعضاء کے نام سے عنوان دیا گیا ہے اور فی الواقع عالم میں نسبت جو کہ حقائقِ الٰہیہ کی ذات کے ساتھ نسبت ہے کمال مشابہت رکھتی ہے' اعضاء کی ذات کے ساتھ نسبت کے سوا ہو نہیں سکتی۔ کیونکہ اعضاء کمال ذات کی جہتوں کے مظاہر ہیں نہ کہ صفات کی طرح تابع اور غیر مستقل اور نہ ذات کی طرح نری وحدت اور مستقل۔ پس شریعت مطہرہ میں ان حقائق کی تفصیل سے جو کچھ وارد ہوا ہے' چند چیزیں ہیں۔ وجہ' عین' ید' یمین' اصابع' حقو یعنی کمر' ساق اور قدم اور دو اور صفات ان حقائق کے ساتھ ملحق ہیں اس جہت سے کہ اجتماع صفات کے سبب وحدانی ہیئت حاصل کر کے ظہور کرتی ہیں اگرچہ اصل میں اعضاء کا حکم نہیں رکھتیں اور وہ دو صفات ردا اور ازار ہیں۔

اور ان حقائق کو سمجھنے میں لوگوں کو بہت کمی بیشی پیش آئی۔ ایک جماعت نے بے عقلی کی وجہ سے حقیقت تک رسائی حاصل نہ کی' حد سے زیادہ تشبیہ کے کھڈے میں گر گئے اور ان حقائق کو اپنے اعضاء اور جوارح پر قیاس کر کے اللہ تعالیٰ کی صورت اور شکل کے معتقد ہو گئے' تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا جبکہ دوسری جماعت نے تنزیہہ کے قاعدے کو مضبوط پکڑا اور ان حقائق کو اس قاعدے کے خلاف جان کر بے فائدہ تاویل کے ساتھ پیش آئے جو کہ نفی اور انکار کا حکم رکھتی ہے۔ پس درحقیقت ان حقائق کو سمجھنے میں اہلِ تشبیہ کے ساتھ شریک ہو گئے' فرق صرف اسی قدر رہا کہ انہوں نے اثبات کیا اور انہوں نے نفی۔ ان کے پاس موجود معنوں کے علاوہ انہیں ان لفظوں میں سے کچھ بھی حاضر نہ ہوا۔

اور اہلِ سنت کے محققین جزاہم اللہ خیرا حقیقت کار تک پہنچے اور انہوں نے کہا کہ شے کے اعضاء اس شے کی معرفت کے بعد واضح ہوتے ہیں جیسا کہ صفات میں بھی یہی حال ہے۔ مثلاً حیوان کے علم کا رنگ اور ہے جبکہ انسان کے علم کا رنگ جدا اور اڑنے والے کی قدرت دوڑنے والے کی قدرت کا غیر ہے تو جس طرح ذات پاک کے اس

بات سے منزہ ہونے کی وجہ سے کہ ہماری عقلیں اور وہم اس کے تصور تک پہنچیں' باری تعالیٰ کی صفات کے تصور میں ہم عاجز ہیں اسی طرح ان اعضاء کے تصور سے بھی ہم عاجز ہیں اس لیے کہ ان اعضاء کا حقیقت پر مبنی ادراک ہمیں اس وقت حاصل ہوتا ہے جب ہم اعضاء والی ذات کو جیسا کہ چاہیے' جان لیں۔ اور فی الواقع ہاتھ میں غور کرنا چاہیے کہ اس میں کس قدر فرق اور اختلاف ہے۔ آدمی کا ہاتھ جدا ہے اور گھوڑے اور گائے کا ہاتھ جدا جن اور پری کا ہاتھ اور ہے اور فرشتے کا ہاتھ اور ہے پھر اگر آئینہ' پانی اور اس قسم کی چیزوں میں نقش ہونے والی صورت میں ہم اچھی طرح غور کریں اس کے بھی اعضاء اور آلات ہیں اور آدمی کے جسم میں جو دایاں ہیں' اس میں بایاں ہو جاتا ہے اور بایاں دایاں ہو جاتا ہے حالانکہ اس صورت کے اعضاء اور آلات جوہریت میں اس آدمی کے اعضاء و آلات کے ساتھ شریک نہیں ہیں' سفلی اجناس کا کیا مقام؟

قصہ مختصر ان حقائق کو سمجھنا کنہ ذات سمجھنے کی طرح محالات کے قبیل سے ہے ہاں خصوصیتوں' وجوہ عرضیہ اور سلبی اور ثبوتی لوازمات کے ساتھ ان کا نشان دیا جا سکتا ہے جس طرح کہ ان سب حقائق کی شرح ان علوم میں بیان کی گئی اور تفصیلاً بیان کی گئی جو کہ ان کے بیان کے لیے موضوع ہیں اور وہ جو اشاعرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے ان حقائق میں سے بعض کو صفات میں سے شمار کیا ہے جیسے وجہ' عین تو وہ اس بناء پر ہے کہ انہوں نے صفت کا معنی ماسوائے ذات لیا ہے اور اصطلاح میں کوئی تنگی نہیں لیکن شارع کی اصطلاح کا اعتبار زیادہ بہتر ہے۔

مختصر یہ کہ ان حقائقِ الٰہیہ سے قیامت کے دن جہنمیوں پر در حقیقتیں بھی کھلیں گی' موقف میں ساق اور دوزخ میں قدم لیکن یہ لوگ پورے طور پر صلاحیت کے باطل ہونے کی وجہ سے ان حقائق کا ادراک بالکل نہیں کر سکیں گے کہ انہیں گہری نظر ڈال کر پالیں اور ان حقائق کا حق بجا لائیں۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ کشف ساق کے بعد جو کہ وجہ اور یمین کی طرح اتنی اونچی حقیقت نہیں ہے' انہیں ان عبادات اور ان کی توجہات جو کہ انہوں نے مظاہر کے پردے میں اس حقیقت پر کی تھیں' کے امتحان کے لیے آگے لائیں گے۔

وَيُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ اور سجدے کے لیے بُلائے جائیں گے تاکہ اگر ان کی عبادت مقام تنزیہہ تک پہنچی اور مقبول ہوئی تو اس وقت بھی اسی کے مطابق ان سے سجدہ ممکن ہو جائے گا اور اگر وہ مظاہر کی قید میں گرفتار رہے اور تنزیہ کے مقام تک نہ پہنچے تو اس وقت ان سے اس مقام کی طرف توجہ ممکن نہ ہوگی کہ وہ جدید کمائی کا وقت نہیں ہے گزشتہ کمائیوں کے اثرات کے ظاہر ہونے کا وقت ہے اور بس۔

اور حضرت ابوسعید ضریر رحمۃ اللہ علیہ نے اس مقام پر فرمایا ہے کہ کسی چیز کی ساق اس کی وہ بنیاد ہے جس کی وجہ سے اس کی استواری ہے جس طرح درخت کا تنا اور انسان کی پنڈلی تو آیت کا معنی یہ ہوا کہ جس دن اشیاء کے حقائق اور ان کے وہ اصول ظاہر ہوں گے جن پر اشیاء مبنی تھیں تو ان کی وہ عبادت جو کہ بغیر بنیاد کے تھی' ایمان والوں کی عبادت سے جدا ہو جائے گی جس کی عبادت صحیح بنیاد پر قائم تھی۔

اور جب بُلائے جانے کی وجہ معلوم ہوگئی کہ امتحان ہے نہ کہ تکلیف شرعی تو ابومسلم اصفہانی کا اسے بعید سمجھنا زائل ہو گیا جہاں کہ اس نے کہا ہے کہ شک نہیں کہ قیامت کے دن کوئی عبادت کرنا اور تکلیف شرعی کو نبھانا نہیں ہے تو مراد بڑھاپے کا وقت ہے۔ بہر حال وہ بھی سجدے کا قصد کریں گے۔

فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تو ہرگز طاقت نہیں ہوگی کہ سجدہ کریں اس لیے کہ ان کی پشت ایک تختہ بن جائے گی اور جھکنا اور سر جھکانا انہیں ممکن نہ ہوگا۔

قیامت کے دن بلاحجات پروردگار کی زیارت کا بیان

جیسا کہ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت کے ساتھ وارد ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ قیامت کے دن ہمارا پروردگار ایک ساق ظاہر فرمائے گا' ہر مومن مرد اور ہر مومنہ عورت سجدہ میں پڑ جائیں گے اور جو دنیا میں دِکھاوے اور سنانے کے لیے سجدہ کرتا تھا' سجدہ میں جانے کا قصد کرے گا لیکن ان کی پشت تانبے کے تخت کی طرح ہو جائے گی جس کا لٹنا ممکن نہیں ہوگا۔

اور صحیح مسلم میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم قیامت کے دن اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟ آپ نے فرمایا بلاشبہ کسی پردے کے بغیر مطلع صاف ہونے کے دن سورج اور چودھویں کے چاند کی طرح کسی مزاحمت اور رکاوٹ کے بغیر دیکھو گے۔ پہلے فرشتہ آواز دے گا کہ دنیا میں جو جسے پوجتا تھا' چاہیے کہ اس کے ہمراہ چلا جائے اور بت' درخت اور دوسری چیزوں کو جنہیں دنیا میں پوجا جاتا تھا' حاضر کریں گے۔ بت پرست بتوں کے ہمراہ' درختوں کو پوجنے والے درختوں کے ہمراہ' سورج اور چاند کی پوجا کرنے والے سورج اور چاند کے ہمراہ چلے جائیں گے اور جو لوگ کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے' رہ جائیں گے اس کے بعد ندا ہوگی کہ یہودی کس چیز کو پوجتے تھے؟ کہیں گے کہ ہم عزیز علیہ السلام کو جو کہ خدا کا بیٹا تھا' پوجتے تھے۔ فرمایا جائے گا تم جھوٹ بکتے ہو' اللہ تعالیٰ بیوی اور اولاد سے پاک ہے پھر کہا جائے گا کہ اس وقت تمہاری کیا عرض ہے؟ عرض کریں گے کہ ہم پیاسے ہیں' ہمیں پانی کا قطرہ دیا جائے۔ فرمایا جائے گا کہ جاؤ اور پانی پیو' ان کے سامنے جہنم بہتی ہوئی ریت کی طرح ظاہر کی جائے گی اور انہیں فرشتوں کے ہمراہ کرکے جو کہ حضرت عزیز علیہ السلام کی شکل اختیار کریں گے' روانہ کریں گے جو انہیں جہنم کی آگ میں ڈال دیں گے اور یہی سلوک فرقۂ انصاری کے ساتھ کیا جائے گا اور انہیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شکل والے فرشتے کے ہمراہ کر دیا جائے گا اور وہ انہیں ان کی منزل تک پہنچائے گا۔

جب صرف توحید کو ماننے والے رہ جائیں گے تو نداء ہوگی کہ تم ابھی تک کس کا انتظار کرتے ہو اور تم کس کے ہمراہ جاتے ہو؟ عرض کریں گے کہ بارخدایا! ہم نے گونا گوں ضرورتوں اور قسم قسم کے تعلقات کے باوجود مشرکین کے ساتھ موافقت نہ کی اور ہم نے ان کی صحبت اختیار نہ کی۔ اب ہمیں اس گروہ کے ہمراہ کیوں کیا جا رہا ہے۔ اس طرف ایک شکل ظاہر کریں گے اور وہ شکل کہے گی کہ میں تمہارا پروردگار ہوں۔ وہ عرض کریں گے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو ہرگز شریک نہیں کرتے اس شکل سے ہمیں

کیا کام۔ ہمارا پروردگار جب پردہ اُٹھائے گا ہم اسے پہچان لیں گے۔ حکم ہوگا کہ تمہارے پاس اپنے پروردگار کی کوئی علامت ہے کہ اس علامت کے ساتھ اسے پہچان سکو؟ عرض کریں گے جی ہاں! پس اس وقت ایک ساق کا ظہور ہوگا اور توحید کو ماننے والے مسلمان سب کے سب سجدے میں گر جائیں گے اور کہیں گے اب ہم راضی ہوگئے۔ تو ہی ہے ہمارا پروردگار۔ اور جن کے دِلوں میں ایمان نہیں تھا' سجدے کا قصد کریں گے لیکن ان کی پشت تانبے کی تختی کی طرح سخت ہو جائے گی اور سجدہ کرنا ان سے ممکن نہ ہوگا اور اس کا حدیث کا باقی حصہ بہت کچھ ہے لیکن جس قدر اس مقام کے مناسب ہے' یہی ہے۔

اور باوجودیکہ ان سے سجدہ ممکن نہیں ہوگا اور یہ ان کی عبادات کے باطل ہونے کی دلیل ہو جائے گا اس نورانی شعاعیں مارنے والی ساق کی طرف نظر اُٹھانے کی قدرت نہیں رکھیں گے اس لیے کہ ان کی عقلی نظر مظاہر کی قید میں رہ گئی تھی اور وہ نری تنزیہہ کے مقام تک نہ پہنچ پائے۔

اسی لیے خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں اس سے چندھیا جائیں گی کہ اس تجلی کی طرف دیکھ سکیں بلکہ

تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ان کے تمام جسم کو سر سے لے کر قدم تک ایک ذلت اور رسوائی ڈھانپ لے گی اس لیے کہ انہوں نے بھی مظاہر کی پوجا میں اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی عزت کا خیال نہ رکھا اور اپنے خودساختہ شرکاء میں اس کے ظہور کو اس کا کمال حقیقی سمجھا اس لیے کہ مظاہر خلقیہ جیسے بھی ہوں' ناقص اور ذلیل ہیں اور اس وقت ان سے سجدے کا ممکن نہ ہونا ان کی فطری استعداد کے باطل ہونے کی دلیل ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت ترک کر کے اور اس سے منہ موڑ کر انہوں نے اس استعداد کو برباد کر دیا۔

وَقَدْ كَانُوْا اور تحقیق تھے وہ دنیا میں يُدْعَوْنَ اِلَى السُّجُوْدِ حق تعالیٰ کی منزہ ذات کی عبادت کے لیے بُلائے جاتے تھے۔ وَهُمْ سَالِمُوْنَ جبکہ وہ اس وقت سالم الاستعداد اور صحیح الفطرت تھے اگر اس وقت حق تعالیٰ کی منزہ ذات کی عبادت کے عادی ہو

جاتے تو اس وقت انہیں یہ تنگی اور رکاوٹ رونما نہ ہوتی۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ کفار آپ کو اس لیے جنون کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ آپ ان کے سامنے عذابِ قیامت کی بات کرتے ہیں اور وہ اس بات کو اپنی ناقص عقل سے دُور خیال کرتے ہیں۔ نیز آپ انہیں اپنی تبلیغ میں قرآن پاک اور حق تعالیٰ کی ذات منزہ کی عبادت اور سجدے کی طرف بُلاتے ہیں اور مظاہر کی شکلوں کی پوجا اور سجدے سے منع فرماتے ہیں اور یہ بات انہیں ایک موہوم شے کے لیے موجود شے کو چھوڑنے پر اُبھارتی ہے جو کہ جنون کے آثار سے ہے۔

فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ بِھٰذَا الْحَدِیْثِ پس مجھے اور اسے چھوڑ دیں جو کہ اس بات کو جھوٹ سمجھتا ہے اس لیے کہ یہ میری بات ہے نہ کہ آپ کی اور آپ نے ان کے عذاب جلد طلب کرنے کی دعا نہ فرمائیں اور تنگ دل نہ ہوں۔

سَنَسْتَدْرِجُھُمْ قریب ہے کہ ہم انہیں درجہ بدرجہ کھینچتے ہیں گمراہی کے اونچے درجے میں تا کہ ان کی فاسد استعداد کا پیمانہ پُر ہو جائے اور شدید سزا کے مستحق ہوں۔ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ اس راہ سے کہ وہ نہیں جانتے کہ گمراہی کی راہ ہے اور شدید سزا کی سرحد تک پہنچاتی ہے بلکہ اپنے خیال میں اس راہ کو رشد و ہدایت کی راہ خیال کرتے ہیں اور اجر و ثواب کا سبب سمجھتے ہیں۔

وَاُمْلِیْ لَھُمْ اور میں انہیں مہلت دوں گا اور فوری مواخذہ نہیں کروں گا تا کہ وہ دھوکا کھائیں کہ اگر ہم گمراہی اور بُرائی پر ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہمیں مہلت نہ دیتا اور فی الفور مواخذہ کرتا اس لیے کہ ان کے ساتھ کید و مکر مجھے منظور ہے۔

اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ تحقیق میری خفیہ تدبیر بہت مضبوط ہے اس کا سراغ کوئی نہیں لگا سکتا اس لیے کہ دوسروں کے مکر کا کھوج لگانا اس سے ہو سکتا ہے جو کہ اپنے مکر سے ایک قوت ادراک کو فریب دیتا ہے جبکہ دوسری قوت بحال ہوتی ہے جو کہ اس مکر کے انجام کو پہنچاتی ہے اور میری خفیہ تدبیر تمام ادراکی قوتوں کو گھیرنے والی ہوتی ہے اور بے داری اور خبرداری بالکل سلب ہو جاتی ہے اور کسی قوت کے ساتھ بھی وہ اس تدبیر کے انجام کو پہچان

نہیں سکتے اور اگر میری خفیہ تدبیر اس قدر قوی اور مضبوط نہ ہوتی تو انہیں آپ کی خوبی اور ان نفع بخش علوم کی تبلیغ میں ان پر آپ کا احسان کیوں واضح نہ ہوتا اور آپ کی تکذیب اور انکار میں وہ دَم بدم کیوں آگے بڑھتے۔

اَمْ تَسْئَلُهُمْ اَجْرًا کیا آپ ان سے ان علومِ نافعہ کے پہنچانے کی مزدوری چاہتے ہیں۔ فَهُمْ مِّنْ مَّغْرَمٍ مُّثْقَلُوْنَ پس وہ اس مزدوری کے تاوان سے بوجھل ہو جاتے ہیں اور اس وجہ سے وہ آپ کی شاگردی اور آپ سے استفادہ نہیں کرتے۔

اَمْ عِنْدَهُمْ کیا ان کے پاس موجود ہیں الْغَيْبُ احکامِ الٰہیہ اور آخرت کے نفع و نقصان سے متعلق امورِ غیبیہ کے علوم کشف صریح کے طریقے سے فَهُمْ يَكْتُبُوْنَ پس وہ اپنے ان مکشوفات کو لکھتے ہیں اور ان کشفی علوم کو واضح عبادات کے ساتھ تعبیر کرنے کی قدرت رکھتے ہیں اور اپنے متوسلین اور پسماندگان کو بھی ان علوم کا کچھ حصہ پہنچاتے ہیں اور آپ سے مستغنی اور لاپرواہ ہیں' آپ کے احسان کا بوجھ یوں اُٹھائیں اور جب ان دونوں چیزوں میں سے کچھ بھی ثابت نہیں ہے تو آپ معلوم کر لیں کہ ان کا تکذیب اور انکار پر یہ سب اصرار صرف تدبیرِ الٰہی کے آثار سے ہے کہ انہیں بات کی اطراف میں غور و فکر کی طاقت نہیں دیتی اور کسی راہ سے بھی ان کے ذہنوں میں حق کے متعلق غور و فکر کا گزر نہیں ہونے دیتی۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ پس آپ ان کی ایذا پر صبر کریں اور اپنے پروردگار کے حکم کے منتظر رہیں کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ فرماتا ہے اور ان میں سے کسے اس تاخیرِ عذاب کی وجہ سے توبہ' ندامت اور حق کی طرف رجوع کے ساتھ بہرہ ور فرماتا ہے اور کسے اس تاخیر کی وجہ سے نافرمانیوں اور گناہوں میں زیادتی' گمراہی کے مرتبوں میں ترقی اور حرماں نصیبی دیتا ہے۔

وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ اور اس کی طرح نہ ہوں جو کہ مچھلی کے پیٹ میں بند رہا اور حکمِ الٰہی کا انتظار نہ کیا اور غیرتِ الٰہی کے غلبے کی وجہ سے اپنی قوم کے لیے عذاب طلب کرنے میں جلدی کی اور وہ پیغمبر حضرت یونس بن متی علیہ السلام تھے۔

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ جو حکم الٰہی سے مچھلی کے پیٹ میں بندر ہے تھے

اور ان کا واقعہ یہ تھا کہ آپ کے زمانے میں بنی اسرائیل میں صاحب الامر پیغمبر حضرت شعیا علیہ السلام ہوئے ہیں اور اس وقت کا بادشاہ جس کا نام حذقیا تھا' ان کا مطیع اور تابع فرمان تھا اور اس وقت بنی اسرائیل کا مسکن ملک فلسطین اور اُردن قرار پائے تھے جو کہ شام کے بہترین علاقے ہیں۔ اچانک نینوی اور موصل کے لوگوں نے جو کہ عراق اور شام کے درمیان واقع ہیں' بنی اسرائیل کے فرقے پر حملہ کر دیا اور ان کے اموال لُوٹ لیے اور ان کے بہت سے آدمیوں کو قید کر کے لے گئے۔ حذقیا نے یہ سارا ماجرا حضرت شعیا علیہ السلام سے عرض کیا کہ قیدیوں کو چھڑانے کی کیا تدبیر کی جائے جب تک ہمارے قیدی ان کے ہاتھوں سے رہا نہ ہو جائیں' ہم ان کی اس حرکت کا بدلہ اور تدارک فوج کے زور سے نہیں کر سکتے کہ ہمارے یرغمال کو لے گئے ہیں۔ حضرت شعیا نے فرمایا کہ تیری مملکت میں انبیاء علیہم السلام میں سے پانچ افراد ہیں' ان میں سے ایک کو ان لوگوں کے پاس بھیجو تا کہ ان کے سمجھانے سے وہ اصلاح پائیں اور قیدیوں کو چھوڑ دیں۔ حذقیا نے عرض کی کہ اس شخصیت کا تعین بھی آپ ہی سے پوچھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت یونس بن متی کو اس کام کے لیے مقرر کر دے کہ مخلص اور امانت دار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا قرب اور مرتبہ عظیم ہے اور اس وقت کے انبیاء علیہم السلام سے عبادت اور ریاضت کی کثرت میں ممتاز ہیں اگر وہ لوگ ان کی بات نہیں سنیں گے تو وہ قوی معجزات اور غیبی کرشموں کے اظہار کے ساتھ انہیں راہ پر لا سکتے ہیں۔

بادشاہ اس محفل سے اُٹھا اور اس نے حضرت یونس علیہ السلام کو ان کے گھر سے طلب کیا اور انہیں اس کام پر مامور کیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر حضرت شعیا علیہ السلام نے میرا نام امر ربانی اور امر الٰہی کی وجہ سے معین فرمایا ہے تو مجبوری ہے ابھی جاتا ہوں ورنہ اس جانے میں میرے اوقات میں پورا خلل واقع ہو جائے گا اور میں بے مزہ ہو جاؤں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ آپ کے نام کا تعین وحی الٰہی کی وجہ سے نہیں ہے لیکن حضرت شعیا علیہ السلام نے اسی طرح فرمایا ہے' مجبوراً جانا چاہیے۔ آپ دل کی گرانی

کے ساتھ نینوی کی سرزمین کی طرف روانہ ہو گئے اور اپنے قبائل کو اپنے ہمراہ لے گئے اور پہلے اس علاقے کے بادشاہ کے پاس تشریف لے گئے اور اسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیری طرف بھیجا ہے کہ بنی اسرائیل کو قید سے رہا کر دے اور بنی اسرائیل کا بدخواہ ہرگز نہ ہو۔ اس نے کہا کہ اگر تو اس بات میں سچا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اتنی طاقت کیوں دیتا کہ ہم نے تمہارے ملک پر چڑھائی کی اور تمہارے بیوی بچوں کو گرفتار کر کے لے آئے۔ کیا اس وقت خدا تعالیٰ کو بنی اسرائیل کی حمایت اور ہمیں روکنے کی طاقت نہ تھی کہ اب تجھے بھیجا ہے؟

حضرت یونس علیہ السلام نے تین دن تک اس بادشاہ کے دربار میں آمد و رفت رکھی اور اس نے آپ کی بات بالکل نہ سُنی۔ آپ غصے میں آ گئے اور بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ بارخدایا! یہ لوگ میری بات قبول نہیں کرتے اور قیدیوں کو رہا نہیں کرتے۔ وحی خداوندی آئی کہ انہیں ہمارے عذاب سے ڈرائیں اگر آپ کی بات پر ایمان نہ لائیں تو ان پر ہمارا عذاب آئے گا۔ آپ کوچہ اور بازار میں گھومے اور فرمایا کہ خبر شرط ہے' اپنے بادشاہ کو یہ بات پہنچا دو کہ اگر وہ میری بات پر ایمان نہیں لائے گا تو عذابِ الٰہی آئے گا۔ انہوں نے کہا کہ کوئی میعاد مقرر کر۔ حضرت یونس علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے اور تمہارے درمیان چالیس دن کا قول و قرار ہے اگر ان چالیس دنوں میں تم ایمان لے آئے تو بہتر ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

رفتہ رفتہ یہ بات مشہور ہو گئی اور بادشاہ اور اس کے دوسرے ارکان نے مذاق اور تمسخر شروع کر دیا اور کہنے لگے کہ یہ فقیر (معاذ اللہ) مجنون ہے اس کے سر میں ایک خیال مستحکم ہو گیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جنابِ الٰہی میں عرض کی کہ بارخدایا! میں نے ان کے ساتھ چالیس دن کا وعدہ کیا ہے' یہ وعدہ سچا کر دے ورنہ میں ہلکا ہو جاؤں گا اور یہ مجھے مار ڈالیں گے۔ اس لیے کہ ان لوگوں کی عادت یہی تھی کہ جو شخص اس قسم کا جھوٹ باندھے' اسے مار ڈالتے تھے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ نے جلدی کیوں کی اور چالیس دن کا وعدہ درمیان میں لے آئے اب صبر کرنا چاہیے کہ آخر میں ان کا ایمان

مقدر ہے' راہِ راست پر آ جائیں گے۔ حضرت یونس علیہ السلام اس بات سے بہت تنگ دل ہوئے اور جب وعدے کا ایک مہینہ گزر گیا' آپ قبائل کے ہمراہ اس شہر سے باہر نکل آئے اور وہاں سے دس بارہ کوس پر ڈیرہ لگا دیا کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے اور ہر وقت اسی دعا میں مصروف تھے کہ بار خدایا! اس وعدے کو سچا کر دے ورنہ میں خفیف ہو جاؤں گا۔

جب ۳۵واں دن ہوا اور علی الصبح اُٹھے تو دیکھا کہ عذاب کے آثار شروع ہو گئے اور آگ کا دُھواں آسمان کی طرف سے برستا ہے اور اس دُھوئیں اور آگ کا اثر گھروں کی چھتوں تک پہنچ گیا۔ بادشاہ اور دوسرے ارکان سلطنت بے قرار ہو کر باہر نکل آئے اور کہنے لگے اس گودڑی پوش فقیر کو تلاش کرو کہ کہاں گیا اور اسے جلدی لاؤ تا کہ ہم اس کے ہاتھ پر توبہ کریں اور قیدیوں کو اس کے سپرد کر دیں۔ انہوں نے شہر کا دروازہ بند کر دیا اور ہر گھر اور کوچہ میں تلاش کیا' ان کا کوئی سراغ نہ ملا' مجبوراً سب کے سب ننگے سر اور ننگے پاؤں جنگل میں نکل آئے' بچوں کو ماؤں سے جدا کر دیا' گائیوں اور بکریوں کے بچوں کو بھی ان سے جدا کر دیا اور سب گریبان چاک کر کے سر سجدہ میں رکھ کر آہ و فریاد اور گریہ زاری کرنے لگے اور عرض کی کہ بار خدایا! ہم نے کفر سے توبہ کی اور یونس علیہ السلام کی بات پر جو کہ تیرے بھیجے ہوئے تھے' ہم ایمان لائے اور ہم نے پختہ ارادہ کر لیا کہ بنی اسرائیل کے قیدیوں کو ان کے ہاتھ سپرد کر دیں۔ حق تعالیٰ نے عصر کے وقت ان سے عذاب اُٹھا لیا اور مطلع صاف ہو گیا اور یہ دسویں محرم کے یومِ عاشور کا واقعہ تھا۔ بادشاہ اور دوسرے ارکان خوش ہو کر شہر میں داخل ہوئے اور انہوں نے کہا کہ اب جاسوسوں اور ہرکاروں کو مختلف سمتوں میں جلد دوڑانا چاہیے تا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی خبر لائیں بلکہ بادشاہ نے اپنی زبان سے کہا کہ جو شخص حضرت یونس علیہ السلام کی خبر مجھ تک پہنچائے' میں اسے ایک دن کے لیے بادشاہی کے تخت پر بٹھاؤں گا تا کہ وہ جو چاہے اس دن میرے مال اور کارخانوں سے لے لے۔ لوگ اس طمع میں ہر طرف دوڑے' حضرت یونس علیہ السلام کو بھی دیہاتیوں کی زبان سے خبر پہنچ چکی تھی کہ تمہاری قوم سے عذاب ٹل گیا ہے اور وہ آپ کی تلاش میں پھرتے ہیں۔ آپ عذاب کے ٹلنے کا سُن کر بہت تنگ

ذلیل ہوئے اور جان لیا کہ میں اپنی قوم کے نزدیک جھوٹ کہنے والا ہو گیا اور اب اگر ان کے پاس جاؤں تو کس منہ سے؟ کہ میرا وعدہ تو سچا نہ ہوا اگر حضرت شعیا علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے پاس جاؤں تو بھی بے وزن ہوتا ہوں کہ میں نے کوئی کام نہ کیا۔

وحی کا انتظار کیے بغیر بہت تنگ دلی کی وجہ سے دونوں طرفوں کو چھوڑ کر ملک روم کی طرف متوجہ ہوئے' عتابِ الٰہی کا مورد ہو گئے اب آپ کا معاملہ دگرگوں ہو گیا' پہلے آپ کے ساتھی اور نوکر آپ سے جدا ہو گئے اور ایک بیوی اور دو بچوں کے سوا ان کے ہمراہ کوئی نہ رہا۔ ایک بچے کو اپنے کندھے پر لے لیا اور ایک بچے کو اپنی بیوی کے کندھے پر بٹھا دیا اور اسی طرح منزل بمنزل طے کرتے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک دن راستے میں ایک درخت کے نیچے ستانے کے لیے رُکے اور خود قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف نکل گئے اس وقت ایک سوار بادشاہ زادہ جو کہ سواری پر شکار کے لیے نکلا تھا اس درخت کے پاس پہنچا اس نے دیکھا کہ ایک کمال حسن و جمال والی عورت دو بچوں سمیت بیٹھی ہے اس نے اپنے نوکروں سے کہا کہ اس عورت کو اُٹھا لاؤ۔ خاتون نے اگرچہ بہت آہ و زاری کی کہ میں ایک ایسے شخص کی منکوحہ ہوں جو کہ صالح اور پیغمبر ہے اس بادشاہ زادے نے شراب اور جوانی کی مستی میں ایک نہ سُنی اور ان کی بیوی کو اپنے ہمراہ گھر لے گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جو کہ قضائے حاجت سے واپس آئے' عورت کے بارے میں پوچھا کہ کہاں گئی؟ بچوں نے کہا کہ یہ واقعہ گزرا' آپ سمجھ گئے کہ جنابِ الٰہی کی طرف سے عتاب کا معاملہ شروع ہو گیا' دونوں بچوں کو باری باری اپنے کندھے پر اُٹھاتے تھے اور راستہ طے کرتے تھے یہاں تک کہ ایک ندی کے کنارے پہنچے' ایک بچے کو اس ندی کے کنارے کھڑا کر کے چاہا کہ دوسرے بچے کو اس سے پار کریں جب درمیان میں پہنچے اچانک ایک بھیڑیا اس ندی کے کنارے پر پہنچ گیا اور کنارے پر کھڑے آپ کے بچے کو منہ میں دبا کر لے گیا' آپ بے قرار ہو کر پیچھے مڑے تا کہ بچے کو بھیڑیے کے منہ سے چھڑائیں کہ دوسرا بچہ جو کہ آپ کے کندھے پر تھا' پانی کی رو میں گر گیا اور پانی اسے بہا لے گیا جتنی بھاگ دوڑ کی نہ اس بچے کا سراغ ملا نہ اس کا۔

مایوس ہو کر تن تنہا دریائے روم کے کنارے پہنچے۔ دیکھا کہ ایک جہاز روانگی کے لیے تیار کھڑا ہے اور تاجر اپنے سامان لاد کر لنگر اُٹھانے کو ہیں' آپ نے بھی وہاں پہنچ کر فرمایا کہ میں درویش آدمی ہوں اگر کرایہ مانگے بغیر مجھے سوار کر لیں تو اس جہاز میں میں بھی بیٹھ جاؤں؟ ملاح اور تاجروں نے کہا کہ ہمارے آنکھوں پر' آپ کے قدموں کے طفیل ہماری یہ کشتی سلامتی کے ساتھ پہنچے گی کہ آپ مردِ صالح اور نورانی معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کو سوار کر کے روانہ ہوئے جب سمندر کے درمیان پہنچے تو اچانک ایک تیز خطرناک ہوا اُٹھی اور سخت موجیں آنے لگیں اور کشتی چلنے سے رُک گئی جتنے بادبان اور کشتی کو چلانے کے آلات نصب کیے' کچھ بھی کارگر نہ ہوتا تھا۔ ملاح اور تاجروں نے باہمی مشورہ کیا کہ کشتی کے رُک جانے کا باعث کیا ہے کہ ہم نے اپنی پوری زندگی ایسی صورتِ حال نہیں دیکھی۔ ملاح نے کہا کہ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ اگر کوئی غلام اپنے مالک سے حکم کے بغیر بھاگا ہو اور کشتی میں بیٹھ جائے تو اسی قسم کی صورتِ حال رونما ہوتی ہے۔ کشتی میں آواز دو کہ جو شخص اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہو' واضح طور پر کہے کیونکہ تمام کشتی والوں کی تباہی ایک جان کی ہلاکت سے زیادہ ناگوار ہے' اسے باندھ کر دریا میں ڈالنا چاہیے۔

حضرت یونس علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ بھاگا ہوا غلام میں ہوں کہ حکمِ الٰہی کے بغیر جا رہا ہوں۔ آپ نے کشتی والوں سے کہا کہ میں ایک شخصیت کا غلام تھا اس کے حکم کے بغیر جا رہا ہوں' مجھے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں ڈال دیں تاکہ تمام کشتی والے نجات پالیں۔ ملاح اور کشتی والے تاجروں نے کہا کہ سبحان اللہ ہم آپ کی نسبت یہ بُرا گمان نہیں رکھتے' آپ اپنی بزرگی کے طور پر فرما رہے ہیں کہ ہم سب کے عوض اپنے آپ کو ہلاک فرمائیں' ہم اس حرکت کے کب روادار ہیں' ہم ایک اور تدبیر کرتے ہیں کہ قرعہ اندازی کرتے ہیں' دیکھتے ہیں کہ کس کے نام پر نکلتا ہے۔ قرعہ ڈالا گیا' حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر نکلا' سب نے کہا کہ یہ قرعہ غلط ہوا' یہ بزرگ آدمی اس کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کے متعلق یہ بُرا گمان کیا جائے۔ دوسری بار قرعہ ڈالا گیا پھر آپ کے نام نکلا۔ تیسری مرتبہ ڈالا گیا پھر آپ کے نام پر نکلا' مجبور ہو کر آپ کو دریا میں ڈال دیا گیا اور کشتی روانہ ہوئی۔

اتفاقاً دریا میں ایک بہت بڑی مچھلی لقمے کے انتظار میں بیٹھی تھی جیسے ہی آپ کو دریا میں ڈالا گیا اس مچھلی نے آپ کو لقمہ بنا لیا لیکن اس مچھلی کو حکم الٰہی پہنچا کہ خبردار رہ! میں نے اس شخصیت کو تیرے پیٹ میں غذا کے طور پر داخل نہیں کیا ہے بلکہ تیرا شکم اس کے لیے قید خانہ بنایا گیا ہے۔ چاہیے کہ اس کے وجود کے ایک بال کو بھی تکلیف نہ پہنچے۔ وہ مچھلی آپ کو اپنے پیٹ میں لے کر سیر کرتی تھی یہاں تک کہ بحیرۂ روم سے بطائح میں پہنچی اور وہاں سے دجلہ میں آ پڑی۔ اسے حکم ہوا کہ اب اس شخصیت کو دجلہ کے شامی کنارے پر ڈال دے اس مچھلی نے چالیس دنوں کے بعد آپ کو کنارے پر ڈال دیا اور اس خلاصی کا سبب یہ ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام جب مچھلی کے پیٹ میں محبوس ہوئے' آپ کا سانس رکنے لگا۔ آپ نے معلوم کیا کہ آخری وقت ہے' خدا تعالیٰ کی یاد میں گزارنا چاہیے۔ آپ نے یہ تسبیح شروع کر دی لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ حق تعالیٰ نے آپ کے اس اقرار کو پسند فرمایا اور رحمت فرمائی اور چونکہ آپ کا بدن شکم ماہی کی گرمی کی وجہ سے نرم ہو گیا تھا اس کی طاقت نہ تھی کہ مچھر یا مکھی آپ کے جسم پر بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت کدو کا درخت اُگایا اور اس درخت کے ریشے آپ کے سارے جسم پر اسی طرح چپک گئے کہ کدو کے پتے آپ کے لباس کی جگہ ہو گئے اور آپ حفاظت اور پردے میں رہے اور چونکہ اتنی طاقت نہ تھی کہ اُٹھ کر چلے جائیں اور روزی کی تلاش کریں ایک ہرنی کو حکم ملا کہ اپنے تھن کو آپ کے منہ میں دے کر کھڑی رہے یہاں تک کہ آپ سیر ہو جائیں۔ وہ ہرنی ہر صبح و شام آتی تھی اور اپنا تھن آپ کے منہ میں ڈال دیتی تھی یہاں تک کہ چالیس دن کے بعد آپ کا جسم قوی ہو گیا اور حرکت کی طاقت پیدا ہو گئی اور ہرنی کا دودھ پینے کی وجہ سے آپ کی کمزوری طاقت سے بدل گئی۔

اس ہرنی کو حکم ہوا کہ آج آپ کے پاس مت جائے اور دودھ نہ دے جب ہرنی نہ آئی' آپ نے بارگاہِ الوہیت میں عرض کی کہ بارخدایا! آج ہرنی نہیں آئی؟ حکم ہوا کہ تو اپنے آپ پر عادت کی اتنی سی تبدیلی پسند نہیں کرتا جبکہ تو مجھ سے بہت بڑی عادت کی تبدیلی مانگتا تھا کہ ہم تمام مخلوق کو ایک قلم نیست و نابود کر دیں۔ آپ نے پھر توبہ' ندامت

اور استغفار کی اور عرض کی کہ اب جو حکم ہو۔

راستے میں ایک شہر میں پہنچے اس شہر میں ایک کمہار کو دیکھا کہ آوہ پکا کر اور درست کر کے برتن نکالنے کے لیے تیار ہے۔ حکم ہوا کہ اس کمہار کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وزنی سی لکڑی لے کر ان سب برتنوں کو توڑ دے اور وہ جو جواب دے' ہماری بارگاہ میں عرض کرنا۔ آپ گئے اور کمہار سے وہی بات کہی' وہ غصے میں آ گیا اور کہنے لگا کہ یہ کیسی بات ہے جو مجھے ایسا کرنے کا حکم دیتا ہے؟ میں نے ان برتنوں کو بنانے اور پکانے میں اتنی محنت اسی لیے کی تھی کہ انہیں لکڑی کے ساتھ توڑ دوں' مجھے خود ان برتنوں سے بہت نفع حاصل کرنا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے عرض کی بار خدایا! کمہار نے یوں کہا ہے۔ ارشاد ہوا کہ دیکھو کہ مٹی ہماری طرف سے' پانی ہماری طرف سے اور کمہار کا ہاتھ ہماری طرف سے' اس شکل وصورت کی وجہ سے جو کمہار نے بنائی ہے' برتنوں کے ساتھ اتنی محبت کرتا ہے کہ انہیں توڑنا دشوار سمجھتا ہے اور تو چاہتا تھا کہ اپنی مخلوقات میں سے ایک لاکھ انسانوں کو تباہ کردوں۔

پھر وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک سرسبز باغ دیکھا۔ ارشادِ خداوندی کے مطابق اسی قسم کا پیغام اس باغ کے مالک کو پہنچایا' تلخ جواب سنا پھر ایک اور شہر میں پہنچے' ایک محل پر گزر ہوا کہ اسے خوب بنایا گیا تھا۔ ارشاد کے مطابق اسی قسم کا پیغام اس محل کے مالک کو پہنچایا پہلے سے بھی زیادہ تلخ جواب سنا جب عتاب بہت ہو گیا تو عاجزی اور زاری شروع کر دی اور اپنے کے لیے بخشش چاہی۔ حق تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ رجوع فرمایا اور آپ کو رسالت کے لیے چُن لیا اور اپنی طرف انہیں رسول بنایا اور ہر طرف سے رحمت اور لطف کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے یہاں تک کہ آپ اسی ندی کے کنارے پہنچے۔ دیکھا کہ بستی کے لوگ کھڑے ہیں اور آپ کے دونوں بیٹے ان کے ہمراہ ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کس کے بیٹے ہیں؟ بستی کے لوگوں نے کہا کہ ایک بزرگ یہاں سے گزر رہے تھے' ان کے ایک بچے کو پانی کی رو بہا لے گئی تھی' ہماری بستی کے دھوبیوں نے اسے پانی کی رو سے نکال لیا اور ان کے دوسرے بچے کو بھیڑیا لے گیا تھا' بستی کے چرواہوں نے

اسے زخمی حالت میں اس کے منہ سے چھڑا لیا۔ ہم ان دونوں کی تیمار داری اور پرورش کرتے ہیں تاکہ ان کے باپ تک پہنچا دیں۔ اسی گفتگو میں تھے کہ ان بچوں نے آپ کو پہچان لیا اور کہنے لگے کہ ہمارے والد بزرگوار یہی ہیں' انہوں نے دونوں بچے آپ کے حوالے کر دیئے اور اس ندی سے گزار دیا جب اس درخت کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک جماعت چوکی کی شکل میں اس درخت کے نیچے بیٹھی ہے' آپ نے ان سے پوچھا کہ تم یہاں کیسے بیٹھے ہو؟ انہوں نے کہا ہمارے بادشاہ کا لڑکا یہاں سے گزر رہا تھا' وہ ایک درویش کی عورت زبردستی چھین کر لے گیا' اسی دن سے پیٹ کے درد میں مبتلا ہے۔ بادشاہ نے یہ ماجرا سن کر اس درخت کے نیچے چوکی بٹھا دی ہے کہ اگر وہ درویش کہیں سے آ نکلے تو اسے میرے پاس لاؤ تاکہ میں اس سے اپنے اس بیٹے کی تقصیر معاف کراؤں اور اس کی عورت اسے واپس دے دوں جس تک کسی کا ہاتھ ہرگز نہیں پہنچا۔ آپ نے فرمایا وہ درویش میں ہوں' وہ آپ کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ آپ کی دعا سے بادشاہ کے بیٹے کو شفا ہوگئی اور آپ کی اہلیہ کو آپ کے سپرد کیا۔ علاوہ ازیں نذریں اور وافر مقدار میں مال دے کر آپ کو رخصت کیا یہاں تک کہ آپ نینویٰ اور موصل کے ملک کی سرحد پر پہنچے' آپ نے ایک شخص کو نینویٰ کے لوگوں کے پاس بھیجا تاکہ انہیں خبر دے کہ حضرت یونس علیہ السلام تشریف لائے ہیں۔

بادشاہ اور وہاں کے ارکان نے بہت خوشی کی اور چند منزل تک آپ کا استقبال کیا اور آپ کو پوری تعظیم اور احترام کے ساتھ شہر میں لے گئے اور مدت دراز تک آپ کی اتباع اور فرماں برداری میں گزر بسر کی حتیٰ کہ حضرت یونس علیہ السلام کی وہیں وفات ہوئی اور وہیں دفن ہوئے اور اب آپ کا مزار پُر انوار ان علاقوں کے مشہور مزارات میں سے ہے۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کا عذاب طلب کرنے میں جلدی اور شتابی جو کہ حضرت یونس علیہ السلام سے واقع ہوئی' سے روکا جا رہا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ آپ یہ کام نہ کریں کیونکہ اس کام کا نتیجہ درست نہیں ہے اور اس مچھلی والے کا حال یاد

کریں۔

اِذْ نَادٰى وَهُوَ مَكْظُوْمٌ جبکہ اس نے بارگاہِ خداوندی میں ندا کی اپنی قوم پر عذاب طلب کرنے کے لیے اور وہ غصے سے بھرا ہوا تھا اور غصے کی وجہ سے یہ جلدی کی کہ حکم الٰہی کا انتظار نہ کیا اور آخر اس کی وجہ سے تکلیف اٹھائی کہ مچھلی کے پیٹ میں بند رہا پھر ایک اور ندا اپنی فروگزاشت کے اظہار اور اپنی تقصیروں سے معافی مانگنے کے لیے کی اور اس وقت بھی مکظوم تھا یعنی ان کا سانس بند ہو رہا تھا' لغت عرب میں مکظوم اس شخص کو کہتے ہیں جس کا بے حد غم زیادہ غصے کی وجہ سے دَم گھٹنے لگے اس کی وہ مکظومیت یہ مکظومیت پھر لائی۔ تو چاہیے کہ آپ میں نفس کا کچھ حصہ باقی نہ رہے تاکہ آپ کے کمال میں کوئی کمی نہ ہو اس لیے کہ اس جلد بازی کی وجہ سے قریب تھا کہ حضرت یونس علیہ السلام بلندی اور کمال کے مرتبے سے فروتر ہو جائیں اور ہمیشہ کے عتاب کا مورد ہو جائیں یہاں تک کہ

لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ نِعْمَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اگر یہ نہ ہوتا کہ اس کے حال کا آپ کے پروردگار کی طرف سے ایک نعمت نے اس کے کمالات کو باقی رکھ کر تدارک کیا اس پر پریشانی میں

لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ البتہ اسے ڈال دیا جاتا سبزہ' گھاس' سایہ اور پانی سے خالی صحرا میں وَهُوَ مَذْمُوْمٌ اور وہ پریشان حال اور پریشان روزگار ہوتا اور اللہ تعالیٰ اس کے حق میں کدو کا درخت اُگا کر اور نہ ہی ہرنی کو مسخر کر کے کسی قسم کی کرامت کا اظہار نہ فرماتا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ شکم ماہی میں ان کی تسبیح کا اثر اسی قدر تھا کہ مچھلی کے پیٹ سے خلاصی مل گئی جیسا کہ سورۂ صافات میں مذکور ہے فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ اور مچھلی کے پیٹ سے باہر لانے کے بعد یہ کرامت جو کدو کا درخت اُگانے اور ہرنی کو ان کے لیے مقرر کرنے کی صورت میں آپ کے بارے میں ظاہر ہوئی' یہ صرف ازلی عنایتِ خداوندی کے ساتھ وابستہ تھی کہ عطا فرمودہ کمالات کو باقی رکھا گیا اور اس پریشانی کی وجہ سے سلب نہ فرمایا۔

نیز جاننا چاہیے کہ اس شرط و جزا کا مدار یعنی لَوْلَآ اَنْ تَدٰرَكَهٗ الخ اسی حال پر ہے

یعنی مذموم اس میں لَنُبِذَ بِالْعَرَآءِ کا کوئی دخل نہیں ہے۔ پس یہ دوسری آیت کے معانی نہیں ہوتی جو کہ سورۂ صافات میں ہے کہ فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ۔

آیتِ کریمہ کی برکات اور اُسے پڑھنے کے دو طریقے

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ کوئی مصیبت زدہ اور تکلیف میں مبتلا اس تسبیح کو نہیں پڑھتا مگر اللہ تعالیٰ اسے اس غم سے جو کہ اسے لاحق ہے' نجات عطا فرماتا ہے اور معتبر مشائخ سے اس بات کی سند ہے کہ ہر غم اور پریشانی کے لیے اس آیت کا پڑھنا تریاق مجرب ہے اور اسے پڑھنے کے طریقے دو طرح ہیں۔ پہلا یہ کہ اجتماعی طور پر ایک مجلس یا تین مجالس میں ایک لاکھ پچیس ہزار مرتبہ پڑھی جائے' دوسرا یہ کہ ایک شخص تن تنہا عشا کی نماز کے بعد تاریک گھر میں طہارت اور قبلے کی طرف منہ کرنے کی شرائط کے ساتھ تین سو بار پڑھے اور پانی سے بھرا ہوا پیالہ اپنے پاس رکھ چھوڑے اور لحہ بہ لحہ اس پانی میں اپنا ہاتھ ڈال کر اپنے چہرے اور جسم پر وہ پانی ملے۔ تین دن' سات دن یا چالیس دن تک اسی ترتیب کے ساتھ پڑھے۔

نیز حدیث پاک میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کے شوربے میں کدو بہت پسند فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے هي شجرة اخي يونس یہ میرے برادر یونس علیہ السلام کا درخت ہے اور جب نعمتِ الٰہی نے حضرت یونس علیہ السلام کے حال کا تدارک کیا تو اس بے اطمینانی اور پریشانی کے بعد آپ کا درجہ بلند ہو گیا۔

فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ پس اسے اس کے پروردگار نے بلاواسطہ برگزیدہ فرمایا اپنی رسالت کے لیے جس طرح کہ پہلے حضرت شعیا علیہ السلام نے آپ کو رسالت کے لیے چنا تھا۔ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ پس اسے اس منصب کے لائق لوگوں میں سے کر دیا جنہوں نے اسے خوبی کے ساتھ سرانجام دیا اور ایک لاکھ چند ہزار افراد نے آپ کے ہاتھوں ایمان اور تقویٰ کا فیض پایا اور اس سے پہلے آپ میں منصب رسالت کی شائستگی نہ تھی بلکہ آپ عبادت گزار نبی تھے اور اس عتاب کے بعد اس منصب کی لیاقت کے خطاب کو استعداد کی کمین گاہ سے میدانِ فعلیت میں ظاہر فرمایا۔

اور جب آپ نے حضرت یونس علیہ السلام کے واقعہ سے معلوم کیا کہ کفار اپنے مکروفریب کی وجہ سے انبیاء مرسلین علیہم السلام کو جلد بازی میں لا کر پریشانی میں ڈال دیتے ہیں اور عتابِ الٰہی کا مورد بنا دیتے ہیں اور ان کی شان میں طعنہ زنی اور بُرائی بیان کرنے کو ایک بات گھڑ لیتے ہیں کہ حکم بشریت کی وجہ سے انبیاء کو غصے میں لاتی ہے اور وہ حکم الٰہی کا انتظار نہیں کرتے اور اپنے درجۂ کمال سے نیچے آ جاتے ہیں۔ پس آپ کو چاہیے کہ اپنی قوم کے اس قسم کے مکروفریب سے بے توجہی نہ کریں کیونکہ یہ لوگ بھی اس معاملہ میں بہت فن کار ہیں۔

وَاِنْ یَّکَادُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور تحقیق یہ کفار قریب ہیں لَیُزْلِقُوْنَکَ بِاَبْصَارِهِمْ اس سے کہ آپ کو صبر وضبط کے مقام سے پھسلا دیں، اپنی تیز تیز نگاہوں سے تا کہ آپ غصہ میں آئیں اور بے چین ہوں اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے قبل از وقت مقدر عذاب کی درخواست کریں اور وہ یہ مکروفریب نہیں کرتے مگر

لَمَّا سَمِعُوا الذِّکْرَ اس وقت کہ جب اس کلام کو سنتے ہیں جو کہ سراسر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، اس کی کوئی آیت اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہیں ہے اور اسی بنیاد پر اس کلام کا نام ذکر رکھا گیا تا کہ آپ کا غصہ بڑھے اور آپ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے ذکر کی وجہ سے ان کے ساتھ جھگڑا کریں کیونکہ آدمی اپنے عیب کی بات سُن سکتا ہے لیکن اپنے محبوب کا عیب نہیں سُن سکتا ہے، اپنی تحقیر گوارا کر لیتا ہے مگر اپنے محبوب کی تحقیر گوارا نہیں کر سکتا اور صرف اس تیز نگاہی اور آنکھ مارنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی تکلیف دیتے ہیں۔

وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ اور کہتے ہیں کہ تحقیق یہ شخص مجنون ہے اس لیے کہ ہر بات میں ایک ہی چیز کو یاد کرتا ہے اور یہ جنون کی علامت ہے اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہر بات میں ایک چیز کو یاد کرنا اس وقت جنون کی علامت ہوتا ہے جب وہ بات کسی اور چیز کے لیے کی جائے اور اگر وہ بات صرف اسی چیز کو یاد کرنے کے لیے بنائی گئی ہے تو اس ایک چیز کا ذکر اس سارے کلام کے واجبات میں سے ہے جیسا کہ انبیاء علیہم السلام سے

ماثور اذکار اور اوراد۔

وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ اور یہ کلام نہیں ہے مگر ذکر الٰہی جو کہ تم جہان والوں کے لیے مقرر کیا گیا ہے' بخلاف انبیاء و اولیاء کے اذکار و اوراد کے کہ صرف اپنی اُمتوں یا اپنے سلسلے سے وابستہ اہلِ طریقت اور مریدوں کے لیے مقرر کیے ہیں۔ پس فرشتے اس ذکر کو لذت حاصل کرنے کے لیے پڑھتے ہیں اور حلاوت لیتے ہیں جبکہ جن اور انسان ثواب' حجابات کو اُٹھانے اور قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لیے پڑھتے ہیں اور اس کے معانی سمجھنے اور اس کے احکام نکالنے کے لیے بھی۔ پرندے اپنی آوازوں کو اس کے کلمات پر ڈالتے ہیں تاکہ ممکن حد تک اس کی حکایت اور مشابہت کریں۔ پس اس کلام میں خدا تعالیٰ کا بار بار ذکر کرنا عین مقصود مطلوب ہے' اسے جنون پر کیسے محمول کیا جائے؟

اکثر مفسرین نے اس آیت کے نزول کے سبب میں یوں روایت کی ہے کہ جب کفارِ قریش حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کو روکنے میں ہر ممکن حیلہ کر کے فارغ ہو گئے اور عاجز ہو گئے تو انہوں نے بنی اسد میں سے ایک شخص کو بلایا کہ پہلے تو وہ قبیلہ پورے ملک عرب میں آنکھ سے زخم پہنچانے میں مشہور و معروف اور مثالی تھا پھر وہ شخص ان میں سے ممتاز اور سربرآوردہ تھا' اس کی عادت یوں تھی کہ پہلے وہ تین دن کچھ نہیں کھاتا تھا اس کے بعد جس شخص کے متعلق اسے منظور ہوتا تھا' اسے آنکھ کے ساتھ زخم لگاتا اور اسے ہلاک کر دیتا' اسے بہت طمع دی گئی کہ اگر تو فلاں کو آنکھ کے زخم سے ہلاک کر دے تو تجھے یہ کچھ دیں گے اس نے اپنی عادت کے مطابق تین دن فاقہ کیا' تیسرے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا جبکہ اس وقت آپ قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف تھے' گھڑی بھر اس نے تیز تیز دیکھا اور کہنے لگا کہ میں نے اس خوب صورتی اور خوش آوازی کے ساتھ کسی کو نہیں دیکھا ہے اور اس گفتگو کی بار بار تکرار کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرما رہے تھے مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کے شر سے محفوظ رکھا۔

بدنظری سے بچاؤ کا طریقہ

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی کو زخم لگانے والی آنکھ کا خوف ہو یا اپنے آپ پر یا اپنے اولاد اور مال پر اس کا اثر دیکھے اس کا علاج یہی ہے کہ یہ آیت پڑھے' تکلیف رفع ہو جائے گی اور اس آیت کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس آیت کو تین مرتبہ پڑھ کر اپنے اوپر یا اپنے لڑکے یا اپنے مال پر دَم کرے۔ نیز حدیث شریف میں وارد ہے العین حق زخم والی آنکھ کی تاثیر برحق ہے' لو کان شیء سابق القدر لسبقة العین یعنی اگر جہان میں کوئی ایسی چیز ہوتی جو کہ تقدیر الٰہی سے سبقت کرے تو زخم لگانے والی آنکھ ہوتی کیونکہ اس کی تاثیر بہت قوی ہے اور جو چیز نظر میں اچھی لگے' چاہیے کہ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہے تاکہ زخم والی آنکھ کا اثر نہ ہو۔

نیز حدیث شریف میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس طریقے سے دَم فرماتے اور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام' حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کو بھی انہیں کلمات کے ساتھ دَم فرماتے تھے۔ اُعِیْذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّةٍ اور حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن میں دن کے ابتدائی وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے حاضر ہوا' میں نے دیکھا کہ درد کی وجہ سے بے قرار ہیں پھر میں پچھلے پہر عیادت کے لیے حاضر ہوا' میں نے دیکھا کہ صحت یاب ہو چکے ہیں۔ میں نے پوچھا اس فوری صحت کی وجہ کیا ہوئی؟ فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور مجھے ان کلمات کے ساتھ دَم کیا بِسْمِ اللّٰهِ اَرْقِیْكَ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ یُّؤْذِیْكَ وَمِنْ کُلِّ عَیْنٍ حَاسِدٍ اللّٰهُ یَشْفِیْكَ۔

نیز حدیث پاک میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ازواجِ مطہرات میں سے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے' ایک چھوٹی بچی کو دیکھا کہ بیمار ہے۔ فرمایا کہ اس کے لیے بدنظری کا دَم کرو کیونکہ اس کے چہرے پر چشم زخم کا اثر محسوس ہوتا ہے۔ نیز فرمایا کہ اگر کسی پر نظر لگ جانے کا اثر ہو تو چاہیے کہ جس کی نظر لگی ہے اسے

حکم دو کہ اپنے وضو اور استنجاء کے اعضاء کو پانی کے ساتھ دھوکر دے اور نظر رسیدہ اس پانی سے غسل کرے شفا پائے۔ اور ایسی نظر والے کو چاہئے کہ ان اعضاء کو دھو دینے میں توقف نہ کرے اور شرم و عار نہ سمجھے۔

اور یہاں جاننا چاہیے کہ اس تاثیر کی حقیقت میں جسے چشم زخم کہتے ہیں' علماء کا بہت اختلاف ہے اور ابھی تک تاثیر کی وجہ صاف واضح نہیں ہوئی۔ جاحظ نے کہا ہے کہ اس قسم کی نظر والے کی آنکھ سے شعاع کی طرح زہریلے اجزا باہر نکلتے ہیں اور نظر رسیدہ کی آنکھ میں پہنچتے ہیں اور اس کے مسام میں جاری ہوکر زہریلے اثر کو پیدا کرتے ہیں جیسے سانپ کا زہر اور بھڑ اور بچھو کے ڈنگ کا اثر اور جبائی اور دوسرے معتزلی علماء نے اس بات پر گرفت کی ہے کہ اگر زخم والی آنکھ کی تاثیر کی وجہ یہ ہوتی تو لازم آتا کہ بُری نظر والے کا یہ اثر ہر کسی کی نسبت سے ہوتا اور پسند آنے والے کام کے ساتھ کوئی خصوصیت نہ ہوتی اور جاحظ کی طرف سے دوسرے علماء نے یوں جواب دیا ہے کہ پسندیدہ امر کی خصوصیت کی وجہ یہ ہے کہ اگر وہ پسندیدہ شخص بُری نظر والے کا دوست ہے تو نظر والے کو پسند آنے کے وقت اس نعمت کے زائل ہونے کا ایک عظیم خوف پیدا ہو جاتا ہے اور اگر وہ اس کا دشمن ہے تو بُری نظر والے کو اپنے دشمن کو اس نعمت کے حاصل ہونے پر بے حد غم ہو جاتا ہے اور غم اور خوف دونوں دل کے اندر اپنی روح کو بند کر دیتے ہیں اور گرمی دینے کا باعث ہوتے ہیں اور قوتِ باصرہ کی روح میں بھی گرم زہریلی کیفیت پیدا کرتے ہیں اور پسند نہ ہونے کی صورت میں ان دونوں امروں میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ پس تاثیر بھی نہیں ہوتی۔

لیکن جاحظ کے قول کی اصل میں یہ خلل ہے کہ بُری نظر والے کی تاثیر جیسے سامنے حاضر ہونے کے وقت ہوتی ہے' غائب ہونے کے وقت بھی ہو جاتی ہے اور جس طرح بُری نظر والے کی تاثیر حیوانی اور انسانی جسموں میں ہوتی ہے اس طرح نباتی اور معدنی جسموں میں بھی ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ تاثیر زہریلے اجزا کے سرایت کرنے کی بناء پر نہیں ہے اور جو بُری نظر والے کے اعضاء دُھلانے کے ساتھ جاحظ کے مذہب کی تائید

کی جاتی ہے' یہ بھی بے جا ہے اس لیے کہ اس پانی کی جو کہ اس کے بدن کو لگتا ہے' ان اجزا کے زہریلے پن کو دُور کرنے میں کیا تاثیر ہوگی؟

اور ابوالہاشم اور ابوالقاسم نے یوں کہا ہے کہ بُری نظر والا جب کسی چیز کو دیکھتا ہے یا سنتا ہے تو اس کا فریفتہ ہو جاتا ہے اور علم الٰہی میں اس شخص کے حال کے لیے زیادہ بہتر یہ ہوتا ہے کہ اس چیز کو بدل دیں تاکہ اس کا دل اس چیز پر فریفتہ نہ رہے اس وجہ سے وہ چیز خلل میں پڑ جاتی ہے اور دگرگوں ہو جاتی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کے پسند کرنے کی تاثیر سے دگرگونی ہوئی اور اس قول میں بھی خلل ہے اس لیے کہ اگر اس قسم کی مصلحتوں کی رعایت اور لوگوں کے دِلوں کی فریفتگی سے بچانے کے لیے یہ تبدیلی پیش نظر ہوتی تو بے ریش لڑکوں اور حسین عورتوں کو ہرگز زندہ نہ چھوڑتے تاکہ عشاق کے دِلوں کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہ رہتا۔ نیز مرغوب چیزوں کے ساتھ ہر دلی تعلق ان چیزوں کے زائل ہونے کا سبب ہوتا اور یہ سب کچھ خلافِ واقع ہے۔

اور حکماء ایک اور راستے پر گئے ہیں جو کہ حق سے کچھ قریب ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ نفوس کی تاثیر دو قسم کی ہے' ایک یہ کہ محسوس کیفیتوں کے واسطے سے ہو اور دوسری یہ کیفیات محسوسہ کے واسطے کے بغیر ہو جیسے وہمی تاثیر کہ کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہونے یا باریک راستے پر چلنے کے وقت وہم غلبہ کرتا ہے اور گرنے اور جسم کے کانپنے کا موجب ہوتا ہے حالانکہ اس راستے کی مانند ہموار جگہ پر ہمیشہ چلتا ہے اور بالکل متاثر نہیں ہوتا اور جیسے تصوری تاثیر جیسا کہ نفسانی عوارض میں ہوتا ہے کہ خوف کی وجہ سے رنگ زرد ہو جاتا ہے اور بدن' سر اور آنکھ سُن ہو جاتے ہیں اور غصے کے وقت اس کے برعکس اور جس طرح نفوس کی اس طرح کی تاثیر اپنے بدنوں میں ہوتی ہے' اپنے بدنوں کے علاوہ بھی ہوتی ہے۔ پس زخم والی آنکھ کی تاثیر بھی اسی طرح سے ہے اور جادو کی ایک قسم جسے تعلیق ہمت و وہم کہتے ہیں اور ہندوستان کے جوگیوں کا معمول ہے بھی اسی قسم سے ہے اور جب نفوس اس تاثیر میں مختلف ہیں' بعض طاقت ور اور بعض کمزور اس وجہ سے یہ تاثیرات بھی اختلاف اور فرق کے ساتھ ظہور کرتی ہیں اور بعض اوقات اس قسم کی تاثیرات وراثت میں

آتی ہیں جبکہ غذا کم کرنے' گوشہ نشین ہونے اور مرغوب و پسندیدہ چیزوں کو چھوڑ کر بھی اس تاثیر کو حاصل کیا جا سکتا ہے بلکہ جو نفوس اس تاثیر میں کمال کے درجے پر پہنچتے ہیں' وہ ایسا کر سکتے ہیں کہ یہ ملکہ ڈال کر دوسروں کو بھی اپنی طرح کا کر لیں جیسا کہ ڈائن کے واقعات میں کہ جسے اہلِ عزیمت کی اصطلاح میں گفتار کہتے ہیں' تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆☆☆

سورۃ الحاقۃ

مکی ہے' اس کی باون (۵۲) آیات ہیں۔

سورۂ نون کے ساتھ رابطے کی وجہ سے متعلق مقدمہ

اور اس سورۃ کے سورۂ نون کے ساتھ رابطے کی وجہ کا بیان ایک مقدمہ کی تمہید پر موقوف ہے اور وہ یہ ہے کہ جہان میں خدائی عذاب دو قسم کے ہوتے ہیں' ان میں سے ایک کو ابتلا کہتے ہیں جو کہ بندوں کے امتحان کے لیے ہوتا ہے کہ وہ متنبہ ہوتے اور راہِ حق پکڑتے ہیں' اسے عذاب کی ایک قسم فرماتے ہیں اور اس قسم کی خاصیت یہ ہے کہ ایک مدت کے بعد عذاب منقطع ہو جاتا ہے جیسا کہ سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف میں اس کا تفصیلی بیان واقع ہوا کہ ولقد ارسلنا الی امم من قبلك فاخذناهم بالباساء والضراء لعلهم يتضرعون الخ وما ارسلنا في قرية من نبي الااخذنا اهلها بالباساء والضراء لعلهم يتصرعون۔ ولقد اخذنا آل فرعون بالسنين ونقص من الثمرات لعلهم يذكرون اور دوسری سورتوں میں بھی اس قسم کا ذکر کافی ہے اور اس قسم سے متعلق چند واقعات بھی ذکر فرمائے ہیں جیسا کہ بنی اسرائیل کے معاملات میں یہ جنس بہت زیادہ واقع ہے اور اس اُمت میں بھی کثرت سے واقع ہے۔

نیز اس قسم کی خاصیت یہ ہے کہ نیک اور بد اس میں شامل ہوتے ہیں اور ان کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز نہیں ہوتا اس لیے کہ نیکوں کے حق میں ترقی درجات' سئیات کا کفارہ اور ان کے صبر و شکر کا امتحان منظور ہوتا ہے اور اسی وجہ سے حق کا ظہور جیسا کہ

حق اور اہلِ باطل کے شامل ہونے کی وجہ سے اس قسم کے واقعات کے ساتھ واضح طور پر الزامِ حجت میسر نہیں ہوتا اور آخرت میں گناہ گار مسلمانوں کا عذاب بھی محققین کے نزدیک اسی قسم سے ہے کہ اس سے مقصود انہیں گناہوں سے پاک کرنا ہے اسی لیے منقطع ہو جائے گا۔

دوسری قسم کو حاقہ کہتے ہیں کہ حق کے اظہار اور باطل سے اس کے امتیاز کے لیے اہلِ باطل کو عذاب دیتے ہیں اور اس میں انتقام منظور ہوتا ہے نہ کہ امتحان اور اس قسم کا عذاب ہرگز منقطع نہیں ہوتا اگر دنیا میں واقع ہو تو برزخی عذاب کے ساتھ متصل ہو جاتا ہے اور اگر آخرت میں واقع ہو تو ہمیشہ اور دائمی ہونا اسے لازم ہوتا ہے۔ ہاں حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کو بظاہر اس قسم کا عذاب آ کر گزر گیا جیسا کہ سورۂ یونس میں اس کا ذکر واقع ہے لیکن حقیقت میں وہ عذاب بھی حاقہ نہ تھا بلکہ ابتلا کی جنس سے تھا جیسا کہ اپنے مقام پر اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ (یہاں سے اشارہ ملتا ہے کہ مفسر علام نے باقی سورتوں کی بھی تفسیر لکھی ہے)

جب اس مقدمہ کی تمہید ہو چکی تو جاننا چاہیے کہ سورۂ نون میں مذکور ہے کہ ہم نے اہلِ مکہ کو بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں انتہائی بے ادبی کرنے کی وجہ سے کہ وہ مجنون کا لفظ زبان پر لائے' سات سالہ قحط میں مبتلا کیا ہے جیسا کہ ہم نے باغ ضرواں کے مالکوں کو فقراء اور مساکین کے حق کو روکنے کی وجہ سے اس باغ کے جلائے جانے کی ابتلا میں ڈالا تھا تاکہ وہ جان لیں کہ حقیقی عذاب بھی اسی طرح آتا ہے اور متنبہ ہو جائیں اور جب وہ متنبہ نہ ہوئے اور انہوں نے اس قحط سے جو کہ مسلمانوں اور ان میں مشترک تھا اور اس کی تکلیف اور دُکھ دونوں گروہوں کو شامل تھا' عبرت نہ پکڑی' انہیں اس قدر خبردار کرنا ضروری ہوا کہ یہ قحط ایک ابتلا سے زیادہ نہ تھا جبکہ حاقہ کے عذابوں کا رنگ اور ہے اور اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰت والتسلیمات کے بارے میں اس قسم کا عذاب صور پھونکنے کے دن پر موقوف ہے اور اس دن سے پہلے صرف آزمائشیں پیش آتی ہیں اور منقطع ہو جاتی ہیں۔ پس اس صورت میں اسی طرح کے وعدے کیے گئے عذاب کو پوری

شرح و بسط کے ساتھ ارشاد فرمایا اور اس کی مثل دنیوی حاقہ کے عذابوں کو بھی سابقہ اُمتوں کے واقعات نقل کر کے ذکر فرمایا تا کہ ان کے نزدیک وہ آخرت کے حاقہ کا عذاب آزمائشوں میں سے اس کی مثل واقعات کے تصور سے ممتاز ہو جائے اور وہ اسے ان آزمائشوں پر قیاس کر کے دلی طور پر مطمئن نہ ہوں۔

اور اس کے علاوہ مختلف مضامین کے اعتبار سے بھی ان دونوں سورتوں کے درمیان پوری مناسبت ہے اس سورۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنون کی نفی ابتدا میں اور جنون کی نسبت جو کہ کافر کرتے تھے' کی نفی آخر میں مذکور ہے جبکہ اس سورۃ میں شاعری اور کہانت کی نفی ہے اور اس سورۃ میں مذکور ہے کہ دنیا میں کفار اپنے مال اور اولاد پر مغرور ہو کر قرآن پاک کے بارے میں بے ادبی کرتے ہیں اور اسے پہلوں کے افسانے قرار دیتے ہیں جبکہ اس سورۃ میں مذکور ہے کہ کافر قیامت کے دن حسرت کرے گا کہ مَآ اَغۡنٰی عَنِّیۡ مَالِیَهۡ یعنی وہ مال میرے کسی کام نہ آیا جسے میں نے جمع کیا تھا اُس سورۃ میں مذکور ہے کہ باغ ضرواں کے مالکوں کو مساکین کا حق نہ دینے کی وجہ سے آفت پہنچی جبکہ اس سورۃ میں مذکور ہے کہ کافر کو آتشیں زنجیریں طوق اور بیڑیاں پہنائی جائیں گی اس لیے کہ مساکین کو کھانا نہیں کھلاتا اس کے علاوہ اور بھی وجوہ مناسبت ہیں جو کہ غور و فکر کے بعد ظاہر ہوتی ہیں۔

اور اس سورۃ کی حاقہ کے ساتھ وجہ تسمیہ بھی اسی تمہیدی مقدمہ سے واضح ہوئی اس لیے کہ حاقہ ایک واقعہ کا نام ہے جو کہ حق کو باطل سے جدا کرتا ہے اس انداز کے ساتھ کہ کوئی شبہ اور اُلجھاؤ باقی نہیں رہتا اور اس سورۃ میں اسی جنس سے چند واقعات کو دنیا و آخرت میں بیان فرمایا ہے اور اس بیان سے رسالت' وحی اور نزولِ قرآن کو ثابت کرنے کی طرف انتقال فرمایا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مَـالۡـحَآقَّةُ وہ حادثہ جو کہ حق کو باطل سے اس طرح جدا کرے کہ حق اور باطل کے درمیان اشتباہ ہرگز نہ رہے' نہایت عجیب ہوتا ہے اور بہت عظمت رکھتا ہے کہ اس کے

متعلق اسے عظیم سمجھتے اور تعجب کرتے ہوئے پوچھا جاتا ہے اور اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ

اَلْحَآقَّةُ وہ حق کرنے والا حادثہ کیا ہے؟ اور اس کی عظمت اس قدر ہے کہ اعلم الخلوقات کو بھی اس کی حقیقت کے علم سے قاصر ہونے میں لوگوں کے ساتھ شامل کیا گیا ہے (جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ قیامت تک ہوگا یہ تمام علوم حضور علیہ السلام کے سینۂ پاک میں رکھے گئے جہاں نفی کی گئی ہے یا تو یہ علوم عطا فرمانے سے پہلے کی بات ہے یا عطائے خداوندی کے بغیر علم کی نفی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى مَا اَوْحٰى سے پردہ نہ اُٹھایا گیا تو علوم نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کو ترازو پر کیسے رکھا جا سکتا ہے؟ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ عرض کرتے ہیں یارسول اللہ ومن علومك علم اللوح والقلم یعنی لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا بعض حصہ ہے تو جب لوحِ محفوظ میں سب کچھ ہے تو حضور علیہ السلام کے علم پاک کا کیا کہنا جس کے بعض حصے لوحِ محفوظ میں سب کچھ ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

اور آپ کو خطاب کرتے ہوئے کہا ہے وَمَآ اَدْرٰكَ مَا الْحَآقَّةُ اور تو کیا جانے کہ وہ حق نما حادثہ کیا ہے۔ ہاں جب اس حادثے کا بیان حقیقت کی حد بندی اور اس کی کنہ کی شرح کے ساتھ دشوار ہے اس میں نظیر اور مثال کے ساتھ پہچان کرانا منظور ہے اور اس جیسے واقعات عذاب کے زمانے کی کمی بیشی اور اس کی شدت اور زیادتی میں مختلف اور جدا جدا ہیں اور اس کا سب سے کامل فرد جس کا اس اُمت کے لیے وعدہ کیا گیا' حق کو ثابت کرنے اور باطل کو باطل کرنے کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ کر اس طرح ہوا کہ گویا حاقہ اسی فرد کا نام ہوا' ذہن میں اس کی سمجھ اور تصویر لانے کے لیے دوسرے حواق کو بطورِ تمہید ذکر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ فرقہ ثمود نے انکار کیا جو کہ ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور شام اور حجاز کے درمیان سکونت رکھتے تھے اور سنگ تراشی' عمارات

بنانے' کھیتی باڑی اور باغ لگانے میں بہت زیادہ رغبت رکھتے تھے اور شام اور حجاز کے درمیان وادی القریٰ سے لے کر حجر تک انہوں نے شہروں' قصبوں اور بستیوں کی صورت میں سات سو آبادیاں آباد کیں اور ہر جگہ چشمے جاری کیے اور کھیتیاں سرسبز کیں' باغ لگائے اور عیش اور چین کے ساتھ رہتے تھے اور بت پرستی کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت صالح علیہ السلام کو جو کہ ان سے نہایت اچھے تھے' نشوونما کی ابتدا اور بچپنے کے وقت سے لے کر امانت' دیانت' صلاحیت اور تقویٰ کے ساتھ موصوف اور مشہور تھے' اللہ تعالیٰ نے رسالت اور پیغمبری کے عنوان کے ساتھ ان کی طرف بھیجا اور انہیں بت پرستی' سنگ تراشی کے شغل اور عمارات اور کھیتوں میں زیادہ طمع کرنے سے منع فرمایا۔

وَعَادٌ اور فرقۂ عاد نے جو کہ ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد سے تھے اور احقاف یمن یعنی وہاں کے ریگستان میں جو کہ ایک وسیع ملک تھا' سکونت رکھتے تھے' ان کے جسموں میں دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بہت فراخی اور قوت تھی' ان کے قد لمبے تھے اور اعضاء بہت قوی اور جہان والوں پر لُوٹ کھسوٹ میں غالب آجاتے تھے۔ رفتہ رفتہ انہیں اپنی قوت اور زور پر تکبر اور پورا اعتماد حاصل ہو چکا تھا اور خدا تعالیٰ کی عبادت سے بالکل غافل ہو چکے تھے اور اپنے گردونواح کے لوگوں پر اپنے زور بازو سے دست درازیاں اور طرح طرح کے ظلم کرتے تھے اور انہیں بھی عمارتیں' حوض اور تالاب بنانے میں پوری رغبت تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو جو کہ انہیں کے زمرے میں سے تھے' رسالت اور پیغمبری کے منصب کے ساتھ ان کے پاس بھیجا' آپ نے انہیں غفلت' تکبر اور اپنی طاقت پر اعتماد کرنے سے منع فرمایا اور خدا تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیا اور انہیں عذابِ خداوندی سے ڈرایا لیکن ان فرقوں نے اپنے رسل علیہم السلام کی گفتگو پر یقین نہ کیا بلکہ انکار کے ساتھ پیش آئے۔

بِالْقَارِعَةِ صدمہ پہنچانے والے حادثے کا جو کہ ان کے جسموں کو بھی پاش پاش کر دے اور ان کی ارواح کو بھی برزخ کے عذاب میں پہنچائے اور انہوں نے کہا کہ اس طرح کا حادثہ کبھی نہیں آیا کہ تمام فرقے کو کسی ظاہری سبب فوج اور دشمن کے بغیر ہلاک کر

دے اور بالکل ان کا نام ونشان نہ چھوڑے۔ پس یہ تو نرا فریب دینا' مکر کے ساتھ ڈرانا اور ہم پر سرداری حاصل کرنا ہے اور اگرچہ ان دونوں فرقوں کے گناہ کی ابتدا یہی انکار اور انبیاء علیہم السلام اور وعدہ دیئے گئے عذاب کی تکذیب تھی اور بت پرستی کا مکروہ دھندا۔ دنیا کی عمارات کو نہ چھوڑنا اور خداتعالیٰ کی عبادت پر توجہ نہ کرنا اور دونوں اس کام میں شریک تھے لیکن آخر میں ان دونوں میں سے ہر فرقے کی استعداد نے ان حاصل شدہ خصوصیتوں کی وجہ سے ایک علیحدہ عذاب کا تقاضا کیا اور اسی عذاب میں گرفتار ہو کر ہلاک ہوئے۔

فَاَمَّا ثَمُوْدُ رہے ثمود تو انہوں نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کے انکار اور تکذیب میں کاٹنے والے کتے کا حکم پیدا کیا اور پوری جرأت کے ساتھ خداتعالیٰ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور حضرت صالح علیہ السلام پر حملہ کرنے کے درپے ہو گئے اور ناقۃ اللہ کا گوشت کتوں کی طرح کاٹ کر کھا گئے اور اس کی ہڈیاں توڑ دیں اور اس اونٹنی کی آواز پر جو کہ اس کی کونچیں کاٹنے کے وقت آہ وفغاں کرتی تھی' انہیں رقت نہ ہوئی اور اس اونٹنی کے بچے کو ڈرایا یہاں تک کہ وہ بھاگ کر پتھروں میں داخل ہو گیا اور تین آوازیں کر کے غائب ہو گیا جس طرح ان واقعات کی تفصیل سورۂ الشمس میں شرح وبسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ پس حکمتِ الٰہی نے تقاضا کیا کہ انہیں کتوں کی جھڑکی اور ڈانٹ کی قسم کا عذاب دینا چاہیے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم پہنچا حتیٰ کہ آپ نے آسمان کی بلندی سے سخت آواز کی۔

فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ پس وہ ہلاک کر دیئے گئے اس تیز آواز کے ساتھ جو کہ آوازوں کی حد سے تجاوز کر گئی تھی اس لیے کہ تیز آواز جیسے شیر' بجلی اور بڑی توپوں کا گرجنا جوڑ اور اعصاب ڈھیلے کرنے کا موجب ہوتا ہے اور مکانات' عمارات کے ڈھ جانے اور عورتوں کے حمل گرانے کا باعث ہوتی ہے اور بعض اوقات جانور کا پتا پھاڑ دیتی ہے اور مہلک بھی ہو جاتی ہے لیکن آواز کی اس قدر تیزی کہ ہزاروں کو ایک لمحے میں بے جان کر دے اور کان کے سوراخ بند کرنا اور گھرے تہ خانوں میں گھس جانا اس تیز آواز سے کارگر نہ ہو' آواز کی معمول کی حد سے خارج ہے۔

اور جب اس حادثے میں فرقۂ ثمود کے سوا کسی کو کوئی اذیت نہ پہنچی اور اس فرقے میں سے کوئی شخص باقی نہ بچا اور ایمان والے سب کے سب حضرت صالح علیہ السلام کی رفاقت کی برکت سے نجات پا گئے اس بات پر صریح دلیل ہوگئی کہ یہ حادثہ حاقہ تھا نہ کہ ابتلاء ورنہ کفر اور ایمان پر جامع اور مانع نہ ہوتا اور گردش نہ کرتا اور عذابِ برزخ کے ساتھ متصل نہ ہوتا۔

ایک جواب طلب سوال

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ اس کلام معجز نظام کی عادت یہ ہے کہ عاد کے واقعہ کو ہر جگہ ثمود کے واقعہ سے پہلے رکھتے ہیں اور زمانے کی ترتیب کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے کہ عاد کا فرقہ ثمود کے فرقہ سے پہلے ہوگزرا ہے اور ثمود سے پہلے ہلاک ہوا یہاں اس ترتیب کا عکس کیوں اختیار کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ان واقعات کے بیان میں ترتیب زمانی پیش نظر نہیں ہے اس لیے یہ مقام اس کا تقاضا نہیں کرتا بلکہ ان حوادث کے وقت کی کمی بیشی، شدت اور عدم شدت اور زیادتی اور عدم زیادتی کے اختلاف کی ترتیب منظور ہے۔ پس وہ حادثہ جو کہ مدت میں بھی کم تھا کہ ایک دن میں ختم ہوگیا اور شدت میں بھی نسبتاً کم تھا کہ صرف ایک تیز آواز کے ساتھ کام تمام ہوا، ارکان اور آلات کی زیادتی کا بھی محتاج نہ ہوا۔ بیان میں اس حادثے سے پہلے کردیا گیا جو کہ مدت میں بھی طویل تھا اور اس میں سات راتیں اور آٹھ دن گزر گئے اور شدت میں بھی ترقی پر تھا کہ عاد کے جسموں کو فضا میں اُٹھا لے گیا اور وہاں سے انہیں زمین پر دے مارا اور ارکان اور آلات بھی زیادہ کرنے کی ضرورت ہوئی کہ ہوا کے عنصر کے خازنوں کو مختلف اطراف اور سمتوں سے مسخر کرنا ضروری ہوا۔

اور اگر کسی کا ترتیب تفصیلی طور پر معلوم کرنے کی رغبت ہو جس کی اس واقعہ کے بیان کرنے میں رعایت کی گئی ہے تو وہ سنے کہ ثمود کو صرف کیفیت ہوا کے ساتھ ہلاک کیا گیا جو کہ آواز سے عبارت ہے اور جب کیفیت ہوا، جوہر ہوا کے تابع ہے اور صفت کا مرتبہ ذات کے مرتبے سے کمتر ہوتا ہے اور ترقی کا مقام کمتر کو بزرگ تر سے پہلے لانے کا تقاضا

کرتا ہے۔ ثمود کے واقعہ کے بیان کو عاد کے واقعہ کے بیان سے پہلے لانا ضروری ہوا جبکہ فرقہ عاد کو ہوائے متحرک کی ذات کے ساتھ ہلاک کیا گیا جو کہ ریح سے عبارت ہے اور ہوا اربعہ عناصر میں سے ایک عنصر ہے اور پانی اور خاک سے زیادہ لطیف ہے اور فعل و تاثیر میں آگ سے زیادہ ضعیف ہے۔ پس عاد کے واقعہ کا بیان ان دوسرے واقعات کے بیان سے پہلے کرنا چاہیے کہ جن میں چند عناصر جمع ہوئے اور پانی' آگ اور مٹی سے مدد لینے کی ضرورت پڑی اس لیے کہ بسیط مرکب سے اور آسان مشکل سے پہلے ہوتا ہے۔

اور فرعون اور اس کی فوجوں کو بحیرۂ قلزم میں غرق کر کے عذاب واقع ہوا اور اس پر موقوف تھا کہ اس دریا کے کنارے پر فرعون کے پہنچنے سے پہلے بنی اسرائیل کی نجات کے لیے دریا کو چیرنا واقع ہوتا کہ حاقہ ہونے کا معنی صورت پکڑے۔ نیز تا کہ فرعون اور اس کے ساتھی جرأت کر کے اپنے آپ کو اس میں ڈال دیں اور دریا کو پھاڑنے کا تصور تیز' قوی اور سنبھالے رکھنے والی آندھیوں کی حرکت دیئے بغیر تا کہ دیر تک دریا کی سطح کے اتصال کو جدا رکھیں اور پھٹی ہوئی شکل پر رکھیں' نہیں ہوتا تھا۔ پس اس کے عذاب میں ان دو عناصر کی جو کہ ہوا اور پانی ہیں ضرورت پڑی اور دو تجاوز کرنے والے عناصر کی ترکیب درغیر متجاوز عناصر کی ترکیب سے مقدم ہے جو کہ قومِ لوط علیہ السلام میں ہے۔ پس فرعون کے واقعہ کو قومِ لوط علیہ السلام کے واقعہ سے پہلے لانا ضروری ہوا لیکن اس کے واقعہ کو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے واقعہ سے پہلے اس وجہ سے لایا گیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اہلِ مدین کو دو عذابوں کے ساتھ سزا دی گئی۔ تیز آواز کے ساتھ جو کہ شدید زلزلے کے ساتھ پیدا ہوئی تھی اور زلزلہ کی حقیقت شدید تیز ہوا کا زمین کے مسام میں داخل ہونا اور اس کا زمین کے مسام کے علاوہ دوسری جگہ سے نکلنا ہے۔ پس ہوا اور مٹی میں ترکیب لازم آئی اور یہ دونوں باہم تجاوز کرنے میں تاخیر نہیں کرتے اور دو غیر متجاوز کی ترکیب دو متجاوز اجزا کی ترکیب سے مؤخر ہے۔

اور اصحاب ایکہ ایک آتشی سائبان کے ساتھ ہلاک ہوئے اور اگرچہ اس عذاب میں بھی دو متجاوز اجزا کی ترکیب متحقق ہوئی لیکن ہوا اور پانی موافقت میں طبع انسانی بلکہ

حیوانی اور نباتی طبیعت کے ساتھ بھی پوری شرکت رکھتے ہیں۔ بخلاف آگ کے کہ موالید (حیوانات، نباتات اور جمادات) کی طبیعت کی ضد ہونے میں عنصر ہوا سے پوری جدائی رکھتی ہے، جزو کے دُور ہونے سے بھی زیادہ۔ پس یہ ترکیب بہت عجیب اور غیر مانوس ہوئی اور غیر مانوس کام عادت کے مطابق کام سے بعد ہے اور جب لوط علیہ السلام کی قوم کا عذاب آتشی اور زمینی اجزا سے مرکب تھا کہ ارضیت کے غلبہ کی وجہ سے پتھر ہو کر گرے اور ان اجزا کو ہوا نے اوپر لے جانے اور نیچے اُتارنے میں خدمت کی۔ نیز زمین کے اجزا کو اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر اُلٹ پلٹ کرنا ان کی عمارات کی بنیادوں میں زبردست ہوا کے داخل کیے بغیر ممکن نہ تھا۔ پس حقیقت میں یہ عذاب ان تینوں عناصر کے ساتھ مرکب ہوا بلکہ معدنی صورت کی حد کو پہنچ گیا اور نرا بسیط ہونے سے نکل گیا اور اس نے موالید ثلاثہ میں سے ایک کا لباس پہن لیا اور مرکب کا مرتبہ بسیط سے بعد ہے اور تین چیزوں سے مرکب اس سے مؤخر ہے جو دو چیزوں سے مرکب ہے۔

اور نوح علیہ السلام کی قوم کے عذاب میں تمام عناصر نے خدمت کی، پانی کو حاکم بنا دیا گیا اور ہوا کو ایک صورت سے دوسری میں لے جانے کے لیے اس کا تابع فرمایا اور زمین کو چیر کر پانی کا مدد و معاون بنایا اور آگ کو اس کی یبوست اور حرارت کی قوت کو روک کر اور اس کائنات میں اس کی کیفیات کو مخفی کر کے مامور کیا گیا تاکہ محال کرنے اور محال ہونے کا معارضہ نہ کریں پھر اس عذاب کے حاقہ ہونے کے معنوں میں کشتی بنانے اور وحشی اور پالتو جانوروں کو ایمان والوں کے لیے ان کے منافع باقی رکھنے میں، انہیں مسخر کرنے میں معدنیات اور نباتات کی خدمت کی بھی ضرورت پڑی لہٰذا یہ عذاب تمام روئے زمین کے رہنے والوں کے لیے عام ہوا اور اس نے حاقہ حقیقی جو کہ قیامت ہے، کے ساتھ پوری مشابہت حاصل کی۔ پس اس کا بیان سب سے آخر میں زیادہ مناسب ہوا تاکہ حاقہ حقیقی کے بیان کے ساتھ متصل ہو اور حواق کے پیدا ہونے کی کیفیت آہستہ آہستہ پوری وضاحت کے ساتھ بشری ادراک میں جلوہ گر ہو اور قرآن پاک میں دوسرے مقامات پر جہاں ان واقعات کی زمانی ترتیب کا تقاضا ہوا، حضرت نوح علیہ

السلام کے واقعہ کو تمام واقعات پر مقدم کیا گیا ہے اس کے بعد عاد کا واقعہ پھر ثمود کا واقعہ پھر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا واقعہ پھر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کا واقعہ اس کے بعد فرعون کا واقعہ جیسا کہ سورۂ اعراف' سورۂ ہود' سورۂ شعرا' سورۂ قمر اور دوسری سورتوں میں ہے۔

حاصل کلام یہ کہ فرقۂ ثمود کو اس وجہ سے کہ انہوں نے انکار کی حد سے گزر کر آیاتِ الٰہی جو کہ اللہ تعالیٰ کی ناقہ اور حضرت صالح علیہ السلام تھے' کے مٹانے میں کوشش کرنے لگے تھے' کتوں کو ڈانٹنے کی طرح ایک نہایت سخت آواز سے ڈانٹ پلائی گئی اور اسی ڈانٹ کی وجہ سے ان کے جسم بے جان ہو گئے اور ان کی روح کے کتے نے اپنے گھر کی راہ لی۔

عاد کے لوگوں کی ہلاکت کا واقعہ

وَاَمَّا عَادٌ اور رہے عاد تو انہوں نے اپنے وقت کے پیغمبر علیہ السلام کے انکار اور تکذیب میں اس کشتی لڑنے والے پہلوان کی صورت پیدا کر لی تھی جو کہ اکھاڑے میں خم ٹھونک کر کھڑا ہو جائے اور کہتے تھے مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ہم سے قوت میں زیادہ سخت کون ہے؟ یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے ان پر تین سال تک قحط مسلط فرمایا۔ انہوں نے مجبور ہو کر ستر (۷۰) آدمیوں کو مکہ معظمہ بھیجا تا کہ وہاں دعا کریں اور بارش طلب کریں اور ان کے تکبر نے یہ قبول نہ کیا کہ حضرت ہود علیہ السلام کے حضور التجا کریں اور آپ سے بارش کی دعا کی درخواست کریں اس زمانے میں مکہ شریف میں عمالقہ مسلط تھے جب وہ عمالقہ کے پاس پہنچے اور انہوں نے یہ ماجرا بیان کیا' ان میں سے مرثد نامی ایک شخص نے کہا کہ تمہیں اس مقام کی دعا فائدہ نہ دے گی' تمہیں چاہیے کہ اپنے پیغمبر علیہ السلام کی بات قبول کر لو اور دینِ حق پر یقین کر لو تا کہ تم اس مصیبت سے نجات پا لو کیونکہ تمہاری گفتگو کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قحط عذابِ الٰہی ہے' دوسرے قحطوں جیسا نہیں ہے کہ استسقاء اور دعا اس کا علاج ہو سکے۔

جب انہوں نے مرثد کی یہ بات سُنی تو کہنے لگے کہ اگر ہم یہاں سے مقصد حاصل

کیے بغیر جائیں تو ہماری قوم ہمیں ذلیل کرے گی یہاں سے جیسے بھی ممکن ہو' کام کر کے جانا چاہیے۔ مرشد سے اس کی تدبیر پوچھی اس نے کہا کہ تم سب کے سب سر اور پاؤں سے ننگے ہو کر اپنے آپ کو حاجیوں کی شکل میں کر کے کوہِ صفا پر آؤ جو کہ خانہ کعبہ کے سامنے ہے اور جب خانہ کعبہ تمہاری نظر میں آ جائے تو اس طرح دعا کرو کہ اے ہود علیہ السلام کے خدا! اگر ہود اس بات میں سچے ہیں کہ تیرے رسول علیہ السلام ہیں تو ہمیں بارش عطا فرما کہ ہم صرف بارش کی خاطر آئے ہیں۔ انہوں نے اسی طریقے پر عمل کیا اور ان کی دعا قبول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے بادل کے تین ٹکڑے بھیجے۔ ایک سفید' ایک سرخ اور ایک سیاہ اور انہوں نے ایک آواز سُنی کہ ان تین ٹکڑوں میں سے اپنے لیے ایک کو قبول کرو' انہوں نے مشورہ کر کے سیاہ بادل قبول کر لیا کہ اس میں بارش زیادہ ہوتی ہے اور اپنے ملک کو روانہ ہوئے۔ وہ سیاہ بادل بھی ان کے سروں کے اوپر چل رہا تھا جب اپنے ملک کے قریب پہنچے تو چند آدمیوں کو جلدی سے آگے بھیجا کہ ہم بادل لائے ہیں' تم اپنے حوض اور تالاب صاف اور پاک کر چھوڑو اور خوش رہو اور کاشت کاری کے اسباب بیج اور ہل تیار کرو کہ یہ بادل تمہاری خواہش کے اندازے کے مطابق برسے گا۔ وہ یہ خوش خبری سُن کر سب کے سب خوش ہو گئے کہ ہمارے بھیجے ہوؤں کی دعا قبول ہوئی اور بہت گہرا بادل آ گیا اور حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق طعن و تشنیع کی زبان کھول دی کہ یہ ہے ہماری دعا قبول ہوئی اور بارش آ گئی تو نے کہا تھا کہ عذاب آئے گا۔

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بادل نہیں ہے' خدائی عذاب ہے' خوف کرو' ابھی وقت ہاتھ سے نہیں گیا ہے' مجھ پر ایمان لاؤ اور بت پرستی چھوڑ دو۔ انہوں نے کہا کہ اس بادل میں کیا عذاب آئے گا؟ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا سخت آندھی چلے گی جو تمہیں اور تمہاری عمارات کو تباہ کر دے گی۔ انہوں نے کہا کہ تو ہماری قوتِ بازو کو جانتا ہے پھر ہمیں ہوا کی تیزی سے ڈراتا ہے؟ وہ اسی گفتگو میں تھے کہ وہ بادل ان کے ملک کی حد میں پہنچ گیا اور سخت تیز ہوا چلنا شروع ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے بادِ عقیم کے متعلق حکم بھیجا جس کا خزانہ زمین کا چوتھا طبقہ ہے' کہ بیل کی ناک کے سوراخ کے برابر چھوڑ دو اور قوم

عاد پر مسلط کر دو۔ فرشتے جو کہ ہوا پر مقرر ہیں اگر چہ اس ملاحظہ کی بناء پر کہ کہیں یہ ہوا بے گناہوں کو ہلاک نہ کر دے' اس کی نگہبانی کرتے تھے' ہوا ان کے قبضے سے نکل گئی تھی اور قومِ عاد نے ہوا کی تیزی دیکھ کر مضبوط اور قلعہ بند مکانات میں پناہ لے لی تھی اور اپنے آپ کو ایک دوسرے کے ساتھ رسیوں کے ساتھ باندھ لیا اور اپنے جانوروں کو وزنی زنجیروں میں مقید کر دیا اور اپنے اہل وعیال کو محفوظ جگہ میں سنبھال کر اللہ تعالیٰ کی ضعیف ترین مخلوق کے ساتھ کشتی کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور اس کمزور ترین مخلوق نے ان کے ساتھ اس طرح کشتی لڑی کہ ان کی عورتوں کو جنہیں بھاری جثہ والی اونٹنیوں پر لوہے کے کجاووں میں سوار کر کے لوہے کی زنجیروں کے ساتھ اونٹنیوں کی پشتوں پر مضبوطی سے باندھا ہوا تھا' زمین سے اڑتی تھی یہاں تک کہ وہ اونٹنی اس کجاوے اور عورت سمیت نظر میں مکڑی کی طرح نمودار ہوتی تھی اور وہاں سے زمین پر دے مارتی تھی یہاں تک کہ ان سب کو ہلاک کر دیا جبکہ حضرت ہود علیہ السلام نے ایمان والوں کے ساتھ ایک جزیرے میں داخل ہو کر اپنے اِردگرد ایک خط کھینچ لیا تھا اور وہ ہوا جب اس خط کے اندر پہنچتی تھی تو نرم خوش گوار ہو جاتی تھی جبکہ اس خط سے باہر جس طرح بھی پہنچتی تھی' جلا کر خاکستر کر دیتی تھی۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اس عذاب کے ساتھ جو کہ ان کی پہلوانی کے مناسب تھا' مبتلا کر دیا اور ہوا کو جو کہ منہ کے ساتھ پھونک مارنے کی وجہ سے چیزوں کو بکھیر دیتی ہے' ان کے ساتھ کشتی لڑنے کے لیے بھیج دیا تا کہ اس پہلوان کی قوت کا مشاہدہ کریں۔

فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ پس وہ ہلاک کر دیئے گئے اس ہوا کے ساتھ جس کے چلنے کے وقت سخت آواز نکلتی تھی۔ عَاتِيَةٍ نہایت تیز چلنے والی جو کہ محافظوں اور موکلوں کے قبضۂ اختیار سے باہر ہو گئی تھی جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ جہان والوں پر کبھی ہوا نہیں بھیجتا مگر ایک پیمانے کے مطابق اور بارش کا کوئی قطرہ نازل نہیں فرماتا مگر اندازے کے مطابق مگر طوفانِ نوح کے دن اور قومِ عاد کے عذاب کے دن کہ طوفان کے دن بارش کا پانی بارش کے موکل فرشتوں کے قبضہ سے نکل گیا تھا اور عاد کے عذاب کے دن ہوا اپنے موکلوں کے قبضہ سے نکل گئی۔

اور یہ ہوا کا اس قدر تیز چلنا فلکی اتصالات کے آثار سے نہ تھا ورنہ عاد کے کفار کے ساتھ تخصیص نہ رہتی اور ایمان والوں اور حضرت ہود علیہ السلام کو بھی تکلیف پہنچتی بلکہ اللہ تعالیٰ نے

سَخَّرَهَا کمال غضب اور انتقام کے ارادے کے ساتھ مسلط کر دیا تھا۔ عَلَيْهِمْ صرف فرقۂ عاد پر نہ کہ ایمان والوں اور حضرت ہود علیہ السلام پر اور یہ مسلط کرنا بھی ایک دو گھڑی کے لیے نہ تھا بلکہ

سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمَانِيَةَ اَيَّامٍ ساتھ رات اور آٹھ دن تھا۔ ۲۲ شوال بدھ کی صبح سے ہوا کا تسلط شروع ہوا اور ۲۹ ماہ مذکور بدھ کی شام کو پورا ہوا اس لیے کہ عاد کے لوگ لاف زنی اور تکبر کے طور پر کہا کرتے تھے کہ یہ قحط کیا ہے' ہم میں اتنی قوت ہے کہ اگر سات سال تک اسی طرح کا قحط رہے تو ہم برداشت کر سکتے ہیں۔ پس ہر سال کے مقابلے میں ان پر ایک رات اور دن کے دورے کے برابر ہوا کا عذاب مسلط فرمایا گیا اور ایک دن بڑھا دیا گیا تا کہ ان میں سے بعض دوسرے بعض کی کمزوری کو دیکھیں اور ایک دوسرے کی ہلاکت کی وجہ سے غم اور پریشانی اُٹھائیں۔ چنانچہ ابن جریج اور دوسرے مفسرین نے روایت کی ہے کہ یہ لوگ ہوا کے اس قدر تھپیڑوں کے باوجود اتنی مدت زندہ رہے اور آخری بدھ کو سب بے جان ہو گئے اور ہوا نے ان کے جسم اُٹھا کر دریائے شور میں پھینک دیئے اور ان آٹھ دنوں اور سات راتوں میں کوئی فاصلہ نہ تھا تا کہ درمیان میں کچھ ستا کر پھر عذاب اُٹھانے کی قوت پیدا کریں بلکہ

حُسُوْمًا جو کہ پے در پے تھے جیسا کہ ذکر کیا گیا اور عرب ان دنوں کو (ایام عجوز) یعنی بڑھیا کے ایام کہتے ہیں جو کہ سردیوں کے موسم کے آخر میں مشہور و معروف ہیں اور بردالعجوز کی ضرب المثل ہے اور عربوں کے نزدیک ان دنوں کے نام مقرر ہیں۔ پہلے دن کو صن' دوسرے دن کو صبر' تیسرے دن کو دبر' چوتھے دن کو آمر' پانچویں دن کو موتمر' چھٹے دن کو مطفی الجمر' ساتویں دن کو مکفی الظعن کہتے ہیں اور عوام الناس ان دنوں کو عجوز یعنی بڑھیا کی طرف منسوب کرنے کی وجہ میں کہتے ہیں کہ قوم عاد کی ایک بڑھیا ان دنوں میں

ایک تہہ خانہ میں گھس کر چھپ گئی تھی' آٹھویں دن ہوا نے اسے بھی تہہ خانے سے باہر کھینچ لیا اور زمین پر پٹخ کر ہلاک کر دیا لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ لفظ عجوز عوام کا ایک غلط استعمال ہے۔ اصل میں عجز ہے اور عجز جانور کے اس نچلے حصے کو کہتے ہیں جو کہ دُم کے ساتھ متصل ہوتا ہے اور ان دنوں کو ایامِ عجز اس لیے کہتے ہیں کہ موسمِ سرما کے آخر میں واقع ہوتے ہیں۔

بہر حال فرقۂ عاد کی قوت اور زور آوری ہوا کے نقصان کو روکنے میں کارآمد نہ ہوئی اور اس ہوا کے ہاتھوں اس طرح پامال اور عاجز ہوئے کہ جس طرح بازی گر پہلوان کے ہاتھ میں لکڑی کا جالا۔

فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعٰى پس اے دیکھنے والے! تو دیکھتا اگر تو اس وقت حاضر ہوتا اس قوی ہیکل زور آور قوم کو ان تھوڑی سی راتوں اور دنوں میں کہ بے جان پڑے تھے' ہوا نے ان کی روحیں نکال کر مردہ کر کے پھینک دیا تھا۔

كَاَنَّهُمْ اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ گویا کہ وہ کھجور کے درخت کے تنے تھے' قد کی لمبائی اور بدن کی گندگی میں کہ کھوکھلے ہو کر گر پڑے ہوں یہاں تک کہ ہوا ان کے مساموں اور سوراخوں میں آتی اور جاتی تھی اور آواز کرتی تھی۔ گویا ان کے بدن میں کوئی رطوبت باقی نہ رہی تھی' ان سب کو جلا کر خشک کر دیا تھا۔

فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِنْ م بَاقِيَةٍ پس کیا تو ان دونوں فرقوں کا بقیہ دیکھتا ہے جو اپنے آپ کو ان کی نسل کہے اور ان سے منسوب کرے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ حاق نامی عذاب اس عذاب پانے والی قوم کا نام ونشان نہیں چھوڑتا اور آدمی کی نسل ختم کر دیتا ہے۔ بخلافِ ابتلا وامتحان کے کہ وہ اتنا عام اور سب کو شامل نہیں ہوتا۔

فرعون' حضرت موسیٰ' حضرت ہارون' حضرت شعیب اور حضرت لوط نبینا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ

وَجَآءَ فِرْعَوْنُ اور فرعون آیا وجود اور تسلط کے میدان میں' فرعون دراصل بادشاہ مصر کا لقب ہے جو کہ قبطیوں سے ہوتا تھا جیسا کہ قیصر بادشاہ روم کا لقب' کسریٰ بادشاہ

فارس کا لقب' خاقان بادشاہ ترک کا لقب' تبع بادشاہ یمن کا لقب اور راجہ بادشاہ ہند کا لقب ہے اور اس فرعون سے ایک معین شخص مراد ہے جو کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں مصر کا بادشاہ تھا۔ یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ اس کا نام قابوس تھا' قبطیوں کی قوم سے تھا اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا نام مصعب بن ریان تھا اور اس کا باپ ریان بن ولید حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر کی بادشاہی کرتا تھا۔

وَمَنْ قَبْلَهٗ اور نیز عرصہ وجود میں آئے وہ لوگ جو کہ فرعون سے پہلے تھے اور ان سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے اور وہ دو گروہ تھے۔ ایک اصحابِ مدین جو کہ عین شہر میں سکونت رکھتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے مدین کی اولاد سے تھے۔ دوسرے اصحاب ایکہ جو کہ شہر سے باہر جنگل میں رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو رسالت کے عنوان سے دونوں گروہوں کی طرف بھیجا اور مذہب اور بت پرستی میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک تھے۔

وَالْمُؤْتَفِكَاتُ اور اُلٹے ہوئے شہر اور وہ چھ شہر یا پانچ شہر تھے اور ان میں سے سب سے بڑا شہر سدوم تھا کہ اس میں چار لاکھ انسان تھے۔ حق تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کو جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہوتے تھے' ان کے پاس رسالت کے طریقے سے بھیجا اور آپ ان کے درمیان بیس سال تک رہے اور انہیں دعوت دی اور وہ ایمان نہ لائے۔

بِالْخَاطِئَةِ جان بوجھ کر کیے گئے گناہوں کے ساتھ کہ ان کا خطا ہونا ہر شخص کے نزدیک ظاہر تھا۔

لیکن فرعون کے گناہ تو ابتدا میں پیغمبر زادوں کی دشمنی تھی جو کہ بنی اسرائیل تھے اور اس دشمنی کا سبب یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں جو کہ ریان کی طرف سے ممالک مصر کے مختار ہو گئے تھے' بنی اسرائیل شام سے مصر میں چلے گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے اقتدار اور شان کی وجہ سے مصر کے لوگ ان کی بے حد عزت و احترام کرتے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ فرعون بادشاہ بنا' بنی

اسرائیل کی عزت اور احترام اسے بہت ناگوار گزرا اور اس نے چاہا کہ انہیں مصر کے لوگوں کی نظر میں ذلیل وحقیر کر دے تاکہ حضرت یوسف علیہ السلام کی سرداری کا خیال بنی اسرائیل کے دل میں کھٹکے تک نہیں اور وہ امور ریاست میں مداخلت کے طلب گار نہ ہوں اور رفتہ رفتہ ان پر اس قدر ظلم کیے کہ وہ چماروں کی طرح اس کی بے گار کرتے تھے۔ بعض کے ذمہ اپنی عمارات کی تعمیر لگا دی تھی اور بعض کے ذمہ زراعت اور باغبانی اور بعض کے ذمہ اینٹیں بنانا اور اینٹیں پکانا مقرر کر دیا تھا اور ان پر سخت پیادے مقرر کر دیئے اور اپنے آپ کو اہلِ مصر کا معبود قرار دے کر خود کو سجدہ کراتا تھا۔

اور جب بنی اسرائیل اس کام کو قبول نہیں کرتے تھے تو ان پر زیادہ بگڑتا اور انہیں سزائیں دیتا یہاں تک کہ اسے کاہنوں اور نجومیوں نے خبر دی کہ بنی اسرائیل کے گروہ سے ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تیری بادشاہی کا زوال ہے اس خطرے کے پیش نظر اس نے یہ حکم نافذ کیا کہ بنی اسرائیل کے گھر گھر کی جستجو کریں' ان کی عورتوں میں سے جسے حاملہ پائیں' ان کا شمار کر کے ان کے نام کوتوال کے دفتر میں درج کرائیں پھر جب ولادت کا وقت قریب ہو تو کوتوال کے کارندے دروازے پر کھڑے رہیں اور دائیاں پیدا شدہ بچے کا ان کارندوں کو پتہ دیں اگر لڑکا ہو تو اسے اسی وقت قتل کر دیں اور اگر لڑکی ہو تو چھوڑ دیں اس کا یہ ظلم سالہا سال تک جاری رہا اور اس کے علاوہ جو بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا' عام لوگوں کے نزدیک ضرب المثل ہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ لوگوں کو بت پرستی اور شرک پر مجبور کرتا تھا اور لوگوں کو جو میخا کر کے عذاب دینا اسی بدبخت کی ایجاد ہے اور ہوتے ہوتے اس کا کفر اس حد تک پہنچ گیا کہ وہ بلند آواز کے ساتھ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی کہتا تھا۔

رہے حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کے گناہ تو جو چیز اصحابِ مدین اور اصحابِ ایکہ کے درمیان مشترک تھی' بت پرستی اور ماپ تول میں بددیانتی تھی کہ یہ دونوں کام ان کے درمیان بہت زیادہ رائج ہو چکے تھے اور جو اصحابِ مدین کے ساتھ مخصوص ہے' رہزنی اور ڈکیتی ہے کہ شام اور مصر کے راستہ پر چھوٹے چھوٹے قلعے بنا کر ان میں چھپ کر بیٹھ

جاتے تھے اور قافلوں پر حملے کرتے اور بے شمار مال لاتے تھے۔

رہے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے گناہ تو ان میں سب سے بڑا گناہ لواطت تھی کہ مرد مردوں کے ساتھ کرتے تھے اور اس نہایت برے فعل کے علاوہ اور بدعتیں بھی ان میں رواج پا چکی تھیں۔ ان میں سے کبوتر بازی' مینڈھے لڑانا' کتے لڑانا ہے اور ان میں سے ایک یہ کہ مہمان کو گھر میں جگہ نہ دینا اور کسی دُور کے علاقے سے کوئی شخص غلہ خریدنے کے لیے ان کے ملک میں آتا تو اسے خریدنے نہ دینا اور مذاق میں ایک دوسرے کو گالی دینا' فحش کلامی کرنا اور جو راہ سے گزرتا اسے مذاق کرنا اور ان میں بے شرمی اور بے حیائی اس قدر رواج پا چکی تھی کہ ایک دوسرے کے سامنے جسم سے چادر اُتار دیتے تھے اور ایک دوسرے کے سامنے لواطت کرتے تھے اور عورتوں کی طرح دانتوں پر مسی ملتے تھے اور عورتوں کی طرح اپنے ہاتھ پاؤں کو مہندی کے ساتھ رنگین کرتے تھے۔

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیٰ نبینا وعلیہما السلام کو فرعون کی طرف' حضرت شعیب علیہ السلام کو اہلِ مدین اور اصحابِ ایکہ کی طرف اور حضرت لوط علیہ السلام کو اہلِ سدوم وغیرہ کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور انہوں نے انہیں ان انتہائی بُرے کاموں سے منع فرمایا۔

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ پس یہ سب کے سب اپنے پروردگار کے ہر ایک رسول کے نافرمان ہو گئے اور اپنی خطاؤں پر متنبہ نہ ہوئے بلکہ اپنے وقت کے رسول علیہ السلام کے مقابلے میں لڑائی جھگڑا اور فساد شروع کر دیا۔

فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً پس انہیں ان کے پروردگار نے ایسی گرفت سے پکڑا جو کہ اس سے زائد تھی جس کے صرف پیغمبروں کے انکار کی وجہ سے مستحق ہوتے تاکہ جو زیادہ ہے وہ ان کے ان گناہوں کے مقابلے میں واقع ہو۔ پس فرعون کو اس کے کہنے کے مطابق غرق کر کے ہلاک فرمایا اس لیے کہ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ایک داد طلب کرنے والے کی شکل میں بر سرِ دربار آ کر پوچھا کہ اگر کسی شخص کا غلام بندگی کا انکار کرے اور اپنے مالک کے مقابلے میں مالک ہونے کا دعویٰ [illegible] ے تو اس کے متعلق

بادشاہ کا کیا حکم ہے؟ اسے کس قسم کی سزا دی جائے؟ فرعون نے کہا کہ اس قسم کے نعمت کے ناشکر غلام کو دریا میں غرق کرنا چاہیے۔ نیز فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اپنے فخر اور بلندی مرتبت کے مقام میں بار بار اس چیز کا ذکر کرتا تھا کہ میں نے ملک مصر میں نہریں جاری کی ہیں اور میں نے ان نہروں کو اپنی عمارات کے نیچے جاری کیا ہے تو چونکہ وہ زیادہ تر جاری نہروں کے ساتھ لذت اور فخر حاصل کرتا تھا اس لیے اسے دریا میں غرق کرنا زیادہ مناسب تھا کہ ان چھوٹی نہروں سے کیا کھلتا ہے۔ تو جو مصر کا بادشاہ ہوتا ہے چاہیے کہ اس وسیع سمندر کا تماشا کرے اور جس طرح تو ان نہروں کو اپنی عمارات کے نیچے جاری کر کے عیش کرتا تھا' میں اس وسیع سمندر کے تیرے سر اور پورے بدن پر جاری کروں گا تا کہ تیری لذت کے اسباب ہر طرف سے محیط اور شامل ہوں۔

اور فرعون کے عذاب کی زیادتی اس طرح ہوئی کہ ایک لمحے میں تمام بادشاہی عمارات' باغات' نفیس فرشوں والے محلات اور بے شمار خزانے اس کے قبضے سے نکال کر اس کے دشمنوں کو عطا فرمادیئے جو کہ اس کی نظر میں نہایت حقیر اور ناچیز تھے اور بادشاہوں پر اس قسم کا کوئی عذاب نہیں ہوتا۔

اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو جو کہ دو گروہ تھے' مختلف طریقوں سے عذاب دیا گیا۔ اصحاب مدین کو ثمود کی چیخ کی مثل چیخ بھی پہنچی اور زلزلے نے بھی ہلاک کیا تو ایک قسم کا دوسری قسموں کے ساتھ ملنا زیادتی کا باعث ہوا۔ ان کی چیخ حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب اور آپ کو حقیر سمجھنے کے مقابلے میں تھی اور ان کا زلزلہ اس کے مقابلے میں جو وہ پیمانے اور ترازو کو ماپنے اور تولنے کے وقت ہلاتے اور لرزاتے تھے تا کہ ماپ اور تول برابر نہ رہے اور مؤتفکات کو پہلے نیچے سے اوپر لے گئے پھر اُلٹے کر کے گرائے گئے اس لیے کہ ان کا کام لواطت اور بے حیائی تھا کہ اس میں حقیقت کا بدلنا ہے۔ مرد کو حق تعالیٰ نے اس ذلت اور رسوائی کے لیے پیدا نہیں کیا بلکہ اس لئے عورت پر سوار ہو۔ اور اس کے بعد آسمان کی طرف سے جلے ہوئے پتھر برسائے اس لیے لواطت میں بدکاری کی لذتیں حاصل کرتے تھے اور بدکاری کی حد سنگ ساری ہے۔

اور یہاں بعض لوگوں کے دِلوں میں ایک شبہ گزرتا ہے کہ جب لوط علیہ السلام کی قوم کے شہروں کو اُلٹ دیا گیا اس دوران وہ لوگ ہلاک ہوگئے ہوں گے اور ان کے جسم زمین کے نیچے کافی فاصلے پر چھپ گئے پھر ان پر پتھر برسانے کا کیا فائدہ؟ کہ وہ پتھر تو اُلٹی ہوئی مٹی کے ڈھیروں پر گرے ہوں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ پتھر اپنے مادے کی گرمی کی وجہ سے جس نے گندھک کی خاصیت پیدا کرلی تھی اور اُترنے والی حرکت کی قوت کہ طبیعت بھی اور حرکت کسری بھی اس میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک تھے' کی وجہ سے اس قدر اثر کرتے تھے کہ زمین کی اوپر کی سطح کو پھاڑ کر اس قوم کے جسموں میں داخل ہوجاتے تھے اور جلا دیتے تھے اور اگرچہ اُلٹا ہونے کی حالت میں اس بات کا احتمال نہیں ہے کہ ان کی روحیں جسموں سے جدا ہوگئی ہوں گی لیکن روح کو بدن کے ساتھ جو تعلق جدا ہونے کے بعد بھی رہتا ہے' روح کے عذاب کا سبب ہوتا ہے اور اسی لیے میت کی ہڈی توڑنے اور اس کے جسم کو سختی کے ساتھ حرکت دینے سے روکا گیا ہے۔ پس شہروں کو اُلٹا کرنا ان کا دنیوی عذاب تھا اور سجیل کے پتھروں کا جلانا ان کا برزخی عذاب تھا۔

اور احتمال ہے کہ اُلٹنے کی صورت میں کہ ابھی زمین کے نیچے نہ پہنچے ہوں' انہیں پتھر برسا دِکھایا گیا ہو تو یہ بھی دنیوی عذاب کے قبیلے ہو۔ بہرحال یہ پانچ واقعات حاقۂ حقیقی کی نظیر ہیں کہ کفار کو کفر اور نافرمانی کے مقابلے میں مسلمانوں کی شمولیت کے بغیر اور فلکی اور عنصری اسباب طلب کیے بغیر مختلف قسموں کے عذابوں کے ساتھ بالکل نیست ونابود کردیا گیا۔

اور اگر ان دلائل اور مثالوں کے باوجود بھی کسی کا شبہ زائل نہ ہو اور وہ کہے کہ ان واقعات میں کہ ایمان والوں کو محفوظ رکھا اور کافروں کو نیست و نابود کردیا گیا' پہلے مسلمانوں کو جدا کردیا گیا تاکہ عذاب کے مقام میں نہ آئیں اور وہاں سے دُور چلے جائیں۔ گو ایمان والوں کو عذاب آنے سے خبردار کرنا اور انہیں مقامِ عذاب سے دُور کرنا ایک امتیاز کا موجب ہوا ہو لیکن قیامت کے دن کہ ایمان والے اور کفار ایک مقام پر جمع

ہوں اور وہاں سے جانے کا تصور نہ ہو اور عذاب کے اسباب عام ہوں تو حاقہ کے معنی کا تصور کس طرح کیا جا سکتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کی دلیل اور مثال بھی سن لو۔

اِنَّا لَمَّا طَغَا الْمَآءُ تحقیق ہم نے جب آسمان کے پانی نے بارش کی کثرت اور زمین کے پانی نے جوش مارتے ہوئے چشموں کے جاری ہونے کی وجہ سے طغیانی کی یہاں تک کہ تمام سطح زمین کو ڈھانپ لیا اور اونچے پہاڑوں سے بھی چالیس چالیس گز پانی اونچا ہو گیا اور آسمان اور زمین کے درمیان بھی چالیس روز تک بارش کی وجہ سے پانی غالب رہا اور یہ واقعہ حضرت نوح علیہ السلام کے قوم کے حاقہ کا تھا اور طوفان اسی واقعہ سے عبارت ہے اور ظاہر ہے کہ اس حالت میں حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والوں کے لیے طوفان کے پورے روئے زمین اور زمین و آسمان کے درمیان کو شامل اور عام ہونے کی وجہ سے جائے فرار بالکل نہ رہی تھی' جہاں جاتے تھے اس طوفان میں شریک ہوتے تھے اور تم بھی جو اس وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری میں مشغول ہو' حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والوں کے فوت ہونے کی صورت میں ہلاک ہوتے تھے اس لیے کہ تم حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے بیٹوں کی نسل سے ہو۔ پس تمہارا اِس وقت وجود تمہارے آباؤ اجداد کے وجود کی اس وقت حفاظت کے بغیر ممکن نہ تھا اس بناء پر ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والوں کو ایک اور تدبیر سکھائی کہ عین طوفان میں شریک بھی ہوں اور عذاب سے ہر طرح محفوظ بھی رہیں۔

اور اس تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ پانی طبعی طور پر ثقیل ہے' تقاضا کرتا ہے کہ روئے زمین پر کھڑا رہے اگر کسی چیز کو جو کہ زمین کے غالب اجزاء سے مرکب ہے اس میں پھینکیں تو اسے اپنی تہ میں بٹھا لے اور خود اس چیز کے اوپر ہو جاتا ہے۔ پس کوئی ایسا لطیف جوہر چاہیے جو کہ پانی کے اوپر گردش کرے اور اس کی تہ میں نہ بیٹھے اور اس قسم کا جوہر لطیف دو عناصر میں منحصر ہے' آگ اور ہوا۔ آگ طبعی طور پر جلانے والی ہے' آدمی کو آگ پر سوار کرنا اسے فی الفور ہلاکت کے سپرد کرنا ہے اور ہوا اگرچہ طبعی طور پر آدمی کے موافق ہے اور اس کی بنیاد کو خراب نہیں کرتی لیکن اس میں پائی جانے والی لطافت کی وجہ

نے اس قابل نہیں ہے کہ اس پر آدمی کا ثقیل جسم سوار ہو اس لیے ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس چیز کے مرکبات اختیار کریں جو کہ درمیان میں مسام اور سوراخ ہونے کی وجہ سے زیادہ تر ہوا کا ظرف ہو اور کافی ہوا اس میں رُکی رہتی ہے اور وہ لکڑی کا جسم ہے کہ ہوا اس کے مساموں اور سوراخوں میں ہمیشہ داخل ہوتی ہے اور اسے اُٹھائے رکھتی ہے۔ بخلافِ معدنیات اور حیوانات کے اور یہی وجہ ہے کہ لکڑی اور درختوں کے پتے اگرچہ کافی مقدار اور بڑے حجم میں ہوں' پانی کی سطح پر رہتے ہیں اور اس کی تہ میں نہیں بیٹھتے۔

جبکہ معدنی جسم جیسے لوہا وغیرہ اور حیوانی جسم تھوڑا سا بھی اور تھوڑے جسم والا بھی پانی کی تہ میں بیٹھ جاتا ہے اس لیے کہ وہ یعنی لکڑی ہوا کا ظرف ہے اور ہوا لطیف اور پانی کے اوپر رہنے اور ظرف کو اس مسئلہ میں مظروف کا حکم حاصل ہے جبکہ معدنی اور حیوانی اجسام حجم کی کثرت اور مساموں کے کثیف ہونے کی وجہ سے ہوا کا ظرف نہیں ہو سکتے' ان کے زمینی اجزاء غالب ہوتے ہیں اور مٹی کا جوہر ثقیل اور تہ نشین ہے۔

اور اس نباتی جسم سے ایک مختصر سا شہر بنائیں جس میں آدمیوں' حیوانوں اور چھ ماہ کی خوراک کی گنجائش ہو سکے اور اس شہر کو تہ بہ تہ بنائیں۔ ایک تہ میں درندے اور چارپایوں کو رکھیں اور دوسرے تہ میں آدمیوں اور جنوں کو اور اوپر کی تہ میں پرندوں کو رکھیں۔ سب جانوروں کو مسخر اور پابند کر دیا گیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ان جانوروں سے ایک ایک جوڑا پکڑ لیں اور قدرتِ الٰہی نے حضرت نوح علیہ السلام کے ہاتھ کو اسی جوڑے پر ڈالا جس سے کہ قیامت تک اس کی نسل کی بقاء مقدر تھی پھر چگنے اور اُڑنے والے درندوں کے درمیان اور موذی حشرات الارض کے درمیان اور دوسرے جانوروں میں جو عداوت اور تعدی ہے' اسے ختم کر دیا گیا تاکہ چھ ماہ کی مدت تک ان کا ایک اکٹھے رہنا صورت پکڑ سکے اور جب آسمان کی بارش کے پانی سے سر ڈھانپنے والی شے کے بغیر حفاظت ممکن نہ تھی' آپ کے دل میں القاء فرمایا کہ اس جاری شہر کے لیے ایک سرپوش بھی لکڑی سے بنائیں کہ اس میں

سوار ہونے کے بعد اس کے اوپر سے سر پوش کو کھینچ لیں اور روشنی کے لیے اس میں اس طرح جھرو کے بھی رکھیں کہ ان میں بارش کا پانی نہ جائے اور اس جاری شہر کا نام سفینہ' جہاز اور کشتی رکھا گیا۔

اور جب اس خود ساختہ وجود کو مدت دراز تک پانی کی سطح کو چیرتا اور اس کی موجوں کے صدمے برداشت کرنا درپیش تھا' حکم ہوا کہ اس کا سر مرغے کے سر کی طرح اس کا سینہ بطخ کے سینے کی طرح اور اس کی دُم کبوتر کی دُم کی طرح بنائیں تا کہ موجوں کے صدمے کی وجہ سے اُلٹنے نہ پائے اور چونکہ طوفان آنے کا وقت واضح نہیں کیا گیا تھا اس لیے ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور ایمان والوں کو ایک علامت مقرر کر کے نشان دے دیا کہ جب بھی تمہارے گھر کے تنور سے پانی جوش مارنے لگے تو جان لینا کہ پانی کے عنصر کی طغیانی قریب پہنچ گئی اور عالم آب کی روح تمام عناصر پر اس درجہ غالب ہوئی کہ تنور کی آگ اس کے مقابلے میں کالعدم ہوگئی۔ چنانچہ اس علامت کے تحقق کے وقت

حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ہم نے تمہیں چلنے والی کشتی میں اُٹھالیا جو کہ طوفان کے پانی میں بھی تھی اور غرق بھی نہیں ہوتی تھی۔ پس عذاب میں شریک ہونے کے باوجود ہم نے تمہیں اس وجہ سے محفوظ رکھا کہ تم ایمان والوں کی پشتوں میں تھے اور تمہاری کشتی عذاب کے مارے ہر جو کہ طوفان کا پانی تھا' پوری آہستگی کے ساتھ چل نکلی جس طرح کہ ایمان والے قیامت کے دن پلِ صراط پر جو کہ جہنم کی پشت پر ہوگی' چلیں گے اور اس تدبیر کی تعلیم میں ہم نے تمہارے لیے ایک اور منفعت کا ارادہ فرمایا کہ

اہل بیت کے ساتھ توسل

لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ تَذْكِرَةً تا کہ ہم اس کشتی کو تمہارے لیے یادگار کر دیں اور جہاں بھی تمہیں غرق ہونے کا خطرہ ہو اور تم چاہو کہ پانی کی سطح کو عبور کر کے ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک منتقل ہو جاؤ تو نباتی اور لکڑی کے جسموں سے اسی قسم کا چلنے والا گھر بنا کر کام میں لاؤ اور عقلی غور وفکر سے کھوج لگاؤ کہ طبعی

گہرائی میں ڈال دیتے ہیں' بغیر اس کے ان لوگوں سے توسل کیا جائے جنہوں نے اپنے آپ کو نہایت لطیف کا ظرف بنا دیا ہو جیسے لکڑی جس نے خود کو ہوائے لطیف کا ظرف کر دیا ہے' ممکن نہیں ہے۔ پس جس طرح بھی ممکن ہو' اپنے آپ کو ان ظروفِ لطیفہ کے دل میں جگہ دینا چاہیے تا کہ اس لطیف کی برکت ہمارے بھی شاملِ حال ہو جو کہ ان ظروف کا مظروف ہے اور اس حکم سے کہ ہم ان ظروف کے مظروف ہیں اور وہ لطیف بھی ان ظروف کا مظروف ہے اس لطیف کے ساتھ ہم ظرف ہونے کا شرف حاصل کریں اور اپنے آپ کو گناہوں کے بوجھ سے چھڑا لیں اور وہ ظروفِ لطیفہ ہر دور میں کمیاب اور ان کا پایا جانا نادر ہوتا ہے' ان کی طلب اور تفتیش میں لازمی طور پر لگ جانا چاہیے اور ان کی پیروی اور محبت میں دل و جان کے ساتھ کوشش کرنا چاہیے تا کہ ہم ان کے دلوں میں جگہ پیدا کر لیں اور اس اُمت کے لیے وہ ظروفِ لطیفہ اہلِ بیت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ان کی محبت اور ان کی پیروی اس بات کا موجب ہوتی ہے کہ ان کے دلوں میں اس شخص کے لیے جگہ پیدا ہو جائے اور چونکہ وہ دل حضرت باری جل اسمہ کے نورِ لطیف سے معمور اور بھرپور ہیں تو مشارکت ظرف اور مجاورت مکان کی وجہ سے اس دربارِ عالی سے کوئی مناسبت پیدا ہو جائے جو کہ طبعی گناہوں کو دُور کرنے میں تریاق کا حکم رکھتی ہے اور کیا ہی اچھا ہے جو کہا گیا بیت

بے چاری چیونٹی نے کعبہ پہنچنے کی خواہش کی اس نے کبوتر کے پاؤں میں ہاتھ ڈالا اور اچانک پہنچ گئی۔

اور اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ **مثل اهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها غرق** یعنی میرے اہلِ بیت تم میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کی مثل ہیں جو اس کشتی میں سوار ہوا' طوفان سے نجات پائے اور جو اس کشتی سے پیچھے رہ گیا' طوفان میں غرق ہو گیا۔

اور بارگاہِ اہلِ بیت کو ان مراتب اور فضیلت کے ساتھ مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی آپ کے عملی کمال کی صورت ہے جبکہ حضرات اہلِ بیت

کو بھی حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے کمال کی صورت بنا دیا تھا جو کہ طریقت سے عبارت ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام کے کمال عملی کا کسی شخص کی آپ کے ساتھ قوائے روحیہ عصمت' حفظ' فتوت اور سماعت میں مناسبت کے بغیر تصور نہیں ہے کہ کسی میں جلوہ گر ہو اور اس مناسبت کا ولادت اور اصل اور فرع ہونے کے تعلق کے بغیر حاصل ہونا ممکن نہیں ہے۔ پس اس کمال کو اس کے سارے شعبوں سمیت کہ یہ مختلف ولایات کا معدن ہے اس مقام پر جاری فرما دیا گیا اور اسی پر نالہ سے ڈالا گیا اور یہی امامت کا معنی ہے کہ ان میں سے ایک نے دوسرے کو اس کا وصی بنایا اور یہی اس بات کا راز ہے کہ یہ بزرگوار اولیائے اُمت کے تمام سلاسل کا مرجع قرار پائے اور جو شخص حبل اللہ کو پکڑتا ہے' چار و ناچار اس کی سند استفاضہ ان بزرگوں تک پہنچتی ہے اور وہ اس کشتی میں بیٹھتا ہے۔ بخلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کمالِ علمی کے جو کہ زیادہ تر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں جلوہ گر رہا اس لیے کہ اس کمال کے نقش ہونے کے لیے مدت دراز تک استاذ کے ساتھ شاگردی کی صحبت' ان کی پسندیدگیوں کو سمجھنا اور ان سے مشکلات کے حل اور نامعلوم مسائل کو نکالنے میں آئین سیکھنا ضروری ہے۔

صحابہ کرام کا مقتدائے کائنات ہونے کا بیان

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولایت کا ثبوت

اور اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمِ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ دریائے حقیقت علمی بازو اور عملی بازو کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو ان دونوں بازوؤں کو حاصل کرنا ضروری ہوا جس طرح دریا عبور کرنا' کشتی کی سواری اور ستاروں کے حال کی رعایت تاکہ توجہ والی سمت کا دوسری سمت سے امتیاز ہو سکے' کے بغیر ممکن نہیں ہے اور اسی لیے فرمایا ہے۔

وَتَعِیَهَآ اور یاد رکھے اس کشتی کے واقعہ کو اور طوفان میں غرق ہونے سے نجات پانے کی کیفیت کو جو کہ اس تدبیر سے اہل ایمان کو حاصل ہوئی۔ اُذُنٌ وَّاعِیَةٌ وہ کان جو

اس قسم کے امور کو یاد رکھنے والا ہے حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا: سألت اللہ ان یجعلھا اذنك. میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ تیرا کان ہو۔ اور حضرت امیر المومنین کو اس شرف اور مرتبے کے ساتھ مخصوص کرنا اسی نکتہ کے لیے ہے کہ اہلِ بیت کے کشتی ہونے کا معنی حضرت امیر کے واسطے کے بغیر متصور نہ تھا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت جو کہ اس طریقے کی امامت کے قابل تھے' اس وقت کم عمر تھے اور ان کی تربیت کو کسی اور کے حوالے کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ کمال کے منافی تھا تو ناچار گناہوں کے ثقل سے نجات کے قواعد کا حضرت امیر المومنین پر القاء کرنا' انہیں امام بنانا اور اپنے کمال عملی کو ان کی صورت میں متصور کرنا ضروری ہوا کہ آپ باپ ہونے کے حکم سے اس کمال کو تازہ بتازہ صاحب زادوں تک پہنچائیں اور یہ سلسلہ قیامِ قیامت تک ان کے واسطے سے جاری رہے اور اسی لیے حضرت امیر المومنین کو یعسوب المومنین کا خطاب دیا گیا ہے۔

اور اس کے ساتھ ساتھ جناب حضرت امیر المومنین نے اس وجہ سے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آغوشِ رحمت میں پرورش پائی تھی اور حضور علیہ السلام کے ساتھ دامادی کا تعلق بھی رکھتے تھے اور بچپنے سے ہی ہر کام میں حضور کے رفیق اور ساتھی تھے' بیٹے کا حکم پالیا تھا اور قریبی رشتے داری کی وجہ سے جو کہ آپ کو حاصل تھی' روحانی قوئی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کو پوری مناسبت حاصل تھی۔ تو گویا حضرت امیر' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال عملی کا سایہ اور صورت تھے جو کہ ولایت اور طریقت سے عبارت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے آپ کی وہ استعداد کئی گنا بڑھ گئی اور مرتبۂ کمال کی انتہا کو پہنچ گئی جیسا کہ ہر طریقے اور ہر سلسلے کے اولیائے اللہ کے ظاہر و باطن میں اس کے آثار ظاہر ہیں۔ والحمدللہ

اور جب خاص و عام حواق جو کہ دنیا میں واقع ہوئے ہیں' معلوم ہو گئے تو حاقۂ اخروی کا تصور آسان ہو گیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حاقۂ اخروی میں عموم اور شمول زیادہ

اور وافر ہوگا۔

فَـاِذَا نُـفِـخَ فِـي الصُّوْرِ تو جب صور میں پھونک ماری جائے گی' ثمود کی چیخ کی طرح جو کہ حقیقت جبرئیلی کے آثار سے تھی اور یہ پھونک مارنا حقیقت اسرافیلی کے آثار سے ہوگا اور روح نکالنے کے لیے حقیقت عزرائیلی اس کی خادم ہوگی جیسا کہ ثمود کی چیخ سے بھی اس فرقہ کی ارواح نکالنے کے لیے یہ اس کی خادم ہوئی تھی' دونوں آوازوں میں فرق یہ ہے کہ یہ نفخہ نہ ہوگا مگر

نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ ایسا پھونک مارنا کہ تنہا ایک شخص جہان کے تمام جان داروں کی ارواح کھینچنے میں کافی ہوگا۔ بخلاف صیحۂ ثمود کے کہ صرف فرقۂ ثمود کی ارواح کھینچنے کے ساتھ خاص تھا اور بس تو اگر اس صیحہ کو تمام ذوی الارواح کے لیے فرض کیا جاتا تو کئی متعدد صیحات چاہیے تھیں اور اس نفخ سے پہلا نفخہ مراد ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے منقول ہے اس لیے کہ کائنات کی خرابی اور زمین اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کرنے کی ابتداء ہی ہے۔

اور وہ جو بعض پرانے مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے دوسرا نفخہ مراد ہے تا کہ یَـوْمَئِذٍ تُـعْـرَضُوْنَ کا مضمون درست آئے کیونکہ پیشی دوسرے نفخہ کے بعد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے نفخہ کی ابتدا سے لے کر لوگوں کے جنت اور جہنم میں داخل ہونے تک ایک دن ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے نفخہ کے دن پیشی واقع ہوگی گرچہ فاصلے کے ساتھ ہوگی۔

اور صور' بیل کے سینگ کی شکل پر ہے اور ضعیف روایات میں اس کی لمبائی ہزار سال کی راہ وارد ہوئی اور اس ایک سینگ میں سات گرہیں واقع ہیں اور ہر دو گرہ کے درمیان گنے کی پوریاں کی طرح ہیں اور ہر پوری میں بھڑوں کے چھتہ کی طرح سوراخ ہیں اور ہر سوراخ ارواح میں سے کسی روح کا ٹھکانہ ہوگا۔ پہلے پوری میں فرشتوں کی ارواح قرار پکڑیں گی' دوسری پوری میں ارواحِ انبیاء علیہم السلام' تیسری پوری میں صدیقوں کی روحیں' چوتھی پوری میں شہیدوں کی روحیں' پانچویں پوری میں ایمان والوں کی روحیں' چھٹی پوری میں انسانوں اور جنوں کے کفار اور شیطان کی روحیں اور ساتویں پوری

میں باقی مخلوقات کی روحیں ہوں گی اور صور پھونکنے کی ڈیوٹی حضرت اسرافیل علیہ السلام کے لیے معین ہے۔ پہلے نفخہ میں فرمائیں گے اے ارواح! اپنے جسموں کو چھوڑ کر میری طرف آؤ جبکہ دوسرے نفخہ میں فرمائیں گے کہ اے بوسیدہ ہڈیو! اے منقطع رگو! اور اے منتشر گوشت کے ٹکڑو! جمع ہو جاؤ اور اے ارواح! سب کی اپنے جسموں میں داخل ہو جاؤ۔

اور بعض مفسرین نے روایت کی ہے کہ پہلے نفخہ میں تمام ارواح اپنے جسموں کو خالی کر دیں گی سوائے حضرت جبرئیل' حضرت میکائیل' حضرت عزرائیل' حضرت اسرافیل اور حاملین عرش کے علیہم السلام اور اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو اپنی قدرت کے ہاتھ سے قبض فرمائے گا اور جو سب سے پہلے زندہ ہوگا' وہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہوں گے تاکہ دوسرے نفخہ کی ڈیوٹی سرانجام دے سکیں۔ قصہ مختصر جہان کی خرابی پہلے نفخہ سے شروع ہوگی اور تمام عناصر کی روحیں کھینچ لی جائیں گی اور ہوا کی اس سخت آواز کی وجہ سے حرکت میں آئیں گے۔

وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ اور زمین اور پہاڑ ہوا میں اُٹھا لیے جائیں گے' ہوا کی تحریک کی قوت' زمین اور پہاڑوں کے اجزا کی سستی اور زلزلہ آنے کی وجہ سے' جو کہ پہاڑوں کی میخوں کو کمزور کر دے گا اور یہ واقعہ عاد کی ہوا' اصحابِ مدین کے زلزلے اور مؤتفکات کے زیروزبر ہونے پر مشتمل ہوگا لیکن فرق یہ ہوگا کہ وہ حادثے خاص ایک قطعۂ زمین اور ایک ملک کے تھے جبکہ یہ حادثہ تمام روئے زمین اور دنیا کے سارے پہاڑوں کو شامل ہوگا۔

فَدُكَّتَا پس زمین اور پہاڑ کوٹے جائیں گے' مختلف سمتوں کی حرکات کے ٹکرانے کی وجہ سے تاکہ وہ ریزہ ریزہ ہوں اور ہموار ہو جائیں۔ دَكَّةً وَّاحِدَةً یکساں کوٹنا کہ تمام روئے زمین اور پہاڑوں کو شامل ہو اور اس کوٹنے میں کوئی فرق' اختلاف اور امتیاز نہ

فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ تو اس دن واقعۂ حاقہ واقع ہو جائے گا جس کا کائنات کو

مٹانے اور فنا کرنے کے لیے وعدہ ہو چکا ہے اور اس واقعہ کا اثر جس طرح عالم سفلی کو عام اور شامل ہوگا اسی طرح عالم بالا کو بھی عام اور شامل ہوگا۔

وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ اور آسمان پھٹ جائے گا اس لیے آسمان کی پیدائش عالم سفلی کے بننے اور بگڑنے کے لیے ہے اور جب عالم سفلی نہ رہا تو آسمان کو باقی رکھنے میں بھی کوئی حکمت باقی نہ رہی' ناچار اسے بھی فنا کر دیا گیا اور وہ آسمان کی قوت اور اس کا خرق والتیام کو قبول نہ کرنا جو کہ صدیوں سے مشاہدے میں ہے اور محسوس ہوتا ہے' پھٹنے کو روکنے والا نہ ہوگا اس لیے کہ یہ سب کچھ اسے ارواح کے ساتھ متعلق ہونے اور ان کی محافظت کی وجہ سے تھا جب ارواح نے قبض ہو کر آسمان کے جسم کو خالی کر دیا تو اس کی بنیاد کا کوئی محافظ نہ رہا۔

فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ پس وہ آسمان اس دن نہایت سست اور کمزور ہو جائے گا جیسا کہ روح جدا ہوتے کے بعد مردے کا بدن۔ وَالْمَلَكُ اور فرشتے جو کہ آسمان کو گردش دیتے تھے اور وہ گردش اسے پھٹنے اور چرنے سے روکتی تھی اس لیے کہ پھٹنا اور چرنا اس کے بعض کی سیدھی حرکت پر موقوف ہے اس دن آسمان کو حرکت دینے سے دست بردار ہو کر بھاگ کر

عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا آسمان کے کناروں اور طرفوں پر چلے جائیں گے اور جب آسمان کی گردش جو کہ پھٹنے سے روکنے والی تھی' منقطع ہو گئی تو اس کے اجزاء پر سیدھی حرکت وارد کرنے میں نفخہ کی تاثیر واجب ہو گئی کیونکہ رکاوٹ نہ ہونے کے وقت مؤثر کا پایا جانا معلول کے وجود کو واجب کرتا ہے اور جس طرح اس نفخہ کا اور واقعہ کا اثر زمین اور آسمان پر پہنچے گا اور عالم سفلی اور عالم بالا بدل جائیں گے اسی طرح عرشِ اعظم کو جو کہ تمام علوی اور سفلی اجسام کو محیط ہے' بھی ایک تغیر اور انقلاب پہنچے گا لیکن عالم علوی اور عالم سفلی کے تغیر وانقلاب کا انجام خفت' ہلکے پن' سستی اور کمزوری تک پہنچے گا جبکہ عرشِ مجید کا تغیر وانقلاب ثقل اور گرانی لائے گا۔

وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ اور تیرے پروردگار کے عرش کو اُٹھائیں گے۔ فَوْقَهُمْ

اپنے سر اور کندھے پر نہ کہ اپنے ہاتھوں پر اس لیے کہ ہاتھوں پر اُٹھانے میں بوجھ برداشت کرنا نسبتاً کم ہو جاتا ہے اور جس چیز کو ایک آدمی سر پر اُٹھا سکتا ہے اسے دو آدمی ہاتھوں پر نہیں اُٹھا سکتے اور اس دن عرشِ مجید کا وزن اس حد تک بڑھ جائے گا کہ اپنے پہلے وزن سے کئی گنا ہوگا اس لیے کہ اسے اپنے سروں پر اُٹھائیں گے۔

يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ اس دن آٹھ عظیم فرشتے جبکہ دنیا میں چار اُٹھاتے تھے اور اس دن عرشِ مجید کا وزن کئی گنا بڑھ جانے کی وجہ یہ ہوگی کہ عرشِ مجید حضرت حق تعالیٰ کی بادشاہی کی صورت ہے اور دنیا کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہی چار صفات کے ساتھ ہے کہ اس کی موجودات کے ذروں میں سے ہر ذرے میں چاروں صفات نے ظہور فرمایا اور سب کو محیط ہیں۔ پہلی صفت علم' دوسری صفت قدرت' تیسری صفت ارادہ اور چوتھی صفت حکمت اور عالم آخرت میں ان چار صفات کے ساتھ چار دوسری صفات بھی درکار ہوں گی تاکہ عالم آخرت جہانِ دنیا سے جدا اور ممتاز ہو۔ پہلی صفت نری حقیقت کا ظہور و انکشاف کہ اس عالم میں جو کچھ ہے' ہر کسی پر ظاہر و باہر ہوگا اور کسی وجہ سے وہاں شبہ' دھوکا اور دغا نہیں رہے گا یہاں تک کہ کفار اور جاہل لوگ بھی مخفی اور چھپی ہوئی حقیقتوں کو پالیں گے جیسا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے کہ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ وَاَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا ' وَغَيْر ذَالِكَ اور اس جہان میں خطا اور صواب کا نام نہیں رہے گا۔

دوسری صفت عام' کامل اور پورا ہونا کہ اس جہان کی ہر شے نقصان اور آفت سے محفوظ ہوگی حتیٰ کہ کفار اور بدکاروں کے اجسام بھی غذا اور دوا کے محتاج نہیں ہوں گے اور ان کا احساس اور تمام قوتیں جیسے تخیل' توہم' ادراک اور تحریک دینے والی قوتیں پیدائش کے تقاضے کے مطابق ٹھیک کمال کی بلندی پر ہوں گی۔ چنانچہ فرمایا ہے وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ اور خلود' دوام' ابدیت اور لامتناہی بقاء اسی صفت کے آثار سے ہیں۔

تیسری صفت قدس و طہارت کہ پیدائش کی صفائی کے مطابق کدورتوں او آلائشوں سے پاک ہوں گے حتیٰ کہ کفار اور بدکاروں میں بھی بول و براز اور دوسری

ناپاک چیزیں اور نجس فضلے نہیں رہیں گے اور قیح، صدید، غسلین اور بدکار عورتوں اور مردوں کے مقاماتِ شرم کی بدبو ان پر عذاب کے طور پر مسلط کی جائے گی، تعفن اور نجاست کے طور پر نہیں۔

چوتھی صفت عدل اور ہر چیز کا حق اس کے ساتھ باقی رکھنا کہ دنیا میں اس کا تصور ہرگز نہیں ہے اور اس جہان میں کسی وجہ سے بھی ظلم و ستم درمیان میں نہیں آئے گا اور چونکہ یہ چاروں صفات بھی شمول اور عموم کے طریقے سے اس جہان میں درکار ہوئیں، عرش معنوی جو کہ بادشاہی سے عبارت ہے، کا وزن بھی بڑھ گیا اور صورت کے معنی کے مطابق ہونے کی جہت سے عرشِ صوری بھی ثقیل اور وزنی ہو گیا اور چار ملائکہ جو کہ پہلے ان چار اسماء کے مظاہر ہو کر عرش اُٹھاتے تھے، اس بڑھنے والے وزن کو برداشت کرنے سے عاجز ہو گئے، ناچار ان کی امداد چار دوسرے فرشتوں کے ساتھ ضروری ہوئی جو کہ ان چار اسماء کے مظاہر ہوں۔

اور بعض باریک بینوں نے یوں کہا ہے کہ عرشِ اعظم فَلَكَ الْاَفْلَاكَ سے عبارت ہے اور اس کی قسری تحریکوں کو دنیا میں آٹھ دوسرے افلاک جو کہ اس کے نیچے اُٹھاتے ہیں اور عرش کی روح اور اس کے خیال کی تاثیر کے ساتھ ان آٹھ آسمانوں کے ستاروں کی مختلف حرکتیں رونما ہوتی ہیں اور اس کے مطابق اس عالم سفلی میں کائنات اور فاسدات ظاہر ہوتے ہیں اور تدبیر الٰہی جلوہ گر ہوتی ہے اور اس دن کہ یہ آٹھوں آسمان ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں اور وہ فرشتے جو کہ ان آٹھ آسمانوں کے امور کی تدبیر پر مامور تھے، بھاگ کر کناروں اور طرفوں میں چلے جائیں تو عرش سے نیچے جگہ خالی ہو جائے گی اور تدبیرات عرش کے فیض دینے کا مقام اور اس طرف سے فائض ہونے والے اسباب کا تحمل درمیان میں نہ رہے، ناچار آٹھ دوسرے گروہوں کو اس کام کے لیے عرش کے نیچے جگہ دیں گے اور وہ ان منصبوں کو اُٹھانے والے ہوں گے اور جس طرح عرش صوری دنیا میں ان آٹھ آسمانوں پر اعتماد کرنے والا تھا اس روز ان آٹھ گروہوں پر اعتماد کرے گا او اس تفسیر کی تائید اس سے ہوتی ہے جو کہ حضرت حسن بصری سے منقول ہے کہ آپ

فرماتے تھے کہ میں نہیں جانتا کہ وہ آٹھ اشخاص ہیں یا آٹھ ہزار یا آٹھ صفیں ہیں یا آٹھ ہزار صفیں اور امام ضحاک سے وہ آٹھ صفیں ہیں' ان کی گنتی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا لیکن صحیح حدیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کہ آج چار ہیں تو جب قیامت کا دن ہوگا' اللہ تعالیٰ چار دوسروں کے ساتھ ان کی مدد فرمائے گا اور ایک اور روایت میں ہے کہ حاملین عرش کے پاؤں ساتویں زمین کے نیچے ہیں اور عرش ان کے سروں کے اوپر ہے۔

حاملین عرش کی تسبیح کا ذکر

اور وہ سرنگوں ہو کر تسبیح میں مشغول ہیں' قیامت کے دن ان میں سے چار یہ تسبیح پڑھیں گے سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على عفوك بعد قدرتك جبکہ چار دوسرے یہ تسبیح پڑھیں گے سبحانك اللهم وبحمدك لك الحمد على حلمك بعد علمك ۔

حاملین عرش کی شکل کا بیان

اور وہ جو بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ حاملین عرش پہاڑی بکری کی صورت میں ہیں کہ ان کے سم سے لے کر سر کے سینگ تک ایک لاکھ سال کی راہ ہے تو یہ ان کے جسموں کے بڑا ہونے کی طرف اشارہ ہے اور چونکہ پہاڑی بکری کی شکل بوجھ اُٹھانے کے مناسب ہے۔ بعید نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نے انہیں یہی شکل دی ہو اور وہ جو بعض دوسری روایت میں وارد ہے کہ ان میں سے ایک آدمی کی شکل میں ہے' دوسرا بیل کی شکل میں' تیسرا شیر کی شکل میں اور چوتھا گدھ کی شکل میں ہے تو اس روایت کے خلاف نہیں ہو سکتا اس لیے کہ ان چاروں میں سے ہر ایک کا بدن پہاڑی بکری کی صورت میں ہو اور ان کے چہروں میں ان صورتوں کا فرق رکھا گیا ہو تا کہ ان کے حقائق کے جدا جدا ہونے کا جتلانا مراد ہو کیونکہ مختلف اسماء کے مظاہر ہیں جیسے پانی کے حیوانات کہ باوجودیکہ بدن میں یکساں ہوتے ہیں لیکن ان کے چہروں میں بہت زیادہ اختلاف ہوتا ہے' بعض گھوڑے کی شکل

میں' بعض پانی کے کتے کی شکل میں وَغَیْرُ ذَالِکَ

اور فضائل و کمالات والے برادر شیخ محمد رفیع الدین سلمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تصنیفات میں یوں لکھا ہے کہ عرش اُٹھانے والے ایک گروہ ہوں گے جو کہ اللہ تعالیٰ کے چار کمالات کے حامل ہوں گے یعنی ابداع' خلق' تدبیر اور تدلی پہلا فرشتہ جو کہ کمال ابداع کا حامل ہے' اسم قیوم سے متحقق ہے اور ظاہری اور مثالی صورت' زمانوں' مکانوں' جہتوں اور حرکتوں پر موکل ہے اور اسے استعدادات کا علم اور ان کی خبر ہے اور خبروں کی تقسیم' مقادیر اور جہات کی تجدید اور اوقات اور جو چیز اس سے ملحق ہیں' اس کے سپرد ہیں اور دوسرا فرشتہ جو کہ کمال خلق کا حامل ہے' اسم مصور سے متحقق ہے اور فلکی و عنصری بسائط و مرکبات کے نفوس اور صور نوعیہ اس کے سپرد ہیں اور صورتوں کے خواص کو باقی رکھنے' شرح اور اس کے آثار کا فیض دینے' صورتوں اور ان کی قوتوں کی تشخیص اور ہر ایک کے رفیق اور اس سے جو کچھ متعلق ہے' کا علم اسی کو ہے اور تیسرا فرشتہ جو کہ کمال تدبیر کا حامل ہے' اسم عدل کے ساتھ متحقق ہے اور وہ صورتوں کے ہجوم اور آثار کے باہم ایک دوسرے میں داخل ہونے کے وقت خیر مطلق کے ساتھ نظام کے مشابہ ہونے پر موکل ہے اور مختلف اشیاء میں ترجیح' اسباب کے قبض و بسط اور عنایات کے ساتھ ان کے موازنہ اور اس کے مناسبات کا علم اسی کو ہے اور چوتھا فرشتہ جو کہ کمال تدلی کا حامل ہے' اسم قدوس کے ساتھ متحقق ہے اور تجلیات اور شعائر الٰہیہ کا موکل ہے اور مختلف اقسام کی تجلیات کے مظاہر شریعتوں کو مقرر کرنے' عقائد و اعمال کے موازین' اہلِ اللہ کے درجات' حق و باطل ادیان اور ان کے ظاہری مماثلات کا علم اسی کو ہے۔

وہ جو حدیث نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات میں وارد ہوا کہ مجھے اذن دیا گیا کہ میں تمہارے لیے حاملین عرش فرشتوں میں سے ایک کا حال بیان کروں اور اس کی خلقت کی عظمت کے ذکر کے بعد فرمایا اس کی تسبیح یہ کلمہ ہے سُبْحَانَکَ حَیْثُ کُنْتَ اس عظیم القدر فرشتے کی طرف اشارہ ہے اس رمز کی شرح یہ ہے کہ اس فرشتے کی حقیقت کمالاتِ الٰہیہ ایک خاصی جہت ہے کہ جہاں بھی مظاہر جمال میں کسی صفت کا ظہور ہوتا

ہے اس لباس میں حقی جہت کا منشا اور اس ظہور کا حامل بھی فرشتہ ہوتا ہے۔ گویا جہاں بھی تجلی ہوگی' نہیں ہوتی مگر اس فرشتے کے دل پر اور یہی وہ فرشتہ ہے جو کہ تجلی کی صورت کے ہم شکل ہوتا ہے اور وہ وہی ہے جو کہ اِنِّیْٓ اَنَــا اللّٰهُ کے کلمہ کی زبان بنتا ہے اور ذاتِ حق کا شیشہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً یہی فرشتہ تھا جو کہ آگ کی صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے ظاہر ہوا اور ان یــورك من في النار کا مصداق ہوا اور بارگاہِ خداوندی سے اِنِّیْٓ اَنَــاَ اللّٰــهُ کا کلمہ بے کیف کلام کے ساتھ اسی فرشتے کے سینے میں سرزد ہوتا ہے اور آگ کے شیشے میں سنا جاتا ہے۔ واللہ اعلم

قصہ مختصر یہ چار فرشتے اصل میں تکوین کے عرش کے حامل ہیں اور ان کی طرف تشریع کے فیض کی نسبت تشریع کے تکوین میں درج ہونے کی حیثیت سے ہے اور چونکہ اس جہان دنیا کے نظام کا جاری ہونا فیض تکوین کے مطابق ہے اور اس جہان میں فیض تشریع تبعی اور ضمنی ہے اور کماحقہ حق کی باطل سے تمیز شک کے پردے میں ہے یا چار وزن برداشت کرنا انہیں چار فرشتوں کا کام ہے یہاں تک کہ سَــنَـفْـرُغُ لَـكُـمْ اَيُّـهَـا الثَّقَلَانِ کے تقاضے کے مطابق اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عنایت روضۂ تشریع کی تعمیر میں مصروف ہو اور ہر نفس کا بیج وَاِنَّ الـدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ کی زمین میں جو کہ کمال اور حقوق پورے کرنے کا مقام ہے' ڈال دے اور ہر نفس کی فطری اور کسبی صلاحیتیں ظاہر ہوں اور ہر ایک' ایک جہان کا حکم پیدا کرے اور ان ہزارہا صورتوں اور اچھے بُرے اعمال کا منبع ہو جائے اور فیض تشریع کے خدام فیض مطلق کا عرش اُٹھانے میں شریک ہوں۔

پہلے ایک فرشتہ ہوگا جو کہ پہلے فرشتے کا رفیق ہے اور نفوس بشری و جنی کی صلاحیتوں' ان میں مندرج باریکیوں' ان کے کمالات کے درجات اور ان میں چھپائی ہوئی قوتوں کا علم اسی کو ہے اور دوسرا وہ فرشتہ ہے جو کہ دوسرے فرشتے کا رفیق ہے اور حقائق اعمال ان کے قسم قسم کی صورتوں کے ساتھ مثال راسخ کے شیشے میں ظہور کی کیفیت' ان اعمال کی جہتوں' اطاعت اور نافرمانی کی شرح کیونکہ ہر ایک علیحدہ حقیقت شرعیہ ہے۔ سعادت و شقاوت کے ترازو' احوال و اقوال و اعمال کی جزاؤں اور اعتقادات اور صلاحیتوں کی

صورتوں کا علم اسی کو ہے۔

اور تیسرا فرشتہ تیسرے فرشتے کا رفیق ہے اور لوگوں کی ضروریات' معاملات' حقوق العباد' جھگڑوں کے فیصلوں' کفارات وسیئات کی وجوہات' ایک دوسرے کے ساتھ دِلوں کے رنگوں کے محو واثبات' نجات و ہلاکت پانے والوں کے درجات کی تشخیص اور مصلحتوں' خرابیوں اور عذروں کے ضابطوں کا علم اسی کو ہے اور چوتھا ایک فرشتہ ہے جو کہ چوتھے فرشتے کا رفیق ہے اور احوال ومشاہدات کے نتائج' رؤیت باری تعالیٰ کے اہل لوگوں کے درجات' اسمائے الٰہیہ کے ساتھ احوال کا رابطہ جو کہ ان کے مبادی ہیں' ہر اسم کے اپنے ہم شکل میں قوت اور ضعف کے طریقے سے ظہور کے اندازے' منازلِ جنت کی تجدید' انکشاف ذات جہان والوں کے اخلاص اس جہان کے مابعد کے تخلق اور تحقق اور جو کچھ اس کے مناسب ہے' کا علم اسی کو ہے۔ رفیع الدین صاحب کی کلام ختم ہوئی۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جب تک کہ عرش اپنی جگہ ثابت ہے' اسے چار عظیم القدر اُٹھا سکتے ہیں اور جب اپنی جگہ سے حرکت کرے اور منتقل ہوتو چار دوسرے فرشتوں کی ضرورت ہوگی اس لیے کہ بڑی مقدار والی چیزوں کو منتقل کرنے اور بدلنے میں بہت قوت چاہیے' بخلاف اس کے کہ اپنی جگہ پر قائم ہوں اور جو کچھ روایاتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے' یہ ہے کہ حق تعالیٰ بندوں کے ساتھ ان کے عرف اور جو کچھ ان کے ذہنوں میں راسخ ہے' کے مطابق دنیا وآخرت میں معاملہ فرماتا ہے۔ مثلاً باوجودیکہ مکان سے منزہ ہے اس نے دنیا میں اپنے لیے ایک مکان مقرر فرمایا تا کہ بندے اسے دیکھیں اور صاحب خانہ کی تعظیم کا حق بجالائیں اور اس عظیم گھر کو دیکھے بغیر ممکن نہ تھا ان کی باطنی تعظیم ان کے ظاہر پر ظہور کرے اور اس گھر میں ایک سیاہ پتھر کو اپنا دایاں ہاتھ قرار دیا کیونکہ لوگوں کی عادت یہی ہے کہ ملاقات کی ابتدا میں اپنے سرداروں کی دست بوسی اور مصافحہ کرتے ہیں اور حفاظت اور بندوں کے اعمال لکھنے کے لیے فرشتوں کو اخبار نویس اور ڈائری رپورٹر بنایا حالانکہ اللہ تعالیٰ اس لکھنے کا محتاج نہیں ہے اس لیے کہ اس کا علم محیط ہے اور نہ اسے بھولنے کا خطرہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر تمام

اور شرعیہ میں گہری نظر سے دیکھا جائے تو معقول کی محسوس کے تشبیہہ کی رعایت اور اعتبار کیا گیا ہے۔

اسی طرح آخرت میں بنی آدم کے ذہنوں میں راسخ شدہ عرف کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا اور بادشاہوں کی شان یہی ہے کہ جب وہ عدالت اور انتقام پر آتے ہیں' پہلے پردے اور حجاب دُور کرتے ہیں اور رعایا کو نقارے' توپ اور منادی کی آواز کے ساتھ آگاہ کرتے اور بُلاتے ہیں پھر خود ایک تخت پر بیٹھ کر دربار لگاتے ہیں اور ہر دفتر کے پیش کار حاضر ہو جاتے ہیں اور فوج' نوکر چاکر اور پیارے اِردگرد صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں تاکہ لڑائی میں حکم کے وقت حاضر ہوں اور انعام کا کمرہ اور سزا کا مکان دونوں گرم ہوتے ہیں اسی خطرناک صورت کو آیاتِ قرآنی اور احادیثِ شریفہ میں مختلف قسم کی تقریروں سے شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

پس اس گھر میں عرش سے مراد وہ عرشِ عظیم ہے جو کہ تمام اجسام کو محیط ہے اور اس دن اسے اپنے مکان سے منتقل سمجھا جائے گا بلکہ ایک اور عرش ہے کہ عدالتِ الٰہی کی تجلی اس جسم عظیم پر اس قدر مستوی ہو کر عرصۂ قیامت میں ظہور فرمائے گی جیسا کہ سورۂ زمر میں ایک دیگر آیت میں مذکور ہے وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَجِیْٓئَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ یہاں تک کہ فرمایا ہے وَتَرَى الْمَلٰٓئِكَةَ حَآفِّیْنَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ یُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِیْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۔

لیکن یہاں جاننا چاہیے کہ یہ معقول کی محسوس کے ساتھ تشبیہہ جو کہ شرائع میں وارد ہے' صرف تصور قائم کرانا یا خیال دِلانا نہیں ہے کہ عوام کو رغبت دلانے اور ڈرانے کے لیے اسے کام میں لایا جائے بغیر اس کے کہ اس کی کوئی حقیقت ہو جیسا کہ معتزلہ اور فلسفی مزاج لوگ سمجھتے ہیں اور اس پر ناز کرتے ہیں بلکہ یہ تشبیہہ مجاز کے بغیر حقیقت ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ظہور' تجلی' دنو اور تدلی کی صفت ثابت ہے اس کے باوجود کہ تنزیہہ اعلیٰ کے مرتبہ پر فائز ہو' ہو سکتا ہے کہ وہ ہر رنگ میں اپنا جلوہ دے اور ظہور

فرمائے جیسا کہ طور کی آگ کے واقعہ اور لن ترانی کے قصے میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ فرمایا ہے۔ پس ان مقامات میں جو کہ بندوں کا مرجع ہیں' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات متجلی ہے اور اس کے احکام جاری اور نافذ ہیں اور اہلِ شرع اور اہلِ فلسفہ کے عقیدے میں فرق تجلیات کے اثبات میں ہے اور بس۔ بلکہ اگر پورے طور پر غور وفکر سے کام لیا جائے اور اخبارِ شرعیہ میں گہری نظر سے دیکھا جائے تو تشبیہ اور تنزیہہ دونوں عقیدے موافقت پیدا کرتے ہیں۔ تشبیہ تجلیات اور ظہورات میں ہے جبکہ تنزیہہ حقیقت اور ذات میں۔

قصہ مختصر آسمانی حجابات اُٹھانے اور عرش کے ظہور کو بیان کرنے کے بعد فرمایا جا رہا ہے۔ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُوْنَ اس دن حاضر کیے جاؤ گے' اپنے پروردگار کے حضور اور لوحِ محفوظ کے ظاہر ہونے کی وجہ سے جو کہ حاملین عرش کے نزدیک ہے اور اس کے مطابق کراماً کاتبین کے نسخے بھی اس مقام پر حاضر کیے جائیں گے۔ لَا تَخْفٰى پوشیدہ نہیں رہے گا اگلوں پچھلوں میں سے کسی پر کسی کے احوال سے مِنْكُمْ تم سے خَافِيَةٌ کوئی پوشیدہ حال۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ پیشی تین بار ہوگی' پہلی بار کفار اور گناہ گار اپنے بُرے اعمال کا انکار کر دیں گے اور دوسری بار میں کہ ان کے اعمال پر دن' رات' آسمان' زمین' کھال اور اعضاء کے گواہ گزریں گے' عذروں اور بہانوں کا سہارا لیں گے اور تیسری بار میں کہ عذر بھی باطل کر دیئے جائیں گے۔ حکم ہوگا کہ اعمال نامہ کو اُڑائیں' بعض کو دائیں ہاتھ میں سامنے سے دیں گے اور بعض کو بائیں ہاتھ میں پچھلی سمت سے اور اس طریقے پر اعمال نامے دینے کے ساتھ ہی لوگ اپنا انجام جان لیں گے اس سے پہلے کہ اس نامۂ اعمال کو پڑھیں۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ تو جسے اس کا نامۂ اعمال اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا تو وہ سمجھ جائے گا' سیدھا ہاتھ میری قوی سمت تھی' مجھے جو یہ اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا گیا خواہش نفس' حرص اور غضب پر میری قوت اور غلبہ ثابت ہوگیا۔

فَیَقُوْلُ پس وہ فرشتوں سے کہے گا کہ هَآؤُمُ اقْرَءُوْا كِتٰبِيَهْ پکڑو اور میری کتاب کو پڑھو کیونکہ اس کتاب میں سب میری خوش حالی ہے جو چیز مجھے پریشان کرے اس کتاب میں قطعاً نہیں ہوگی اس لیے کہ میں نے دنیا میں حق کی سمت کو قوی کیا تھا اور باطل کی سمت کو ضعیف کیا تھا۔

اِنِّیْ ظَنَنْتُ تحقیق میں دنیا میں ظن غالب کے طریقے سے جانتا تھا کہ اَنِّیْ مُلٰقٍ حِسَابِیَهْ کہ میں اپنے آخرت میں اپنا حساب پاؤں گا اور اسی بناء پر دنیا میں ہمیشہ اپنے نفس کے محاسبے میں مشغول رہتا اس سے پہلے کہ اس حساب میں گرفتار ہو جاؤں اور جو کتابیہ اور حسابیہ میں ہے' وہ سکتے کی ہا ہے' ضمیر نہیں ہے کہ لغت عرب میں وقف کے لیے بڑھا دیتے ہیں۔

فَھُوَ پس وہ آزمائش کے عام اور تکلیف اور دُکھ کے وسیع ہونے کے باوجود فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ پسندیدہ زندگی میں ہوگا اس لیے کہ اسے کوئی غم اور پریشانی نہ ہوگی اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی والوں کی طرح جو کہ عین طوفان کے دوران دلی اطمینان کے ساتھ زندگی گزارتے تھے' اسے صرف اس بے غمی پر ہی کفایت نہیں کریں گے بلکہ وہ داخل ہوگا۔

فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ اس جنت میں جو بہت عالی قدر ہے' مکانات' فرشوں' سونے اور چاندی کے برتنوں' جاری نہروں' جوش مارتے ہوئے فواروں' میوہ دار درختوں اور چمکتے ہوئے سبزوں کے اعتبار سے اور اس کے باوجود اس جنت میں ایک اور صفت بھی ہے کہ دنیوی باغات میں اس صفت کی توقع ہرگز نہیں ہے اور یہ ہے

قُطُوْفُهَا دَانِیَةٌ اس جنت کے چنے ہوئے میوے نزدیک ہیں کھڑے بھی' بیٹھے بھی اور پہلو پر لیٹے ہوئے بھی' انہیں کھایا جا سکتا ہے۔ یہی کہ جنتی نے اس میوے کی طرف اشارہ کیا اس میوے کے درخت کی شاخ اس کے منہ کے ساتھ پہنچ جائے گی اور یہ سب کچھ وہاں کے درختوں کی حیات کی قوت کی بناء پر ہے کہ انہوں نے شعور وادراک حاصل کر لیا ہے اور اس سے پہلے کہ جنتیوں کو اس جنت میں داخل کریں' انہیں حکم ہوگا

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا کھاؤ اور پیو جنت کے میووں اور مشروبات سے۔ هَنِيْٓـئًا تم پر خوشگوار ہوگا اور ہیضہ، بدہضمی اور بیماریاں پیدا ہونے کا سبب نہیں ہوگا۔

بِمَآ اَسْلَفْتُمْ اس کے عوض جو کہ تم نے اس سے پہلے دنیا میں کیا ہے۔ عبادات کی مشقتوں، حرام خواہشات سے صبر اور راہِ حق کی طلب میں تکلیف اُٹھانے سے۔ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ گزرے ہوئے دنوں میں یا ان دنوں میں جو کہ کھانے اور پینے سے خالی تھے اور وہ ماہِ مبارک رمضان کے روزوں کے دن ہیں اور دوسرے مسنون روزوں کے ایام جیسے ایام بیض، ذوالحجہ کا یوم عرفہ، روز عاشوراء، پیر کا دن، جمعرات کا دن اور شبِ برأت کا دن وغیرہ۔

فضیلت روزہ کا بیان

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جنت کے دروازوں سے ایک کا نام ریان ہے جو اس دروازے سے داخل ہوگا، ہرگز پیاسا نہیں ہوگا اور وہ دروازہ روزہ داروں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ندا فرمائے گا اے میرے دوستو! دنیا میں بہت دفعہ ایسا تھا کہ میں تمہیں پیاس کی وجہ سے خشک لب دیکھتا تھا اور بھوک کی وجہ سے تمہارے پیٹ پشت کے ساتھ لگے ہوئے اور آنکھیں شب بیداری کی وجہ سے گڑھے میں گری ہوئی، آج میری ہمیشہ کی نعمت میں آؤ اور جنت کا خوشگوار مشروب پیو اور کشاف میں نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر اس دستاویز کے ساتھ جو کہ دربار رب العالمین سے لکھ کر اس کے ہاتھ میں دیں گے اور اس دستاویز کی صورت یہ ہوگی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم هٰذا كتاب من الله تعالٰى لفلان بن فلان ادخلوه فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ۔

وَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ اور جسے نامۂ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ پس وہ سمجھ جائے گا کہ میرا بایاں ہاتھ میری کمزور طرف تھی، مجھے جو میرا نامۂ اعمال اس ہاتھ میں دیا گیا۔ معلوم ہوا کہ میرے عمل کمزور ہیں، عذاب سے چھڑانے کی طاقت نہیں رکھتے چہ جائیکہ جنت کے درجات تک پہنچائیں۔ پس وہ واویلا کرے گا۔

فَيَقُولُ يٰلَيْتَنِي لَمْ اُوْتَ كِتٰبِيَهْ پس کہے گا اے کاش مجھے میرا نامۂ اعمال نہ دیا جاتا کیونکہ دائیں بائیں سے مجھے لوگ اس کتاب کو پڑھنے کی زحمت دیں گے اور اس کے پڑھنے میں میری رسوائی ہوگی۔

وَلَمْ اَدْرِ مَا حِسَابِيَهْ اور اے کاش میں نہ جانتا کہ میرا حساب کیا ہے اس لیے کہ جو حساب وبال اور مواخذہ تک لے جائے اس کا نہ جاننا جاننے سے بہتر ہے۔ نیز حساب جاننے کی صورت میں مجھے میرے سارے اعمال یاد آئیں گے اور انہیں یاد کرنے کی وجہ سے میں عذاب حسی سے پہلے عذاب روحانی چکھوں گا اور اگر اسے کوئی کہے گا کہ تو یہ بے جا آرزو کیوں کرتا ہے؟ کہ مجھے نامۂ اعمال نہ دیتے اور اپنے اعمال کے حساب پر مجھے اطلاع نہ ہوتی اس لیے کہ اس میدانِ قیامت میں جو بھی حاضر ہوا ہے' اسے نامۂ اعمال پانا اور اعمال کے حساب پر مطلع ہونا ضروری ہے۔ وہ بد بخت اس کے جواب میں ایک اور آرزو کرے گا۔

يٰلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ اے کاش یہ قیامت مجھ پر کام تمام کر دیتی اور مجھے مار دیتی تا کہ میں اس رسوائی اور اس عذاب سے چھٹکارا پاتا اور اگر فرشتے اسے کہیں گے کہ تو نے ان بُرے اعمال کے کفارے کے لیے راہِ خدا میں صدقات اور خیرات کیوں نہ دیئے کیونکہ صدقہ خطا کو اس طرح ختم کر دیتا ہے جس طرح آگ کو پانی بجھا دیتا ہے' وہ بد بخت جواب میں کہے گا۔

مَآ اَغْنٰى عَنِّيْ مَالِيَهْ میرا مال میرے کام نہ آیا اس لیے کہ میں نے اس مال کو ایسی جگہوں پر صرف کیا جو بالکل بے جا تھا اور اب میرے ہاتھ کچھ ہے نہیں جو گناہوں کے عوض دے دوں اور چھٹکارا حاصل کروں اس لیے کہ

هَلَكَ عَنِّيْ سُلْطٰنِيَهْ مجھ سے میری سلطنت ہلاک ہوگئی کہ اپنی وسعت کے مطابق میں ایک سلطنت رکھتا تھا' ایک گھر پر یا ایک بستی پر یا ایک شہر پر یا ایک ملک پر اور کم از کم میں اپنے مال' غلاموں' کنیزوں اور ہاتھ پاؤں پر مسلط تھا' میں جو چاہتا تھا' انہیں حکم دیتا تھا اور وہ بجالاتے تھے اب کوئی بھی اور کچھ بھی میرے قبضے میں نہیں ہے اور جب

اسے کوئی معقول جواب میسر نہ ہوگا سوائے حسرت' ندامت اور باطل آرزوؤں کے حق تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا۔

خُذُوْهُ پکڑو اسے قہر اور سختی کے ساتھ فَغُلُّوْهُ پس اس کے ہاتھوں کو اس کی گردن کا طوق کر دو اس لیے کہ اس نے فراخ دستی کی نعمت کا شکر ادا نہ کیا اور ہمارے پسندیدہ کاموں میں اس نے ہاتھ نہ کھولا اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ سنتے ہی ایک لاکھ فرشتے اس کی طرف دوڑیں گے اور اسے اس کی گردن کے ساتھ باندھ دیں گے پھر حکم ہوگا۔

ثُمَّ الْجَحِيْمَ صَلُّوْهُ پھر اسے جلانے والی آگ میں لاؤ اس لیے کہ اس نے حرام لذتوں اور نعمتوں میں سے کسی چیز کو بھی خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے ترک نہ کیا تھا اس کے عوض اسے آزمائش کے ساتھ جلاؤ اور اسے جہنم کی آگ میں لانے سے پہلے اس کے ہاتھ اس لیے باندھے گئے تا کہ جہنم میں لاتے وقت ہاتھ نہ مارے اور حرکت اور بے قراری نہ کرے تا کہ اس کے عذاب میں کچھ تو تخفیف ہو۔

ثُمَّ فِىْ سِلْسِلَةٍ پھر اس زنجیر میں جس کا ایک حلقہ دوسرے حلقے کو ملا ہوا ہے اور اسی طرح آخر تک ذَرْعُهَا جس کی پیائش سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا ستر گز ہے' اس گز کے ساتھ جو کہ فرشتوں کے عرف میں رائج ہے جس میں سے ہر گز ستر باع ہے اور ہر باع اس مسافت کی طرح ہے جو کہ مکہ اور کوفہ کے درمیان ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہم وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے۔

فَاسْلُكُوْهُ پس اسے لپیٹو تا کہ وہ اس زنجیر کے حلقوں میں بند ہو جائے اور پاؤں اور دوسرے اعضاء بھی حرکت نہ کر سکیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ زنجیر گرمی کی شدت کی وجہ سے اس کے مقعد میں داخل ہوگی اور اس کے حلق سے باہر نکل آئے گی اور پیشانی سے اس قدم تک چپک جائے گی اور میں نے اسے اس زنجیر کے ساتھ اس لیے عذاب دیا کہ

اِنَّهٗ كَانَ بے شک وہ حوادث کے لامتناہی تسلسل کا قائل تھا اور اسباب اور مسببات

کے سلسلوں کے ملاحظہ میں لپٹا رہتا تھا اور ہر چیز کو کسی سبب کی طرف منسوب کرتا تھا اور اس سبب کو دوسرے سبب کے ساتھ اور اسی طرح آگے اور مسبب الاسباب کا سراغ نہیں لگاتا تھا اور اسی لیے تھا کہ لَا یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ ایمان نہیں لاتا تھا باعظمت خدا تعالیٰ پر جس کی عظمت ہر سبب کو نظر سے گرا دیتی ہے اور اعتبار کے مقام سے باہر کر دیتی ہے اور کیا ہی اچھا کہا گیا

اس کے اسباب بنانے سے میں سودائی ہوں
اور اس کے اسباب جلانے سے میں سوفسطائی ہوں

اور کفر کی اس شدت کے ساتھ عذاب کو کم کرنے والی کوئی چیز نہیں رکھتا تھا اس لیے کہ بدنی عبادت کا اس سے تصور نہ تھا جبکہ وہ مسبب کا قائل نہ تھا۔ پس اگر کوئی چیز اس معیار کی ہوتی جو عذاب کم کرنے میں اس کے کام آتی' یہی عبادت مالی تھی اور اسے بھی اس نے ضائع کر دیا تھا بلکہ اپنی طرف سے دینے کا کیا امکان اسے تو اپنے غیر کی طرف سے محتاجوں کو دینا بھی گوارا نہ تھا۔

وَلَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْکِیْنِ اور اپنے اہل وعیال اور خادموں کو مسکین کو کھانا کھلانے کا تاکیدی حکم نہیں دیتا تھا اور اسی وجہ سے کہ مال دینے میں بخیلی کرتا تھا ہم نے اس کے ہاتھ کو اس کی گردن کا طوق کر دیا۔

اور حضرت ابودردا انصاری رضی اللہ عنہ سے جو کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم معتمد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے حق میں فرمایا کہ میری اُمت کا حکیم ابودرداء ہے۔ منقول ہے کہ آپ اپنی اہلیہ کو حکم دیتے تھے کہ منگتوں کے لیے شوربا زیادہ پکا کر رکھنا۔ اہلیہ پوچھتیں کہ شوربا زیادہ کرنے میں کیا فائدہ ہے' کھانے کی لذت کم ہو جاتی ہے؟ آپ فرماتے کہ تو نے سنا نہیں کافر کو ایمان ترک کرنے اور منگتوں کو کھانا نہ دینے کی وجہ سے آتشی زنجیر میں عذاب دیں گے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایمان کی وجہ سے اس زنجیر کا نصف اپنے سے کاٹ دیا اور دوسرا نصف جو کہ باقی ہے' مساکین کو کھانا کھلا کر اپنے سے دُور کرتے ہیں۔

اور حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت سے دلیل لی ہے کہ کفار عبادات کے بھی مکلف اور مخاطب ہیں جس طرح وہ ایمان اور معرفت کے ساتھ مکلفہ ہیں ورنہ کافر کو اس دن گداؤں کا کھانا نہ دینے پر عذاب نہ ہوتا جبکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کافر کو عذاب ترک ایمان کی وجہ سے ہوگا لیکن اگر وہ محتاجوں کو کھانا کھلاتا تو اسے عذاب میں کچھ تخفیف ہوتی اور اس زنجیر میں گرفتار نہ ہوتا' محتاجوں کو کھلانا چھوڑنے کی وجہ سے اسے عذاب کی تخفیف حاصل نہ ہوئی' ناچار اس زنجیر میں گرفتار ہوا۔ پس یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ کافر کو مخلوقِ خدا پر احسان کرنے کی وجہ سے عذاب میں قدرے تخفیف ہوگی نہ یہ کہ اس پر بدنی یا مالی عبادت فرض اور واجب ہے۔

تو جب کافر کے عذاب کی شدت کے بیان سے فراغت ہوئی اور اس سے تخفیف کے اسباب کی نفی فرما دی اب بیان فرمایا ہے کہ عذاب اور رنج کی شدت کے باوجود دنیا میں اس کے ہلکے ہونے کا موجب دو چیزیں ہیں۔ ان میں سے ایک یار غمگسار جو کہ تکلیف کی شدت کے اوقات میں دلاسا' تسلی اور تعزیت کے ساتھ اس تکلیف کے بارگراں کو دل سے کچھ ہلکا کرتا ہے اور دوسری چیز لذیذ غذا جو کہ قوت بخشتی ہے اور اسے تناول کرنے کی وجہ سے طبیعت کی تازگی لوٹ آتی ہے اور اس رنج اور دکھ کو برداشت کرنے کی طاقت کو نئے سرے سے تازہ کرتی ہے اسی لیے مصیبت زدوں اور صدمہ پہنچے والوں کی انہیں دو طریقوں کے ساتھ امداد کرنے کا رواج ہے' ان دو چیزوں کی بھی نفی فرما دی ہے کہ

فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ پس اس کافر کے لیے اس روز نہیں ہے جس روز کی شان میں يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ وارد ہے اگرچہ اس دن کے علاوہ دنیوی دنوں میں بہت ہوں گے۔ ھٰهُنَا میدانِ حشر میں جبکہ ہر شخص اپنے حال میں گرفتار اور اپنے انجام کی فکر میں بے قرار ہوگا۔ اگرچہ جنت میں داخل ہونے اور اپنی طرف سے اطمینان اور امن حاصل ہونے کے بعد اور اپنے رشتے داروں اور دوستوں کے حال احوال پوچھے گا اور یاد کرے گا اور اگر شفاعت کے قابل پائے گا تو شفاعت کے ساتھ

ہمدردی کرے گا۔

حَمِیْمٌ کوئی رشتے دار جو کہ اس کی ہمدردی کرے اور اس کے حال سے اس کا خون گرم ہو اور اس کی غم خواری کی وجہ سے اس کافر کو قدرے راحت اور تخفیف میسر ہو۔
وَلَا طَعَامٌ اور نہ ہی کھانا جو کہ اس کی تازگی اور قوت کو واپس لوٹائے تا کہ اس عذاب کو برداشت کرنے کی طاقت لائے۔

اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنَ مگر جہنمیوں کے جلے ہوئے زخموں کا دھوون جو کہ پیپ اور زرد پانی کی صورت میں ان کے جسموں سے بہہ کر جسم کے گڑھوں میں جمع ہو گیا ہے اور بدبو اور ذائقے کی خرابی میں اس حد تک ہے کہ لَا یَاْکُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِئُوْنَ اسے کوئی نہیں کھا سکے گا مگر یہی خطا کار لوگ جن کا ایمان درست ہے نہ مخلوقِ خدا کے بارے میں کوئی احسان صادر ہوا اور وہ اس بدبودار اور بدمزہ کھانے کو بھوک کی مجبوری سے بڑی مشکل سے نگلیں گے لیکن آخر زہریلی کیفیت کی وجہ سے زیادہ بے قرار اور بے تاب ہو جائیں گے۔ پس اسے کھانے میں بھی وہ غلطی کریں گے اور اسے قوت کا موجب جان کر کھائیں گے پھر وہ عذاب کی تکلیف میں شدت پائیں گے۔ پس ان کا حال اس شخص کا سا ہے جس نے زہر ہلاہل کو خوراک کی جگہ یا یاقوت اور مفرح دوائی کے بدلے استعمال کر لیا جو کہ صریح غلطی ہے۔

اہلِ لغت یہاں ایک اعتراض رکھتے ہیں کہ لغت عرب میں غسلین دھوون کو کہتے ہیں حالانکہ جہنم میں دھوون نہیں ہوگا اور وہ مراد بھی نہیں ہے بلکہ حدیث شریف میں غسلین کی تفسیر زرد پانی' پیپ اور خون کے ساتھ کی گئی ہے تو اس میں کیا نکتہ ہے کہ زرد پانی' پیپ اور خون کو غسالہ فرمایا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پیپ' زرد پانی اور خون جب جہنمیوں کے اعضاء کو دُبلا کرنے میں تاثیر نہیں کرے گا اس لیے کہ تازہ کھال اور گوشت ان کے جسم پر دَم بدم پیدا ہوگا اس زرد پانی' پیپ اور خون نے غسالہ یعنی دھوون کا حکم پیدا کیا گویا تازہ کھال کو اس کے ساتھ دھو کر اور صاف کر کے ڈالا گیا ہے اور پہلی کھال کے گلنے کے بعد جو کہ زرد پانی بن کر ختم ہوگئی اور اس کی جگہ اس کھال کا آنا یوں

ظاہر ہوا کہ وہ جلی ہوئی کھال جسم پر ایک میل تھی جو کہ دُور ہوگئی اور اس باریکی کی رعایت بلاغت کے اعجاز کے مرتبوں سے ہے اس باریکی کا فائدہ دینے کے لیے غسلین کے لفظ کو زرد پانی اور میل کچیل کے لیے استعارہ کے طور پر لایا گیا۔

اور چونکہ سورت میں ابتدا سے لے کر اس مقام تک انہوں نے حواق کی تفصیل کو روشن گواہوں اور قطعی دلائل کے ساتھ سنا اور ظاہر ہے کہ یہ علم دنیا کے حکماء اور عقل مندوں کی سوچ سے خارج ہے اور وہ اس کا سراغ بالکل نہیں لگا سکتے تو ثابت ہوا کہ یہ کلام خداتعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق کا کلام نہیں ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ پس میں قسم نہیں اُٹھاتا اس لیے کہ قسم کی ضرورت نہیں اور خود یہ کلام اپنے حال پر عادل گواہ اور سچا شاہد ہوئی جس طرح کے کتاب الشفاء اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حکیم کا کلام ہے اور کتابِ قانون اس پر دلالت کرتی ہے کہ طبیب کا کلام ہے اور اگر تمہیں قسم کے بغیر یقین نہیں آتا تو میری قسم۔

بِمَا تُبْصِرُوْنَ اس چیز کے ساتھ ہے جو کہ تم اس کلام سے اپنی بصیرت کے ساتھ دریافت کرتے ہو لطائف اور ظاہری فوائد سے وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ اور اس چیز کے ساتھ ہے جو کہ تم اس کے لطائف اور باطنی فوائد سے اپنی بصیرت کے ساتھ دریافت نہیں کرتے ہو بلکہ تعلیم اور تنبیہہ کے محتاج ہوتے ہو اور ابھی بھی تمہاری نگاہِ عقل اسے دیکھنے میں خیرہ ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ مَا تُبْصِرُوْنَ سے مراد عالم شہادت ہے اور مَالَا تُبْصِرُوْنَ سے عالم مغیبات اور بعض نے کہا ہے کہ مَا تُبْصِرُوْنَ سے مراد وہ جو روئے زمین پر ہے اور مَالَا تُبْصِرُوْنَ وہ جو زیر زمین ہے یا مَا تُبْصِرُوْنَ سے مراد عالم اجسام ہے اور مَالَا تُبْصِرُوْنَ سے عالم ارواح۔ بعض نے عالم ارواح یا انسان اور جن اور بعض نے کہا ہے کہ مَا تُبْصِرُوْنَ سے مراد کعبہ معظمہ ہے جہاں تجلی الٰہی حس بصر کے ساتھ محسوس ہوتی ہے اور مَالَا تُبْصِرُوْنَ سے مراد بیت المعمور اور بعض نے خشکی کی مخلوق اور تری کی مخلوق پر محمول کیا ہے اور بعض نے اسے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ

اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے نزول پر موزوں کیا ہے اور اکثر صوفیہ قدس اللہ اسرارہم نے مَاتُبْصِرُوْنَ کو حضور علیہ السلام کی رسالت کے ان نشانات پر محمول کیا ہے جو کہ ظاہری معجزات سے واضح اور روشن تھے اور مَالَا تُبْصِرُوْنَ کو آپ کی ولایت کے انوار پر محمول کیا جو کہ کسی مخلوق کی بصر اور بصیرت میں نہیں سمائے اور ہر صورت میں قسم اس مضمون پر ہے کہ

اِنَّهٗ تحقیق یہ اعجاز والا قرآن جو کہ چیزوں کی حقیقتیں کھولتا ہے اور ان چیزوں پر آگاہ کرتا ہے جس کی دریافت سے عقل' خیال' وہم اور حس عاجز ہو۔ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ البتہ کسی شبہ کے بغیر خدا کی بات ہے عالی مرتبت امین رسول کی لائی ہوئی اس لیے کہ اسے خداتعالیٰ سے جبرئیل علیہ السلام لاتے ہیں اور حضرت جبرئیل علیہ السلام سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تم تک پہنچاتے ہیں اور دونوں ہی کرم' بزرگی' عدالت' دیانت اور امانت کے کمال کے ساتھ موصوف ہیں اور دنیوی ردی اغراض اور اس جہان کی رذیل طمع سے پاک اور صاف ہیں جیسا کہ تم اس آخری رسول علیہ السلام کے حالات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو اور جانتے ہو اور اس دوسرے رسول کی حالت پر خود ان کا فرشتہ ہونا بھی گواہ ہے۔ پس ان کریموں سے خداتعالیٰ پر بہتان باندھنا محال اور باطل ہے۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ اور یہ قرآن کسی شاعر کا کہا ہوا نہیں اس لیے کہ شعر کا وزن اور بحر لازم ہوتا ہے جبکہ یہ کلام وزن اور بحر بالکل نہیں رکھتا۔ نیز شاعر کے کلام کی بنیاد بے اصل تخیلات اور عالم خیال کی سیر پر ہوتی ہے جبکہ اس کلام میں حقائق و معارف کے اصول کو برہانی اور قطعی دلائل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ نیز شاعروں کا تخیل اوقات کی خصوصیتوں' گنتی اور اوقات کے تعین اور واقعات کو نفس الامری حقیقت کے مطابق بیان کرنے تک نہیں پہنچتا جبکہ اس کلام میں تم ان مضامین کو ہر جگہ سنتے ہو۔ جس طرح کہ تم نے اس سورۃ میں سنا کہ سَبْعَ لَيَالٍ وَّثَمٰنِيَةَ اَيَّامٍ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمٰنِيَةٌ اور اس کے علاوہ ثمود' عاد' فرعون' اس سے پہلوں اور الٹی ہوئی بستیوں کے حالات

میں

پس وہ جو جاہل ابوجہل بکتا ہے کہ یہ کسی ماہر فن شاعر کا مقولہ ہے جس نے اپنی بلاغت کے زور سے عاجز کر دیا' بالکل بے ہودہ گفتگو اور بکواس ہے۔

قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ تم بہت کم یقین کرتے ہو اس لیے کہ بالکل ظاہر سچائی والے امور کا بھی جہالت اور تعصب کی وجہ سے انکار کرتے ہو کیونکہ لفظ اور معنی کے اعتبار سے اس کلام کا شعر نہ ہونا نہایت ظاہر اور محسوس ہے۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ اور یہ قرآن کاہن کا کہا ہوا بھی نہیں کہ اس میں جنات مسجع اور مقفیٰ عبارت جو کہ آنے والے واقعات اور غیبی خبروں پر مشتمل ہو' کا القاء کرتے ہیں جیسے چور کو معین کرنا' نسب کو معین کرنا' دعویٰ میں مدعی کی تصدیق کرنا اور تعبیر خواب وغیرہ جیسا کہ عقبہ بن معیط کہتا تھا اس لیے کہ پہلے تو وہ کلام اعجاز پر مبنی نہیں ہوتا' جنوں میں ایک شخص جو کچھ کسی کاہن پر القاء کرتا ہے دوسرا جن بھی اسی کی مانند دوسرے کاہن پر القاء کرتا ہے جبکہ یہ کلام معجز ہے کہ کسی جن کے کلام سے مشابہت نہیں رکھتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ کاہنوں کی مسجع عبارتوں میں اکثر الفاظ صرف سجع اور قافیہ کی حفاظت کے لیے بغیر ضرورت اور بغیر فائدہ کے وارد ہوتے ہیں جبکہ اس مبنی بر اعجاز کلام میں کوئی لفظ بے کار نہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ جنوں کو مستقبل کے واقعات پر آگاہی اور انسانی علم سے وراء چیزوں کو معین کرنا' جسمانی لطافت' جہان ملائکہ سے ان کے جہان کے قرب' مختلف شکلوں میں متشکل ہونے کی قدرت اور ملائکہ کی گفتگو کو سن کر چرانے کی وجہ سے ممکن الحصول ہوا جبکہ علوم حقیقیہ' شریعتوں کے اور دنیوی قوعد کلیہ' ملک اور ملکوت کے پوشیدہ اسرار اور گزشتہ اُمتوں کے طویل واقعات پر اطلاع جنوں کے لیے حاصل کرنا کیونکہ ممکن ہو سکتا ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اس کلام میں جگہ جگہ شیطانوں کی مذمت' ان کے طریقے اور سیرت سے بچنے کی تاکید' ان جنوں کی پوجا کی بُرائی جو کہ بتوں کے اندر اپنا ٹھکانہ بنا لیتے تھے اور اپنے کو معبود ظاہر کرتے تھے اور شیطانوں کے بھائیوں کی جو کہ کاہن ہیں' مذمت

مذکور ہے اگر یہ جنوں کا کلام ہوتو لازم آئے کہ جنوں نے اپنی قباحتوں کا خود اظہار کیا ہو اور لوگوں کو اپنے سے متنفر کیا اور یہ عادتاً محال ہے۔

قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ بہت کم یاد کرتے ہو ان مقدمات کو جو تمہیں خود معلوم ہیں اور ان میں بہت کم غور کرتے ہو۔

سوال

اور یہاں تفسیر والوں کا ایک مشہور سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ شاعریت کی نفی میں قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ کیوں فرمایا گیا ہے اور کہانت کی نفی میں قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ کیوں ارشاد ہوا؟ اس سوال کا جواب دورانِ تفسیر دے دیا گیا اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تلاوت و تبلیغ قرآن مجید میں شاعریت کی نفی ایک بالکل ظاہر اور محسوس امر تھا اس کا انکار نہیں ہوسکتا مگر تصدیق کی کمی کی وجہ سے حتیٰ کہ بدیہیات میں بھی۔ جبکہ آپ سے اس کلام کے معنی میں کہانت کی نفی قدرے غور وفکر پر موقوف تھی اور اس بات کی ضرورت تھی کہ کہانت کے لوازمات اور اس کے اصل وفرع میں غور کرے اس وجہ سے اس کے انکار کو غور اور یادداشت کی قلت کے ساتھ بیان فرمایا۔ قصہ مختصر جب اعجاز والا قرآن پاک کلامِ شاعر اور کلامِ کاہن نہیں ہوسکتا تو ثابت ہوا کہ

تَنْزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ نازل کیا گیا ہے جہانوں کے پروردگار کی سے طرف کہ اس کی عام ربوبیت اس کلام کو اُتارنے کی متقاضی ہوئی تا کہ اس کے ساتھ تمام جہان والوں کو دینی اور دنیوی امور میں تربیت فرمائے۔

اور اگر کہیں کہ اس کلام کی اصل تو یقینی طور پر بشر اور جن کا کلام نہیں ہے اور اور پروردگار کی طرف سے اُتاری گئی ہے لیکن رسول نے اگر ایک دو کلمے بڑھا دیئے ہوں تو بعید نہیں اس لیے کہ دنیا کے پیغام پہنچانے والے بھی پیغام پہنچانے میں اسی قدر سے پرہیز نہیں کرتے اور اتنی مقدار پوری کلام میں ممتاز اور جدا معلوم نہیں ہوتی تا کہ سارے کلام کے اعجاز کی وجہ سے اس احتمال سے امن حاصل ہو جائے۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ دنیا کے قاصدوں کو ان کے بھیجنے

والے پیغام پہنچاتے وقت دیکھتے نہیں اور پیغام پہنچانے تک اپنے کلام کو ان کے ذہن میں باقی نہیں رکھ سکتے اس لیے زبانِ حال سے انہیں اتنے سے تصرف کی اجازت دے دیتے ہیں جبکہ یہاں رسول اور اس کا حافظہ سب بھیجنے والے کے ہاتھ میں ہے اور اس کی نگاہِ کرم میں ہے تو کیا امکان ہے کہ اسے اپنی طرف سے تصرف کی اجازت دیں۔

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا اور اگر بفرضِ محال وہ رسول اپنی فصاحت و بلاغت کی قوت سے ہم پر گھڑ کر کہے۔

بَعْضَ الْاَقَاوِيْلَ بعض باتیں جو کہ آیات کا بعض ہو اس لیے کہ اگر تمام باتوں کو یا پوری طویل آیات کو گھڑتا تو اس پر اتنی کلام میں فصیح و بلیغ لوگ معارضہ کر کے اسے ہلکا اور لاجواب کر دیتے۔

لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ البتہ ہم اسے فی الفور اس طریقے سے ہلاک فرمائیں کہ ہم اس کا دایاں ہاتھ لے لیں۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ پھر ہم تیز تلوار کے ساتھ اس کی رگِ دل کاٹ دیں کہ اس کی زندگی اسی رگ کے ساتھ ہے اور ہم اسے مہلت نہ دیں اور یہ واجب القتل شخص کی حالت کی تصویر کا طریقہ ہے کہ بادشاہ اسے اپنے سامنے سزا دیتے ہیں اور جلاد کو حکم دیتے ہیں کہ اسے قتل کرے اور دایاں ہاتھ پکڑنے کی وجہ یہ ہے کہ قتل کرنے کے وقت تلوار جلاد کے دائیں ہاتھ میں ہوتی ہے تو اگر مقتول کا بایاں ہاتھ پکڑ کر تلوار چلائے تو تلوار مقتول کی گدی پر ترچھی پڑے گی اور جب دایاں ہاتھ پکڑا ہوگا اور تلوار چلائے تو تلوار مقتول کے دل کی طرف پہنچے گی جو کہ بدن کی بائیں سمت ہے اور قتل کی مقرر جگہ ہے۔ نیز قتل کے وقت مقتول کا ہاتھ پکڑنا اس لیے ہے کہ اپنے ہاتھ کی ڈھال نہ بنائے اور دوسری ضرب کی ضرورت نہ پڑے اور اس مقصد میں دایاں ہاتھ زیادہ تر اور قوت کے ساتھ حرکت کرتا ہے تو دائیں ہاتھ کو پکڑنا چاہیے۔

اور بعض محققین نے کہا ہے کہ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ اس بات کا اشارہ ہے کہ ہم اس کے دائیں ہاتھ کو شل کر دیں تاکہ حرکت نہ کرے اور اشارے کے ساتھ افتراء اور تقول نہ کرے اور لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ اس بات کا اشارہ ہے کہ ہم اس کی نیاط قلب کو قطع

کریں اور کاٹ دیں جو کہ زبان کے متصل ایک رگ ہے اور ارادۂ دِلی کے مطابق زبان کا حرکت کرنا اس رگ کی وجہ سے ہے اور اسی لیے خفقان کے وقت جبکہ دل کو اضطراب اور بے قراری ہوتی ہے تو زبان بھی بولنے میں کانپتی ہے تاکہ افتراء اور من گھڑت بات نہ کر سکے بلکہ بولنے کی طاقت ہی نہ ہو۔

اور یہاں ایک مشکل سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر یہ شرط و جزا درست ہو اور مقدم اور تالی کے درمیان باہم لازم ہونا سچا ہو تو لازم آئے کہ خدا تعالیٰ پر بہتان باندھنے کے بعد زندہ نہ رہے حالانکہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی اور دوسرے جھوٹے مدعیانِ نبوت جیسے بے شمار بہتان باندھتے گزرے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ پر دفتروں کے دفتر بہتان باندھے ہیں حالانکہ یہ مواخذہ ان پر جاری نہ ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تقول کی ضمیر رسول کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ ہر فرد انسانی کی طرف اور اگر بفرض محال رسول (معاذ اللہ) افتراء باندھے اس کے لیے یہ دنیوی تکلیف واقع ہونا لازم ہے اس لیے کہ اس کی تصدیق معجزات کے ساتھ واقع ہوئی ہے۔ پس اگر اسے دنیا میں تکلیف نہ دیں تو ایک ایسا شبہ لازم آتا ہے جس کا رفع کرنا ممکن نہ ہو اور وہ حکمت کے منافی ہے۔ بخلاف غیر رسول کے کہ معجزہ کی تصدیق کے بغیر اس کا کلام خرافات سے زیادہ کچھ نہیں اور شک وشبہ کا مقام بالکل نہیں۔ ہاں اس کے لیے معجزہ کے ساتھ تصدیق محالات سے ہے اس شخص کی طرح جسے بادشاہ کسی خدمت پر مامور کر کے اور اپنا نشان دے کر کسی طرف بھیجتے ہیں اور وہ خدمت میں خیانت کرتا ہے یا بہتان باندھتا ہے تو اس کا فی الفور تدارک کیا جاتا ہے اور جو کوئی کسی سند کے بغیر اپنی طرف سے بہتان باندھتا ہے اس کے حال پر بالکل متوجہ نہیں ہوتے کیونکہ عقل مند لوگ اس کے فریب میں بالکل نہیں آتے اسی طرح یہاں ہے۔ قصہ مختصر اگر معجزات کے ساتھ تصدیق شدہ رسول اس قسم کا بہتان باندھے تو لازمی طور پر اس تکلیف میں گرفتار ہو۔

فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ پس تم میں سے کوئی فرقہ اور کوئی جماعت رسول سے اس تکلیف کو روکنے والا نہ ہو کہ اسے کسی حیلے اور تدبیر کے ساتھ اس مواخذے

سے بچالیں اور ہلاک نہ ہونے دیں اور لفظ احد یہاں جمع کے معنی میں ہے اسی لیے اس کی خبر میں حاجزین جمع کے صیغے کے ساتھ لائے۔ گویا ارشاد ہوتا ہے کہ جب سب کے سب مجموعی طور پر اسے ہماری سزا سے بچا نہیں سکتے تو ہر ایک علیحدہ علیحدہ اس رکاوٹ پر بطریق اولیٰ قادر نہ ہوگا۔

اور جب ثابت ہوا کہ قرآن مجید اپنے تمام الفاظ اور حروف کے ساتھ رب العالمین کی طرف سے اُتارا گیا ہے۔ پس اس کا ایک فائدہ ظاہر ہوا کہ اس کی تلاوت اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے اور اس کی ہمیشہ تلاوت کرنے کی وجہ سے ہمیشہ ذکر کرنے کی طرح دربارِ خداوندی کے ساتھ مضبوط توسل حاصل ہوتا ہے' اب اس میں جو ایک اور فائدہ ہے' بیان فرمایا جا رہا ہے۔

وَاِنَّهٗ اور تحقیق یہ قرآن مجید لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ البتہ پند' نصیحت اور یاد دِلاتا ہے متقین کو یعنی انہیں جو تقویٰ کی راہ چلتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنے مالک کی خوشنودی کے مطابق کام کریں اور اس کی ناپسندیدہ چیزوں سے اجتناب اور پرہیز کریں اور یہ قرآن پاک قانون اور دستور العمل ہے اور قرآن پاک کے یہ دونوں فائدے ایمان والوں اور تقویٰ کی راہ کا ارادہ کرنے والوں کے ساتھ خاص ہیں' تکذیب اور انکار کرنے والوں کو ان دونوں فوائد سے کچھ بھی حاصل نہیں ہے۔

وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ اور تحقیق ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض اس قرآن پاک کی تکذیب کرتے ہیں۔ پس قرآن پاک نازل کرنے میں ان دونوں فائدوں کا ہم نے صرف ان کے لیے ارادہ نہیں فرمایا ہے ہاں کافروں اور قرآن کے منکروں کے بارے میں ہم نے ایک اور فائدہ منظور نظر رکھا ہے۔ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ اور تحقیق یہ قرآن پاک کافروں پر بہت بڑی حسرت کا سبب ہوگا دنیا میں بھی اس وقت جب قرآن کے تابعین کو پے درپے امداد پہنچے اور ان کا رعب اور غلبہ روز بروز زیادہ ہو اور آخرت میں بھی اس وقت جبکہ ہر مقام اور ہر جگہ میں وہ سرخ رُو ہوں اور قرآن کے منکر ذلیل' خوار اور رسوا ہوں۔

وَاِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ اور تحقیق یہ قرآن نرا یقین ہے کہ اس میں باطل اور غلط بالکل مخلوط نہیں ہے تاکہ شک اور تردد کی جگہ ہو اور اس کے مضامین کی تصدیق نہ کرنے میں دنیا و آخرت میں کسی کا عذر سنا جائے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ پس پاکیزگی کے ساتھ اپنے پروردگار کا نام یاد کریں جو کہ نہایت باعظمت ہے تاکہ آپ کو پورا تصفیہ حاصل ہو اور قرآن کا حق الیقین آپ کے صیقل شدہ قلب مقدس میں نقش ہو جائے اور یہ قرآن پاک کا تیسرا فائدہ ہے جس کے ساتھ اہلِ تصفیہ کو خصوصیت کے ساتھ بہرہ ور فرمایا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب یہ آیت اُتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اجعلوها في ركوعكم یعنی اس تسبیح کو اپنے رکوع میں مقرر کرو۔ اور کہو سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ اور جب آیت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى نازل ہوئی تو فرمایا: اجعلوها في سجودكم ۔ یعنی اس تسبیح کو اپنے سجدے میں رکھو اور کہو کہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى اور اسی حدیث سے فراء نحوی نے استنباط کیا ہے کہ سَبِّحْ اِسْمَ رَبِّكَ کا معنی اور سَبِّحْ اِسْمِ رَبِّكَ کا معنی ایک دوسرے کو لازم ہیں اس لیے کہ اس حدیث میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ کہنے کو فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ کے حکم کی تعمیل کا موجب قرار دیا گیا جس طرح کہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہنے کو سَبِّحِ اِسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ بنایا گیا تو معلوم ہوا کہ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ میں حرف "ب" "لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ" کی طرح زائد ہے۔

جبکہ بعض باریک بین حضرات کو اس حدیث پاک کے مضمون میں ایک مشکل درپیش ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں تسبیح کو اسم رب پر واقع فرمایا ہے جبکہ حدیث شریف میں ذات رب کی تسبیح ہے نہ کہ اسم رب کی۔ پس یہ دو کلمات کہنے سے ان دو حکموں کی تعمیل کیسے ہو سکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ذات رب کی تسبیح اس کے اسماء کی تسبیح کے ضمن میں صورت پکڑتی ہے۔ پس آیت میں صورت تسبیح کا حکم ہے جو کہ مافی الضمیر کی حکایت اور مقصود کی تعبیر ہے جبکہ حدیث پاک میں اس تسبیح کی انہیں دو اسماء کے ساتھ جو کہ عظیم اور اعلیٰ ہیں

صورت کی تعلیم ہے اور ان دونوں اسماء کے ساتھ ایک اور اسم کو موصوف فرمایا ہے جو کہ رب ہے اسے اختیار فرمایا تا کہ ممکن حد تک دونوں آیات کے الفاظ کی رعایت واقع ہو۔

اور احتمال ہے کہ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ کا معنی یہ ہو کہ فَسَبِّح ذات ربك بهذا الاسم المركب من الصفة والموصوف یعنی اپنے رب کی ذات کی اس صفت اور موصوف سے مرکب نام کے ساتھ پاکیزگی بیان کرو اور سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى کا معنی بھی اس پر قیاس کرتے ہوئے یوں ہوگا اوقع التسبيح على هذا الاسم المركب من الموصوف والصفة پس حدیث شریف کے آیت کے مطابق ہونے میں کوئی مشکل نہیں رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆

سورۃ المعارج

مکی ہے اس کی چالیس آیات ہیں اور سورۃ الحاقہ کے ساتھ اس کے ربط کی وجہ یہ ہے کہ اُس سورۃ میں اوّل سے لے کر آخر تک قیامت اور دنیا و آخرت میں کافروں کے عذاب کی کیفیت کا ذکر ہے جبکہ اِس سورۃ میں کفارِ مکہ کا اس موعود عذاب کو جلد مانگنا اور اس خوف ناک اور ہولناک امر کی طلب پر ان کی جرأت کا بیان ہے۔ حالانکہ ایک تغیر عادت اور ایک آسان سی مشقت کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ پس گویا اس سورۃ میں ان لوگوں کو احمق اور جاہل ثابت کیا ہے جو کہ اس قسم کے واقعہ کو آسان سمجھ کر استہزاء کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ نیز اس سورۃ میں مذکور ہے کہ کافر خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتا اور فقیروں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے پر پابندی نہیں کرتا اور کافر کا کوئی قریبی رشتے دار قیامت کے دن اس کے کام نہیں آئے گا اور اسی مضمون کو اس سورۃ میں تفصیل کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے کہ یود المجرم لو یفتدی من عذاب یومئذ الخ اور مسلمانوں کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ والذین یصدقون یوم الدین والذین فی اموالھم حق معلوم للسائل والمحروم نیز فرمایا ہے کہ وَلَا یَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا۔

نیز اُس سورۃ میں آسمان کا پھٹنا، پہاڑوں اور زمین کا ریزہ ریزہ ہونا مذکور ہے جبکہ یہاں آسمان کا پگھلنا اور پہاڑوں کا ہوا میں اُڑنا بیان فرمایا ہے۔ نیز اُس سورۃ میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن کافر کا مال اس کے کوئی کام نہیں آئے گا اور وہ حسرت کے ساتھ کہے گا مَآ اَغْنٰی عَنِّیْ مَالِیَهْ جبکہ یہاں مذکور ہے کہ کفار کے اہل و عیال اور خویش و

اقارب اس دن ان کے بدلے کسی کام نہیں آئیں گے کہ یود المجرم لو یفتدی من عذاب یومئذ ببنیه الخ نیز اُس سورۃ میں ارشاد فرمایا ہے کہ کافروں کے عذاب کا پروگرام تقدیر میں شروع سے مختلف ہے۔ بعض کے عذاب کا سامان تین دن کی مدت میں انجام کو پہنچا جیسے قومِ ثمود اور ایک فرشتے کے فعل کے ساتھ جو کہ جبرئیل علیہ السلام تھے اور ایک روح کی تسخیر کے ساتھ جو کہ آواز اور چیخ کی روح تھی اور وہ حقیقت میں عنصر ہوا کی روح کلی کا ایک شعبہ ہے' انجام پذیر ہوا اور بعض کا عذاب آٹھ دن کی مدت میں بے شمار فرشتوں کی تدبیر کے ساتھ جو کہ حضرت میکائیل علیہ السلام اور آپ کے معاونین تھے اور ہوا کے عنصر کی روح کلی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا جیسے قومِ عاد اور بعض کو مختلف جماعتوں' فرشتوں' عناصر کی مختلف روحوں اور فضائی اور حیوانی مرکبات نے چالیس سال کی مدت میں یا ایک رات کی مدت میں یا چھ ماہ کی مدت میں عذاب دیا جیسے فرعون اور اس سے پہلے لوگ یعنی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اور موتفکات یعنی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کہ ان کے مختلف عذابوں میں مختلف افعال کی ترکیب تھی اور فرعون کو غرق کرنے میں حضرت جبرئیل' حضرت میکائیل علیہما السلام اپنے لشکروں اور معاونین سمیت شریک تھے۔

اور کبھی قحط اور پھلوں کے نقصان کے ساتھ اور کبھی طوفان' ٹڈی دل' چچڑی' مینڈک اور خون کے ساتھ اسے عذاب دیتے تھے اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو عذاب دینے میں آواز دینے والے حضرت جبرئیل علیہ السلام تھے اور آواز کی روح کی تسخیر واقع ہوئی اور صاحب ظلہ حضرت میکائیل علیہ السلام' ان کے لشکر اور ہوا اور آگ کی روح کی کی تسخیر واقع ہوئی اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو عذاب دینے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام سولہ (۱۶) دوسرے افراد کے ساتھ شریک تھے اور گندھک کی کان کی روح' ہوا کی روح اور زمین کی روح سب درکار ہوئیں اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو عذاب دینے میں حضرت میکائیل علیہ السلام نے اپنے لشکر اور معاونین کے ساتھ شریک ہو کر پانی کی روح کی تسخیر اثر کرنے کو فرمائی اور ہوا کی روح کی تسخیر اثر قبول کرنے کو اور فضا کی

کائنات کو پانی کے استحالہ کے لیے مسخر فرمایا اور زمین کی روح کو چشمے جاری کرنے کے لیے اور خشکی کے وحشی جانوروں' درندوں اور کیڑوں مکوڑوں کو کشتی میں سوار کرنے کے لیے اور اس لیے کہ اپنے طبعی تقاضوں سے رُک جائیں اور کسی کو تکلیف نہ دیں' مسخر فرمایا اسی لیے ان اقوام کے بارے میں فرمایا ہے کہ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً

جبکہ یہاں ارشاد فرمایا ہے کہ قیامت کے موعود عذاب میں تمام فرشتوں اور عالم بالا و پست کے گونا گوں جہانوں کی تمام ارواح کی خدمت کی ضرورت ہے اور اس عذاب کا کام سرانجام دینے کی ابتدا صور پھونکنے کی ابتدا سے لے کر جہنمیوں کے جہنم میں جاگزیں ہونے تک پچاس ہزار سال کی مدت میں ہوگی۔ پس اس عذاب کو فی الفور مانگنا انتہائی بے وقوفی اور اس عذاب کی حقیقت سے ناواقفیت کے باعث ہے۔ نیز معارجِ الٰہیہ سے جہالت کی علامت ہے جو کہ مخلوقات اور زمانوں میں عمدہ تدبیرات کو پورا کرنے سے عبارت ہے۔

سورۃ المعارج کی وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کا سورۃ المعارج نام رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سورۃ میں حضرت حق جل جلالہ کو ذی المعارج کی صفت سے موصوف کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے معارج میں سے ایک کو ذکر فرمایا کہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ اور اس صفت کی حقیقت جیسا کہ چاہیے ایک تفصیل کے بغیر جو کہ کچھ طوالت رکھتی ہے' دل میں جاگزیں نہیں ہوسکتی۔ پس پہلے تو جاننا چاہیے کہ ہر چیز کے عروج کا معنی یہ ہے کہ اپنے مقام کی انتہا تک پہنچ جائے اور چونکہ اللہ تعالیٰ سب غایتوں کی غایت ہے۔ پس ہر چیز کا اپنے مقام کی انتہا کو پہنچنا بالکل اس کی طرف عروج ہے۔

افعال وتاثیرات الٰہیہ کے وسائط ظہور

پھر جاننا چاہیے کہ جہان میں اللہ تعالیٰ کے افعال اور تاثیرات تین چیزوں کے واسطے سے ظہور پذیر ہیں۔ پہلی چیز ملائکہ' دوسری چیز ارواح جو کہ ہر مخلوق کو خوب جاننے

والے جوہر سے عبارت ہے اور اس مخلوق کی نوعی صورت اس کی محکوم ہے' تیسری چیز ارادہ والی مخلوق انسان' حیوان' شیاطین اور جن کے نفوس ہیں۔ پس جو کچھ فرشتوں اور ارواح کے واسطے سے ہے' حضرت حق جل مجدہ کی طرف بلاواسطہ منسوب ہے اس لیے کہ ان دونوں قسموں میں وہم' شہوت اور غضب پیدا نہیں کیا گیا جو کچھ ہے' نری عقل ہے جو کہ کسی مقابلہ کرنے والے اور روکنے والے کے بغیر عالم بالا کے تقاضوں کو برداشت کرتی ہے اور اس کے مطابق چلتی ہے اور جو کچھ ارادہ والی مخلوق حیوان' انسان' جن اور شیاطین کے نفوس کے واسطے سے ہے' حضرت حق کے ساتھ بلاواسطہ منسوب نہیں ہے اس لیے کہ اس میں وہم' شہوت اور غضب کا دخل ہے ہاں افرادِ انسانی میں سے بعض جیسے حضرت خضر علیہ السلام اور دوسرے اسبابِ الٰہیہ جو کہ صرف احکامِ خداوندی کو برداشت کرنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں' ان کا حال فرشتوں اور روحوں کے حال کی طرح ہے۔

پھر جاننا چاہیے کہ جب بھی جہان میں کوئی امر واقع ہوتا ہے' فرشتے اور روحیں اس کام کو پورا کرنے اور اس مہم کی تدبیر میں جدا جدا یا اجتماعی ترکیبی صورت میں شریک ہوتے ہیں اور اس کے مقدمات اور ارہاصات سے لے کر مقصود حاصل ہونے تک اس میں مصروف رہتے ہیں اور جب مقصد حاصل ہو جاتا ہے انہیں اپنے مبدء کی طرف عروج کی شکل میں رجوع حاصل ہوتا ہے اس جہت سے کہ انہوں نے اپنی بعض چھپی ہوئی صلاحیتوں کو عمل میں بدل دیا اور انہیں کمال کی ایک قسم نصیب ہوئی اور یہ عروج کی شکل میں رجوع بالکل انسانی حواس اور قوتوں کے رجوع کی طرح ہے جو کہ عمدہ مقاصد میں سے کسی مقصد کو حاصل کرنے کی لذت کو پورے طور پر حاصل کرنے کے بعد ہوتا ہے تاکہ اپنی استعداد کی وسعت کو اپنے مالک کے حضور پیش کریں اور دوسرے تقاضا کو برداشت کرنے کے مستحق ہوں۔

اور جب یہ تینوں چیزیں معلوم ہوگئیں تو معارجِ الٰہیہ جہان میں اس کی تدبیروں کو پورا کرنے کا نام ہے اور وہ تدبیریں مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض ایک آن کے اندازے میں انجام پذیر ہوتی ہیں جیسا کہ منقول ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ پسندیدہ قطعہ زمین کے متعلق پوچھا اور وہ فی الفور عروج کر کے جواب لائے کہ احب البقاع الی اللہ مساجدھا یعنی سب سے پسندیدہ قطعۂ زمین مسجدیں ہیں اور ان میں سے بعض ایک دن کے اندازے میں صورت پکڑتی ہیں جیسا کہ افرادِ بشر کے پاس باری باری آنے والے فرشتوں کا صبح سے عصر اور عصر سے دوسری صبح تک ان کی حفاظت پورا کرنے کے بعد عروج ہمیشہ واقع ہے اور ان میں سے بعض تین دن اور چار دن کے عرصے میں پوری ہوتی ہیں جیسے پیر اور جمعرات کے دن اعمال کا پیش کرنا اور ان میں سے بعض ایک ہفتے کی مدت میں' ایک ماہ کی مدت میں اور ایک سال کی مدت میں انجام پاتی ہیں' ان فرشتوں کی طرح جنہیں ایک سال کی روزی اموات اور واقعات سپرد کیے جاتے ہیں جو کہ لیلۃ السراءت میں عروج کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

یہاں تک کہ بعض عمدہ تدبیرات جو کہ طویل حکومتوں نے گزرنے اور باقی ملتوں کے منقطع ہونے کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں' ایک ہزار سال کی مدت میں عروج کرتی ہیں جیسا کہ سورۃ الم السجدہ میں مذکور ہے اور اس عروج میں انسان کی معلومات میں سب سے زیادہ طویل مدت قیامت کے واقعات کی تدبیر کی مدت ہے جو کہ پہلے صور پھونکنے کی ابتدا سے لے کر جنتیوں کے جنت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں جاگزیں ہونے تک پچاس ہزار سال ہوگی اور تمام ملائکہ اور مخلوقات کی تمام اقسام کی روحیں اس میں شریک ہوں گی اور اس قدر مدت کے گزر جانے کے بعد یہ عظیم کام سرانجام دے کر عروج کریں گی۔

حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قیامِ قیامت کی ابتدا سے لے کر جنتیوں اور دوزخیوں کے اپنے مکانات میں جاگزیں ہونے تک پچاس واقعات رونما ہوں گے اور ہر واقعہ اپنی ابتدا سے انتہا تک دنیا کے ہزار سال کے اندازے کے مطابق رہے گا۔ پس قیامت کا پورا دن پچاس ہزار سال ہے اور صحیح مرفوع احادیث میں اس دن کا اندازہ اس مدت کے ساتھ مشہور و متواتر ہے اور وہ جو سورۃ الم السجدہ میں مذکور ہے

کہ امر کی تدبیر اس کی ابتدا سے اس کے کارخانہ خدائی میں عروج تک ایک ہزار سال کی مدت میں ہے تو اس سے اور تدبیرات مراد ہیں جو کہ دنیا میں واقع ہوتی ہیں جیسے حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اپنی قوم کو طوفان سے ڈرانے کے لیے یہاں تک کہ طوفان سے فارغ ہوئے کہ یہ ایک ہزار سال مدت تھی اور جیسے سلطنت اسلام کی قوت اور شوکت جو کہ پانچ سو سال تک عربوں کے ہاتھوں میں رہی اور دوسرے پانچ سو سال تک ترکوں کے ہاتھوں میں رہی اور اس کے بعد دونوں کے ہاتھوں سے نکل گئی اور ہندوؤں اور فرنگیوں نے مداخلت کی اور اسلام کو کمزور کیا۔

قصہ مختصر تدبیراتِ الٰہیہ کا عروج ایک سال اور ایک مدت میں منحصر نہیں ہے' اللہ تعالٰی کے کارخانوں کی عظمت کو بیان کرنے کے لیے کبھی ان تدبیرات کے متعلق ذکر ہوتا ہے کہ ہزار سال کی مدت میں پوری ہوں گی اور کبھی ان تدبیرات کے متعلق ذکر ہوتا ہے کہ پچاس ہزار سال کی مدت میں انجام پذیر ہوتی ہیں۔

اور ابو مسلم اصفہانی نے اپنی تفسیر میں کہا ہے کہ جہان کی خلقت سے لے کر قیامت آنے تک پچاس ہزار سال کی مدت ہے کہ اس جہان سے متعلق فرشتے اور ارواح اس کے بعد اپنے کاموں سے فارغ ہو کر عروج کریں گے جبکہ دوسرے فرشتے اور ارواح ان کی جگہ مقرر ہو کر آخرت کے کاموں میں مشغول ہوں گے اور جب کسی کو معلوم نہیں کہ خلقت عالم کی ابتدا سے لے کر کس قدر وقت گزر چکا اور کس قدر باقی ہے' قیامت کا علم حاصل نہیں ہو سکتا لیکن فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ کے الفاظ میں تفسیر سے انکار کرتے ہیں کیونکہ ایسی صورت میں مناسب یوں تھا کہ تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَیْهِ بَعْدَ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ فرمایا جاتا۔ نیز تخلیق کی ابتدا سے لے کر قیامت قائم ہونے تک کی اس مدت کے تعین میں کوئی صحیح سند چاہیے اور وہ نہیں ملتی۔

اور صوفیاء میں سے بعض نے لکھا ہے کہ معارج سے مراد ترقی کے درجات ہیں' مقامِ طبیعت سے مقامِ معدنیات تک کہ اعتدال کے ساتھ نزدیک ہوتا ہے اور وہاں سے مقامِ نبات تک اور وہاں سے حیوان اور انسان کے مقام تک بترتیب دیئے گئے انسانی

مقامات میں پھر منازل سلوک میں جو کہ انتباہ اور بے داری ہے' سلوک کی آخری منزل اور دل کے آخری چشمے تک۔ پھر فنا کے درجات میں ترقی یہاں تک کہ فنافی الصفات تک نوبت پہنچے اور کثرت میں اس کی انتہا نہیں ہے اور ہر ترقی میں فرشتوں اور انسانی خدمت کے ساتھ متعلق ارواح کو انسان کے تابع ہو کر ایک عروج حاصل ہوتا ہے۔ پس فِیْ یَوْمٍ کَانَ مِقْدَارُہٗ خَمْسِیْنَ اَلْفَ سَنَةٍ کا معنی یہ ہے کہ اگر اس عروج کو ظاہر میں اپنی حرکت پر قیاس کریں تو اس کے لیے اتنی مدت کا اندازہ چاہیے تا کہ انتہا کو پہنچے۔

اور وہب بن منبہ نے کہا ہے کہ جہان کے سب سے نچلے حصے سے لے کر عرشِ عظیم کے کنگرے کی اوپر کی سطح تک پچاس ہزار سال کی مسافت ہے اور آسمان دنیا کی اوپر کی سطح سے زمین تک ایک ہزار سال کی مسافت ہے اس لیے کہ آسمان دنیا اور زمین کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور آسمان دنیا کا حجم پانچ سو سال کی مسافت ہے تو سورۃ الم السجدہ میں اس تدبیر کا بیان ہے جو کہ آسمان دنیا سے زمین تک پہنچتی ہے جبکہ یہاں اس تدبیر کا بیان ہے جو کہ عرش سے اس جہان کے نچلے حصے تک پہنچتی ہے اور سورۃ الم السجدہ میں نزول اور عروج کے مجموعی زمانے کا اعتبار کریں جیسا کلام کے انداز سے ظاہر یہی ہے تو آسمان دنیا کی نچلی سطح سے زمین تک اُترتے چڑھتے ایک ہزار سال کی مسافت حاصل ہوتی ہے۔

قصہ مختصر خواہ حسی درجات مراد ہوں' خواہ معنوی دونوں میں اس قدر مدت انسانی ذہنوں میں سما سکتی ہے لہٰذا یہاں اس مدت کو یاد فرمایا ہے اور غرض یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر تدبیر نزول و عروج کے طور پر اسی قدر مدت میں منحصر ہوتی ہے تا کہ کوئی اعتراض پیش آئے اور اس سے جو سورۃ الم السجدہ میں ہے' کوئی ٹکراؤ پیدا ہو۔

اور اس سورۃ کا سبب نزول یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ نے روایت فرمائی ہے کہ نضر بن الحارث' ابوجہل اور دوسرے کافر سردارانِ قریش خانہ کعبہ کے قریب آئے اور ملائکہ کی آماجگاہ اس گھر کے پردوں کو پکڑ کر ان میں سے بعض نے کہا کہ بارِ خدایا! اگر محمد (علیہ السلام) کا دین برحق ہے تو ہم پر پتھر برسا یا کوئی اور عذاب نازل کر

اور بعض نے کہا ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گراتا کہ ہمیں قیامت کے عذاب کا یقین حاصل ہو جائے۔ حضور علیہ السلام ان کے اس مذاق کو سُن کر بہت دل تنگ ہوئے اور یہ سورۃ نازل ہوئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سَاَلَ سَآئِلٌ

درخواست کرنے والے نے درخواست کی

یہاں جاننا چاہیے کہ لغت عرب میں سوال دو معنوں میں آتا ہے' ایک استفسار اور پوچھنے کے معنی میں اور اس کے صلے میں حرف عن لاتے ہیں' دوسرا درخواست اور طلب کے معنی میں اور اس کے ضمن میں دعا اور اہتمام کا مفہوم دیکھتے ہوئے اس کے صلہ میں کبھی حرف ب لاتے ہیں اور یہاں اسی معنی میں ہے اسی لیے

بِعَذَابٍ اہتمام کر کے بعذاب فرمایا ہے نہ کہ عن عذاب اور فن بلاغت سے بعض ناواقف لوگوں نے اس ترکیب میں ایک اعتراض کیا ہے کہ درخواست نہیں کرتا مگر درخواست کرنے والا' تو سئل کے بعد سائل کا ذکر فائدہ سے خالی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سائل لفظ سئل سے التزاماً سمجھ آتا ہے اور لفظ سائل سے مطابقت کے طور پر سمجھ میں آتا ہے تو اس ترکیب میں ابہام جمع بین المثلین ہے جو کہ بلاغت کے عمدہ فنون میں سے ہے پھر اس بات پر نظر کرتے ہوئے کہ سائل متعین نہیں ہے' لفظ سائل میں ایک ابہام ہے اور اس بات پر نظر کرتے ہوئے کہ فاعل موجود ہے' ایک تعین ہے۔ پس اس ترکیب میں ابہام جمع بین المتقابلین بھی ہوا۔ نیز سائل کو نکرہ لانے میں بزرگی اور عظمت کی رعایت بھی ہے کہ کفر' عناد اور استہزاء میں اونچے مرتبے کو پہنچا ہوا اور تحقیر بھی ہے کہ عقل اور بصیرت سے کوئی حصہ نہیں رکھتا کہ اس قسم کا سوال کرتا ہے۔ پس اس ترکیب میں ابہام جمع بین الضدین بھی ہوا اور ہر صورت میں فاعل کو اس طریقے سے ذکر کرنا کہ تعین کا فائدہ نہ دے اور فعل کے لفظ سے جو کچھ التزاماً سمجھ آتا ہے اس سے بطریق صراحت سمجھ آئے' ایک نکتے کی بناء پر ہے جو کہ بلغاء کے نزدیک بہت معتبر ہے اور وہ نکتہ اس بات کو جتلانا ہے کہ یہ سوال ایک ایسے شخص کی طرف سے واقع ہوا

https://ataunnabi.blogspot.com/

حالات دیکھنے کے باوجود اپنی شدید پریشانی اور اپنے افکار میں گرفتاری کی وجہ سے ان کی پرواہ نہیں کریں گے اور مہربانی نہیں کریں گے بلکہ تمنا کریں گے کہ اے کاش! ہمارے بدلے انہیں کو ہی عذاب دیں۔

يَوَدُّ الْمُجْرِمُ گنہگار آرزو کرے گا لَوْ يَفْتَدِيْ مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ کاش کہ اس دن کے عذاب کے عوض میں دے دے۔ بِبَنِيْهِ اپنے بیٹوں کو جیسا کہ دنیا میں اپنے عوض یرغمال دے کر قید سے خلاصی پاتا تھا۔

وَصَاحِبَتِهٖ اور اپنی عورت کو جو کہ اس کا ناموس ہے اور یرغمال میں اس کا دینا بہت ناگوار اور بھاری ہے۔ وَاَخِيْهِ اور اپنے بھائی کو جو کہ اس کے برابر ہے اور اس کا اتنا محکوم نہیں ہے۔

وَفَصِيْلَتِهِ الَّتِيْ تُؤْوِيْهِ اور اپنے سارے خاندان کو جو اسے اپنے پاس اس وقت جگہ دیتا تھا جب کہ وہ کوئی گناہ کر کے بھاگ کر ان کے پاس آتا تھا۔ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا اور ان سب کو جو کہ زمین میں ہیں۔

ثُمَّ يُنْجِيْهِ پھر اپنے آپ کو نجات دے۔ جاننا چاہیے کہ اس آیت میں بیٹوں کو عورت پر عورت کو بھائی پر بھائی کو باقی قریبوں پر اور قریبوں کو اجنبیوں پر مقدم فرمایا ہے جبکہ سورۃ عبس میں بھائی کو ماں باپ پر ماں باپ کو عورت پر اور عورت کو بیٹے پر مقدم کیا گیا اس طرز کو بدلنے میں نکتہ یہ ہے کہ سورۃ عبس میں فرار ہونے کا ذکر ہے اور آدمی فرار کے وقت پہلے اسے چھوڑتا ہے جس کی محبت قدرے کم رکھتا ہو۔ پس اس سورۃ میں ترتیب مذکور مناسب ہے جبکہ اس سورۃ میں اپنا فدیہ اور عوض دینا مذکور ہے اور آدمی یرغمال دینے کے وقت اس شخص کو مقدم کرتا ہے جو کہ اس کے حکم اور فرمان میں ہے۔ پس اس باب میں بیٹا عورت پر مقدم ہے اور عورت بھائی پر بھائی دوسرے قریبوں پر اور قریبی اجنبیوں پر۔

كَلَّا یہ باطل آرزو نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ اِنَّهَا تحقیق وہ عذاب جو کہ اس دن ہے اور ضمیر کو خبر کی تانیث کی رعایت کرتے ہوئے مؤنث لایا گیا ہے۔ لَظٰى ایک آگ ہے جلانے والی اور شعلہ بار اور فدیہ قبول نہیں کرتی کیونکہ فدیہ قبول کرنا ذی شعور کا خاصہ

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

ہے اور وہ آگ اس عوض اور بدل لینے کا شعور نہیں رکھتی۔ ہاں اس سے عقل والوں کے کام صادر ہوتے ہیں اس حالت میں کہ

نَزَّاعَةً لِّلشَّوٰی جسم کے چمڑے کو جلا کر کھینچ لیتی ہے اور چمڑے سے اندرونی حصہ کو پوری طرح نہیں جلاتی تا کہ ہلاکت تک نہ پہنچائے اور چمڑے کے بدلنے سے جلن کی تکلیف دَم بدم بڑھے اور زیادہ ہو۔ نیز ایک اور عقل والا کام یہ کرتی ہے۔

تَدْعُوْا بلند آواز اور فصیح زبان کے ساتھ بلاتی ہے کہ الیّ یا کافر الیّ یامنافق الیّ یاجامع المال اے کافر! اے منافق! اے مال جمع کرنے والے! میری طرف آ۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور وہ اس بلانے اور نام لینے میں خاص کرتی ہے۔

مَنْ اَدْبَرَ اسے جس نے راہِ حق کو پشت کی تھی' حضرت رسول کریم علیہ السلام کی نافرمانی اور مخالفت کر کے۔ وَتَوَلّٰی اور ایمان سے روگردانی کی تھی۔ وَجَمَعَ اور مال جمع کیا تھا ہر حلال' حرام' شبہ' مکروہ کی جگہ کی تمیز اور فرق کیے بغیر۔ پس اس مال کو حاصل کرنے کے وقت دوزخ کے عذاب کا مستحق ہو گیا تھا۔ فَاَوْعٰی پس اس مال کو جمع کرنے کے بعد برتن میں ڈال کر سنبھال رکھا اور اپنے اوپر واجب حقوق خواہ خدا کا حق تھا' خواہ قرض خواہ' نوکر' مزدور' غلام' لونڈی' مہمان' گدا' عورت' بیٹا' بھائی' بہن' باپ اور ماں کا حق اس مال سے ادا نہ کیا۔ پس اس مال کو خرچ کرنے میں بھی دوزخ کے عذاب کا مستحق ہوا۔

تو جب معلوم ہو گیا کہ اس آگ کو دو کاموں کی طلب ہے' ایک بدن کے چمڑوں کو جلانا نہ کہ باپ' بیٹا' عورت اور بھائی کی گرفتاری کے ساتھ دِلوں کو جلانا' دوسرا چُن کر اور منتخب کر کے روگردانی کرنے والوں' پیٹھ پھیرنے والوں' مال جمع کرنے والوں اور حقوق کو روکنے والوں کو بلاتی ہے اور چاہتی ہے پس اس سے فدیہ قبول کرنے کی آرزو کیسے کی جا سکتی ہے اس لیے کہ اگر اس شخص کے بدلے کسی اور کو قبول کرے تو اس شخص کے بدن کو جلانا جو کہ اس کا مطلوب ہے' کیسے حاصل ہو؟ گو اس شخص کا دل اپنے قریبیوں کے عذاب کی وجہ سے جلے۔ نیز اس گناہگار آدمی کے قریبی اگر روگردانی کرنے والوں' پیٹھ پھیرنے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

https://ataunnabi.blogspot.com/

والوں' مال جمع کرنے والوں اور حقوق کو روکنے والوں کے گروہ میں سے ہیں تو وہ آگ خود ان کی طالب ہے' انہیں نہیں چھوڑے گی اس شخص کا انہیں اپنے بدل میں دینے کا تصور ہی نہیں ہے کہ یہ گناہگار کو گناہگار کے بدلے میں دینا ہے اور اگر وہ اس گروہ میں سے نہیں ہیں تو وہ آگ انہیں قبول نہیں کرتی کہ اس کی غرض اسی گروہ کے ساتھ وابستہ ہے اور اس شخص کا انہیں اپنے بدل میں دینا گھوڑے کو چارے اور جو کے عوض بیش قیمت جواہرات دینے کے قبیلے سے ہے کہ وہ ہرگز قبول نہیں کرتا۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جب دوزخ کی آگ کافروں اور منافقوں کو نام لے لے کر پکارے گی' وہ بھاگ جائیں گے۔ ایک لمبی گردن آگ سے باہر آئے گی اور دو سو سال کے فاصلے تک کافروں اور منافقوں کو چُن کر اُٹھائے گی جس طرح جانور اپنی چونچ سے دانہ چنتا ہے اور اگر کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ اس صورت میں دوزخ کی آگ اکثر لوگوں کے درپے نہیں ہوگی اس لیے کہ یہ چاروں صفات جو کہ دوزخ کی آگ کو مطلوب ہیں' کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں' ہم کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے اس لیے کہ عبادت بدنی کو پس پشت ڈالنا' رسل علیہم السلام اور قرآن پاک کے احکام سے روگردانی اگرچہ کم ہے اور فطرتِ سلیمہ کے خلاف ہے لیکن مال جمع کرنا اور حقوق کو روکنا بہت زیادہ ہے اس لیے کہ

اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا تحقیق انسان اپنی جبلت کے مطابق بے صبر اور حریص پیدا کیا گیا ہے اور لغت عرب میں ہلوع اس شخص کو کہتے ہیں جو بے صبر بھی ہو اور شدید الحرص بھی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس لفظ کا معنی پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اس لفظ کی تفسیر خود فرمائی ہے کہ فرمایا ہے

اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعًا جب اسے فقر' بیماری اور دوسری تکالیف کی قسم کی بدی پہنچتی ہے تو حد درجہ بے چینی اور بے قراری کرتا ہے' بخلاف دوسرے حیوانات کے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی ادراک قوی ہے اور اس کی فکر دُور دُور تک پہنچتی ہے اور ہر بدی کی مکروہ اور دردناک وجوہات کو گہرے غور و فکر سے دریافت کرتا ہے اور اس کے دُور کے

Click For More Books
https://archive.org/details/@zohaibhasanattari

لوازمات اور بعد کے نتائج کو دُور سے دیکھ لیتا ہے اور وہم کے غلبے کی وجہ سے ان سب کو واقع سمجھتا ہے اور بے قراری کی کیفیت سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ نیز اس بدی کو دُور کرنے کے لیے قسم قسم کے حیلے اور تدبیریں اس کے دل میں آتی ہیں اور ان میں سے کسی پر پختگی نہیں کرتا۔ پس ایک تدبیر سے دوسری تدبیر کی طرف منتقل ہوتا ہے اور اس منتقل ہونے میں اسے شدید بے قراری پیش آتی ہے کہ ابھی پہلی تدبیر کو پورا نہیں کر پایا کہ دوسری تدبیر کی فکر لگ جاتی ہے۔

وَاِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوْعًا اور جب اسے دولت، مرتبہ اور دیگر منفعتوں کی قسم کی اچھائی پہنچتی ہے تو انتہائی بخیل ہو جاتا ہے اور اس بات کا روادار نہیں ہوتا کہ دوسرے تک پہنچے اور جب اللہ تعالیٰ مختلف سمتوں سے اس پر ترقی کے دروازے کھول دیتا ہے، اسے ہر نعمت اور ہر ترقی کی حفاظت پیش نظر ہو جاتی ہے تا کہ دوسرے تک نہ پہنچے اور میری نسل اور خاندان میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باقی رہے اور اس وجہ سے اس کا روکنا اور بخل کرنا ہر روز بڑھتا ہے اور یہ بھی اس کی عقل مندی اور ذہانت کے کمال سے ہے کہ ہر نعمت کی منفعت کی وجوہات پورے غور سے دریافت کرتا ہے اور دُور کے لوازمات اور مخفی خاصیتوں کو دُور سے سمجھ لیتا ہے اور ان میں پوری رغبت بہم پہنچاتا ہے اور ہر ایک کو وہم کے غلبے کی وجہ سے واقع سمجھتا ہے اور اس نعمت کے ساتھ اپنی انفرادیت کے حیلوں اور تدبیروں کو بھی غور و فکر کے ساتھ دُور دُور سے لاتا ہے اور ان سب کے در پے رہتا ہے اور یہ دونوں صفات جو کہ بے صبری اور حرص کی شدت ہے، زیادہ تر عبادات اور طاعات کو پس پشت ڈالنے اور رسل علیہم السلام اور قرآن پاک سے روگردانی کرنے کا موجب ہوتی ہیں۔

دوزخ آٹھ گروہوں کے سوا سب لوگوں کو بُلاتی ہے

پس دوزخ کے بُلاوے کے لائق سبھی لوگ ہیں کہ اس کی دعوت کی استعداد ان کی اصل جبلت میں موجود ہے مگر آٹھ گروہوں کو دوزخ نہیں بُلاتی اس لیے ان آٹھ گروہوں کو جنت اپنے آٹھ دروازوں سے بُلاتی ہے اگر انہیں دوزخ بھی بُلائے تو جنت کے

ساتھ باہمی جھگڑا اور اختلاف لازم آئے جبکہ دوزخ اور جنت ایک مالک کے غلام اور باہم صلح وسلامتی کے ساتھ ہیں' ان کے درمیان جھگڑے اور اختلاف کا تصور نہیں ہے اور ان آٹھ گروہوں کی تفصیل یہ ہے:

اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَآئِمُوْنَ مگر وہ نمازی حضرات جو کہ اپنی نماز پر ہمیشگی کرتے ہیں اور ان کا یہ فعل اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بے صبر اور شدید الحرص پیدا نہیں ہوئے ہیں ورنہ پانچ اوقات میں نماز ادا کرنے پر صبر نہ کرتے اور چونکہ وہ دن رات میں اپنے مالک کے حضور پانچ وقت حاضر ہوتے ہیں تو ان سے اس بات کا امکان کیسے ہے کہ اپنے مال کو اس کی نذر سے اور اسے پیش کرنے سے روکیں یا انہیں نہ دیں جن کا خرچ اللہ تعالیٰ نے ان پر مقرر فرمایا ہے اور انہیں حرص کی شدت حقوق کو روکنے کے مقام تک پہنچا دے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ نماز ادا کرنے والوں کو ان آیات میں ان آٹھ گروہوں میں سب سے پہلے ذکر فرمایا گیا جبکہ کلام کو ختم بھی اس گروہ پر فرمایا گیا۔ بظاہر تکرار معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت چند وجوہ کی بناء پر تکرار نہیں ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے جو کہ معتبر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں' پوچھا تھا کہ نماز پر دوام سے کیا مراد ہے؟ اس لیے کہ آدمی کی طاقت سے باہر ہے کہ ہمیشہ نماز میں رہے؟ آپ نے فرمایا کہ نماز پر ہمیشگی سے مراد یہ ہے کہ اس میں آنکھ کی توجہ دائیں بائیں نہ ہو اور اس میں یادِ خدا کے بغیر دل کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہ ہو اور ظاہر ہے کہ نماز کی حفاظت جو کہ آیات کے آخر میں ہے' سے مراد نماز کی عظمت کا اہتمام' شرائط و آداب کی رعایت' وقت سے پہلے وضو' ستر عورت اور طلب قبلہ کا مہیا ہونا ہے تا کہ جب نماز کا وقت آئے تو دل ان شرائط کو حاصل کرنے کے ساتھ متعلق نہ رہے اور حالتِ نماز میں خشوع کی رعایت کرنا' دنیوی امور کو یاد کرنے سے پرہیز کرنا اور نماز کو تمام سنتوں اور آداب کے ساتھ بجالانا ہے اور نماز کے بعد لغویات اور نماز کے منافی تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے اور یہ چیزیں متوجہ نہ ہونے کے علاوہ ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مداومت یعنی ہمیشگی سے مراد پانچ وقت کی نماز کو پابندی سے پڑھنا ہے اور ایک وقت کا بھی ناغہ نہ کرنا جبکہ محافظت سے مراد دوسرے امور ہیں جن کا ذکر ہو چکا جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس نماز سے مراد فرضی نماز ہے اور آخری آیت میں مذکور نماز سے مراد نفلی نمازیں ہیں جیسے مؤکدہ سنتیں' چاشت' اشراق' زوال کے بعد اور تہجد کے نوافل جیسا کہ حضرت امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

وَالَّذِيْنَ فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ اور وہ لوگ جن کے اموال کی سب اقسام نقدی' زراعت سے حاصل شدہ پیداوار' مویشی' مالِ تجارت اور غلاموں میں حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ایک مقرر اور معین کیا ہوا حق ہے جو کہ زکوٰۃ' صدقہ فطر اور واجب اخراجات ہیں یا دوسرا حق جو کہ انہوں نے اپنی طرف سے مال کی ہر جنس پر مقرر کیا ہے۔

لِّلسَّآئِلِ سوال کرنے والے کے لیے کہ جسے شرعی طور پر مانگنے کا حق ہے جیسے بیوی' بیٹا' غلام' کنیز' دوسرے قریبی رشتے دار' قرض خواہ اور مہمان جو کہ لوگوں کے سامنے اور کچہریوں میں بے جھجک اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔

وَالْمَحْرُوْمِ اور اس شخص کے لیے جو کہ محروم ہے اور اسے مانگنا شرعی طور پر منع ہوا جیسے مساکین' یتیم اور محتاج جو کہ مطالبہ نہیں رکھتے اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ سائل وہ آدمی ہے جو کہ اپنی حاجت کا اظہار کرتا ہے اور محروم ہر بے زبان جانور ہے اور بعض نے کہا ہے کہ سائل گلی کوچوں میں پھرنے والا منگتا ہے جبکہ محروم وہ مفلس خانہ نشین آدمی جو کہ کسی کے سامنے اپنی حاجت کا اظہار نہیں کرتا اور لوگ اسے امیر سمجھتے ہیں اور اس وجہ سے خیرات ملنے سے محروم رہتا ہے اور بعض نے کہا کہ محروم وہ بدنصیب ہے جس کی روزی کے اسباب برباد ہو گئے' کسی طرح سے بھی روزی نہیں کما سکتا یا وہ تاجر جس کے سرمایہ میں بہت سا نقصان ہو گیا یا اس کا مال لٹ گیا اور اگرچہ محروم صدقہ دینے میں سائل سے پہلے ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے لیس المسکین الذی یردہ الاکلۃ والا کلتان والثمرۃ والثمرتان ولکن المسکین الذی لایجد غناً یغنیہ ولا یسئل

الناس فیتصدق علیه یعنی وہ منگتا جسے دینا بہت ثواب رکھتا ہے' وہ منگتا نہیں جو کہ ایک لقمہ یا دو لقمہ کی خاطر در بدر پھرتا ہے بلکہ یہ وہ ہے جو کہ ضروریات نہیں رکھتا اور کسی کے سامنے سوال نہیں کرتا تا کہ کوئی اس کی ضرورت معلوم کر کے اسے کوئی چیز عطا کرے۔ پس اس قسم کے منگتے کو دینا ثواب کا زیادہ موجب ہے لیکن اس آیت میں سائل کو محروم پر اس بناء پر مقدم فرمایا گیا ہے کہ واقع میں ہوتا یہی ہے اس لیے کہ صدقات کی تقسیم کے وقت انسان اس منگتے کو جو بلند آواز سے اپنی حاجت کا اظہار کرتا ہے اور دروازے پر کھڑا رہتا ہے' مقدم کرتا ہے اور جب ان صدقات میں سے کچھ بچ جاتا ہے تو اسے خرچ کرنے کے لیے محروموں اور خانہ نشینوں کے حال کی تفتیش کی جاتی ہے اور اس عمل کی وجہ سے معلوم ہوا کہ یہ گروہ بہت قوی صبر رکھتا ہے کہ مال دینے اور منگتوں اور سائلوں کی جفا سے پریشان نہیں ہوتے اور حرص نہیں رکھتے ورنہ اپنا مال جس سے بہت سے کاموں کی توقع رکھتے ہیں' دوسروں کو کس طرح دیتے لیکن ان کا مرتبہ پہلے گروہ سے نیچا ہے کیونکہ انہیں مال کے نکلنے سے گھبراہٹ اور مال جمع کرنے کی حرص کبھی کبھی پیش آتی ہے اگرچہ اس کی کوئی تاثیر نہیں ہوتی۔ بخلاف پہلے گروہ کے کہ نماز میں استغراق کی وجہ سے ان دونوں چیزوں سے بالکل آزاد ہوتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُصَدِّقُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ اور وہ لوگ جو کہ روزِ جزا کی تصدیق کرتے ہیں اور تکلیف آنے پر گھبراتے نہیں اور نیکی پہنچنے پر خیر سے روکنے والے نہیں ہوتے اس لیے کہ ہر مصیبت اور ہر راحت کی جزا کو جانتے ہیں۔ پس وہ بھی صبر کرتے ہیں اور حرص نہیں رکھتے لیکن ان کا مرتبہ نماز ادا کرنے والوں اور زکوۃ دینے والوں سے نیچا ہے اس لیے کہ انہیں منفعتِ دنیا کے غیر میں اپنے اوقات کو مصروف کرنے یا زیادہ مال حاصل کرنے اور پھل دینے کے مقام کے غیر میں مال خرچ کرنے پر تکالیف برداشت کرنے پر گھبراہٹ اور اپنے اوقات کو دنیوی منفعتوں میں مصروف کرنے یا غم و فکر کے اسباب کو ختم کرنے یا ضرورت کے وقت کے لیے مال جمع کرنے کی حرص پیش آتی ہے لیکن وہ اس علم کے تقاضا کے مطابق جو کہ جزا کے متعلق رکھتے ہیں' صبر کو گھبراہٹ پر اور قناعت کو حرص پر

ترجیح دیتے ہیں۔ پس گویا وہ معاوضہ اور تبادلہ کرتے ہیں' تھوڑا دیتے ہیں اور بہت چاہتے ہیں اور ان کی گھبراہٹ اور حرص بالکل بے تاثیر نہیں ہے بلکہ دنیوی قسم سے اخروی قسم کی طرف اور فانی سے باقی کی طرف منتقل ہوگئی اور اس نے دوسرا رنگ اختیار کیا۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ مِنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ اور وہ لوگ جو کہ دنیا و آخرت میں اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اگر تکلیف میں صبر نہ کریں اور جود وعطا نہ کریں تو عذابِ خداوندی میں گرفتار ہوں گے اور واقع میں مقدمہ یوں ہی ہے کہ اپنے پروردگار کے عذاب سے ڈرتے رہنا چاہیے اس لیے کہ

اِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ تحقیق ان کے ربّ کے عذاب سے' تکلیف میں صبر اور سخاوت میں خرچ کرنے کے باوجود غَيْرُ مَأْمُوْنٍ بے خوفی نہیں ہے اس لیے اعتبار تو خاتمے کا ہے اور ہر شخص کا خاتمہ مخفی ہے کہ کس حال میں ہوگا اور صبر و عطا میں ان کا مرتبہ پہلے گروہ سے کم ہے اس لیے کہ ان کا عمل عذاب کے خوف کی وجہ سے ہے جبکہ پہلے گروہ کا عمل طمع ثواب کی وجہ سے ہے اور ثواب کی طمع امید کی راہ ہے اور امید محبت کا وسیلہ ہے اور محبت کے ساتھ خدمت اور اطاعت اس خدمت اور اطاعت سے بہتر ہے جو خوف کی وجہ سے ہو جس طرح مزدور کی خدمت غلام اور لونڈی کی خدمت سے۔ اور یہ دونوں گروہ اپنے سے پہلے دو گروہوں سے بہت کم ہیں اس لیے کہ اُن کا عمل امید اور خوف کی ملاوٹ کے بغیر صرف محبت کی وجہ سے ہے۔ پس ان کی خدمت اور اطاعت عاشق کی اپنے معشوق کی خدمت اور اطاعت کی مانند ہے اور یہ چار گروہ جن کا ذکر ہوا' وہ لوگ ہیں جنھوں نے بدنی یا مالی طاعات پر یا مصیبت پر اور طاعات کے مخالف امور پر حرص کو زائل کرنے پر اور نافرمانیوں اور خواہشات سے مطلقاً صبر کیا۔

جزوی امور میں صبر کرنے والے

اب ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو جزوی امور میں صبر و قناعت اختیار کرتے ہیں اور وہ بھی چار گروہ ہیں۔ پہلا گروہ وہ لوگ ہیں جو کہ شرم گاہ کی خواہش اور جماع کی لذت کے سلسلے میں صبر کرتے ہیں اور حرص نہیں کرتے کہ یہ دونوں زیادہ تر مخلوق کو گمراہ کرتے ہیں'

دوسرا گروہ وہ لوگ ہیں جو کہ مخلوق کے حقوق یعنی امانتوں اور معاہدوں کو ادا کرنے میں صبر کرتے ہیں اور حرص نہیں کرتے' تیسرا گروہ وہ لوگ ہیں جو کہ ان حقوق کے اظہار میں صبر نہیں کرتے اور حرص نہیں کرتے جو کہ مخلوق کے ایک دوسرے پر ہیں' چوتھا گروہ وہ لوگ ہیں جو کہ لازم ہونے والی طاعات کے نوافل خصوصاً اپنی مقررہ نمازوں پر صبر کرتے ہیں اور اپنے اوقات کو لذتوں اور آرام طلبی میں صرف کرنے میں حرص نہیں کرتے۔

اور ان گروہوں کے بیان کو آگے پیچھے لانے کی ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ بدنی عبادتوں میں صبر اور عدم حرص جو کہ صرف اللہ تعالیٰ کے واجب کرنے سے واجب ہوئی ہے جیسے پابندی کے ساتھ نمازِ پنج گانہ ادا کرنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کمال قرب اور واصل ہونے کا ذریعہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے ما تقرب الیّ عبدی بشیء احب الیّ مما افترضت علیه میری بارگاہ میں میرا بندہ کسی چیز کے ساتھ قرب حاصل نہیں کرتا جو کہ مجھے فرائض سے زیادہ پسند ہو اور نماز کو جو کہ ایک جامع عبادت ہے اور بندے کو بلاواسطہ بارگاہِ خداوندی میں مناجات' ہم کلامی' حاضری اور قرب کی سرحد تک پہنچاتی ہے' مزید خصوصیت حاصل ہے پھر فرض زکوٰۃ ادا کرنے اور واجب اخراجات پہنچانے میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی منفعت اور اس کے بندوں کی پرورش ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی کمال خوشنودی اور رضامندی کا سبب ہے پھر تکلیف اور مصیبت پہنچنے کے وقت حصولِ ثواب کی امید سے گھبراہٹ اور بے چینی اور نہ ملنے والے مقاصد پر حرص کو چھوڑنا انہیں عذاب کے ڈر سے چھوڑنے سے زیادہ بلند اور قابلِ قدر ہے۔

پھر شرم گاہ کی خواہش کے مسئلے میں ناجائز کی حرص چھوڑنا اور جائز حد تک صبر کرنا' صبر و قناعت کی دشوار ترین صورت ہے اور یہ سب کچھ پروردگار کے حق کے ساتھ متعلق تھا۔

پھر وہ جو بندوں کے حقوق کے ساتھ متعلق ہے۔ پس یا تو ان حقوق کی ادائیگی ہے جو کہ اپنے ذمہ ہیں جیسے امانتیں اور معاہدے یا ایک دوسرے پر ان کے حقوق کا اظہار' ان کے اموال کو زندہ کرنا ہے اگرچہ اپنی طرف سے کچھ دینا لازم نہیں آتا اور جب اللہ تعالیٰ

کے ان تمام واجبات کو صبر اور ترکِ حرص کے ساتھ قائم کر دیا گیا تو کچھ باقی نہ رہا سوائے اس کے جسے انہوں نے اپنے اوپر نذر والتزام کے طریقے سے واجب کیا ہے جیسے نفلی عبادات خصوصاً نمازیں۔ پس آخر میں ان کا ذکر فرمایا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ اور وہ لوگ جو اپنے مقاماتِ شرم کی حَافِظُوْنَ حفاظت کرنے والے ہیں اس سے کہ ان پر کسی کی نظر پڑے یا کسی کا بدن ان تک پہنچے اور اس نگاہبانی میں ان کی قوتِ صبر بھی ثابت ہوگئی اور ان کی بے حرصی بھی۔

اِلَّا عَلٰٓی اَزْوَاجِهِمْ مگر اپنے جوڑوں پر' زوجہ لغت میں جفت کو کہتے ہیں اور چونکہ گھر کا کاروبار عورت اور مرد کے باہم شامل ہوئے بغیر صورت نہیں پکڑتا اس وجہ سے عورت کو مرد کا جوڑا اور مرد کو عورت کا جوڑا کہتے ہیں جیسے موزے کا جوڑا اور جوتے کا جوڑا۔

اور جفت یعنی جوڑا ہونے میں چند چیزیں شرط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ ایک دوسرے سے ایک خصوصیت پیدا ہو جائے اسی لیے ہر عورت کو ہر مرد کا جوڑا نہیں کہا جا سکتا اور یہ خصوصیت شرعی ایجاب و قبول کے بغیر جو کہ عقد نکاح سے عبارت ہے' حاصل نہیں ہوتی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ خصوصیت خانہ داری اور معاش کی ضرورتوں کی تدبیر کے لیے ہو' صرف قضائے شہوت کے لئے نہیں۔ اس لیے کہ گھر میں دونوں کے اشتراک کے بغیر دونوں کے نفع و نقصان مشترک نہیں ہوتے۔ پس جوڑا ہونے کا معنی صورت نہیں پکڑتا۔ اسی لیے خرچی کی عورت (جو قیمت لے کر جماع کرائے) اور متعہ کی عورت کو جفت یعنی' جوڑا نہیں کہا جا سکتا۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس سے نسل لینا ممکن ہو اور اس کے ساتھ کسی اور کا حق متعلق نہ ہو۔ پس کسی دوسرے کی مملوکہ عورت کو جس کے ساتھ اس نے مقاربت کرنے کی اجازت دے دی ہو' جفت نہیں کہا جا سکتا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اس تعلق کے سوا ان دونوں کے درمیان اس سے زیادہ قوی اور قرب والا تعلق نہ ہو اسی لیے ماں' بیٹی اور بہن کو آدمی کا جفت نہیں کہا جا سکتا۔

متعہ وغیرہ کی حرمت کا بیان

پس یہاں سے معلوم ہوا کہ متعہ والی عورت جفت نہیں ہے اور اسی لیے اگر وہ متعہ کی مدت کے اندر مر جائے تو مرد اس کا وارث نہیں بنتا اور نہ ہی وہ عورت مرد کی وارث ہوتی ہے نہ اس کی خوراک اور پوشاک واجب ہوتی ہے' نہ ہی گھریلو معاملات میں دخیل ہوتی ہے' نہ نفع ونقصان میں شریک ہوتی ہے' نہ ہی اس سے نسب اور نسل کی حفاظت ممکن ہے اس لیے کہ متعہ کی مدت گزرنے کے بعد ایک دوسرے سے اجنبی ہو جاتے ہیں' یہ مشرق میں جاتا ہے اور وہ مغرب میں اور یہ عورت متعہ کے لیے کسی اور کو چاہتی ہے اور وہ مرد کسی اور کے ساتھ چمٹ جاتا ہے اگر متعہ کی مدت میں اس سے حمل ظاہر ہوا اور اس سے کوئی بچہ پیدا ہو جائے نہ وہ باپ پہچان سکتا ہے اور نہ اسے باپ پہچان سکتا ہے اور نہ وہ باپ تک پہنچ سکتا ہے تا کہ اس سے حق فرزندی کا مطالبہ کرے اور نہ باپ اس تک پہنچ سکے تا کہ تربیت پدری بجالا سکے اور جب بیٹے کا نسب مجہول رہا تو باپ کے محارم کے ساتھ اس کی محرمیت بھی معلوم نہ ہو سکی اور محارم کا ایک دوسرے میں داخل ہونا ممکن ہو گیا کیونکہ بہت ممکن ہے کہ وہ لڑکا باپ کی لڑکی سے نکاح یا متعہ کرے اور باپ کا بھائی اس لڑکی سے نکاح کا متعہ کرے۔ علیٰ ہذا القیاس دوسری رشتے داریوں میں بھی یہ تداخل متصور ہے اور اس اولاد کے نکاح میں کفو کا مسئلہ بھی دگرگوں ہو گیا اور لوگوں کی میراث کی تقسیم کا دروازہ بالکل بند ہو گیا اس لیے کہ اس کے ورثاء جہان میں منتشر ہو گئے اور ان کی گنتی' ناموں اور مکانات کی تفصیلات کو جاننا مشکل ہو گیا تا کہ ہر شخص کی میراث اس تک پہنچائی جائے۔

اور اسی لیے متعہ کا عقیدہ رکھنے والوں کے مطابق بھی زوجیت کے احکام عدت' طلاق' ایلاء' لعان' ظہار' شب باشی کی باری وغیرہ متعہ والی عورت کے ساتھ متعلق نہیں ہوتے اور کسی چیز کے احکام کا نہ ہونا اس چیز کے نہ ہونے پر صریح دلیل ہے اور

اور متعہ کو حلال سمجھنے والوں نے جو کہا ہے کہ یہ احکام زوجیت کے لیے لازم نہیں ہیں تا کہ ان کی نفی ہونے سے ملزوم کی نفی کی دلیل ہو اس لیے کہ منکوحہ بیوی کی خوراک اور پوشاک شوہر کی نافرمانی اور اس کے گھر سے نکل کر دوسرے گھر میں سکونت اختیار

کرنے کی وجہ سے گر جاتی ہے اور اس عورت کو جس نے اپنے شوہر کو قتل کیا ہو یا کسی کی کنیز ہو یا فرنگی مذہب ہو' میراث نہیں پہنچتی اور لعان بھی مملوکہ عورت اور اس کے شوہر کے درمیان نہیں ہے اور شب باشی کی نوبت سفر میں ساقط ہو جاتی ہے' نہایت بے معنی بات ہے اس لیے کہ زوجہ' منکوحہ میں ان احکام کا زائل ہو جانا درمیان میں پیدا ہونے والے عوارض کی وجہ سے ہے حتیٰ کہ اگر وہ عارضے اُٹھ جائیں تو وہ احکام لوٹ آئیں مثلاً اگر نافرمان عورت اپنے شوہر کے گھر کو لوٹ آئے تو خرچہ' خوراک اور پوشاک کی مستحق ہو جائے گی اور اگر کنیز آزاد ہو جائے یا کافرہ مسلمان ہو جائے تو میراث کی مستحق قرار پائے گی اور اگر مرد سفر سے واپس آ گیا تو عورت شب باشی کی نوبت کی طلب کرے گی۔ پس وہ عوارض احکام زوجیت کی نفی کا موجب ہو گئے نہ کہ نفس عقد نکاح۔ بخلاف متعہ والی عورت کے نفس عقد متعہ کسی عارضے اور پیدا ہونے والی رکاوٹ کے بغیر ان احکام کے منافی ہے جیسا کہ پانی طبعی طور پر سیلان رکھتا ہے اور پتھر طبعی طور پر جمود اور اگر کوئی ازروئے حماقت یہ کہنا شروع کر دے کہ منجمد پتھر بھی پانی کی قسم سے ہے اس لیے کہ پانی بھی برف بننے کے بعد منجمد ہو جاتا ہے یا بہنے کی صلاحیت والا پانی بھی پتھر کی قسم سے ہے اس لیے کہ پتھر بھی تیزاب ڈالنے کی مدد سے پانی ہو جاتا ہے' عقل منداس کی اس بکواس پر کبھی کان نہیں دھریں گے۔

نیز اللہ تعالیٰ نے منکوحہ بیویوں کو چار کی تعداد میں بند رکھا ہے جیسا کہ سورۃ النساء کی ابتدا میں مذکور ہے اگر متعہ والی عورت بیویوں میں داخل ہوتی تو وہ بھی اس عدد میں منحصر ہوتی حالانکہ متعہ کرنے والے ایک رات میں دس' دس عورتوں کے ساتھ متعہ کرنا جائز قرار دیتے ہیں اور ایک شخص کے عقد نکاح میں چار عورتیں ہونے کے باوجود دوسری عورتوں کے ساتھ متعہ جائز قرار دیتے ہیں۔

مسئلہ شرعیہ

نیز شرع شریف میں مقرر ہے کہ جب کسی شخص نے اپنی منکوحہ عورت کے ساتھ مقاربت کی تو محصن ہو گیا۔ اس کے بعد اگر زنا کرے تو اسے سنگسار کرنا چاہیے اور اگر

اس نے منکوحہ عورت کے ساتھ مقاربت سے پہلے یہ برا فعل کیا تو سو کوڑے مارنا چاہئیں جبکہ متعہ کرنے والے متعہ والی عورت کی مقاربت کو احصان کا سبب نہیں جانتے۔ پس متعہ والی عورت کسی صورت میں بیوی میں داخل نہیں ہوتی اور متعہ والی عورت کو زوجہ میں داخل کرنا اسی قسم سے ہے کہ جو شخص کانچ کے روغنی تھال میں گوشت بھونا چاہے اس نے ایک امر محال کی طلب میں عمر میں ضائع کر دی۔

اَوْ مَامَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ یا وہ چیز جس کے ان کے ہاتھ مالک ہوئے ہیں اور وہ چیز لونڈیوں کا مقام مخصوص ہے اس لیے کہ وہ چیز چاہیے جو کہ محل نجاست نہ ہو اور نسل لینے کے قابل ہو اور غلام اس قسم کی چیز نہیں رکھتے اور کنیزیں دونوں چیزیں رکھتی ہیں لیکن نجاست کی جگہ جو کہ کھیتی اور نسل کا مقام نہیں ہے' ان سے بھی حرام ہے اور چونکہ 'ما' سے مراد وہ مقامِ مخصوص ہے۔ پس ما کا لفظ وارد کرنے میں کوئی اشکال نہیں اور اس صورت میں بھی عورت کی مرد کے ساتھ خصوصیت' نفع و نقصان کی شراکت' نسب و نسل کی حفاظت اور گھریلو امور کی خدمت ثابت ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ بیوی میں اس مقامِ مخصوص کی منفعتوں کے سوا شوہر کی ملک میں کچھ نہیں آتا جبکہ مملوکہ عورت اس کے سر سے لے کر قدم تک تمام منفعتوں کے ساتھ مالک کی مملوک ہے اور لغت عرب میں ملک یمین ذات اور گردن کی ملک سے عبارت ہے اسی لیے کسی مانگی ہوئی چیز کے متعلق یوں نہیں کہا جا سکتا کہ میری ملک یمین ہے۔ پس وہ کنیز جسے اس کا مالک دوسرے کو جماع کرنے کے لیے عاریۃً دے دے اس عاریۃً لینے والے کی ملک یمین میں داخل نہیں ہے کہ اس کی ملک یمین میں داخل ہو اور اس کے ساتھ جماع حلال ہو جیسا کہ اسے حلال قرار دینے والوں کا عقیدہ ہے اور اس عاریت کو دوسری منفعتوں کی عاریت پر قیاس کرنا نص قطعی کے مقابلے میں قیاس کرنا ہے جو کہ قطعاً درست نہیں اور قیاس مع الفارق بھی ہے اس لیے کہ اگر اس منفعت کے لیے کسی لونڈی کو عاریۃً لیں' گمان غالب ہے کہ وہ حاملہ ہو جائے گی جبکہ عاریت لینے والے کے لیے اس چیز کو اپنے حق کے ساتھ مصروف کرنا جائز نہیں ہے اسی لیے عاریت کی زمین میں درخت لگانا اور کنواں کھودنا جائز نہیں ہے۔

فَاِنَّهُمْ پس تحقیق وہ لوگ اگر اپنی بیویوں اور کنیزوں کی مقاربت سے بے صبری کریں اور مقاربت اور لذت لینے کی حرص کریں۔ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ملامت کیے گئے نہیں ہیں کہ انہیں جزع وفزع اور حرص کرنے والوں میں داخل سمجھا جائے۔

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ تو جو ان دو قسم کی عورتوں جو کہ بیوی اور لونڈی ہیں' کے سوا طلب کرے تو وہ لوگ حد سے گزرنے والے ہیں کہ حد عفت سے آگے نکل گئے اور بے صبروں اور حریصوں میں داخل ہو گئے۔

لواطت' متعہ اور جلق وغیرہ کی حرمت کا بیان

یہاں جاننا چاہیے کہ جماع کی شہوت کے چند مصرف ہیں اور وہ تمام مصارف شرعاً حرام ہیں مگر یہ دو مصرف جن کا ذکر ہو چکا' بلا شبہ حلال ہیں اور اس کے حرام مصارف کی تفصیل بہت زیادہ ہے۔ ان میں سے ایک لواطت ہے اور وہ مقام نجاست میں جماع کرنے سے عبارت ہے خواہ مرد سے ہو یا عورت سے اور عورت خواہ بیوی اور کنیز ہو یا اجنبی اور ان میں سے اُجرت کا معاملہ کرنے والی عورت ہے جسے عرف میں زن خرچی کہتے ہیں (یعنی اس فعل شنیع کے عوض خرچ لینے والی) اور ان میں سے دوستی والی عورت ہے جسے عرف میں خانگی کہتے ہیں اور یار' دوست اور آشنا نام رکھتے ہیں کہ اُجرت مقرر کیے بغیر صرف دوستی اور یارانے کی وجہ سے اس کے ساتھ یہ بُرا عمل کرے اور ان میں سے وہ عورت ہے جسے مجبور کیا گیا کہ جبراً اس کے ساتھ یہ کام کریں جیسا کہ شہروں کو لوٹنے کے وقت دشمن کے فوجی عورتوں کے ساتھ جبراً دست درازی کرتے ہیں اور ان میں سے متعہ والی عورت ہے کہ اس کے ساتھ مدت اور اُجرت مقرر کر کے یہ کام کرتے ہیں اور ان میں سے عاریتہً لی ہوئی کنیز جسے اس کے مالک سے اس کی رضامندی کے ساتھ اس عمل کے لیے لیتے ہیں اور ان میں سے مساحقہ والی عورت ہے کہ لواطت کے برعکس عورت' عورت کے ساتھ تکمیل خواہش کرے اور ان میں ہاتھ کا عمل ہے جسے جلق کہتے ہیں اور ان میں سے محارم کے ساتھ نکاح ہے خواہ وہ محارم نسبی ہوں جیسے ماں' بہن' پھوپھی' خالہ' بھتیجی' بھانجی وغیرہ اور خواہ سببی محارم ہوں جیسے ساس' سالی' بیوی کی پھوپھی اور خالہ وغیرہ اور خواہ

رضاعی محارم ہوں جیسے دودھ پلانے والی اور اس کے اصول وفروع اور ان میں وہ عورت ہے جو کہ کسی اور کے نکاح میں ہو کہ اس کے ساتھ نکاح بھی جائز نہیں ہے اور ان میں سے مشرک عورت ہے اور ان میں سے فاحشہ عورت ہے کہ اس کے ساتھ بھی نکاح جائز نہیں ہے اور یہ تمام اقسام ماوراء ذالک میں داخل ہیں اور بالکل حرام۔

امانتوں کی حفاظت کا بیان

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ اور وہ لوگ جو اپنی امانتوں یعنی لوگوں کی امانتیں جو اپنے پاس رکھتے ہیں اور امانت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ امانت جو کہ خدا تعالیٰ کے حق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جیسے وضو' غسل جنابت' نماز' روزہ اور زکوٰۃ اس لیے کہ ان چیزوں پر دوسرے لوگوں کو اطلاع نہیں ہوتی اور ان میں اس شخص کا کہا ہوا مقبول ہے اور امانت کی حقیقت یہی ہے کہ اس میں امانت والے کے کہے ہوئے کا اعتبار کیا جائے۔ دوسری امانت وہ ہے جو کہ مخلوق کے حق کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور اس کی چند قسمیں ہیں۔ پہلی قسم لوگوں کے اموال جو کہ اس کے پاس بطورِ امانت رکھتے ہیں' دوسری قسم لوگوں کے حقوق جو کہ اس شخص کی دانست میں ثابت ہیں اور صاحبِ حق کو اس کی اطلاع نہیں ہے' تیسری قسم وہ چیز جو اس شخص کی خدمت اور عمل کے ساتھ تعلق رکھتی ہے جیسے تولنا' ماپنا' کھانا پکانے میں مصالحے استعمال کرنا اور کپڑا سینے میں سنجاب اور مغزی استعمال کرنا۔ وعلیٰ ہذا القیاس

چوتھی قسم لوگوں کے راز اور بھید جو کہ وہ اس کے سپرد کرتے ہیں اور اس کی رازداری پر اعتماد کرتے ہیں' پانچویں قسم فیصلے میں انصاف کرنا کہ یہ حکام اور جسٹس حضرات کے ذمہ رعایا کی امانت ہے' چھٹی قسم فتویٰ میں حق بیان کرنا کہ یہ مفتیوں کے ذمہ عوام کی امانت ہے' ساتویں قسم وہ معاملات جو کہ میاں بیوی میں مقاربت اور ایک دوسرے میں مصروف ہونے کے وقت ہوتے ہیں اور گھریلو امور کی تدبیر کے معاملات جو کہ ہر ایک کی دوسرے کے ذمہ امانت ہے' آٹھویں قسم مالک کی اپنے مملوک پر امانت کہ وہ اس کے مخفی اسرار پر مطلع ہے' نویں قسم آقا کی نوکر پر امانت' دسویں ہمسایہ کی ہمسایہ پر امانت'

گیارہویں قسم ایک ساتھ بیٹھنے والوں کی ایک دوسرے پر امانت۔

وَعَهْدِهِمْ اور اپنے وعدہ کی جو انہوں نے خداتعالیٰ یا مخلوق سے باندھا ہے اور پہلے وعدے کو نذر کہتے ہیں اگر انہوں نے خداتعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کچھ مال دینے یا کوئی عبادت ادا کرنے کا خداتعالیٰ کے ساتھ عہد باندھا ہو۔

بیعت طریقت وغیرہ کی رعایت اور مشروعیت کا بیان

اور بیعت کہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندے کے ساتھ راہِ خدا کے سلوک میں شریک ہونے کا عہد باندھا ہو کہ حقیقت میں یہ خداتعالیٰ کے ساتھ عہد ہے جیسا کہ سورۃ اِنَّا فَتَحْنَا میں مذکور ہے اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔

اور دوسرے عہد کی بھی بہت سی قسمیں ہیں۔ شرکت مضاربت، صلح، وصیت اور دوسرے عہد جن کی کتب فقہ میں تفصیل کے ساتھ شرح کی گئی ہے جیسے عقد مرابحت، تولیت، وکالت، کفالت اور ضمان۔

رٰعُوْنَ رعایت کرنے والے ہیں اور اس امانت اور عہد کی حفاظت میں کوشش کرتے ہیں جیسا کہ چرواہا جو کہ بکریوں کا محافظ ہے، ان کی حفاظت میں کوشش کرتا ہے۔ پس یہ لوگ بھی پورا صبر رکھتے ہیں اور حرص کم۔ ورنہ امانت اور عہد کی پاس داری ممکن نہ ہوتی۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِشَهٰدٰتِهِمْ قَآئِمُوْنَ اور وہ لوگ جو اپنی گواہیوں کے اظہار کے لیے تیار کھڑے ہیں، گواہیوں کی ادائگی میں دوستیوں اور قرابتوں کے ختم ہونے سے نہیں ڈرتے اور اس کی ادائیگی میں ان کے دشمنوں اور مخالفوں کو جو فائدہ پہنچنے کی توقع ہے اس پر صبر کرتے ہیں اور اس وجہ سے حقوق والوں کے حقوق زندہ ہوتے ہیں۔

گواہی چھپانے کی برائی کا بیان

اور یہاں جاننا چاہیے کہ گواہی چھپانا مستند کبیرہ گناہوں میں سے ایک کبیرہ گناہ ہے

اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ گواہی کا انکار کرے کہ میں نہیں جانتا' دوسری یہ کہ ضرورت کے وقت گواہی دینے میں حیلے اور بہانے سے کنارہ کشی کرے کہ دونوں صورتوں میں مخلوقِ خدا کے حقوق ضائع ہوتے ہیں اور اس سے بدتر ایک اور کبیرہ گناہ ہے کہ جھوٹی گواہی دے کہ اس صورت میں باطل کو حق اور حق کو باطل کرنا دونوں چیزیں اس شخص سے صادر ہوتی ہیں اور اس آیت میں جو گواہی کے ساتھ قائم رہنا مذکور ہے' ان دونوں کبیرہ گناہوں سے بچنے کے لیے ہے۔ نیز یہ بتانے کے لیے گواہی کو کمی بیشی کے بغیر ادا کرنا چاہیے کیونکہ کمی بیشی کرنے میں اس گواہی کے ساتھ قائم رہنا نہیں رہتا۔

نماز کو مکروہات سے بچانے کا بیان

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلٰوتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ اور وہ جو اپنی نماز پر محافظت کرتے ہیں تاکہ اس کا ثواب ضائع نہ ہو اور یہ محافظت' مداومت سے علیحدہ ہے جو کہ پہلی آیت میں مذکور ہے اس لیے کہ مداومت کا معنی ہمیشہ بجالانا اور ناغہ نہ کرنا ہے اور محافظت کا معنی ان امور کا اہتمام اور رعایت ہے جو کہ اس نماز کے ثواب کی تکمیل کرے۔ اور شرائط اور رکعات کی گنتی پوری کرنا اور اوقات کو اختیار کرنا جیسے اِدھر اُدھر دیکھنے کو ترک کرنا' سجدہ گاہ کو دیکھنا' کپڑے کو سنبھالنے سے پرہیز کرنا' جسم کے ساتھ کھیلنا' انگڑائی میں قد کو لمبا کھینچنا' منہ کھولنا' منہ کو کپڑے ڈھانپنا' سر یا کندھے پر دونوں طرف کپڑا لٹکانا' انگلیوں کو ایک دوسرے میں پنجہ کرنا یا شکنجے کے ساتھ انگلیوں سے آواز نکالنا یا سجدہ گاہ کو عین نماز کی حالت میں خس و خاشاک اور کنکریوں سے صاف کرنا' اپنے ہاتھ میں کوئی چیز سنبھالنا جیسے عصا اور کوڑا اور حضور قلبی کے بغیر نماز ادا کرنا جس طرح نماز پر ہمیشگی کرنا ایک نہایت گراں فعل ہے' کمال صبر اور قلت حرص کی دلیل ہو سکتا ہے اسی طرح نماز کی مکروہات اور مفسدات سے حفاظت کرنا بھی ایک ناگوار فعل ہے جو کہ کمال صبر اور قلت حرص کی دلیل ہو سکتا ہے اس لیے ان دونوں کاموں کو باوجودیکہ ایک چیز کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں' جدا جدا ذکر فرمایا گیا ہے اور ایک فعل سے ابتدا اور دوسرے فعل پر اختتام کرنے سے نماز کی فضیلت اور اس کے حال کے اہتمام کی شدت معلوم ہوئی کہ ان آٹھ گروہوں کے اوّل و

آخر نمازی ہیں اور مداومت کو ابتدا میں اس لیے لایا گیا کہ اس کی وجہ سے بے صبری اور حرص کی شدت کی تمام آفات کم ہو جاتی ہیں کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ اور جب حرص کم اور صبر قوی ہو گیا تو نماز پر حفاظت حاصل ہو گئی اس لیے کہ نماز کی محافظت میں تمام مشقتوں اور تمام منفعتوں کے فوت ہونے پر صبر ضروری ہے جبکہ تمام لذتوں کی حرص محافظت کو روکنے والی ہے اسی لیے محافظت پر ختم فرمایا ہے۔

اُولٰٓـــــئِكَ وہ لوگ کہ بے صبری' بخل اور حرص جیسے ذلیل کام سے پاک ہیں فِیْ جَنّٰتٍ مختلف باغات میں اپنے اعمال کے درجات کے مطابق مُکْرَمُوْنَ تعظیم وتوقیر کے ساتھ ہوں گے اس لیے کہ وہ مکارم اخلاق کے ساتھ موصوف ہیں اور ذلیل حرکات سے محفوظ ہیں اور کریم کی تعظیم واجب ہوتی ہے جیسا کہ ذلیل کی توہین ضروری۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آدمی کی بزرگی اس کے اخلاق کی بزرگی کی وجہ سے ہے جبکہ اس کی نالائقی اس کے اخلاق کی پستی پر ہے اور مفسرین نے روایت کی ہے کہ جب کفار نے جنت اور اس میں قسم قسم کی جن عزت افزائیوں کا وعدہ کیا گیا ہے' کے متعلق سنا تو منافقت اور مذاق کے طور پر دوڑتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آئے اور آپ کے اِردگرد بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ اگر آپ کی یہ بات سچی ہے کہ ایک آخرت ہوگی اور اس میں لوگوں کو اس قسم کی نعمتیں اور عزتیں بخشیں گے تو یقین سے جان لیں کہ ہم ان نعمتوں اور عزتوں کے سب لوگوں سے زیادہ مستحق ہوں گے نہ کہ آپ کے پیروکار اس لیے کہ حق تعالیٰ حکیم ہے کہ اس نے ہمیں دنیا میں معزز ومکرم کیا ہے اور مختلف قسم کی نعمتوں سے نوازا ہے اور مال' مرتبہ' سرداری اور ریاست عطا کی ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہمیں آخرت میں بھی اپنی نعمتوں سے نوازے گا جبکہ آپ کے پیروکاروں کو جو کہ سب محتاج ہیں اور اکثر غلام اور نچلی سطح کے لوگ ہیں' ان نعمتوں کا مالک نہیں کرے گا۔ حق تعالیٰ نے اس تمسخر کے رد میں یہ آیات نازل فرمائیں کہ:

فَمَا لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا تو ان کفار کو کیا ہے کہ جنت کی نعمتوں کا سنتے ہی قِبَلَكَ مُھْطِعِیْنَ آپ کی طرف گردن طمع دراز کر کے دوڑتے ہوئے اور آپ کی طرف آنکھیں

لگائے ہوئے آتے ہیں۔ کیا انہوں نے اپنے اندر جنتیوں کے آٹھ اوصاف پیدا کر لیے ہیں کہ اس توقع کے ساتھ آپ کی طرف بھاگتے ہیں اور اس کے باوجود ان کا نفس یہ بات قبول نہیں کرتا کہ آپ کے سامنے زانو ٹیک کر بیٹھیں بلکہ

عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ عِزِیْنَ دائیں بائیں حلقے بنا کر بیٹھتے ہیں تا کہ کوئی گمان نہ کرے کہ وہ بھی آپ کے شاگردوں اور طالبان رشد وہدایت میں داخل ہو گئے۔

اَیَطْمَعُ کُلُّ امْرِیءٍ مِّنْهُمْ کیا ان میں سے ہر شخص طمع کرتا ہے۔ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ کہ اس کفر' عناد اور استہزاء پر اصرار کے باوجود نعمتوں کی جنت میں داخل کیا جائے؟ اس باطل اعتقاد کی بناء پر جو کہ وہ رکھتا ہے کہ میں اپنی اصل خلقت کے اعتبار سے معزز ومکرم پیدا ہوا ہوں۔ اگر چہ میں کافر و بدکار ہوں' جنت کا مستحق ہوں اور اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے مسلمان اگرچہ مسلمان اور نیکوکار ہوں جب ان میں سے زیادہ لوگ نچلی سطح کے ہیں' توہین وتذلیل کے لائق ہیں اور دنیوی مجلسوں اور مجمعوں کی تعظیم وتوقیر پر قیاس کرتے ہیں۔

کَلَّا ایسا ہرگز نہیں' وہ اس جھوٹی طمع سے دست بردار ہو جائیں اور اس باطل خیال اور فاسد قیاس کو چھوڑ دیں اس لیے کہ اصل خلقت کے اعتبار سے عام لوگوں میں کسی کی بھی تعظیم وتکریم واجب نہیں۔

آدمی کی پیدائش نجاست سے ہے اور وجہ عزت ایمان اور عمل سے

اِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِّمَّا یَعْلَمُوْنَ تحقیق ہم نے انہیں اس چیز سے پیدا کیا کہ وہ جانتے ہیں اور وہ نطفہ ہے جو کہ خود نجس ہے اور نجاست کی راہ سے آتا ہے اور نجاست کی راہ میں داخل ہوتا ہے اگر جسم یا کپڑے کو لگ جائے تو اس کا دھونا واجب ہو جاتا ہے تو وہ کہاں تعظیم وتکریم کے قابل ہوگا۔ ہاں آدمی کا وقار ایمان اور عمل صالح ہے نہ کہ اصل خلقت جبکہ اس کی ذلت اصل خلقت کے ساتھ بھی ہے اور کفر اور بُرے اعمال کے ساتھ بھی۔

اگر اس نے ایمان اور عمل صالح اپنا لیا' اس کی اصلی رذالت دُور ہوگئی اور وہ تعظیم و

تکریم کے قابل ہو گیا اور اگر کفر اور معصیت میں گرفتار رہا' اصل خلقت کی رذالت اس رذالت کے ساتھ مل کر دُگنی ہو گئی۔ پس یہ لوگ ہرگز تعظیم و توقیر کے قابل نہیں ہیں جو کہ دوہری رذالت رکھتے ہیں' تعظیم و اکرام کے قابل دوسرے لوگ ہیں جو کہ آپ کی صحبت اور آپ کی شاگردی اور آپ سے رشد و ہدایت طلب کرنے پر مقرر ہیں۔

فَلَآ اُقْسِمُ پس میں قسم نہیں فرماتا اس لیے کہ ایک فرقے کو دوسرے فرقے کے ساتھ بدلنے پر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے پورے طور پر واضح ہونے کی وجہ سے قسم اُٹھانے کی ضرورت نہیں ہے اور تمہیں قسم اُٹھائے بغیر یقین نہیں آتا تو میری قسم

بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ اپنی اس صفت کے ساتھ ہے کہ میں مشرقوں اور مغربوں کا پروردگار ہوں اس لیے کہ سورج چاند اور ساتوں ستاروں میں سے ہر ستارے کے لیے ان ستاروں کے منطقۂ معدل سے دُوری اور ان کے اس منطقہ سے قرب کے اندازے کے مطابق ہر روز ایک مشرق ہے جو کہ سال کے دوسرے دن کے مشرق سے جدا ہے اور اسی طرح ہر ایک کا ایک جدا مغرب ہے لیکن خمود میں سورج کی مشرقیں اور مغربیں سال کے نصف میں جدا جدا نظر آتی ہیں اور سال کے باقی نصف میں بھی مشرقیں اور مغربیں لوٹتی ہیں اور میری یہ صفت عزت و ذلت کو بدلنے کی دلیل ہے کہ اپنی مخلوقات کے ایک حصے کو ایک وقت میں اس شرف سے مشرف کرتا ہوں کہ چمکنے والے انوار کا مشرق ہو جاتا ہے پھر اسی مخلوق کو دوسرے وقت میں اس شرف سے معزول کر دیتا ہوں اور دوسرے حصے کو اس سے مشرف فرماتا ہوں اور اسی طرح اپنی مخلوقات میں سے ایک حصے کو اس حقارت سے حقیر کر دیتا ہوں کہ وہ نور کے۔ چھپنے کا مقام ہو جاتا ہے اور پھر دوسرے کو اس حقارت سے حقیر کر دیتا ہوں۔ علیٰ ہذا القیاس اور تعظیم و تحقیر کی تبدیلی کی یہ قدرت سال کے ہر دن میں واضح ہو گئی تو ثابت ہوا کہ

اِنَّا لَقٰدِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْ نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ تحقیق ہم البتہ اس بات پر قادر ہیں کہ ان کے عوض ایسی جماعت بدل دیں جو آپ کی صحبت' شاگردی اور آپ سے رشد و ہدایت طلب کرنے' اخلاق سدھارنے اور اصلاح اعمال کے لیے ان سے بہتر ہو

اور وہ انصاریوں کی جماعت تھی۔

وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ اور ہم اس درجے کے نہیں ہیں کہ کوئی ہم سے آگے نکل جائے اور اس قدر تعظیم وتوقیر کا مستحق ہو جائے کہ اس کی عزت وتوقیر کو اس کی حقارت و ذلت میں بدلنے یا اس کی عزت وشرافت کو دوسری جگہ تبدیل کرنے سے ہماری قدرت سلب کر لے اور ہمیں عاجز کر دے۔ تو معلوم ہوا کہ ان کا آپ کے پاس یہ سب آنا جانا اور آپ کے حضور جمع ہونا جنت میں داخل ہونے کی آرزو اور تعظیم وتوقیر کا مستحق ہونے کے لیے نہیں ہے بلکہ لاف زنی اور کھیل کی بناء پر ہے جو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے وعدوں کے متعلق تمسخر کے مقام پر کرتے ہیں۔

فَذَرْهُمْ يَخُوْضُوْا وَيَلْعَبُوْا پس آپ انہیں چھوڑ دیں کہ لاف زنی اور کھیل میں لگے ہیں۔ حَتّٰى يُلٰقُوْا يَوْمَهُمُ الَّذِىْ يُوْعَدُوْنَ تاکہ اپنے اس سیاہ دن کو پہنچیں جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے اور اس دن ایک اور طرح سے خدا تعالیٰ کی طرف بلانے والے کا حکم مانیں گے جس طرح آپ کے سامنے مذاق اور تمسخر کے ارادے سے دوڑ کر آتے ہیں اس بلانے والے کے پاس نہایت بے چینی اور بے قراری کے ساتھ دوڑتے ہوئے حاضر ہوں گے۔

يَوْمَ يَخْرُجُوْنَ جس دن کہ وہ تنہا ننگے بدن، ننگے سر اور ننگے پاؤں آئیں گے۔ مِنَ الْاَجْدَاثِ قبروں سے سِرَاعًا حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے کی آواز سنتے ہی دوڑتے اور جلدی کرتے ہوئے۔ كَاَنَّهُمْ اِلٰى نُصُبٍ گویا کہ وہ کسی بت کی طرف کہ جسے زیارت کے لیے اس گھر سے نکال کر کھڑا کیا گیا ہے۔ يُوْفِضُوْنَ دوڑتے اور جلدی کرتے ہیں اس ارادے سے کہ سب سے پہلے اس کی زیارت کریں اور بوسہ دیں اور اس تک اس طمع کے ساتھ ہاتھ پہنچائیں کہ اس وقت جو پہلے آ گیا" آ گیا لیکن اس دن ان کی یہ جلدی اور تیزی انتہائی ذلت ورسوائی کے ساتھ ہوگی کہ:

خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ ان کی آنکھیں خیرہ اور حیران ہوں گی بلکہ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ انہیں سر سے پاؤں تک ذلت ورسوائی ڈھانپ لے گی۔ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الَّذِىْ كَانُوْا

یُوْعَدُوْنَ یہ ہے ان کا وہ روزِ سیاہ جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا تھا نہ کہ صبر کرنے والوں اور کم حرص کرنے والوں کا دن جو کہ نعمت کے باغات میں پوری تعظیم و تکریم کے ساتھ داخل کیے جائیں گے۔

اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود انسان کی بے صبری اور حرص کا بیان

یہاں ایک جواب طلب سوال باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ انسان جو کہ اشرف المخلوقات' مخلوقات میں سب سے زیادہ معزز' ملائکہ کرام کا مسجود اور روئے زمین کا خلیفہ ہے' اس کے خمیر میں یہ بے صبری اور حرص کیوں رکھ دی گئی اور اس کی خلقت کی بنیاد میں ان دونوں چیزوں کو ملا کر معما کیوں بنا دیا گیا جبکہ دوسرے حیوانات اس کی حرص کا سواں حصہ بھی نہیں رکھتے اور پسندیدہ چیزوں کی ترک کے اوقات میں اور جنتوں میں پہنچنے کے لیے جو گھبراہٹ آدمی کو ہوتی ہے اور اسے جو بے چینی ہوتی ہے' کسی جانور کو نہیں ہوتی۔ یہ خود اس کی انتہائی ذلت اور رسوائی کا باعث ہے کہ حرص کی وجہ سے ہر طمع کا غلام ہو جاتا ہے اور بے چینی اور بے صبری کی وجہ سے ہر گرم و سرد سے ڈرتا ہے اور اگر یہ دونوں صفات اس کے خمیر میں رکھی گئیں اور اس کی پیدائش کی بنیاد میں یہ دونوں عیب رکھ دیئے گئے تو اس کی مذمت و عتاب کیوں؟ اس کا کیا قصور؟ کہ وہ تو جبلی امور میں مجبور ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی حرص کی شدت اور بے صبری درحقیقت مدارج معرفت میں اس کی ترقی' دربارِ خداوندی میں وصول اور قرب حاصل کرنے اور اس کی راہ میں سلوک کے لیے بہترین وسیلہ اور زینہ ہے اگر اس میں حرص کی یہ شدت نہ ہوتی تو وہ تھوڑی سی معرفت پر جو کہ دوسرے حیوانات کو بھی حاصل ہے' قناعت کرے اور معرفت اور قرب کے اعلیٰ درجات کا طالب نہ ہو حالانکہ دریائے معرفت کا کوئی کنارہ ہی نہیں اور قرب و وصول کے درجات کی حد نہیں ہے اگر اس کا شوق اور حرص دم بدم زیادہ نہ ہو اور مستسقی کی طرح العطش العطش نہ کرے تو اس لامتناہی راہ کو کیسے طے کرے اور وہ درجات بے فائدہ رہ جائیں اور اگر اپنے مالک کی جدائی میں ایک لمحہ کے لیے صبر کرے اور بے قرار نہ ہو اور گھبراہٹ اور بے چینی نہ کرے تو اس کا عشق اور وجد کس طرح صورت

پذیر ہو کہ عشق اور صبر میں ہزاروں فرسنگ کا فاصلہ ہے۔

اور جب مخلوقات کے نزدیک آدمی کی شرافت اس وجہ سے ہے کہ اسے اپنے مالک کے عشق کے لائق اور اس کے وصول وقرب کا متلاشی پیدا کیا گیا ہے اور اسے معرفت کے بے کنار دریا کا غواص کیا گیا تو یہ دونوں صفات جو کہ شدت حرص اور انتہائی بے صبری ہے' عطا کرنے کے سوا چارہ نہیں ہے اور آدمی کی مذمت اور عتاب اس شدتِ حرص اور بے صبری میں نہیں ہے بلکہ اس بات میں ہے کہ وہ حماقت اور بے وقوفی کی وجہ سے اس حرص اور بے قراری کے ثبوت کو فانی لذتوں اور ترک کرنے اور چھوڑنے کے لائق اغراض میں صرف کرتا ہے اور بے محل خرچ کرتا ہے اس عورت کی طرح جسے زیور اور سجاوٹ کے ساتھ سجا کر اپنی خدمت کے لیے تیار کیا جائے اور وہ عورت نعمت کی ناشکری کرتے ہوئے اور یہ حق نہ پہنچانتے ہوئے وہ سارا زیور اور سامان آرائش پہن کر غیروں کی صحبت میں چلی جائے اور ان کے ساتھ تعلق رکھے کہ وہ لعنت ونفرت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ والعیاذ باللہ

اور کیا ہی اچھا کہا گیا۔

صبر سب مقامات میں قابلِ تعریف ہے مگر تجھ سے کہ یہ قابلِ مذمت ہے

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ دو بھوکے سیر نہیں ہوتے' علم کا طالب اور دنیا کا طالب۔ نیز وارد ہے کہ حسد یعنی رشک نہیں مگر دو آدمیوں پر ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا تو اسے حق کی راہ میں خرچ کرنے پر مقرر فرمایا۔ پس وہ اس سے دن رات خرچ کرتا ہے۔ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت عطا فرمائی۔ پس وہ اس کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے اور اس کی تعلیم دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

سورۃ نوح علیہ السلام

مکیہ ہے' اس کی اٹھائیس (۲۸) آیات ہیں اور اس سورۃ کو سورۂ نوح اس لیے کہتے ہیں کہ اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کے سوا کچھ اور نہیں۔ سارے قرآن پاک میں یہی دو سورتیں ہیں جو کہ ایک واقعہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ ایک سورۃ یوسف علیہ السلام اور دوسری سورۃ نوح علیہ السلام کہ دونوں میں ان دونوں رُسل علیہما السلام کے واقعہ کے سوا کسی چیز کا ذکر نہیں فرمایا گیا اور سورۃ کو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ پوری خصوصیت ہے اس لیے کہ اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کے کلام کے سوا کسی شے کی حکایت نہیں ہوئی۔ گویا اس پوری سورۃ کا مضمون حضرت نوح علیہ السلام کا کلام ہے۔

نیز اس سورۃ میں مخلوق کو حضرت حق کی طرف بلانے کے قاعدے اور اس کے آداب و شرائط کی رعایت جو کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثوں کے عمدہ کاموں سے ہے' کی پورے طریقے سے شرح کی گئی ہے اور دعوت الی الحق کے سلسلے میں حضرت نوح علیہ السلام راہِ خدا کی طرف سب بلانے والوں کے پیشوا ہوئے ہیں اس لیے کہ آپ سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آپ کی نبوت کے زمانے تک لوگ دعوت کے محتاج نہ تھے اور شرک و کفر میں گرفتار نہیں ہوئے تھے بلکہ لوگوں کے بارے میں حضرت آدم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم و ارشاد اس طرح تھی جیسے بیٹوں کے حق میں باپ کی تربیت یا خاندان کے چھوٹوں کے حق میں بزرگوں کی نصیحت اور رہنمائی کہ کوئی مقابل اور حریف نہیں رکھتے تھے۔ پہلے رسول علیہ السلام جنہوں نے حق تعالیٰ کا پیغام بندوں تک پہنچایا اور ان کے اعتقاد کے خلاف انہیں تکلیف دی' حضرت نوح علیہ السلام

ہیں اور اسی لیے حدیث شفاعت میں ان کے بارے میں اوّل رسول بعثہ اللہ فرمایا گیا ہے
یعنی پہلے رسول علیہ السلام جنہیں مبعوث فرمایا گیا۔

پس اس سورۃ کا مضمون جو کہ حق کی طرف مخلوق کو دعوت دینا ہے' سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے علوم سے ہے اور آپ کی میراث ہے جو کہ دوسروں تک پہنچی۔

سورۃ نوح علیہ السلام کے سورۃ المعارج کے ساتھ رابطے کی وجہ

اس سورۃ کے سورۃ المعارج کے ساتھ ربط کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ المعارج کی ابتدا میں اپنی قوم کے کفار کی دعوت الیٰ الحق سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مقدس کی تنگی کے اسباب' ان کفار کا انتہائی جرأت اور بے باکی کے ساتھ قیامت کا عذاب مانگنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت الی الحق کی مشقت پر صبر کرنے کا حکم مذکور ہے جبکہ اس سورۃ میں اوّل سے آخر تک حضرت نوح علیہ السلام کا دل تنگ نہ ہونا مذکور ہے باوجودیکہ آپ نے ہزار سال تک کافروں کی جفا برداشت کی اور ان میں تعمیل اور اطاعت کرنے کا اثر بالکل نہ دیکھا تو گویا ارشاد ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو دعوتِ خلق میں اس قسم کی برداشت اور صبر کرنا چاہیے' دعوت کے طریقوں میں ایک سے دوسرے طریقے کی طرف منتقلی لازمی شمار کرنا چاہیے اور دل تنگ نہیں ہونا چاہیے۔ (یاد رہے کہ تنگی دل بر بنائے وفور جذبات رحمت تھی جو کہ رحمۃ للعالمین ہونے کو لازم ہے اگر ایک شخص کسی ایک چیز پر رحم کرتا ہے اس کا دل نرم قرار پاتا ہے تو جس سراپا راحت و رحمت کو رب العزت نے ساری کائنات کے لیے رحمت بنایا اور مصدر بمعنی فاعل کے اعتبار سارے جہانوں پر رحم فرمانے والا کیا' ان کے قلب مقدس کی نرمی کا اندازہ کون کرسکتا ہے' صلی اللہ علیہ وسلم۔ دل جتنا نرم ہوگا حالات و واقعات کا احساس بھی اسی قدر ہوگا۔ اس تنگی سے اس لیے نہیں روکا گیا کہ صحیح نہیں کیونکہ یہ تو قابلِ تحسین ہے بلکہ روکا اس لیے گیا ہے کہ اس سے قلب مبارک کو تکلیف ہوتی ہے اور یہ ذاتِ حق کو گوارا نہیں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ ولوالدیہ)

نیز اُس سورۃ میں ذکر کیا گیا ہے کہ کفار کے لیے جس عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے اگرچہ وہ دُور معلوم ہوتا ہے لیکن اس عذاب سے ڈرانے اور اس کے زمانے کی دُوری پر

نظر کرنے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام کو طوفان کے عذاب سے اپنی قوم کو ڈرانے کا اس سے ایک ہزار سال پہلے حکم دیا تھا اور انہوں نے اس دُور کے عذاب سے پوری کوشش کے ساتھ ڈرایا تو ثابت ہوا کہ جو چیز لوگوں کے ذہن میں دُور معلوم ہوتی ہے وہ حق تعالیٰ کے ہاں قریب ہے تو گویا یہ سورۃ اس قول کی دلیل ہے کہ اِنَّھُمْ یَرَوْنَهٗ بَعِیْدًا وَّنَرَاهُ قَرِیْبًا۔

اور اس کے ساتھ ساتھ ان دونوں سورتوں کے درمیان تمام مضامین ایک دوسرے کے مناسب واقع ہوئے ہیں اس سورۃ میں فرمایا ہے کہ لَایَسْئَلُ حَمِیْمٌ حَمِیْمًا جبکہ یہاں فَلَمْ یَجِدُوْا لَھُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَنْصَارًا فرمایا ہے اور اس سورۃ میں تدعون ادبر وتولّٰی وجمع فاوعٰی واقع ہے جبکہ یہاں واتبعوا من لم یزده مالهٗ و ولدهٗ الاخسارا واقع ہے اور اس سورۃ میں وَالَّذِیْنَ ھُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّھِمْ مُّشْفِقُوْنَ ہے جبکہ یہاں مَالَکُمْ لَاتَرْجُوْنَ لِلّٰہِ وَقَارًا ہے اور اس سورۃ کی ابتدا میں اس بات کا ذکر ہے کہ ایک سائل پوری جرأت کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور اپنے قریبیوں و قبیلوں کے لیے عذاب مانگتا ہے جبکہ یہاں یہ بیان ہے کہ ایک جفائیں برداشت کرنے والے اور مصیبتیں جھیلنے والے رسول علیہ السلام اگلوں پچھلوں کے لیے دعائے مغفرت فرماتے ہیں کہ رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ راستے کا فرق دیکھو کہاں سے کہاں تک ہے۔ اس کے علاوہ گہرے غور و فکر سے اور بھی وجوہ معلوم ہوتی ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ

اور حضرت نوح علیہ السلام اولوالعزم پیغمبروں علیہم السلام میں سے ہیں اور حضرت آدم ابوالبشر علیہ السلام سے دسویں درجے میں واقع ہیں' آپ کے والد کا نام ملک تھا اور وہ ایک نیک انسان اور توحید کے عقیدہ پر تھے اور لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے تھے اور وہ متوشلخ کے بیٹے ہیں جو کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے صاحب زادے ہیں اور انہوں نے دس سال کی عمر میں حضرت ادریس' حضرت شیث اور حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ

والسلام پر نازل ہونے والے تمام آسمانی صحیفوں کو یاد کر لیا تھا اور حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد آپ کے خلیفہ ہوئے اور آپ نے بنی آدم کے امور کی تدبیر اور ان کی اصلاح میں نہایت شان دار کوششیں فرمائیں اور بہت کثیرالاولاد تھے اور ان کے والد بزرگ وار حضرت ادریس علیہ السلام جن کا نام اخنوخ ہے' مشہور رسل علیہم السلام میں سے ہیں اور قرآن مجید میں چند مقامات پر ان کا ذکر واقع ہوا ہے اور یونانی حکماء اپنے علوم ریاض اور طبعی انہیں تک پہنچاتے ہیں۔

لکھنے اور سینے کی ابتدا کا بیان

اور سب سے پہلے جس نے بنی آدم میں سینا اور لکھنا رائج فرمایا' وہ آپ ہیں اور آپ کے والد کا نام بیرو تھا جو کہ قابیل کی اولاد کے ساتھ ہمیشہ جنگ لڑتے تھے اور لشکر کشی کرتے تھے اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی سرداری رکھتے تھے اور ان کا باپ مہلائیل ہے جس نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو شہروں میں پھیلا دیا اور خود اپنے قریبیوں سمیت بابل شہر کو آباد کر کے اپنا مسکن بنایا اور شہر سوس بھی اسی کا بنایا ہوا ہے اور اس کا باپ کینان ہے' وہ بھی نیک آدمی اور اپنے آباؤ اجداد کے طور طریقے پر تھا اور اس کا باپ انوش ہے جو کہ اپنے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کے پہلو میں مدفون ہے اور وہ اپنے وقت میں حضرت شیث علیہ السلام کی اولاد میں سے افضل تھے اور آپ کے باپ حضرت شیث علیہ السلام ہیں جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے خلیفہ اور جانشین تھے اور عظیم المرتبت پیغمبر۔ کہ آپ پر پچاس صحیفے نازل ہوئے اور حکمائے یونان حکمتِ الٰہی کو آپ سے نقل کرتے ہیں اور آپ اکثر اوقات عبادت اور ریاضت میں مشغول رہتے تھے۔ پس حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان آٹھ واسطے ہیں اور ان آٹھوں واسطوں میں سے ایک بھی کافر نہ تھا' سب مسلمان اور نیک لوگ تھے۔

بت پرستی کے آغاز کا بیان

ہاں حضرت ادریس علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد

میں بت پرستی کا رواج ہو گیا تھا اور اس کا سبب یہ ہوا کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے سب بیٹے اولیاء اور صلحاء تھے اور لوگوں کو عبادت میں مشغول رکھتے تھے اور ان میں سے ہر ایک نے اپنے لیے ایک مسجد بنا رکھی تھی جس میں وہ لوگوں کو ذکر اور طاعت کی دعوت دیتا تھا اور لوگ ان کے پاس شوق اور خوشی کے ساتھ عبادت کی لذت پاتے تھے جب حضرت ادریس علیہ السلام کے صاحب زادے اس جہانِ فانی سے چلے گئے' لوگوں کو انتہائی حسرت اور افسوس لاحق ہوا اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے شکایت شروع کر دی کہ اب ہمیں عبادت اور ذکر میں وہ لذت نہیں ملتی جو کہ ان کے پاس حاصل ہوتی تھی۔ شیطان اس وقت کو غنیمت جان کر' سر پر عمامہ' اور ہاتھ میں عصا لیے ایک بوڑھے کی شکل میں لوگوں کے مجمع میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ اب اس لذت کو حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ان بزرگوں کی تصویریں پتھروں سے تراش کر اور ان پر ان بزرگوں کا لباس ڈال کر اپنے چہرے کے سامنے مسجد کی محراب میں کھڑی کریں اور انہیں اپنے حال پر مطلع سمجھ کر کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں' وہی لذت جو تم ان کی موجودگی میں عبادت اور ذکر سے حاصل کرتے تھے اب حاصل کرو۔ (اگر یہ عبارت الحاقی نہیں بلکہ مفسر علام کی ہے تو مطلب یہ ہے کہ وہ اس عقیدے کے ساتھ ان کی عبادت کریں جبکہ اہلِ سنت اولیاء اللہ کے متعلق کتاب وسنت کے مطابق حیات برزخی کا اعتقاد رکھتے ہیں' ان کی عبادت کو قطعاً جائز قرار نہیں دیتے' تعظیم کرتے ہیں جبکہ نجدی تعظیم اور عبادت میں فرق نہیں کرتے اور تعظیم کو عبادت قرار دے کر لوگوں کو بے دریغ شرک میں دھکیلتے ہیں اسی لیے امام اہلِ سنت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ شرک ٹھہرے جس میں تعظیمِ حبیب۔ اس بُرے مذہب پہ لعنت کیجیے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہ)

لوگوں نے اس تدبیر کو بہت پسند کیا اور اس کے مطابق عمل کیا اور انہوں نے یوں فیصلہ کیا کہ جو شخص بھی عبادت اور نماز کے بعد مسجد سے باہر جائے' ان مورتیوں کے ہاتھ اور پاؤں چومے تاکہ ان بزرگوں کی ارواح کے نزدیک اس کی جماعت میں حاضری ثابت ہو جائے اور وہ خدا تعالیٰ کے حضور گواہی دیں اور شفاعت کریں کہ یہ شخص ہمارے

ہمراہ اور ہمارے سامنے تیری عبادت میں شریک تھا اور رفتہ رفتہ یوں رواج ہو گیا کہ ان مورتیوں کے صرف ہاتھ پاؤں چوم کر مسجد سے باہر چلے جاتے تھے اور عبادت اور ذکر بالکل ختم ہو گیا یہاں تک کہ قدم چومنے کی جگہ سجدہ رائج ہو گیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے والد بزرگوار لوگوں کو ہمیشہ اس بُرے کام سے منع فرماتے تھے لیکن لوگ باز نہیں آتے تھے یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا اور آپ نے نوسو پچاس سال تک لوگوں کو توحید کی اور بتوں کی عبادت ترک کرنے کی دعوت دی اور اس طویل مدت میں آپ پر کل اسی آدمی ایمان لائے اور انہوں نے بت پرستی چھوڑ دی اور روئے زمین کے دوسرے لوگ کہ جنہیں طویل مدت میں حضرت نوح علیہ السلام کی دعوت پہنچی تھی، منکر ہو گئے یہاں تک کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ان کی ہلاکت کی دعا فرمائی۔ خدا تعالیٰ نے ان پر طوفان بھیجا اور سب کو غرق کر دیا اور طوفان بھیجنے سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنے لیے، اپنے اہل و عیال اور مسلمانوں کے لیے کشتی بنائیں اور اس کشتی میں چرنے اور اُڑنے والے جانوروں کی ہر قسم سے ایک ایک جوڑا رکھ لیں اور جس وقت تنور سے پانی اُبلے اس کشتی میں سوار ہو جائیں۔

چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام اس حکم کے مطابق کشتی بنا کر اس میں جانور، پانی اور کھانے کی چیزیں جمع کر کے طوفان آنے کے منتظر رہے اور جب تنور سے پانی اُبلا تو آپ اپنے اہل و عیال جو کہ تین بیٹے اور ان کے اہلِ خانہ تھے، اپنے غلاموں اور لونڈیوں اور اسی (۸۰) مسلمانوں سمیت اسی کشتی میں سوار ہو گئے اور کشتی کے اوپر جو سرپوش بارش کے پانی سے حفاظت کے لیے تیار کیا تھا، کھینچ دیا۔ آپ کی بیوی ایک کنعان نامی بیٹے سمیت کہ دونوں کافر تھے، کشتی میں سوار نہ ہوئے اور کافروں کے ہمراہ غرق ہو گئے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے دسویں رجب سے لے کر دسویں محرم تک جو کہ چھ ماہ کی مدت ہے، کشتی میں گزارے اور طوفان کا پانی زمین سے جوش مارتا تھا اور آسمان سے برستا تھا۔ چالیس دن تک زیادتی اور ترقی میں تھا اس کے بعد آہستہ آہستہ کم ہوتا رہا یہاں تک کہ چھ

ماہ کے بعد زمین کی سطح نمودار ہوئی اور حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے باہر آئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی مدت عمر میں بہت اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ایک ہزار چار سو سال تھی اور قرآن پاک سے اس قدر تو یقین کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ ہزار سال سے زیادہ تھی اس لیے کہ طوفان آنے سے پہلے منصب رسالت عطا ہونے کے بعد آپ کی دعوت کی مدت سورۃ عنکبوت میں ساڑھے نو سو سال فرمائی گئی ہے اور کم از کم بعثت کے وقت آپ کی عمر چالیس سال ہو گی جبکہ طوفان کے بعد بھی آپ نے کچھ وقت دنیا میں گزارا جیسا کہ سورۃ ھود سے معلوم ہوتا ہے۔

اس سورۃ کے معانی سمجھنے کے لیے دو مقدمات

اور یہاں اس سورۃ کی تفسیر شروع کرنے سے پہلے دو مقدموں کو ذہن میں جگہ دینا چاہیے تا کہ اس سورۃ کے معانی سہولت کے ساتھ سمجھ میں آ جائیں۔ پہلا مقدمہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں میں سے کسی کو چُن کر مخلوق کو حق کی طرف بُلانے کے لیے مبعوث فرماتا ہے اس برگزیدہ بندے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے ان لوگوں کے عقائد' اخلاق اور قلبی حالات کے متعلق خوب غور و فکر کرے اور ان کی اصل بیماری کو پہچانے اور اس اصل بیماری کو دُور کرنے کی فکر تمام اوامر و نواہی سے پہلے کرے پھر ان لوگوں کے طبعی تقاضوں' ضرورتوں اور موجودہ واقعات میں نظر دوڑائے اور انہیں اس چیز سے ڈرائے جس سے وہ طبعی طور پر یا اپنی وقتی ضرورتوں کے مطابق ڈرتے ہیں اور جس چیز میں وہ طبعی طور پر یا اپنی وقتی ضرورتوں کے مطابق خواہش کرتے ہیں' طمع دلائے جس طرح کہ کام کے شروع میں ان کی قوتِ عقلیہ اور نفسانی صلاحیتوں کی اصلاح کو پیش نظر رکھا تھا اسی طرح یہاں امید اور خوف کے ساتھ ان کی قوت وہمیہ کی اصلاح کو پیش نظر رکھے اس لیے کہ عقل روح انسانی کی مملکت کا وزیر ہے جبکہ وہم اس مملکت کا حاکم اور بااختیار بادشاہ ہے جب یہ دونوں مطیع ہو گئے تو اس سلطنت کے دوسرے تمام ارکان' پیرو کار اور سپاہی خود بخود مسخر ہو جائیں گے اور ایک مبہم حالت پہنچا ئیں گے کہ

ع دوست کی طرف سے ایک اشارہ اور ہماری طرف سے سر کے بل دوڑنا

پھر ان دونوں امور کو ان تک ایک سرسری قاصد اور ہرکارے کی طرح نہ پہنچائے کہ بیٹھ۔ ہم نے تجھے مقصود خزانے کا پتہ دے دیا اب تجھے اختیار ہے پہنچے یا نہ پہنچے بلکہ مشفق باپ اور خیرخواہ طبیب کے طور پر ان کی بیماری کی سختی سے دل تنگ نہ ہو اور تدبیرات میں کئی رنگ اختیار کرے، دعوت کے ایک طریقے سے دوسرے طریقے کی طرف اس حد تک منتقل ہوتا رہے جتنی ان کی استعداد کے پیمانے میں گنجائش ہے اور جب ان کی استعداد کلی طور پر باطل ہونے کا پتہ چل جائے جیسے بدن میں کرم خوردہ بدبودار عضو تو انہیں ختم کرنے کی فکر کرے تاکہ دوسروں کو خراب نہ کریں اگر جہاد اور لڑائی کا حکم ہے تو لشکر جمع کرنے اور اسباب جنگ قائم کرنے کی کوشش کرے اور اگر جہاد اور لڑائی کا حکم نہیں ہے تو ہلاکت کی دعا کے ساتھ انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دے تاکہ ان کا شر نوع کے تمام افراد تک نہ پہنچے۔

دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی اصل مرض یہ تھی کہ تقرب الی اللہ کی طلب میں اپنی ضرورتوں میں مدد لینے میں ارواح اولیاء کے مظاہر کاملہ کی طرف توجہ کرنے میں گرفتار تھے اور مرتبہ تنزیہہ کی طرف قرب حاصل کرنے اور اس مرتبے سے مدد لینے کی ان کے ذہن میں کوئی گنجائش نہ تھی۔ رفتہ رفتہ ان کی دنیا کی محبت اور اس کی تعمیر میں انتہائی منہمک ہونے اور مرتبۂ روحیہ سے ان کے ادراک کے قاصر ہونے کی وجہ سے ان اولیاء کی ارواح بھی ان کی نظر سے غائب ہوگئیں اور ان کے بجائے انہیں شیطانی ناپاک ارواح اپنی طرف مائل کر کے فریب دیتی تھیں یہاں تک کہ نام تو اولیاء کے مگر حقیقت شیطان کی تھی اور یہی جبلت بشری ہے کہ جب نیچے گری اور معرفت کی بلندی سے قاصر ہوئی تو انتہائی نچلے درجوں میں گر جاتی ہے اور درمیان میں نہیں ٹھہرتی اگر عبادت اور تقرب میں ان کی نظر ارواح اولیاء کے اصل مرتبوں کی طرف متوجہ ہوتی تو بھی انہیں ان ارواح کی طرف سے ایک ہدایت اور رہنمائی پہنچ جاتی اور وہ انہیں کبھی کبھی خوابوں اور معاملات میں توجہ الی اللہ کی طرف دلالت فرماتیں اور سرکشی سے باز رکھتیں۔

اور ان کی قوت وہمیہ عمر کی طوالت، دیر تک باقی رہنا، مال اور بیٹوں کی کثرت،

عمارات' باغات اور کھیتوں کو بہت درست رکھتی تھی۔ پس انہیں ان مقاصد کے حصول کی امید' ان کے نہ ملنے کے خوف اور اس بات کے القاء کی وجہ سے کہ تمہاری یہ تمام پسندیدہ چیزیں خداتعالیٰ کے دست قدرت میں ہیں۔ سورج' چاند' آسمان اور زمین کو اسی نے پیدا فرمایا ہے' خداتعالیٰ کی طرف متوجہ کرنا معین تھا تاکہ جب وہ اس پردے میں اس کی طرف متوجہ ہوں تو انہیں آہستہ آہستہ اس نچلی معرفت سے ترقی دی جائے اور اس پست ہمت سے اونچا کیا جائے اور وہ تدریجاً اپنے مقصود تک پہنچ جائیں۔

جب دعوت کی مدت ہزار سال کے قریب پہنچ گئی اور اس دوران کئی مدتیں گزر گئیں اور حالات مختلف ہو گئے اور مختلف استعدادات بروئے کار آئیں اور سب بے کار رہیں' حضرت نوح علیہ السلام کو ان کی اصلاح سے من کل الوجوہ مایوسی ہوگئی' آپ نے ان کی عام ہلاکت کی دعا فرمائی اور حق تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

حضور علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیان وجوہ مناسبت

یہاں جاننا چاہیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جن پر اس سورۃ کو دعوت الی الحق کے قواعد کی تعلیم اور اس کی مشقت پر صبر کی تلقین کے لیے نازل فرمایا گیا ہے' چند وجوہ کے ساتھ ایک بہت قوی مناسبت ہے کہ دوسرے رسل علیہم السلام کو وہ مناسبت حاصل نہیں ہے اور اسی لیے سورۃ المعارج میں فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيْلًا فرمانے کے بعد اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کو بطورِ مثال لائے ہیں۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کو جس عذاب کا وعدہ دیا گیا' انہیں ڈرانے اور خوف دِلانے کے وقت سے بہت بعید اور دُور تھا کہ ہزار سال کی قدر فاصلہ درمیان میں تھا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کو جس عذاب کا وعدہ دیا گیا' وہ بھی بہت بعد اور دُوری رکھتا ہے کہ قیامت کا دن ہوگا۔ بخلاف دوسرے رسل علیہم السلام کے کہ ان کی قوموں کو دنیا میں قریبی مدت میں ہلاک فرما دیا گیا۔ فرعون چالیس سال کے بعد غرق ہوگیا اور اسی قیاس پر دوسرے کفار قریبی مدتوں میں عذاب دنیوی میں گرفتار

ہوئے جبکہ یہ اُمت دنیوی عذاب سے محفوظ ہے اِس اُمت کے کفار کا پورا عذاب روزِ قیامت کے حوالے سے ہے اور انہیں دنیا میں بعض اوقات قتل اور قید کے ساتھ کچھ عبرت اور تنبیہہ فرماتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ان کی دعوت کی مدت ہمارے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی مدت کے برابر ہے۔ فرق یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بنفس نفیس اس مدت تک حیات ظاہری میں رہ کر دعوت کو مخلوق تک پہنچایا جبکہ ہمارے آقا رسولی علیہ الصلوٰۃ والسلام دعوت کے لیے اپنے نائبوں کو چھوڑ کر عالم قدس کو تشریف لے گئے جنہوں نے ہزار سال تک اس امر کو قائم رکھا اور ہزار سال گزرنے کے بعد ملک ہندوستان میں باطل ادیان کے داعی جیسے نانکیاں' دواؤ پنتھیاں' خفشاں نمودیان پیدا ہو گئے اور انہوں نے اپنی طرف بُلانے کا آغاز کر دیا اس وقت اس دین کی وحدت کی دعوت دگرگوں ہوگئی اور اس کے بعد جہان میں قسم قسم کی دعوتیں ظاہر ہو گئیں کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے باسعادت زمانے میں پھر اس دعوت کی انفرادیت تجدید کے ساتھ از سرِ نو تازہ ہو گی اور پھر منکروں پر نئے سرے سے التزام حجت کیا جائے گا تا کہ وعدہ شدہ عذاب چکھنے کا استحقاق پائیں اور نوع کے ختم ہونے کے لیے آمادہ ہوں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت بھی سارے جہان کو عام تھی جیسا کہ ہمارے رسولِ کریم علیہ السلام کی بعثت عام ہے' فرق صرف یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت جس طرح اپنے زمانے والوں پر عام تھی اسی طرح نوع کے تمام افراد پر قیامت تک کے لیے بھی عام ہوئی جبکہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت صرف اپنے زمانے کے لوگوں پر عام تھی نہ کہ نوع کے ان تمام افراد پر جو کہ بعد میں موجود ہوں۔ وہ جو خصائص کی حدیث پاک میں وارد ہوا کہ بعثت الی الناس عامة وكان النبي يبعث الى قومه خاصة یہی معنی رکھتا ہے اس لیے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم تمام اہلِ زمین تھے جو کہ آپ کے زمانے میں موجود تھے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وقت سے لے کر قیامت تک عام انسانوں کی رسالت کے ساتھ مخصوص ہیں اور اس

کا راز یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت تمام اہلِ زمین شرک میں گرفتار تھے جس طرح کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت شریفہ کے وقت بھی تمام اہلِ زمین شرک میں گرفتار تھے۔ نیز جس عذاب کا وعدہ حضرت نوح علیہ السلام کی دعا پر تھا' تمام اہلِ زمین کو عام تھا اگر آپ کو تمام اہلِ زمین کی طرف مبعوث نہ فرمایا جاتا اور اس قدر طویل عمر نہ دی جاتی کہ اس عمر میں آپ کی دعوت تمام اہلِ زمین کو پوری طرح پہنچے تو عام لوگوں کو خاص کے گناہ کی وجہ سے ہلاک کرنا لازم آتا جو کہ عدل و حکمت کے قواعد کے خلاف ہے جس طرح کہ وہ عذاب جو اس اُمت کے کافروں کے لیے موعود ہے یعنی سارے جہان کو برباد کرنا بھی عام ہے اگر بعثت بھی عام نہ ہو تو عدل و حکمت کے قاعدے کی مخالفت لازم آئے۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت اور آپ کی دعوت کی گردش درمیانی قیامت کے ساتھ جو کہ عام طوفان تھا' متصل ہوئی جیسا کہ ہمارے آقا و مولیٰ علیہ السلام کی بعثت اور آپ کی دعوت کی گردش قیامتِ کبریٰ کے ساتھ متصل ہوئی بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے اور یہ مناسبت تیسری مناسبت پر متفرع ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ طوفان کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کو ایسی شان حاصل ہوئی کہ تقرب الی اللہ کا وسیلہ آپ کی ذات کے سوا اور کوئی نہیں تھا اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عبادت کے ساتھ آپ کی اُمت اور آپ کے پیروکاروں کے سوا اور کوئی قائم نہیں تھا۔ پس وسیع حق اس صورت میں منحصر ہو گیا اور اس کارخانہ میں آپ ﷺ کو ایک عجیب انفرادیت نصیب ہوئی جبکہ ہمارے رسولِ پاک علیہ السلام کو بعثت کی ابتدا سے ہی یہ مرتبہ حاصل ہو گیا اس لیے کہ منسوخ ادیان تقرب کا ذریعہ نہ رہے اور ان کی عبادتیں اور معرفتیں باطل اور بے اثر ہو گئیں اور حضرت علیہ السلام کے نزول کے بعد یہ انفرادیت حقیقت اور حکم دونوں کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جلوہ گر ہو گئی کہ آپ کے دین کے سوا کوئی دین جہان میں نہیں رہے گا اور اس شان میں توجہ الی اللہ منحصر ہو جائے گی۔

مختصر یہ کہ ان مناسبتوں کی وجہ سے اس سورۃ کو جو کہ حضرت نوح علیہ السلام کی

دعوت' طوفان کے عذاب سے آپ کے ڈرانے اور آپ سے واقع ہونے والی عام ہلاکت کی دعا پر مشتمل ہے' سورۃ معارج کے بعد لکھا گیا ہے جو کہ اس اُمت کے موعود عذاب کے سوال' صبر کے حکم اور جلد مانگنے کو ترک کرنے پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّا تحقیق ہم نے جلالؔ و جمالؔ کے درمیان مرتبۂ جامعہ سے جلال کے پردوں سے انوارِ جمال کی طرف نکالنے کے لیے اَرْسَلْنَا نُوْحًا نوح علیہ السلام کو بھیجا جو کہ دونوں شانوں کے جامع اور جلال میں گرفتاروں کو انوارِ جمال کی طرف نکالنے کی کیفیت سے واقف تھے' قاصد بنا کر

اِلٰی قَوْمِهٖۤ ان کی قوم کی طرف کہ قومیت کی وجہ سے آپ کی شفقت ان پر بہت زیادہ تھی اور زمان اور مکان ایک ہونے کی وجہ سے آپ کو آگاہی بھی زیادہ تھی تا کہ جس طرح مناسب سمجھیں' انہیں جلال کے پردوں سے باہر لائیں اور نور جمال کے ساتھ منور فرمائیں اور ان کے فہم کی استعداد کے مطابق حجاب میں رہنے کے انجام سے ڈرائیں۔

اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ اس مضمون کے ساتھ کہ اپنی قوم کو ڈرائیں کہ وہ اپنے حق میں آپ کی شفقت اور خیر خواہی' ہم قوم ہونے کی وجہ سے جانتے ہیں اور آپ کے ڈرانے سے توجہ کرتے ہیں۔

مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ اس سے پہلے کہ انہیں دردناک عذاب آئے جو کہ اپنے پروردگار سے حجاب میں رہنے کا نتیجہ ہے۔

قَالَ یٰقَوْمِ ہمارا فرمان ملتے ہی حضرت نوح نے ہمارے حکم کی تعمیل کی اور اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! قومیت کا تقاضا یہ ہے کہ میں جس چیز سے ڈرتا ہوں' تم بھی ڈرو اور میری نصیحت اور خیر خواہی کو قبول کرو اس لیے کہ میرا سچ بولنا تمہیں معلوم ہے۔

اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ تحقیق میں تمہارے لیے صاف ڈرانے والا ہوں اگر تم اپنے معبودان باطلہ کے حجاب میں رہو گے تو اس پر دردناک عذاب مرتب ہوگا۔ پس اپنے آپ اس کو حجاب سے جلد نکال کر اپنے معبودِ حقیقی کی طرف متوجہ ہو جاؤ جو کہ تمہارا

پروردگار ہے اور اس حجاب سے باہر آنا اتنا مشکل اور گراں نہیں ہے بلکہ اس کا ایک آسان طریقہ یہ ہے:

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس لیے کہ عبادت تمہیں حجاب سے چھٹکارا دے گی اور تمہاری توجہ اوصاف کی طرف ہو جائے گی اور تم پر انوارِ جمال چمکیں گے۔ پس خدا تعالیٰ کی عبادت تمہاری اس مرض کو دُور کرنے میں کافی ہے لیکن پرہیز شرط ہے پس پرہیز بھی اپنے اوپر لازم کرو۔

وَاتَّقُوْهُ اور اس سے پرہیز کرو اس کے غیر کی عبادت میں اس اعتقاد کی بناء پر کہ وہ غیر اس کی صفاتِ کمال کا مظہر ہے اس لیے کہ کوئی مخلوق بھی گو مظہر کامل ہو اس کے درجۂ کمال سے ناقص ہے۔ پس اس صورت میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے کمال میں نقصان کا اعتقاد لازم آئے گا اور یہ اعتقاد اس کے اس غضب سے زیادہ غضب کا موجب ہوگا جس کی تمہیں عبادت کو بالکل ترک کرنے یا اس کے احکام کی نافرمانی کرنے پر توقع ہے اور اگر تمہیں اپنی عقل کے ساتھ عبادت اور تقویٰ کا طریقہ معلوم کرنا ممکن نہیں ہے تو ان دونوں کا طریقہ مجھ سے سنو۔

وَاَطِيْعُوْنَ اور میری اطاعت کرو ان احکام میں جو میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچاؤں تاکہ تم عبادت میں غلطی بھی نہ کرو اور نافرمانی سے بھی بچے رہو اور اگر تم اس کی عبادت کو تقویٰ اور میری اطاعت کے ساتھ جان و دل کے ساتھ قبول کرو تو تمہاری سابقہ محجوبیت کے نشانات فی الفور مٹنے لگتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ

يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ تمہارے لیے تمہارے بعض گناہ بخش دے گا جو کہ تمہاری محجوبیت کا سبب ہیں اور ان گناہوں کے اُٹھ جانے کی وجہ سے حجاب اُٹھ جانے کی توقع ہے اور وہ گناہ عبادت کو چھوڑنا ہے جو کہ تم نے گزشتہ زمانے میں کیا ہے اور تقویٰ ترک کرنا ہے جس کے تم سابقہ زمانے میں مرتکب ہوئے ہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت ہے جو کہ تم نے ماضی میں کی ہے نہ کہ وہ گناہ جو کہ تم اسلام لانے کے بعد کرو گے اور نہ وہ گناہ جو کہ مخلوق کے حقوق کے ساتھ متعلق ہیں اگرچہ اسلام سے پہلے واقع ہوئے

ہوں پس من کا لفظ تبعیض کے لیے ہے اور یہ آیت اثبات میں لفظ من کے زیادہ ہونے پر دلیل نہیں بنتی ہے جیسا کہ کوئی نحویوں نے کہا ہے۔

پھر تمہارا اسلام لانا ان گناہوں کے مواخذہ میں جو تم اسلام لانے کے بعد کرو گے یا مخلوق کے حقوق کے ساتھ متعلق ہوں' تاخیر کا اثر بھی کرے گا اس لیے کہ حق تعالیٰ تمہیں اسلام کی برکت سے دنیوی مواخذہ سے محفوظ رکھے گا۔

وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اور حق تعالیٰ تمہارے مواخذہ کو اس وقت تک مؤخر فرمادے گا جو کہ اس نے تم میں سے ہر شخص کی پیدائش کے وقت میں مقرر فرمایا ہے اور سانسوں کی گنتی کے ساتھ سال' مہینے' دن اور ساعتیں نام رکھا اور اس مہلت دینے میں تمہیں توبہ اور حقوق والوں کو راضی کرنے کا امکان میسر ہوگا۔ پس اسلام لانا تمہارے اللہ تعالیٰ کے غضب کے تقاضوں سے سراسر امن اور اطمینان کا باعث ہے اور ہم نے جو کہا کہ تمہیں ایک معین وقت تک مؤخر کردے گا اس اعتبار سے کہا کہ اس وقت مقرر کی تاخیر نہیں ہوسکتی اس لیے کہ وہ وقت علم الٰہی میں مقرر ہے۔

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ تحقیق وہ وقت جو کہ علم الٰہی میں ہر شخص کی موت کے لیے معین ہے۔ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ جب آجائے ہرگز مؤخر نہیں کیا جاتا ورنہ علم الٰہی میں قصور لازم آئے۔

اور اگر تم کہو کہ ہم میں سے ہر شخص کی موت کا وقت علم الٰہی میں معین ہے جس طرح تاخیر قبول نہیں کرتا پہلے بھی نہیں آسکتی تو آپ ہمیں کفر اور معصیت سے کیوں ڈراتے ہیں کہ کفر اور معصیت کی وجہ سے ہم قبل از وقت ہلاک نہیں ہوں گے جس طرح کہ اسلام اور طاعت کی وجہ سے ہم اس وقت کے آنے کے بعد زندہ نہیں رہیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ وقت جو علم الٰہی میں تمہاری موت کے لیے معین ہے اگرچہ تاخیر قبول نہیں کرتا لیکن تقدیم قبول کرتا ہے اس طرح کہ وہ وقت مقرر تمہارے کفر اور معصیت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور ایک اور وقت تمہارے اسلام اور طاعت کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جبکہ تم کفر اور معصیت کرتے ہو۔ پس اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وقت پہلے ہو جاتا ہے اس لیے کہ اجل

اللہ اس وقت کا نام ہے جس کے وجود کی شرط کا واقع ہونا علم الٰہی میں معلوم ہے اور دوسری اجل اس وقت کا نام ہے کہ اس کی شرط کا واقع ہونا علم الٰہی میں معلوم نہیں ہے۔ پس جائز ہے کہ تعلیق کی دو طرفوں میں سے ایک طرف کی شرائط واقع ہو جائیں اور وہ طرف اجل اللہ ہو جائے اور دوسری طرف پر مقدم ہو جائے اور جائز ہے کہ دوسری طرف کی شرائط واقع ہو جائیں اور وہ طریف اجل اللہ قرار پائے اور اس طرف پر مقدم ہو جائے اور یہ جائز نہیں ہے کہ ایک طرف کی شرائط کے باوجود وہ طرف واقع نہ ہو اور دوسری طرف واقع ہو جائے تا کہ اجل اللہ کی تاخیر مقصود ہو۔ پس مثلاً موت کا وقت عنداللہ ہر شخص کے حق میں معین ہے اس لیے کہ اجل اللہ قطعی اور یقینی ہے پس دوسرا احتمال نہیں ہے اور اگر معلق ہے تو علم الٰہی میں اس کے دو احتمالات میں سے ایک کا واقع ہونا معلوم اور قطعی ہے اور دونوں صورتوں میں معین ہونا لازم آیا اور وہ اجل معین کبھی مؤخر نہیں ہوتی اس لیے خلاف علم الٰہی واقع نہیں ہوتا جبکہ تاخیر کی صورت میں علم الٰہی کا خلاف لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ نے اس طرف کے واقع ہونے کو ایک ایسے وقت میں جانا تھا جس میں وہ واقع نہ ہوا۔

اور تقدیم قبول کرتا ہے اس طرح کہ اس طرف کے واقع ہونے کی شرائط ثابت ہو جائیں جبکہ دوسری طرف کی واقع ہونے کی شرائط ابھی ثابت نہ ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ اجل اللہ مقدم ہوتی ہے اور مؤخر نہیں ہوتی اور چونکہ لوگوں کو دونوں احتمالات میں سے ایک کے واقع ہونے کی طرف پر اطلاع نہیں ہے اس لیے چاہیے کہ پسندیدہ طرف کی شرائط حاصل کرنے میں کوشش کریں اور ناپسند طرف کی شرائط حاصل کرنے سے پرہیز کریں اسی لیے کفر اور معصیت کو حرام اور ایمان اور طاعت کو واجب قرار دیا گیا ہے۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بارے میں قضائے معلق اس طرح جاری ہوئی تھی کہ اگر وہ حضرت نوح پر ایمان لائیں اور عبادت اور تقویٰ اختیار کریں تو ہر ایک کو اس کی طبعی اجل تک پہنچا کر جدا جدا قبض فرمائیں اور اگر وہ انکار اور کفر اختیار کریں اور حضرت نوح ان پر ہلاکت کی دعا فرمائیں تو سب کو ایک ہی وقت میں ان کی دعا کے مطابق عام طوفان کے ساتھ ہلاک کریں اور علم الٰہی میں اجل اللہ یہی پچھلا وقت تھا کہ

اس کی شرائط واقع ہو گئیں اور وہ دوسری اجلیں جو کہ ہر شخص کی موت کے لیے جدا جدا مقدر تھیں اور مقدم تھیں۔ پس ان کے حق میں ایمان' عبادت' تقویٰ اور طاعت کی شرط کے ساتھ تاخیر اجل کا وعدہ سچا ہوا اگر چہ شرط فوت ہونے کے تقاضے کے مطابق مشروط بھی فوت ہو گیا ہو۔

حاصل کلام یہ کہ جہان میں اسباب کا کارخانہ سب کا سب اسی احتمال اور عدم تعین پر مبنی ہے اور اسی لیے تعین کے ساتھ علم الآجال کسی کو نہیں دیا مگر بعض امور میں بعض اشخاص کو عطا ہوا تا کہ مسببات کے ساتھ اسباب کا رابطہ دگرگوں نہ ہو۔

یہاں ایک سوال باقی رہ گیا جو کہ بعض ظاہر بین وارد کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اجل مبرم نہ آگے ہو سکتی ہے نہ پیچھے جبکہ اجل معلق جس طرح پہلے ہو سکتی ہے' پیچھے بھی ہو سکتی ہے اس لیے کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد آپ پر ظاہر کی گئی' آپ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو بہت پسند کیا اور ان کی عمر کے متعلق پوچھا۔ حق تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کی عمر ساٹھ برس ہے' حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی عمر سے چالیس سال حضرت داؤد علیہ السلام کو بخش دیئے اور حضرت داؤد علیہ السلام نے سو سال عمر پائی۔ پس جس طرح اجل اللہ تعلیق کی وجہ سے مقدم ہو جاتی ہے' مؤخر بھی ہو جاتی ہے؟ اس سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ اس آیت میں اجل اللہ کی عدم تاخیر کو اذا جاء کے ساتھ مقید فرمایا گیا ہے اور اجل اللہ آنے کے بعد تقدیم ممکن نہیں ہے' تاخیر ممکن ہے لہٰذا تقدیم کی نفی نہ فرمائی گئی اور تاخیر کی نفی پر اکتفا کی گئی لیکن وہ سمجھتے نہیں کہ اس صورت میں ان اجل اللہ کے جملے کا سابقہ کلام کے ساتھ کوئی ربط نہ ہوا بلکہ جس مقصد کے لیے کلام کیا گیا ہے' اس کے خلاف ہوا اس لیے کہ اس جملے کے ذکر کرنے کی غرض یہ ہے کہ کفر اور ترک عبادت پر اصرار کی صورت میں ہم تمہیں ہلاک کرنے میں جلدی کریں گے اور ہر کسی کے لیے جدا جدا مقرر اجل تک پہنچنے کی فرصت نہیں دیں گے جبکہ ایمان' عبادت اور تقویٰ کی صورت میں ہم طوفان کے ساتھ ہلاکت عام نہیں کریں گے اور ہر کسی کو اس کے حق میں مقدر اجل کے ساتھ جدا جدا قبض کریں گے اس لیے خدا تعالیٰ کے نزدیک

اجل معین تاخیر کے قابل نہیں ہے اور جب اجل کا علم الٰہی میں معین ہونا اس کی شرائط کے وقوع کے تابع ہے۔ پس اس پسندیدہ اجل کی شرائط حاصل کرنے میں بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔

پس اس شبہ کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضرت آدم اور حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ میں اجل اللہ وہی سو سال تھی نہ کہ ساٹھ سال اس لیے کہ اجل اللہ تعلیق کی اسی طرف کا نام ہے جس کے وقوع کی شرائط ثابت ہو جائیں اور معلق کو اجل اللہ کی طرف کا نام دینا باعتبار مجاز ہے کہ اس کی دو طرفوں میں سے ایک اجل اللہ ہے۔ پس اجل اللہ کی تاخیر ہرگز ممکن نہیں ہے ہاں اس کی ایسی طریقے سے تقدیم اسی طریقے سے ممکن ہے جو بیان ہوا یعنی تعلیق کی دو طرفوں میں سے ایک کو اس چیز کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہو جو واقع نہ ہوئی اور دوسری طرف کو اس چیز کی ضد کے ساتھ معلق کر دیا گیا ہو اور جب وہ چیز واقع نہ ہو تو اس کی ضد واقع ہو گی۔ پس دوسری طرف متحقق ہو جائے گی اور وہ اجل اللہ ہے جس کا وقوع اللہ تعالیٰ کے علم میں معلوم ہے۔

اور اس فرق کی حقیقت یہ ہے کہ واقع کی غیر واقع سے تاخیر معقول نہیں ہے اور غیر واقع کی واقع پر تقدیم معقول نہیں ہے اور واقع کی غیر واقع پر تقدیم معقول اور واقع ہے اور اجل اللہ تعلیق کی دونوں طرفوں میں سے ہر ایک میں واقع ہو گئی اور اس کی دوسری طرف میں غیر واقع ہو گی۔

اور اگر یہاں کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ اجل معلق کی تاخیر احادیث میں بہت زیادہ وارد ہے جیسا کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے باب میں فرمایا گیا ہے کہ لایزید فی العمر الاالبر یعنی عمر میں زیادتی والدین کے ساتھ نیکی کرنے کے ساتھ ہوتی ہے اور قریبیوں سے صلہ رحمی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ جو چاہے کہ اس کے رزق میں فراخی کی جائے اور اس کی عمر میں زیادتی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے اور دعا کے باب میں وارد ہے کہ دعا اور تکلیف آپس میں مقابلہ کرتے ہیں اور قضاء کو دعا ہی رد کرتی ہے جبکہ اجل کی تقدیم کسی حدیث پاک میں ذکر نہیں کی گئی

حالانکہ اس تقریر کے مطابق تقدیم کا تصور ہے اور وہ واقع ہے اور تاخیر کا تصور بھی نہیں اور واقع بھی نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس تقریر میں تاخیر کا متصور نہ ہونا اجل اللہ کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ تعلیق کی دو طرفوں میں سے ایک ہے اور علم الٰہی میں معین ہے اور جو تاخیر کہ احادیث میں وارد ہے' وہ بشری علم میں تعین کے بغیر تعلیق کی دو طرفوں سے ایک میں ہے۔ بس کوئی منافات نہیں ہے لیکن یہ بات کہ تقدیم کو احادیث میں ذکر نہیں فرمایا گیا ہے تو یہ اس وجہ سے ہے کہ آدمی کو موت کے وقت میں زیادہ تر تاخیر مطلوب ہوتی ہے نہ کہ تقدیم۔ پس ان اعمال کا پتہ دینا چاہیے جو اس کی تاخیر کا سبب ہوں جیسا کہ مرغوب کاموں جیسے قبولیت دعا اور مطالب کے حصول میں جلدی کے اوقات میں تقدیم کے اسباب کا بھی پتہ دیا گیا ہے اور سرکشی' والدین کی نافرمانی اور کثرتِ زنا سے ڈرانے میں موت کی تقدیم اور عمر کی کمی سے ڈرایا گیا۔ پس اجل معلق میں بشری علم پر نظر کرتے ہوئے تعلیق کی دو طرفوں میں سے ایک کی تاخیر' تقدیم کی طرح بلاشبہ روا اور جائز ہے اور اس جہان میں اسباب اور مسببات کے کارخانہ کی بنیاد اسی تجویز' احتمال اور ابہام پر ہے اگر یہ ابہام درمیان میں نہ ہو اور تعلیق کی دو طرفوں میں سے ایک طرف معین کر کے یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے تو کوشش اور کسب ونسب کا کارخانہ بالکل دگرگوں ہو جائے اور اس سورۃ میں کلامِ الٰہی اجل اللہ کی تاخیر کی نفی کرتی ہے کہ وہ طرف واقع ہے نہ کہ علی سبیل الابہام دو طرفوں میں سے ایک طرف۔

اور ظاہر بینوں کے ذوق پر جو کہ تقدیم و تاخیر میں فرق نہیں کرتے' کہا جا سکتا ہے کہ اس سورۃ میں اجل کی تاخیر کی نفی اس کے آنے کے بعد فرمائی گئی ہے جبکہ احادیث میں تاخیر کو جائز قرار دینا اس کے آنے سے پہلے ہے۔ پس کوئی منافات نہیں ہے لیکن بعض ضعیف احادیث میں وارد ہے کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے پاس روح قبض کرنے کے لیے ملک الموت علیہ السلام آیا۔ پس اس کے پاس اپنے والدین کے ساتھ کی ہوئی نیکی آئی تو اسے اس کے ہاتھ سے چھین لیا او کما قال اور اس صورت میں اجل کے

آنے کے بعد بھی اس تاخیر سے ثابت ہوتی ہے مگر یہ کہ کہا جائے کہ ملک الموت کا آنا اجل اللہ کے آنے کو لازم نہیں کرتا اور اس میں بعد ہے۔ پس تحقیق وہی ہے کہ اجل اللہ تعلیق کی دوطرفوں میں سے اسی طرف واقع کا نام ہے کہ جس میں تمام شرائط کا اجتماع اور تمام رکاوٹوں کا اُٹھ جانا ثابت ہوتا ہے۔

اور اکثر مفسرین نے آیت کا معنی یوں بیان کیا ہے کہ یُؤَخِّرْكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى سے مراد مبرم قطعی اجل ہے اور یہی اجل اللہ سے مراد ہے اور وہ اجل جس طرح تاخیر قبول نہیں کرتی' تقدیم بھی قبول نہیں کرتی لیکن تاخیر کی نفی پر اکتفا اس لیے فرمایا گیا ہے کہ خوف دِلانے اور ڈرانے کے مقام کا تقاضا نفی تاخیر ہے نہ کہ نفی تقدیم۔

اور تحقیق یہ ہے کہ اجل کی تین قسمیں ہیں:

اجل کی تین قسمیں ہیں

مبرم اور قطعی کہ اس میں تعدد اور احتمال بالکل نہیں ہے اور اس میں تقدیم و تاخیر کا کوئی تصور نہیں ہے اس لیے کہ تقدیم و تاخیر دو احتمالات کو چاہتی ہیں اور اجل معلق کی دوطرفوں سے طرف واقع کہ علم الٰہی میں اس کی تمام شرائط کا اجتماع اور تمام رکاوٹوں کا ارتفاع ثابت ہوا اور وہ طرف غیر واقع طرف پر مقدم ہو جاتی ہے اور گزشتہ طریقے کے مطابق تاخیر قبول نہیں کرتی اور اجل معلق کی دوطرفوں میں سے غیر واقع طرف کہ علم الٰہی میں اس کی تمام شرائط کا اجتماع اور تمام رکاوٹوں کا ارتفاع ثابت نہیں ہے اور وہ تقدیم بھی قبول نہیں کرتی اور اجل معلق کی دوطرفوں سے غیر واقع طرف کہ علم الٰہی میں اس کی تمام شرائط کا اجتماع اور تمام رکاوٹوں کا ارتفاع ثابت نہیں ہے اور وہ تقدیم بھی قبول کرتی ہے اور تاخیر بھی۔ پہلی دو قسمیں اجل اللہ ہیں اور یہ تیسری قسم اجل وہمی اور احتمالی ہے اور احتمال ہے کہ آیت کا معنی یوں ہو اور اگر تم عبادت' تقویٰ اور میری اطاعت کرو تو حق تعالیٰ تمہیں دنیوی مواخذہ سے نجات بخشے گا اور دمِ مرگ تک جو کہ اجل مقرر کی وجہ سے تمہیں پہنچے گی' عقوبتوں اور تکلیفوں میں جیسے قحط اور وبائے عام گرفتار نہیں کرے گا اور اگر تم عبادت' تقویٰ اور میری اطاعت نہ کرو تو تم اس مواخذہ اور عقوبت میں گرفتار ہو گے

لیکن موت کو رکاوٹ نہیں ہے۔ عبادت' تقویٰ اور انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کی تاثیر کی حد بلیات وعقوبات کو روکنے تک ہے نہ کہ موت کو روکنے تک اس لیے کہ اجل اللہ قابلِ تاخیر نہیں ہے' کسی چیز کے ساتھ تاخیر نہیں کی جاتی لیکن اس معنی میں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ احادیث صحیحہ میں بعض اعمال صالحہ کی تاثیر موت کی تاخیر میں بھی ثابت فرمائی گئی ہے۔ پس اجل کو دو قسموں میں تقسیم کیے بغیر چارہ نہیں ہے' ایک قسم وہمی اور تعلیقی اور دوسری اجل اللہ اور تحقیقی۔ بہرصورت وہ اجل جو کہ علم الٰہی میں ہر شخص کی موت کے لیے مقدر ہے' تاخیر قبول نہیں کرتی۔

لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کاش کہ تم جانتے کہ ہر کسی کو اپنی اجل مقرر پر موت چکھنے سے چارہ نہیں ہے۔

اور اگر تم کہو کہ ہم کب منکر ہیں' ہم کہتے ہیں کہ دنیا پر تمہاری حرص اور اس کے کاموں میں تمہارا قلبی لگاؤ اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ گویا تم اپنے وقتِ مقرر پر موت کے آنے کے منکر ہو اور تم موت کو روکنے اور اجل کو طویل کرنے کے لیے اسباب جمع کرنے میں اور اسی تلاش اور کوشش میں رہتے ہو اگر تمہیں یہ علم حاصل ہوتا تو تمہاری یہ حالت نہ ہوتی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ کا محذوف

اور یہاں واقعہ کا تتمہ محذوف ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو یہ خوف دِلانے اور ڈرانے کا پیغام پہنچایا اور آپ کی قوم نے آپ کو جھوٹ کے ساتھ منسوب کیا اور آپ کی باتوں کا یقین نہ کیا یہاں تک کہ کئی نسلیں گزر گئیں اور کئی پشتیں پوری ہو گئیں اور ہر بوڑھا آدمی جب موت کے قریب پہنچتا تھا تو اپنی اولاد اور چھوٹوں کو حضرت نوح علیہ السلام کا پتہ دیتا کہ خبردار رہنا اس بوڑھے کی باتوں سے' دھوکا نہ کھانا اور اپنے اسلاف کا طریقہ نہ چھوڑنا کہ یہ بوڑھا ہمیں صدیوں سے ڈرا رہا ہے اور اس کا وعدہ کبھی واقع نہیں ہوا اور وہ آپ کی یہاں تک توہین اور بے ادبی کرتے تھے کہ اپنے اطفال کو آپ کے پیچھے دوڑاتے تاکہ وہ ہنسی مذاق کریں اور آپ پر پتھر برسائیں اور جب بھی حضرت نوح علیہ

السلام دعوت اور ڈرانے پر اصرار فرماتے تو وہ آپ کو اتنا مارتے کہ آپ کے بدن اور چہرۂ مقدس سے خون جاری ہو جاتا اور آپ اس تمام ظلم و تکلیف کے باوجود جنابِ الٰہی میں دعا کرتے کہ بارِ خدایا! میری قوم کو بخش دے کہ یہ مجھے نبی نہیں جانتے۔ اور اپنے گمان میں تیرے پیغمبر کی بے ادبی نہیں کرتے' ناواقف ہیں اور اس واقعہ کو اس لیے محذوف کہا گیا ہے کہ یہاں حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے حالات پیش کیے جائیں گے جہاں یہ پورا واقعہ بیان ہوگا اگر یہاں اس واقعہ کو مکمل طور پر ذکر فرمایا جاتا اور پھر حضرت نوح علیہ السلام کے قول کی حکایت میں بھی اعادہ کیا جاتا تو بے فائدہ تکرار لازم آتی۔ نیز تا کہ اس بات کا پتہ چلے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں انبیاء علیہم السلام ہرگز کوتاہی نہیں کرتے۔ پس انہوں نے دعوت اور ڈرانے میں انتہائی کوشش کی ہوگی اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے' انہیں صرف حکم دے دینا ہی یہ بات جاننے میں کافی ہے کہ انہوں نے ہمارے تمام احکام پر عمل کیا۔

المختصر حضرت نوح علیہ السلام دعوت و انذار کے درجات طے کرنے کے بعد اپنی قوم کے ایمان اور اطاعت سے مایوس ہو گئے' صورتِ حال پیش کرنے کی صورت میں تا کہ دعوت و انداز کے درجات طے کرنے میں حضرت نوح علیہ السلام کی کوتاہی پر محمول نہ ہو۔

قَالَ رَبِّ حضرت نوح نے عرض کی اے میرے پروردگار! اِنِّیْ تحقیق میں نے تیرے حکم کی تعمیل اور اپنی قوم کو ڈرانے میں حتی المقدور کوتاہی نہیں کی اور انسانی طاقت کے مطابق میں انہیں دعوت دینے میں کوشش کی اس لیے کہ دَعَوْتُ قَوْمِیْ میں نے اپنی قوم کو عبادت' تقویٰ اور اپنی اطاعت کی طرف سرگوشی کے طریقے سے اور خفیہ بلایا تا کہ اپنی ماضی کی جفا کہ تیرے غیر کی پوجا اور تیری عبادت کی ترک میں گرفتار تھے' کے ظاہر ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے سامنے رسوا نہ ہوں اسی لیے میں نے دعوت کے اوقات میں مقدم رکھا۔ لَیْلًا رات کو اس لیے کہ خفیہ بات رات کو کہی جاتی ہے حالانکہ رات دعوت و انذار کا وقت نہیں ہے اور میں نے رات کی دعوت الی الحق پر ہی اکتفا نہیں کی۔

وَنَهَارًا اور میں نے دن کو دعوت میں لگا دیا اس لیے کہ دن میں بھی خلوت کے

اوقات کافی ہوتے ہیں اور اس کے باوجود کہ میں نے ہر رات اور ہر دن میں انہیں لگاتار خفیہ خفیہ سمجھایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ عبادت اور تقویٰ سے اور زیادہ دُور ہو گئے۔

فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِىْٓ اِلَّا فِرَارًا پس تیری طرف انہیں میرے بلانے نے زیادہ نہ کیا مگران کا تجھ سے بھاگنا۔ میں نے انہیں جس قدر تیری طرف بُلایا' وہ اسی قدر دوڑ کر دُور ہو گئے اس حد تک کہ میری بات سننے اور میری شکل دیکھنے سے بے زار ہو گئے۔

وَاِنِّىْ كُلَّمَا دَعَوْتُهُمْ اور تحقیق میں جب بھی انہیں عبادت' تقویٰ اور اپنی اطاعت کی طرف بُلاتا ہوں' اپنے نفع کے لیے نہیں کہ ان پر سرداری حاصل کروں یا ان سے مزدوری طلب کروں بلکہ خالص ان کے نفع کے لیے کہ

لِتَغْفِرَ لَهُمْ تاکہ تو ان کے گزشتہ گناہ بخش دے اور اس وجہ سے وہ تیری رحمت کی آماجگاہ بن جائیں اور تیرے قہر و جلال کے آثار سے رہائی پائیں۔ جَعَلُوْٓا اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ڈال لیتے ہیں تاکہ میری دعوت کی آواز ان کے کانوں میں نہ پہنچے۔

وَاسْتَغْشَوْا ثِيَابَهُمْ اور اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹ لیتے ہیں تاکہ میری دعوت کی آواز ان کے کانوں کے قریب تک نہ پہنچے تاکہ ایسا نہ ہو کہ انگلیوں کی حرکت کے وقت کان کے سوراخ کے سامنے سے میری باتوں سے کوئی چیز سنائی دے اور اے کاش مجھ سے اس نفرت کے باوجود ان گناہوں کو چھوڑ دیتے کہ ان سے تیرے غضب اور قہر کے آثار کچھ تو کم ہوتے۔ (نہایت رکیک توجیہہ ہے اس لیے کہ رسول علیہ السلام سے نفرت کرنے سے بڑا اور کون سا گناہ ہے جسے چھوڑنے سے آثار غضب و قہر کم ہوں گے جب تک نفرت کے بجائے محبت رسول علیہ السلام دِلوں میں جاگزیں نہیں ہوتی' آثار غضب و قہر میں زیادتی ہوگی' کمی نہیں۔ فافہم) لیکن وہ ان گناہوں میں اور آگے بڑھ گئے۔

وَاَصَرُّوْا اور انہوں نے ان گناہوں پر اصرار کیا۔ وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا اور انہوں نے میری اطاعت سے تکبر کیا' بہت زیادہ تکبر کیا۔

اور انہوں نے سمجھا کہ میں جو انہیں اپنی اطاعت کے لیے بُلاتا ہوں اس وسیلے سے

کوئی سرداری اور مرتبہ چاہتا ہوں کہ انہیں اپنے تابع کرلوں تا کہ ان سے کوئی نفع حاصل کروں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس بات کو جو یہ خفیہ اور سرگوشی کے انداز میں کہتا ہے' ہمیں علیحدہ علیحدہ دھوکا دینا چاہتا ہے اور ہم میں سے ہر ایک کے سامنے بے ہودہ بات کو خوش نما کرتا ہے اسی وجہ سے عام لوگوں سے سامنے کھل کر نہیں کہتا تا کہ ہم ایک دوسرے کی معاونت جمع ہونے کی وجہ سے اس کی بات کے بے ہودہ ہونے پر مطلع نہ ہوں اور اسے الزام نہ دیں۔ پس یہ شخص فریب دینے والا ہے' خیر خواہ نہیں ہے۔

اور جب میں نے ان کے فرار کے انداز سے سمجھ لیا کہ خفیہ کہنے اور سرگوشی اختیار کرنے میں انہیں زیادہ بدگمانی ہوتی ہے' میں نے دعوت میں دوسرا راستہ اختیار کیا۔

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا پھر تحقیق میں نے انہیں عبادت اور تقویٰ کی طرف کھلے عام ہر مجمع اور ہر محفل میں بلایا اور میں نے ان سب کو الزام دیا اور ان کے نزدیک ثابت کیا کہ غیر اللہ کی پوجا دنیا میں حجاب اور آخرت میں عذاب کا موجب ہے جبکہ عبادتِ خداوندی جمال ولطف کے انوار تک پہنچنے کا ذریعہ ہے تا کہ ان کی بدگمانی دور ہو لیکن جب میں نے دیکھا کہ کھلے عام دعوت دینے میں انہیں ایک اور گمان پیدا ہو گیا کہ ہم نے اس کی خفیہ باتیں قبول نہ کیں اب اس کے انتقام کے طور پر ہمیں بھری محفل میں ہلکا اور قصہ روار گردانتا ہے اور ہمیں ذلیل ورسوا کرنا چاہتا ہے جیسا کہ مثالوں میں مشہور ہے کہ النصح بین الملاء تقریع کہ بھری محفل میں نصیحت کرنا ملامت کرنا ہے اور میری اس کھلے عام دعوت کو انہوں نے خیر خواہی اور نصیحت پر محمول نہ کیا' ناچار میں نے دعوت کا تیسرا طریقہ اختیار کیا۔

ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا پھر تحقیق میں نے ان کے لیے دعوت کو عقلی دلائل اور قطعی براہین سے آشکارا کیا اور دعوت کو کشفی دلائل اور وجدانی براہین کے ساتھ ایک طرح سے خفیہ بھی کیا کہ اس میدان میں عقلی دلائل اور کشفی دلائل کو بھی بیان کرتا گیا اور صرف کشف پر ہی اکتفا نہیں کیا تا کہ اس کی تصدیق سے توقف نہ کریں اور اسی لیے اسررت کے ذیل میں مصدر نوعی لائی گئی اور اعلنت لھم اعلانا نہ لایا گیا اس

لیے کہ وہاں من کل الوجوہ اعلان ہوتا ہے جبکہ یہاں ایک وجہ سے چھپانا ہے اور ایک وجہ سے نہیں۔ پس میں نے اعلان و اسرار دونوں کو جمع کیا تا کہ ان کے دونوں فاسد گمان ایک دوسرے کے اسباب کے باہمی مقابلے کی وجہ سے منکسر اور کمزور ہو جائیں لیکن میں نے دیکھا کہ دعوت کے تینوں طریقے اور دلائل کی تینوں قسمیں جو کہ خطابیات' عقلیات برہانیہ اور کشفیات ہیں' اس امر میں مفید نہیں ہیں اور میں نے ان کے حال میں نظر کی کہ وہ کفر اور معصیت کی نحوست کی وجہ سے چالیس سال۔ سے بارش کے قحط میں گرفتار ہیں اور ان کی کھیتیاں' باغات اور دوسرے مال مویشی ہلاک ہو گئے اور ان کی عورتیں بانجھ ہو گئیں' ان کے اولاد نہیں ہوتی' ان کے چشمے اور نہریں خشک ہو چکیں' انہیں اس وقت ان دنیوی نعمتوں کو حاصل کرنے کی طمع دِلانی چاہیے تا کہ پہلے دنیوی منفعتوں کے مطابق اس راہ کو قبول کریں اور جب اس راہ کی خوبی کو دریافت کر لیں تو ان کی نیت خالص ہو جائے اور مقصد کو پہنچ جائیں' میں نے ان کی دعوت کے لیے ایک اور تقریر شروع کی۔

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ پس میں نے کہا اپنے پروردگار سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگو اگر تم عبادت اور تقویٰ اس کی تمام شرائط کے ساتھ بجا نہیں لا سکتے ہو اس لیے کہ

اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا تحقیق وہ گناہوں کو بہت بخشنے والا ہے اگر تمہارے سارے گناہ نہ بخشے تو کم از کم تم سے تمہارے گناہوں کا وبال اتنا ہلکا فرما دے گا کہ تم ان دنیوی تکالیف سے نجات پا جاؤ گے۔

يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا تم پر برستا بادل بھیجے گا نہ کہ خشک اور پانی سے خالی جیسا کہ قحط کے دنوں میں بھیجتا ہے اور تمہیں جھوٹی طمع دِلاتا ہے اور تمہارے لیے زیادہ حسرت و افسوس کا سبب ہوتا ہے۔

وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ اور مال فراواں کے ساتھ تمہاری مدد فرمائے گا۔ کھیتیاں' چراگاہ' مویشیوں کی نسل اور ان کا دودھ اور گھی زیادہ کر کے۔

وَّبَنِيْنَ اور بیٹوں کے ساتھ تمہاری امداد فرمائے گا کہ حیض کو بدلنے کی صلاحیت

رکھنے والی رطوبتیں تمہاری عورتوں کے جسموں سے خشک ہو چکی تھیں اور جس طرح بارش کا پانی قحط اور غلبۂ یبوست کی وجہ سے خشک ہو گیا تھا' تمہاری منی کا پانی بھی خشک ہو کر بچے پیدا کرنے کے قابل نہیں رہا تھا اور جب رطوبت جہان میں سرایت کرے گی' وہ رطوبتیں تمہاری عورتوں کے جسموں میں اور تمہاری منی کے پانی میں لوٹ آئیں گی اور سابقہ یبوست جو کئی سالوں سے تمہارے مزاج میں داخل ہو چکی' کے ساتھ مل کر اعتدال پیدا کریں گی اور نرینہ اولاد کی ولادت کا موجب ہوں گی نہ کہ لڑکیوں کی کیونکہ مؤنث کا مزاج زیادہ تر ہے' اس کی ولادت میں بہت زیادہ رطوبت چاہیے۔

وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ اور تمہارے لیے باغات پیدا کر دے گا پانی کی کثرت اور چشمے اور کنویں جاری کر کے۔

وَيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا اور تمہارے لیے نہریں بنا دے گا بارش کا پانی زمین کے پانی کے ساتھ ملا کر' پہاڑوں میں بارش کا پانی کثرت سے جمع کر کے اور اس پانی کے نشیبی علاقوں کی طرف اور خشک پڑی ہوئی آبی گزرگاہوں میں جاری ہونے کی وجہ سے۔

اور اس آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ بارش کا قحط' اموال اور اولاد کی ہلاکت اور کھیتوں اور باغوں کی بربادی کبھی گناہوں کی نحوست کی وجہ سے بھی ہوتی ہے اور اسے دُور کرنے کے لیے استغفار کارگر ہوتا ہے اسی لیے شریعت میں صلوٰۃ الاستغفار مقرر فرمائی گئی ہے اور اس میں استغفار کا حکم دیا گیا ہے اور شعبی نے روایت کی ہے کہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں قحط پڑ گیا' آپ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہمراہ استسقاء کے لیے باہر تشریف لائے اور منبر پر رونق افروز ہوئے تاکہ بارش طلب کریں۔ آپ نے استغفار کے سوا کچھ نہ کیا اور منبر سے اُتر کر گھر پہنچ گئے جب گھر پہنچے تو لوگوں نے عرض کی کہ اے امیر المومنین! آپ نے بارش کی دعا نہیں کی؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے بارش کی بہت قوی سبب کے ساتھ درخواست کی ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ راوی فرماتے ہیں کہ بہت بارش ہوئی اور قحط ختم ہو گیا۔

اور ربیع بن صبیح نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کی کہ ایک شخص

نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قحط کی شکایت کی' آپ نے فرمایا استغفار کرو۔ دوسرا آیا اور اس نے غریبی اور مفلسی کی شکایت کی' فرمایا استغفار کرو۔ تیسرا آیا اور اس نے اولاد نہ ہونے کی شکایت کی اور عرض کی کہ آپ دعا فرمائیں تاکہ میرے ہاں بچہ پیدا ہو۔ فرمایا استغفار کرو۔ چوتھے نے آ کر زراعت اور باغات کی پیداوار کی کمی کا شکوہ کیا' فرمایا استغفار کرو' حاضرین مجلس نے پوچھا کہ حضرت! ان کے مقاصد جدا جدا تھے' آپ نے سبھی کو ایک استغفار کا ہی حکم دیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنی طرف سے نہیں کہا ہے' ان چاروں آفات کا علاج خدا تعالیٰ نے استغفار مقرر کیا ہے پھر یہ آیت تلاوت کی۔

اور حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی آیت سے استدلال فرمایا ہے کہ استسقاء کی حقیقت دعا اور استغفار ہے اس میں نماز' خطبہ اور دوسرے امور ضروری نہیں ہیں اگر ہوں تو درست اور اگر نہ ہوں تو صحیح۔ اصل مقصد تو دعا اور استغفار سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

مَالَكُمْ تمہیں کیا ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑتے ہو اور تقویٰ میں کوتاہی کرتے ہو اور اس کے رسول علیہ السلام کی اطاعت سے تکبر کرتے ہو مگر لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا تم خدا تعالیٰ کے لیے کسی عظمت کی امید نہیں رکھتے ہو کہ اس عظمت کی وجہ سے اپنے عبادت گزار اور مطیع کو نقصان سے کمال تک ترقی دے اور طبیعت اور حجاب کے ظلمت کدہ سے قدس و تجلی کے انوار تک پہنچا دے اس لیے کہ جو شخص کسی کی تعظیم اور اطاعت سے روگردانی کرتا ہے' اسی خیال کے ساتھ کرتا ہے کہ اسے مجھ پر کوئی بڑائی نہیں ہے تاکہ اس کی بڑائی کی وجہ سے میرے مرتبے میں ترقی ہو۔ پس اس کی تعظیم اور عدم تعظیم برابر ہے اور اس کی اطاعت اور نافرمانی یکساں جبکہ بداہت عقل میں پروردگار کے بارے میں یہ خیال باطل ہے اس لیے کہ اگر اس کی عظمت کو جس نے جہان میں ظہور فرمایا ہے' دیکھ نہیں سکتے ہو تو اپنی ذات میں دیکھ لو اور اپنی پیدائشوں میں نظر ڈالو۔

وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا تحقیق اس نے تمہیں کئی رنگوں میں پیدا فرمایا ہے اور ہر رنگ پہلے رنگ سے بہتر اور زیادہ اچھا ہے اور پہلی حالت سے تمہاری ترقی کا موجب ہوا

ہے' پہلے تم عناصر تھے اس کے بعد اس نے تمہیں غذائی مرکبات بنا دیا پھر نطفہ بنایا پھر منجمد خون پھر جما ہوا گوشت کا ٹکڑا پھر ہڈی اور نرم گوشت اور یہ سات حالتیں روح پھونکنے سے پہلے واقع ہوئیں پھر جب روح پھونک دی تو پیٹ کا بچہ تھے کہ تمہیں حرکت' انتقال اور حواس اور قویٰ استعمال کرنے کی جگہ بالکل میسر نہ تھی اس کے بعد تم نشوونما والا بچہ ہو گئے اور تم نے ماں کے دودھ کی لذت پائی اور تم نے ماں کی گود میں قرار پایا اور اس نے تمہیں حرکت اور استعمال حواس کی کچھ جگہ عطا فرمائی پھر تم نیا چلنے والا طفل ہو گئے اور اس نے تمہیں سیر' اِدھر اُدھر گھومنے اور دیکھنے کی لذت بخشی اور چکھائی لیکن صرف اپنے گھر اور کوچہ کے اندر پھر تم نوجوان ہو گئے اور اس نے تمہیں بازار' باغ' دریا اور محفلوں کی سیر' بے شمار لوگوں کو دیکھنا اور نغمات کو سننا عطا فرمایا پھر تم پورے جوان ہو گئے اور تم نے دُور دراز کے سفر اور اموال کمانا شروع کر دیئے پھر تم درمیانہ عمر کے ہو گئے اور تم نے عقل' تجربہ اور تدبیر میں کمال حاصل کر کے شہرت اور مرتبہ حاصل کیا پھر اس نے تمہیں بوڑھا کر دیا تاکہ تم سفر آخرت کے لیے تیار ہو جاؤ اور قوت شہویہ اور غضبیہ کے ڈھل جانے کی وجہ سے تم سے راہِ خدا میں سلوک کی رکاوٹیں دُور ہو جائیں اور اس جہان کی ترقی حاصل کرو اور یہ سات حالتیں دنیوی زندگی کی ابتدا سے اس کی انتہا تک رونما ہوئیں۔

اور اگر تم اپنے اعضاء اور بدن میں ودیعت لکھی گئی مخفی حقیقتوں پر نظر کرو تو تمہارے عالم شہادت کے محسوس ارکان بھی سات رنگ رکھتے ہیں' کھال جو کہ زینت اور حفاظت کے لیے ہے' گوشت جو کہ قوت اور گرمی کے لیے ہے' اعصاب جو کہ حس و حرکت کے لیے ہیں' گردن کی رگیں جو کہ غذا پہنچانے کے لیے مقرر ہیں' حرکت کرنے والی رگیں جو کہ ارواح کے جاری ہونے کے لیے مقرر ہیں' ہڈیاں جو کہ بمنزلہ ستون ہیں اور ارواح جو کہ قوتوں کی حامل اور حیات کا مرکب ہیں اور ہر رنگ اپنے نچلے رنگ سے زیادہ اچھا اور نفیس ہے اور تمہارے جہان غیب کے مخفی ارکان سات قسم کے ہیں۔ پہلا رُکن قویٰ' دوسرا نفس' تیسرا عقل' چوتھا سر' پانچواں روح' چھٹا خفی اور ساتواں اخفیٰ جو کہ غیب الغیب اور تمہاری ذات کا عین جمع ہے اور ہر رنگ اپنے نچلے رنگ سے اعلیٰ اور ارفع ہے۔ پس تمہیں

کیا ہے کہ تم غیب کو شہادت پر' معقول کو محسوس پر اور مستقبل کو ماضی پر قیاس نہیں کرتے ہو اور آفاق کو نفس کے ساتھ مطابقت نہیں دیتے ہو۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کس طرح سات آسمانوں کو تہ بہ تہ پیدا کیا ہے کہ ایک دوسرے کے اوپر ہے اور ہر اوپر کا طبقہ حجم' وسعت اور بلندی میں نچلے طبقے سے زیادہ ہے اور دیکھنے سے آسمانوں کے سات ہونے اور ہر طبقے کے نچلے طبقے سے زیادہ ہونے کا علم اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ سات ستاروں کی سات قسم کی مختلف حرکات دیکھی جاتی ہیں اور ہر ستارے کے نور کو چھپانے والا اور دوسرے ستارے کو ظاہر کرنے والا دیکھا جاتا ہے۔ پس صریح عقل کے ساتھ دریافت ہوتا ہے کہ یہ سات ستارے ایک آسمان پر نہیں ہیں بلکہ ہر ایک کا ایک جدا آسمان ہے اور جب ان کی حرکات گھومتی نظر آتی ہیں' معلوم کیا جاتا ہے کہ ہر آسمان دوسرے آسمان کو محیط ہے ورنہ زمین کے نیچے ستارے کی حرکت ممکن نہ ہوتی اور بالکل ظاہر ہے کہ محیط اپنے محاط سے زیادہ وسیع اور بڑا ہے۔

وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا اور ان سات آسمانوں کے درمیان چاند کو قابلِ اعتماد روشنی کا سبب بنایا ہے جو کہ دوسرے ستاروں کی روشنی سے زیادہ ہے۔ گویا دوسرے ستاروں کی روشنی اس کے سامنے روشنی ہی نہیں ہے تا کہ اس بات پر دلیل حاصل کریں کہ عالم ظلمانی میں نور کا فیض دینا بھی ممکن ہے۔ وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا اور سورج کو ایک چمکتا چراغ بنایا ہے کہ چاند کا نور حقیقت میں اسی چراغ کا نور ہے جو کہ ایک صیقل آئینہ پر پڑ کر روشن ہوا تا کہ تمہیں پتہ چلے کہ عالم نور میں ایک ایسی ذات درکار ہے جو کہ مبدء فیاض سے بلاواسطہ فائض ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے روشن ہونے کی صلاحیت رکھنے والے روشن ہوتے ہیں اور اپنی ترقی کے حال کو انبیاء علیہم السلام کی ترقی کے حال کی نسبت سے قیاس کریں۔

نیز تمہیں پتہ چل جائے کہ ظلمت سے نور کے ساتھ روشنی اور ترقی' علم' عمل میں شریعت کی پیروی کی وجہ سے ہے جیسا کہ خلقت احوال میں ترقی [illegible] ت وقدرت [illegible]

طبیعت کی پیروی کی وجہ سے ہے اور اگر تم عالم بالا کی ترقیات اور درجات کو نظر کی کوتاہی کی وجہ سے دریافت نہیں کر سکتے ہو تو ذرا عالم سفلی کی ترقیات میں نظر ڈالو۔

وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں زمین سے اُگایا ہے اس لیے کہ تمہارے باپ کو جو کہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں' زمین سے پیدا فرمایا پھر اس کی نسل میں نطفے کو پیدا کرنے کا تخم بنایا جو کہ نباتی اور حیوانی غذاؤں سے پیدا ہوتا ہے اور وہ نباتی اور حیوانی غذائیں بلاواسطہ یا بالواسطہ زمین سے اُگتی ہیں۔ پس اگرچہ اس نے تمہیں بلاواسطہ زمین سے نہیں اُگایا ہے تاکہ یوں کہا جا سکے کہ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اِنْۢبَاتًا لیکن تمہارے اُگنے کا سلسلہ آخر زمین تک پہنچتا ہے۔ پس یوں کہا جا سکتا ہے کہ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَنَبَتُّمْ نَبَاتًا پس تم زمین سے اُگے اُگنا کیونکہ تمہاری قریبی بنیاد جو کہ نطفہ ہے' قریبی واسطے کے ساتھ زمین سے اُگتا ہے اور تمہاری دُور کی بنیاد جو کہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں' بلاواسطہ زمین سے اُگے ہیں اور زمین اجسام عالم میں سب سے نیچے ہے اور ان میں سب سے زیادہ ذلیل کہ ہر صاحب حرکت و رفتار کے سامنے پائمال ہے اور اس ذلت کے باوجود اس نے تمہارے وجود میں بہت بڑی رفعت پیدا کی ہے' دنیا میں بھی بادشاہت' سلطنت' عزت اور مرتبے کی بلندی تک پہنچتی ہے اور دین میں بھی نبوت' رسالت' امامت' خلافت' قطبیت' ارشاد اور ولایت کی بلندی تک پہنچتی ہے۔

اولیاء کاملین کے مزارات کی زیارت کا قصد کرنا اور انہیں بوسہ دینا

ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيْهَا پھر اس رفعت کے باوجود جو کہ تم نے حاصل کی ہے' تمہیں زمین میں لوٹاتا ہے تاکہ تمہاری بلندی مرتبہ کی وجہ سے اس زمین کو بھی ترقی اور بلندی مرتبہ نصیب ہو اور تمہارے کاملین کے مزارات مقصود بالزیارت اور تبرک ہو کر عام اور خاص کے چومنے کی جگہ بنیں۔

وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا اور تمہیں اس زمین سے باہر لائے گا ایک اور باہر لانا جو کہ اس باہر لانے کے علاوہ ہے جو کہ تمہاری اصل اور نطفہ اُگانے کے وقت واقع ہوا تھا اور اس باہر لانے کی وجہ سے زمین کے اجزاء کو تمہارے وجود میں بہت عظیم ترقی حاصل

ہوگی جو کہ کسی کے خیال' وہم اور سمجھ میں سما نہیں سکتی اور ایسی رفعت نصیب ہوگی کہ اپنے پروردگار کے دیدار اور اس کے حضور سکونت پذیر اور اس کے پڑوسی ہونے کا استحقاق ابدالآباد آباد تک کے لیے حاصل ہو جائے گا۔

اور اس تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ یُخرِجُکُمْ کی مصدر کے ساتھ تاکید کیوں فرمائی گئی اور یُعِیدُکُمْ کی تاکید نہیں فرمائی گئی اور اعادۃً نہ فرمایا گیا نیز پتہ چلا کہ اَنْبَتَکُمْ کی تاکید انباتا کیوں نہ فرمائی گئی اور نباتا کیوں ارشاد فرمایا اس لیے کہ اعادہ کی صرف ایک قسم ہے اور بس جبکہ اخراج کی دو قسمیں ہیں ابتدائی اخراج اور پیدا کرنے کے بعد اخراج۔ ابتدائی اخراج سے پرہیز کرنے کے لیے مصدر نوعی کی تاکید ضروری ہوئی جبکہ انبتکم کی تاکید میں اگر انباتاً فرمایا جاتا تو یہ پتہ چلتا کہ حق تعالیٰ نے لوگوں کو زمین میں بلاواسطہ اُگایا ہے اس لیے کہ فعل کو مصدر کے ساتھ موکد کرنا مجاز کے خیال کو دُور کرنے اور اسناد اور ایقاع کے حقیقی ہونے کے قصد کے لیے ہوتا ہے حالانکہ یہ واقع کرنا مجازی ہے اس لیے کہ انہیں زمین سے بالواسطہ پیدا فرمایا ہے کہ ان کی اصل اور نطفہ اس سے حاصل ہوا اور وہ نطفے کی طبیعت کے تقاضے اور اپنے باپ کی خواہش کے تقاضے کی وجہ سے اُگے ہیں۔

اور اگر تمہارے دل میں خیال گزرے کہ عالم علوی اور عالم سفلی کی یہ تمام ترقیاں ایک جنس کی تمام قسموں کے لیے عام اور سب کو شامل ہیں جبکہ تو ہمارے ساتھ عبادت' تقویٰ اور اطاعت کے درجات کے مطابق خاص ترقیات کا وعدہ کرتا ہے' ہم کہتے ہیں کہ ان خاص ترقیات کا گواہ بھی عالم سفلی میں تمہارے قریب موجود ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنایا ہے کہ تم اس پر گھومتے اور سیر کرتے ہو اور اس پر بیٹھتے اور سوتے ہو۔ لِتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا تاکہ اس زمین کی فراخ اور کھلی راہوں میں چلو۔ پس اس کے باوجود کہ تمام زمین ایک فرش کا حکم رکھتی ہے اور ہم بعض کو مشرق کی راہ' بعض کو مغرب کی راہ' بعض کو پہاڑ کی راہ' بعض کو شہر کی راہ اور بعض کو صحرا کی راہ کہتے ہیں اور وہ ہر راہ میں ترقی و رفعت

پیدا کرتے ہیں اور بلند مقاصد تک پہنچتے ہیں۔

ضمیر کی بجائے اسم جلالت کے اظہار کی حکمت

یہاں جاننا چاہیے کہ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا سے لے کر اس آیت تک حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے معبود کا نام پاک چار مرتبہ ظاہر کر کے لیا حالانکہ ضمیر بھی کفایت کرتی تھی' یہ اپنے معبود کے ذکر سے لذت حاصل کرنے کے لیے ہے اور یہ بتانے کے لیے بھی کہ وہی ایک ذات ہے جو ابتدا سے انتہاء' عرش سے فرش اور انفس سے آفاق تک تمام جہان والوں کو ترقی بخشنے والی ہے اور اسے ایسی عظمت حاصل ہے کہ مختلف جہانوں کے افراد و اصناف میں سے کوئی اس کا سواں حصہ بھی نہیں رکھتا اور اس کی عبادت اور اطاعت سے روگردانی کرنا انتہائی خسارے اور نقصان کی بات ہے۔

اور ان گواہوں اور دلیلوں کی ترتیب میں ایک باریک نکتے کی رعایت کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان جب چاہے کہ دوسرے بھائی کی بزرگی اور عظمت پالے' پہلے اپنے آپ میں نظر ڈالتا ہے کہ اس کی عظمت کے نشانات میں سے مجھ پر کیا ظاہر ہوا ہے۔ وَقَدْ خَلَقَكُمْ اَطْوَارًا اس دیکھنے کی طرف اشارہ ہے پھر اس میں نظر کرتا ہے جس کی عظمت کا پہلے سے معتقد ہے اور اسے بزرگ سمجھتا ہے اور غور کرتا ہے کہ اس کی عظمت کے نشانات اس دوسرے صاحب عظمت پر کیا ظاہر ہوئے ہیں۔ اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا اس نظر کی طرف اشارہ ہے اس لیے کہ آسمان' چاند اور سورج کی عظمت' بلندی' روشنی اور چمک ہر چھوٹے بڑے کو معلوم ہے پھر اپنے اصل اور خاندان میں نظر ڈالتا ہے کہ اس کی عظمت اور بزرگی کے آثار میرے آباء و اجداد اور اسلاف پر کیا ظاہر ہوئے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا اس نظر کی طرف اشارہ ہے پھر اپنے دوسرے متعلقات' نوکر چاکر اور ضروریات پر نظر ڈالتا ہے۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًا اس نظر کی طرف اشارہ ہے۔

اور جب حضرت نوح علیہ السلام دعوت اور سمجھانے کے ان مرتبوں کو طے کرنے

ے بعد کہ جن سے زیادہ کا تصور نہیں ہوسکتا تھا' اپنی قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو آپ نے بارگاہِ خداوندی میں ان کی ہلاکت کی دعا فرمائی اور ہلاکت کی دعا کرنے سے پہلے ان کی اس حالت کو جو کہ ان کی اصلاح سے ناامید ہونے کا تقاضا کرتی تھی اس طرح پیش کیا کہ

قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اِنَّهُمْ عَصَوْنِیْ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کی اے میرے پروردگار! تحقیق انہوں نے میری نافرمانی اس حد تک کی کہ ان سے اطاعت کی توقع قطعاً نہیں رہی اس لیے کہ اگر میری نافرمانی کرنے کے باوجود میرے مخالفین کی پیروی نہ کرتے تو احتمال تھا کہ اصلاح کی طرف توجہ کریں اور رفتہ رفتہ میری اطاعت کریں لیکن یہ میرے مخالفین کی طرف بہت زیادہ مائل ہو گئے۔

وَاتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ یَزِدْهُ مَالُهٗ وَوَلَدُهٗۤ اِلَّا خَسَارًا اور ایسے کے پیروکار ہو گئے جس کے مال اور اولاد نے اسے زیاں کاری کے سوا کچھ نہ بڑھایا اس لیے کہ وہ مال جمع کرنے اور اولاد زیادہ کرنے کی محبت میں اس قدر گہرا چلا گیا کہ اپنے پروردگار کی یاد اور سفر آخرت کے سامان کی فکر سے غافل ہو گیا اور اپنی قیمتی عمر کو مال جمع کرنے اور بچے لینے کے بے ہودہ کام میں برباد کر دیا۔ پس ایک تو دولت مندوں اور اولاد کی کثرت والوں کی پیروی کرنا میرے طریقے کی مخالفت کرنا ہے۔ دوسرے مال اور اولاد کی کثرت کو وجوب اتباع کی علت جاننا میری پیروی کے واجب ہونے سے انکار کرنا ہے اس لیے کہ میں بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام مال اور اَولاد کی کثرت نہیں رکھتے اور ان دونوں کی کثرت سے پرہیز کرتے ہیں۔ تیسرے انہوں نے مال اور اولاد کی کثرت والوں میں سے چُن کر ان لوگوں کو پیروی کے ساتھ مخصوص کیا ہے کہ جو اپنے مال اور اولاد کی وجہ سے اپنی آخرت کو برباد کر دیتے ہیں۔ کاش وہ ان مال داروں اور کثیر الاولاد لوگوں کی پیروی کرتے جو کہ مال اور اولاد کی کثرت کی وجہ سے آخرت کو کماتے ہیں کہ اس صورت میں اگرچہ اولاد والوں اور مال داروں کی پیروی کرنے میں بھی انہیں مال جمع کرنے اور اولاد زیادہ کرنے کی محبت پیدا ہوتی اور وہ راہِ حق سے دُور جا پڑے لیکن جب بھی اس جمع کیے ہوئے مال

اور پرورش کی ہوئی اولاد کو آخرت کا ثواب حاصل کرنے کا وسیلہ بناتے تو پھر راہِ حق کے قریب ہو جاتے اور ان کا انجام اچھا ہو جاتا اگرچہ آغاز اچھا نہ تھا اور اعتبار تو صرف خاتموں کا ہے۔

اور میرے مخالفین کے پیروکار ہونے کے ساتھ ساتھ میری راہ کو باطل کرنے میں زبردست کوشش کرتے ہیں اور صرف میری نافرمانی اور مخالفت پر اکتفا نہیں کرتے تاکہ ان کی اصلاح کی توقع ہو اس لیے کہ انہوں نے کہ اس راہ کی اچھائی کو اس کی بُرائی میں گڈمڈ کرنے میں ایک باریک فریب گھڑا ہے۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا اور انہوں نے ایک بہت بڑا مکر کیا کہ اس سے زیادہ مکر نہیں ہوتا اس لیے کہ کفار انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ان کے دین کا انکار کرنے میں جو مکر کرتے ہیں' تین قسم کا ہوتا ہے۔ پہلی قسم یہ کہ ان کی رسالت اور رسالت کے استحقاق کے بارے میں شبہات وارد کرتے ہیں جیسا کہ اکثر کفارِ مکہ اور دوسری قومیں کرتی تھیں اور یہ مکر آسان ہے اور اس کا تدارک بہت آسان ہے کہ قوی معجزات ظاہر کیے جائیں اور رسالت ثابت کی جائے' دوسری قسم یہ کہ حضرت حق تعالیٰ کی ربوبیت میں جس کی طرف انبیاء علیہم السلام اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں اور اس کے بھیجے ہوئے کہتے ہیں' شبہات پیدا کریں اور اپنے آپ کو بطورِ خود مستقل اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں التجا کرنے سے بے پرواہ ظاہر کریں تاکہ اس کے احکام کی اطاعت واجب ہونے کو اپنے ذمہ سے گرا دیں جس طرح فرعون کرتا تھا۔ کبھی کہتا تھا کہ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِيْنَ اور کبھی اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى اور کبھی مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِیْ اور یہ مکر پہلے مکر سے بھی زیادہ آسان ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے دلائل رسل علیہم السلام کی رسالت کے دلائل سے زیادہ واضح اور روشن ہیں اور جسے عقل سے تھوڑا سا حصہ بھی ملا ہے' اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار نہیں کر سکتا۔

تیسری قسم یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو بھی تسلیم کریں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو بھی مانیں اور کہیں کہ وہ علوم جو رسل علیہم السلام کو دیئے گئے ہیں' عوام کو

رغبت دِلانے اور ڈرانے اور نالائقوں اور احمقوں کو سمجھانے اور ان کے فساد کی اصلاح کے لیے مناسب ہیں لیکن باریک بینوں اور حقائق اشیاء سے واقفیت رکھنے والوں کو ان مقدمات خطابیہ کی ضرورت نہیں ہے' ان کا مرتبہ ان وعظ و نصیحت کے علوم سے اونچا ہے جو کہ رسل علیہ السلام کو حاصل ہیں بلکہ حقیقت ربوبیت اور حقیقت رسالت کو وہ رسولوں کی شناخت سے زیادہ پہچانتے ہیں اس لیے کہ رسولوں کی نظر سطحی اور سرسری ہے جبکہ ان حکیموں' رازداروں کی نظر گہری نظر ہے اور کفر کی یہ قسم کفر کی قسموں میں سب سے زیادہ شدید ہے اور یہ مکروں میں سب سے زیادہ قوی مکر ہے کہ اس کا علاج بہت مشکل ہے جیسا کہ اکثر فلسفی مزاج لوگوں اور یونانیوں کے دل میں بھی مکر پہنچتا ہے اور وہ کفر کی اسی قسم میں گرفتار ہوئے ہیں اور رہتے ہیں اور سورۂ مومن میں ان کا حال مذکور ہے کہ فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اور یونانیوں میں سے ایک کا مشہور قول جو کہ اس نے ایک رسول کی دعوت کے جواب میں کہا ہے کہ نَحْنُ اُنَاس مهديون لاحاجة لنا الى من يهدينا ہم ہدایت یافتہ لوگ ہیں' ہمیں کسی ہدایت کرنے والے کی ضرورت نہیں ہے اسی قسم سے ہے۔

پس حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آپ کی دعوت کے مقابلے میں کہ آپ خداتعالیٰ کی عبادت اور تقویٰ کا حکم دیتے تھے' یہی مکر بروئے کار لائی کہ ہم خداتعالیٰ کی عبادت میں ثابت قدم اور آپ سے زیادہ پختہ ہیں اس لیے کہ ہم اس کے مظاہر کاملہ کی عبادت کرتے ہیں جن میں اس نے الوہیت کے ساتھ ظہور کیا ہے جبکہ آپ ہمیں مرتبۂ تنزیہہ کی عبادت کی طرف بُلاتے ہیں اور آپ اس مرتبے کے اوصاف میں ایسی بات کرتے ہیں کہ وہ مرتبہ نرا وہمی سا ہو جاتا ہے۔ پس آپ ہمیں خداتعالیٰ کی عبادت سے ایک امر موہوم کی عبادت کی طرف بُلاتے ہیں۔ پس بظاہر آپ خود کو داعی الی اللہ کا نام دیتے ہیں اور حقیقت میں خدا کی عبادت سے منع کرتے ہیں اور انہوں نے یہ مکر اپنے پیروکاروں اور نالائق لوگوں کے سامنے بیان کرنا شروع کر دیا اور ان پر اس امر کو بہت مشتبہ کر دیا۔

وَقَالُوْا اور میری قوم نے اپنے زیردستوں اور چھوٹوں سے کہا کہ اگر تمہیں خدا تعالیٰ کی عبادت منظور ہے۔ لَاتَذَرُنَّ اس کے مظاہر کی عبادت ہرگز نہ چھوڑنا کہ اس نے ان مظاہر میں اپنی الوہیت کے ساتھ ظہور فرمایا ہے اور ان میں الٰہیت کے اسی ظہور کی وجہ سے وہ مظاہر بنے ہیں۔

اٰلِهَتَكُمْ اپنے معبودوں کو۔ پس اگر تم ان کی عبادت چھوڑ دو تو تم نے ظاہر کی عبادت چھوڑی ہوگی اور ان میں ظاہر خدا تعالیٰ ہے۔ پس تمہیں خدا کی عبادت ترک کرنا لازم آئے گا اور اس دعوے کا حل یہ ہے کہ مظاہر کی الوہیت اس وقت ثابت ہوتی ہے کہ ان میں مرتبہ الوہیت ظاہر ہو جائے اور الوہیت کے مرتبے کو واجب الوجود ہونا شرط ہے اس لیے کہ وجوب وجود کے بغیر کوئی صفت کمال کی انتہا سے بہرہ ور نہیں ہوتی اور کمال کی انتہا کے بغیر انتہائی تعظیم کا استحقاق متصور نہیں ہوسکتا اور الٰہ کے لیے معبود ہونا اور انتہائی تعظیم کا مستحق ہونا ضروری ہے اور حوادث اور ممکنات میں وجوب وجود کا امکان نہیں۔

ہاں ان مظاہر میں حق کا ظہور صرف وجود کے ساتھ تسلیم شدہ ہے لیکن وجوب وجود کے بغیر نرا وجود تمام موجودات کو عام ہے کہ اس ظہور کی وجہ سے بعض موجودات بعض دوسری موجودات کا معبود ہونے کا استحقاق نہیں رکھتیں ورنہ ترجیح بلا مرجح لازم آئے یا عابد کو معبود ہونا اور معبود کو عابد ہونا جبکہ دونوں امر محال اور ممنوع ہیں۔ نیز ان مذکورہ مکاروں نے اپنے عوام سے کہا کہ:

وَلَا تَذَرُنَّ اور ہرگز نہ چھوڑنا نیک لوگوں کی مورتیوں کی عبادت کو کہ ان کے دل پر تجلی الٰہی نے بطریق اصالت واقع ہو کر انہیں اپنا آشیانہ بنالیا اور اس تجلی کے حکم کے ان کے ظاہر و باطن پر نافذ ہونے کی وجہ سے ان کی مورتیاں جو کہ ہم پتھر، پیتل اور دوسری چیزوں سے بناتے ہیں اس تجلی کی حکایت کرنے والی ہو جاتی ہیں اور ان میں معبود و مسجود ہونے کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ پس مت چھوڑو خصوصاً

وَدًّا ود کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی محبت کا مظہر ہے اور وہ محبت ظہور عالم کا مبدء ہے جیسا کہ احببت ان اعرف فخلقت الخلق لاعرف میں اسی سمت اشارہ واقع ہے

اور اس مظہر کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ایک شخص کی صورت پر بنایا تھا اس لیے کہ اصل میں عالم انسانی کے ظہور کا مبدء عورت کی طرف مرد کی محبت اور اس کا مائل ہونا ہے اور ہندوؤں کی زبان میں اس مظہر کو بش کہتے ہیں۔

وَلَا سُوَاعًا اور مت چھوڑو خصوصاً سواع کو جو کہ اللہ تعالیٰ کے ثبات' استقرار اور بقاء کا مظہر ہے اور جہان کی بقاء کا سبب وہی ہے اور عرف شرع میں اس صفت کو قومیت کہتے ہیں اور اس مظہر کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ایک عورت کی شکل میں بنا رکھا تھا اس لیے کہ شادی' خانہ داری اور خاندان کی بقاء اور ثبات عورتوں کی تدبیر کے واسطے سے ہوتی ہے اور ہندوؤں کی زبان میں اس کو برہما کہتے ہیں اور لغت عرب میں سواع کا مادہ سکون اور قرار پانے کے لیے موضوع ہے اور سواع کا معنی جہان کو قائم رکھنے والا ہے۔

وَلَا يَغُوْثَ اور خصوصاً یغوث کو مت چھوڑو جو کہ اللہ تعالیٰ کی فریاد رسی اور مشکل کشائی کا مظہر ہے اور اس مظہر کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ایک گھوڑے کی شکل میں بنایا تھا اس لیے کہ گھوڑا دوڑنے' جلدی پہنچنے اور مدد کرنے میں ایک مثال ہے اور اس صفت کو شرع شریف میں غیاث المستغیثین مجیب دعوۃ المضطرین کہتے ہیں اور ہندی زبان میں اس کو اندر کہتے ہیں۔

وَيَعُوْقَ اور یعوق کو مت چھوڑو جو کہ روکنے' حمایت کرنے اور بلا دُور کرنے کا مظہر ہے اور شرع میں اس صفت کو کاشف الضر اور دافع البلاء کہتے ہیں اور اس مظہر کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ایک شیر کی شکل میں بنایا تھا کہ جب بھی کسی درندے کے مقابلے میں آتا ہے' اسے مقابلے کی تاب نہیں رہتی اور وہ راہِ گریز اختیار کرتا ہے اور ہندی زبان میں اس مظہر کو شیو کہتے ہیں۔

وَنَسْرًا اور نسر کو مت چھوڑو اور قوتِ الٰہی کا مظہر ہے اور لغت میں نسر گدھ کو کہتے ہیں اور اُڑنے والے جانوروں میں گدھ انتہائی طاقت ور ہے اور جلد پہنچتا ہے کیونکہ تیز اُڑنے والا ہے اس مناسبت سے اپنے ذہن میں انہوں نے اس مظہر کو اس شکل میں بنایا

ہے اور شرع میں اس صفت کو لطیفہ غیبیہ الٰہیہ کہتے ہیں اور ہندی زبان میں اس مظہر کو ہنومان کہتے ہیں اور مدد اور غیبی طاقت طلب کرنے کے وقت اسے یاد کرتے ہیں۔

اور یہاں جاننا چاہیے کہ کلمہ لا کو یغوث یعوق اور نسر کے درمیان سے حذف فرما دیا گیا' بخلاف سابقہ ناموں کے اس لیے کہ یغوث' یعوق اور نسر جزئی تدبیروں میں جو کہ فریادرسی' دفع بلا اور غیبی امداد ہے' کام آتے ہیں۔ پس انہوں نے جہان کی تدبیر کرنے والی شیون الٰہیہ میں سے ایک شان کا حکم حاصل کیا اس لیے کہ ان تینوں چیزوں کا مجموعہ ایک شانِ تدبیر ہے اور ود اور سواع تدبیرات کلیہ عامہ شاملہ میں جو کہ ظہورِ عالم کی ابتدا اور اس کی بقاء ہیں' دخل رکھتے ہیں۔ پس ہر ایک اپنی ذات میں مستقل ہے پس حقیقت میں کلمہ لا یغوث' یعوق اور نسر کے مجموعے پر داخل ہے۔ گویا یوں کہا گیا کہ ود کو اور سواع کو اور ان تینوں کو جو کہ ایک مظہر کا حکم رکھتے ہیں' مت چھوڑو تا کہ تم جہان میں اللہ تعالیٰ کی شیون ظاہرہ سے بے بہرہ نہ رہو۔

نیز یہ بھی جاننا چاہیے کہ اگرچہ یہ پانچ نام حضرت ادریس علیہ السلام کے بیٹوں کے نام ہیں جو کہ سب مرد اور آدمی تھے لیکن زمانے کی طوالت اور ان میں سے ہر ایک کی صفاتِ غالبہ کے وہم کے غلبے کی وجہ سے پوجا کرنے والوں کے ذہن میں ایک شکل پیدا کر لی تھی جس کے مطابق انہوں نے ان کے لیے بتوں کی شکلیں بنائی تھیں اور اس جنس کی قوتِ وہمیہ بہت عجائبات رکھتی ہے جیسا کہ مسلمان کہلانے والے بعض جاہلوں نے حضرت امیر المومنین کرم اللہ وجہہ کی شبیہہ کو شیر کی شکل میں بناتے ہیں اور لعل شہباز کی شبیہہ کو سفید باز کی صورت میں۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ یہ سب پانچوں بت طوفان میں زیرِ زمین دَب گئے تھے۔ ابلیس علیہ اللعنۃ نے عربوں کو پھر ان بتوں کا نشان دے دیا جنہیں زمین سے نکال کر انہوں نے پھر معبود بنا لیا۔ بنو قضاعہ نے ود کو دومۃ الجندل میں نصب کر دیا اور اس کی پوجا میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ وہ بت بنو قضاعہ سے بنو کلب کے پاس پہنچ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انہیں کے پاس تھا اور بنی طے

کے چند گروہوں نے یغوث کو پکڑ کر اپنے شہروں میں نصب کر لیا اور ان سے مانگ کر بنو مراد اسے اپنے ملک میں لے گئے اور کچھ مدت تک اس کی پوجا کرتے رہے یہاں تک کہ بنو ناجیہ نے چاہا کہ ان سے طاقت کے ساتھ چھین لیں' وہ اس بابت کو لے کر بنوالحراث بن کعب کے ملک کی طرف بھاگ گئے اور یہ بت بنوالحراث بن کعب میں رہا اور یعوق بنوالکہلان کے پاس تھا اور وراثت کے طریقے سے ان سے چلتا چلتا قبیلہ بنی ہمدان کے پاس پہنچ گیا اور نسر بنو خثعم کے قبضہ میں تھا اور اسلام کے آنے تک وہ اس کی عبادت کرتے تھے جبکہ سواع ذوی الکلاع حمیری کی اولاد کے قبضے میں تھا اور ان سے بنی حمیر کے تمام فرقے کے پاس پہنچا۔

اور ان پانچ بتوں کے علاوہ عربوں کے اور بت بھی تھے' ان میں سے لات بنو ثقیف کے لیے' عزیٰ بنو سلیم' بنو غطفان' بنو نضرہ' بنو سعد اور بنو بکر کے لیے اور منات اہلِ قدید اور مثل کے لیے تھا اور اہلِ مدینہ بھی اس کی زیارت کے لیے آتے تھے اور اساف' نائلہ اور ہبل اہلِ مکہ کے لیے تھا' انہوں نے اساف کو حجر اسود کے عین سامنے کوہِ صفا پر نائلہ کو رُکن یمانی کے سامنے اور ہبل کو کعبۂ معظمہ اندر رکھا تھا اور قد و قامت میں ہبل بتوں میں سب سے بڑا تھا اس کا طول آٹھ گز تھا اور جنگ کے وقت اسے یاد کرتے تھے جیسا کہ کفر کی حالت میں ابوسفیان نے جب احد میں بظاہر فتح پائی' اس کی تعریف کرنا شروع کر دی۔

مختصر یہ کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ اس مکر کے ساتھ اپنے عوام کے سامنے چرب زبانی کرتے تھے اور ان کا یہ مکر ان کے عوام کے دِلوں میں بہت اثر پیدا کرتا تھا۔ پاگلوں کی بڑی قسم کی بات نہ تھی کہ کوئی اس پر توجہ نہ کرے تاکہ اس کے تدارک سے بے توجہی اور چشم پوشی کی جائے۔

وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا اور تحقیق انہوں نے اس مکر اور فریب کے ساتھ بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا یہاں تک کہ وہ خدا تعالیٰ کی عبادت سے محروم ہو کر اس کے غیر کی پوجا میں جو کہ مظاہر کی مورتیاں تھیں' مصروف ہو گئے حالانکہ ان کی گمراہی اس مکر کے باطل

ہونے پر صریح دلیل تھی اس لیے کہ اگر مذکورہ مظاہر کی پوجا خدا تعالیٰ کی عبادت ہوتی تو ان کے خدا تعالیٰ تک پہنچنے' حجاب اُٹھنے اور ہدایت پانے کا سبب ضرور بنتی لیکن یہ مظاہر کی پوجا ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے زیادہ محجوبیت اور غفلت کا موجب ہوئی اور وہ مظاہر مذکورہ کی بیڑیوں میں اُلجھ گئے۔ یہیں سے معلوم ہوا کہ ان کی پوجا اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ تھی اور وہ ان کی پوجا کرنے اور مرتبہ وجوب وجود کی عبادت سے روگردانی کرنے کی وجہ سے ظالم ہو گئے اس لیے کہ ظلم حق ضائع کرنا اور کسی شے کو اس کے اصل مقام کے غیر میں رکھنا ہے اور عبادت مرتبہٗ الوہیت کا خاص ذاتی حق ہے نہ کہ اس کے جزوی مظاہر کا حق جیسا کہ کلیت انسان مطلق کا ذاتی حق ہے نہ کہ اس کے افراد جزئیہ کا حق اور وسعت اور ہمیشہ جاری رہنا سمندر کا ذاتی حق ہے نہ کہ اس کی موجوں کا حق اور جوہریت شخص کا ذاتی حق ہے نہ کہ اس کے ظلال اور شیشوں میں نقش ہونے والی شکلوں کا حق' تقسیم نہ ہونا واحد کا ذاتی حق ہے نہ کہ اس کے ظہور کے مرتبوں کا حق جو کہ غیر متناہی ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

اور جب وہ ظالم ہو گئے تو انہیں استدراج کے طریقے سے کسی معرفت کا شناسا نہ فرما اور اپنی شیون میں سے کسی شان کی طرف راہ نہ دے۔

وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا اور ظالموں کے لیے گمراہی کے سوا کچھ زیادہ نہ فرما اس لیے کہ اگر تو ان میں سے کسی کو استدراج کے طور پر شیونِ الٰہیہ میں سے کسی شان کی ہدایت فرمائے تو یہ ہدایت دوسروں کو غیر اللہ کی پوجا کرنے اور اللہ تعالیٰ کی ذاتی عبادت ترک کرنے کی داعی ہوگی اور وہ کہیں گے مظاہر جزئیہ کی پوجا بھی معارف حقیقیہ کا دروازہ کھلنے کا سبب ہوتی ہے اور وہ واصل ہونے اور حجاب اُٹھنے کی علامت ہے۔

ایک الجھن اور اس کا حل

اور یہاں مفسرین کو ایک مشہور الجھن درپیش ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے باوجود کہ اولوالعزم پیغمبر تھے' اپنی قوم کی گمراہی کی زیادتی کی دعا کس طرح فرمائی حالانکہ انبیاء علیہم السلام کا کام ہدایت کی دعا کرنا ہے نہ کہ گمراہی کی دعا کرنا اس اُلجھن کا جواب یوں لکھا گیا ہے کہ آپ سے یہ دعا اس وقت سرزد ہوئی جب آپ

ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے اور ہدایت کی امید بالکل ختم ہو گئی جیسا کہ ایک اور آیت میں ارشاد ہوا کہ اِنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ پس آپ نے چاہا کہ ان سے اپنے انتقام لیں اور گمراہی کی زیادتی کی دعا کی تا کہ ان کا عذاب بھی زیادہ ہو جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور فرعون کے ایمان سے ناامیدی کا یقین ہونے کے بعد اسی قسم کی دعا فرمائی ہے جو کہ سورۃ یونس کے آخر میں انہیں کی زبان سے حکایت ہوئی۔

اور تفسیر سے اس اُلجھن کا جواب بہت اچھی وجہ کے ساتھ معلوم ہو چکا کہ اپنی قوم کی گمراہی کی زیادتی کی دعا ظلم و شرک کی حالت کے ساتھ مقید ہے نہ کہ مطلقاً۔ قاعدۂ اصول کے مطابق کہ وصف کے ساتھ حکم کو معلق کرنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ یہ وصف اس حکم کی علت ہے۔

اور اس کے باوجود کہ ظلم و شرک کی حالت میں ہدایت کا تصور نہیں ہے اس دعا کا فائدہ یہ ہے کہ ان میں ایک وجہ سے ہدایت ظہور نہ کرے تا کہ دوسروں کی گمراہی کا باعث نہ ہو اور جب دعوت میں اس قدر مبالغہ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کی اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا اور آپ کی شکایت کی حکایت کے بیان سے فراغت ہوئی اب فرمایا ہے کہ اس دعا اور اس شکایت کا اثر ظاہر ہوا اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آپ کی مخالفت اور نافرمانی میں غرق رہی اور انہوں نے بالکل کسی طرح سے بھی ہدایت نہ پائی یہاں تک کہ مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اپنے بے شمار گناہوں کی وجہ سے من تعلیل کے لیے ہے اور ما کثرت کے معنی کا فائدہ دینے کے لیے زیادہ کر دیا گیا جیسا کہ کثیر ما اور اس جیسے الفاظ میں زیادہ کیا جاتا ہے۔ اور وہ بے شمار گناہ ان کا کفر تھا جس نے اپنے وقت کے رسول علیہ السلام کو ہزار سال کی مدت تک مختلف قسم کی تکالیف دینے کے ساتھ مخلوط ہو کر قوی کی کثافت مہیا کی اور اس کی وجہ سے

اُغْرِقُوْا وہ آسمان سے بارش کے پانی اور زمین سے پھوٹنے والے پانی میں غرق کر دیئے گئے اور یہ غرق کرنا صرف روئے زمین سے ان کا شر دُور کرنے کے لیے نہ تھا

بلکہ برزخ کا عذاب چکھانے کے لیے تھا اس لیے کہ

فَاُدۡخِلُوۡا پس وہ غرق ہونے کے بعد کسی فاصلے کے بغیر ایک آگ میں داخل کر دیئے گئے' دوزخ کی وعدہ شدہ آگ نہیں کہ اس میں داخل ہونے میں ابھی کافی وقت ہے۔

عذابِ قبر کا ثبوت

اور اس آیت میں کہ فعل ماضی کو دوسرے فعل ماضی پر فائے تعقیب کے ساتھ معطوف فرمایا گیا ہے' عذابِ قبر کے ثبوت پر صریح دلیل ہے جیسا کہ ضحاک سے منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ ایک جگہ سے غرق ہوتے تھے اور ایک جگہ سے جلتے تھے۔ نیز اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گنہگاروں میں سے جو بھی جس طریقے سے بھی مرتا ہے جیسے دریا میں غرق ہونا یا آگ میں جلنا یا درندے کا کھانا' عذابِ قبر میں گرفتار ہوتا ہے اور جو کچھ قبر میں مدفون مردے کو پہنچتا ہے' اسے بھی پہنچتا ہے اس لیے عذاب روح کو دیا جاتا ہے نہ کہ بدن کو کہ عذاب دینے کے لیے بدن کا باقی رہنا شرط ہو۔

فَلَمۡ یَجِدُوۡا لَهُمۡ پس حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے اپنے لیے اپنے معبودوں کو نہ پایا کہ نصرت اور امداد کی امید پر انہیں پوجتے تھے۔ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے سوا اَنۡصَارًا مددگار' نہ ود نے ان سے محبت کی' نہ سواع نے سہارا دیا' نہ یغوث نے فریادرسی کی' نہ یعوق نے حمایت کی اور نہ نسر نے طاقت دی تاکہ طوفان میں غرق ہونے کا عذاب جو کہ دنیوی تھا یا آگ میں جلنے کا عذاب جو کہ برزخی تھا' ان سے دُور ہوتا۔ پس ان کی گمراہی کے اثر نے حضرت نوح علیہ السلام کی دعا کے مطابق صورت اختیار کی۔

اور جب قوم کا غرق شروع ہوا اور بارش کے پانی نے کثرت کے ساتھ ہجوم کیا اور زمین کے پانی نے جوش مارا اور حضرت نوح علیہ السلام کشتی میں سوار ہو گئے اور آپ نے دیکھا کہ کافروں نے بھاگ کر بلند مکانات میں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر پناہ لے لی ہے اور ان میں سے بعض نے طوفان آنے سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے اس

واقعہ کے رونما ہونے کا سُن کر اور جان کر احتیاط کے طور پر پہاڑوں پر شیشے کے محلات بنا لیے اور چند ماہ کے لیے کھانے پینے کا سامان جمع کر چھوڑا تھا' ان شیشے کے محلات میں داخل ہو کر فارغ البال بیٹھے تھے تو آپ ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعض کفار اس عذاب سے چھٹکارا پالیں اور جہان میں کفر کا بیج پھر باقی رہ جائے' آپ نے بارگاہِ خداوندی میں ایک اور دعا مانگی۔

وَقَالَ نُوْحٌ رَّبِّ اور نوح نے عرض کی اے میرے رب! جب تو نے میری دعا قبول فرمائی اور میری قوم کے سرداروں اور ان کے مکاروں کو جو کہ عوام کو فریب دے کر شبہات میں ڈالتے تھے' طوفان کے عذاب میں گرفتار فرمایا اب تیری جناب میں میری ایک اور گزارش ہے کہ

لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ روئے زمین پر نہ چھوڑ خواہ میرے ملک میں ہو یا کسی دوسرے میں مِنَ الْكٰفِرِيْنَ کافروں کی جنس سے خواہ مکر و شبہات ڈالنے والے ہوں خواہ ان کے پیروکار' خواہ میرے ساتھ ملنے والی قوم سے ہوں خواہ اجنبی اور غیر قوم۔

دَیَّارًا کسی گھر میں بسنے اور سکونت کرنے والے کو دیار' دار یا دُور سے فیعال کے وزن پر ہے بمعنی ہونا اور جانا۔ پہلی صورت میں بمعنی گھر بنانے والا' سکونت اختیار کرنے والا ہے اور دوسری صورت میں اس کا معنی ہے پھرنے والا اور یہ لفظ فعال کے وزن پر نہیں ہے ورنہ دیار کے بجائے دوار ہوتا اور دیوار کی تعلیل کو ایام کی تعلیل کے مطابق سمجھنا چاہیے جو کہ اصل میں ایوام تھا اور سید کی تعلیل کے مطابق جو کہ اصل میں سیود تھا اور قیام جو کہ اسمائے حسنیٰ اور نمازِ تہجد کی دعا کی بعض روایات میں واقع ہے' بھی فیعال کے وزن پر ہے نہ کہ فعال کے وزن پر اور متحیز کا لفظ جو کہ سورۂ انفال میں واقع ہوا' بھی متفیعل ہے کہ اس کی اصل متحیوز تھی نہ کہ متفعل کیونکہ ان صیغوں کے اصول واوی ہیں نہ کہ یائی۔

اور حضرت نوح علیہ السلام نے یہ قید اس لیے ذکر فرمائی اور یوں نہ کہا کہ کسی سانس لینے والے کو نہ چھوڑ اس لیے کہ آپ کو ابلیس اور اس کی اولاد کا قیامت تک باقی رہنا معلوم تھا اگر روئے زمین کے ہر کافر کی ہلاکت کی درخواست کرتے تو مبرم تقدیر

الٰہی کے خلاف واقع ہوئی اور انبیاء علیہم السلام تقدیر الٰہی کے خلاف دعا نہیں کرتے اسی لیے لفظ دیاراً لائے تاکہ ابلیس اور اس کی اولاد اس میں داخل نہ ہوں اس لیے کہ ابلیس اور شیاطین زمین میں سکونت اور خانہ داری نہیں کرتے اور اکثر اوقات سطح زمین پر چکر بھی نہیں لگاتے بلکہ ہوا میں اُڑتے ہیں اور جب بعض اوقات زمین میں کفار کی بقاء حکمتِ الٰہی کے تقاضے کے مطابق ہوتی ہے کہ ان کفار سے کسی وقت مخلوق کی ہدایت مقدر ہوتی ہے۔ گو وہ بالفعل کفر اور گمراہی میں گرفتار ہوتے ہیں' ان کفار کی طرح جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کفر میں شدید تھے اور آخر میں اسلام کے ساتھ مشرف ہو گئے اور انہوں نے ہزاروں کو جہاد اور لڑائی کے ساتھ اسلام میں داخل کیا یا ان کفار سے نیک نسل پیدا ہوتی ہے اور وہ خدا کی معرفت اور عبادت کے کام میں قائم رہتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس غرض کی علت کے مقام میں ان دونوں فائدوں کی نفی بھی بیان فرمائی کہ

اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ تحقیق اگر تو ان کو چھوڑ دے تو تیرے تمام بندوں کو تیری عبادت کی راہ سے ضرور گمراہ کریں گے اور اس راہ پر چلنے سے نفرت دِلائیں گے تو معرفت اور عبادت کے لیے ان کی ایجاد کی حکمت دگرگوں ہو جائے گی۔

وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا اور وہ بدکار ناشکر کے سوا کچھ نہیں جنیں گے۔ پس ان سے نیک نسل کی توقع بھی نہیں ہے اور وہ ہر صورت میں برباد کرنے کے قابل ہیں۔

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کفار کے لیے قیامت کے عام اور کلی مواخذے کے نمونے کا عام اور کلی مواخذہ طلب کیا تو ڈر گئے کہ کہیں غضب الٰہی کا جوش اس حد تک نہ پہنچ جائے کہ ترکِ اولیٰ پر جو مجھ سے صادر ہوتا ہے اور عام گناہوں پر جو کہ میری اُمت کے ایمان والوں سے صادر ہوتے ہیں' بھی مواخذہ واقع ہو جائے اس خطرے کو دُور کرنے کے لیے بارگاہِ خداوندی میں ایک اور دعا پیش کی کہ

رَبِّ اغْفِرْلِيْ اے میرے پروردگار! میرے لیے معاف فرما وہ جو میرے حق میں ترکِ اولیٰ یا خطا اجتہادی سے فروگزاشت کا حکم رکھتا ہے۔ وَلِوَالِدَيَّ اور میرے والدین

کو بخش دے کہ اگرچہ وہ دونوں وفات پا گئے تھے لیکن والدین کی وفات کے بعد بھی دعائے مغفرت اور حسب طاقت صدقات کے ساتھ نیکی کرنا واجب ہے اور آپ کے والد لمک بن متوشلخ تھے اور آپ کی والدہ شمخا دختر انوش اور یہ انوش اس انوش کے علاوہ ہیں جو کہ حضرت نوح علیہ السلام کے اجداد میں سے ہیں۔

اور عطا نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے آباء واجداد میں حضرت آدم علیہ السلام تک کوئی کافر نہ تھا' سب مسلمان اور توحید کے عقیدے پر تھے اور آپ کی والدہ محترمہ بھی مسلمان تھیں۔

وَلِمَنْ دَخَلَ بَيْتِيَ مُؤْمِنًا اور ہر اس شخص کو بخش دے جو کہ میری کشتی میں جو کہ میرا جاری گھر ہے' داخل ہو مگر صاحب ایمان ہو اس لیے کہ آپ کی کشتی میں ابلیس بھی تھا اور وہ بخشش کا مستحق نہ تھا۔ اور ایمان والوں کی بخشش کی اس وجہ سے درخواست کی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کسی ایک کی نافرمانیوں اور گناہوں کی وجہ سے کشتی غرق ہو جائے اور بے گناہ بھی ہلاک ہو جائیں اس لیے کہ عام دنیوی عذابوں میں امتیاز اور تفریق نہیں ہے اسی لیے قوموں کے عذاب میں ان کے بچے اور پاگل بھی ہلاک ہو جاتے ہیں اور جانور بھی تکلیف اٹھاتے ہیں۔

وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ اور قیامت تک کے تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو بخش دے تاکہ ان کے مستقبل کے گناہ اپنے آباء کی کشتی کے غرق ہونے میں اثر نہ کریں۔

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا تَبَارًا اور ظالموں کے لیے جو کہ شرک و کفر کر کے غرق ہو گئے ہیں اور آگ میں جلائے جاتے ہیں' زیادہ نہ کر مگر تکلیف' دکھ اور عذاب اس لیے کہ اگر انہیں ان کے عذاب میں لحہ بہ لحہ زیادتی نہ ہو تو عذاب کی تو انہیں عادت اور الفت ہو جائے اور انہیں اتنا عذاب' عذاب ہی معلوم نہ ہو اور یہ بھی مغفرت کے معنوں میں ہے تو انہیں ایمان والوں کے ساتھ ایک قسم کی مغفرت میں شرکت لازم آئے۔

علماء نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعا میں قیامت تک کے ایمان

والوں کے لیے ایک عظیم بشارت ہے اس لیے کہ کافروں کی ہلاکت کے بارے میں آپ کی دعا یقیناً قبول ہوئی۔ پس ایمان والوں کی مغفرت کے لیے آپ کی دعا ضرور قبول ہوئی ہوگی اور وہ بخشے گئے۔ والحمدللہ

پانچ قسم کے بت ہر کسی کے پاس موجود ہیں

نیز علماء نے فرمایا ہے کہ پانچ مذکورہ بت حقیقت میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ ہر کسی کے پاس موجود ہیں اور دانستہ یا نادانستہ طور پر ہر کوئی ان کی پوجا میں گرفتار ہے سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا اور وہ تھوڑے ہیں اس لیے کہ ہر شخص کا بدن اس کا ود ہے جو کہ روح کا محبوب ہے اور اس کی محبت کے مقابلے میں دوسرے امور کی محبت کالعدم ہے۔ ہمیشہ خوراک' لباس' زیور' خضاب' سرمہ' کنگھی' موٹا کرنے والی دواؤں کے استعمال' ورزش' ریاضت' اصلاح' مالش اور حمام کے ساتھ اس کی پرورش اور زینت میں مشغول رہتا ہے اور ہر شخص کا سواع اس کا نفس ہے کہ اس کے جہان کا قیام اسی کے ساتھ وابستہ ہے' اس کی لذت اور خوش دِلی کے اسباب میں اور اس کی نفرت اور تکلیف سے پرہیز میں ہمیشہ کوشش کرتا ہے اور اسی لیے لوگ عبادت' تقویٰ اور رسل علیہم السلام کی اطاعت میں کھلی کوتاہی کرتے ہیں۔

اور ہر شخص کا یغوث اولاد' والدین' بھائی' بہن' چچا زاد اور اس کے قریبی رشتے دار ہیں کہ ان سے فریادرسی اور امداد کی توقع کر کے انہیں راضی کرنے اور ان کی دل جوئی کرنے میں کوشش کرتا ہے اور خدا تعالیٰ اور رسول پاک علیہ السلام کے فرمان سے چشم امید بند کر لیتا ہے اور ہر کسی کا یعوق اس کا حال ہے جو کہ زکوٰۃ و صدقات دینے' محتاجوں کی مدد کرنے اور خدا تعالیٰ کی عبادت اور تقویٰ سے روکتا ہے اور یہ شخص اس سے بلائیں اور آفتیں دُور کرنے کی توقع رکھتا ہے جبکہ ہر شخص کا نسر اس کا شیطان ہے جو کہ حرص اور غصے کے دو پروں کے ساتھ اچانک آسمان سے آ کر اس کے کیے اور نہ کیے کو برابر کر دیتا ہے اور اس کے اوپر سے بُرے وسوسے اور باطل اعتقادات ڈالتا ہے تو جب تک ایک شخص کے ان پانچ بتوں کی پوجا سے رہائی نہ پائے اس کا ایمان درست نہیں ہوتا تا کہ وہ

حضرت نوح علیہ السلام کی اس دعائے مغفرت میں شامل ہو جو آپ نے ایمان والوں کے فرمائی ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اس دعا میں بارگاہِ خداوندی میں عرض کی ہے کہ میری قوم کے کفار سے بدکار ناشکر کے سوا کوئی پیدا نہیں ہوگا حالانکہ بہت سے کافروں سے نیک بخت پیدا ہوتے ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کا باپ جس سے سید المسلمین حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے اور آپ کو خلتِ الٰہی کا مرتبہ حاصل ہوا۔ (بارگاہِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے ادب اور حبیب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے مطابق صحیح اور مفتی بہ قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد بزرگوار کا نام تارخ ہے جو کہ عقیدۂ توحید پر واصل بحق ہوئے۔

چنانچہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق چھٹی صدی کے مجدد امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر کبیر میں فرمایا کہ علماء نے فرمایا کہ آزر' حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد نہیں بلکہ آپ کا چچا تھا اور کئی وجہ سے اس مسئلے پر استدلال کیا گیا۔ ایک یہ انبیاء علیہم السلام کے آباء واجداد کافر نہ تھے' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَّذِیْ یَرَاكَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَكَ فِی السّٰجِدِیْنَ اس کا ایک معنی یہ ہے انه كان ينقل نوره من ساجد الى ساجد آپ کا نور پاک سجدہ گزاروں سے سجدہ گزاروں کی طرف منتقل ہوتا تھا۔

اور اس صورت میں یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام آباء مسلمان تھے اور اس طرح بات کی قطعیت ثابت ہوگئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کافروں میں سے نہ تھے' وہ تو آپ کا چچا ہے۔ آگے فرمایا ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات میں پاکوں کی پشتوں سے پاک خواتین کی طرف منتقل کیا جاتا رہا جبکہ رب تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ کہ مشرک بالکل ناپاک ہیں تو

ثابت ہوا آپ کے آباء واجداد میں سے کوئی بھی شرک نہ تھا۔

(مسالک الحنفاء از حافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ ص ۱۸، ۱۹ - محمد محفوظ الحق غفرلہ)

آپ کی یہ عرض بظاہر خلاف واقع ہوتی ہے۔ اس شبہ کے جواب میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ علمائے ظاہر فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کو وحی کے طریقے سے اپنی قوم کی یہ حالت یقینی طور پر معلوم ہوگئی تھی کہ ان سے کافروں سے سوا کوئی پیدا نہیں ہوگا۔ پس یہ حکم ان کی قوم کے ساتھ خاص ہے نہ کہ ہر کافر کے لیے عام اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طوفان کے آنے سے پہلے آپ کو وحی فرمادی تھی کہ اِنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّامَنْ قَدْ آمَنَ اور حصر کے ان لفظوں سے آپ نے استنباط فرمایا تھا کہ اب میری قوم سے جو بھی پیدا ہوگا' کافر ہوگا اس لیے کہ قوم کی اولاد بھی قوم میں داخل ہے اس جہت سے آپ نے یقین کے ساتھ اس شرط و جزا کو دربارِ خداوندی میں عرض کردیا۔

اور صوفیاء نے فرمایا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام پر تنگ دِلی اور غضب الٰہی کے غالب آنے کی وجہ سے اس دعا میں غلبۂ حال طاری ہوگیا اور آپ نے ظاہری حالت کے مطابق حکم کردیا کہ جو نطفہ خبیث محجوب نفس سے پیدا ہو اور اس ظلمانی نفس کی تدبیر سے تاریک تربیت قبول کرے' وہ لازماً نفس خبیث کو قبول کرنے کا مستعد ہوگا جیسا کہ بچے کا جسم جو کہ صنفیت میں باپ کے جسم کے مطابق ہوتا ہے اور جیسے مرید جو کہ نوعِ کمال میں اپنے شیخ کے مطابق ہوتا ہے اور اسی لیے کہتے ہیں کہ روحانی ولادت جسمانی ولادت کی طرح ہے۔ پس آپ کی یہ گزارش آپ کے حال کی فروگزاشت ہے جیسا کہ قبطی کے قتل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عملی فروگزاشت تھی' آپ کی اس عرض کے مقابلے میں آپ کو آپ کے بیٹے کنعان کے کفر کے ساتھ انتباہ فرمایا گیا۔ جیسا کہ دُنبوں میں شریک دو آدمیوں کے واقعہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کو خبردار کیا گیا۔

اور اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ والدین کے باطن پر غالب حال اولاد کے نفس میں

بلاشبہ سرایت کرتا ہے' رہا وہ حال جو کہ غالب نہیں تو لازم نہیں کہ اولاد میں سرایت کرے اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ الولد سر لابیہ یعنی اولاد باپ کے باطن کی پوشیدہ حالت ہے اور جب یہ فرق معلوم ہو گیا تو جاننا چاہیے کہ بعض اوقات کافر وافر الاستعداد اور فطرت کا صاف ہوتا ہے اور فطری استعداد کے مطابق بنیاد پاک رکھتا ہے لیکن اس کے ظاہر پر اس کی قوم کی عادت اور آباء واجداد کے طور طریقے غالب ہوئے اور وہ بظاہر ان کی دین سے وابستہ ہو گیا حالانکہ اس کا باطن آفت سے پاک ہے اور اس سے اس حالت میں ایمان والی اولاد پیدا ہوتی ہے اور جب حضرت نوح علیہ السلام نے ہزار سال کی مدت تک جو کہ ایک طویل مدت ہے اور اس میں کئی نسلیں گزر جاتی ہیں' اپنی قوم کے حالات کا تجربہ فرمایا تھا اور باطنی کیفیتوں کو پہچاننے میں پوری واقفیت رکھتے تھے' یقین کے ساتھ معلوم فرما لیا تھا کہ ان میں سے کسی کی بھی فطری استعداد سلامت نہیں رہی اور حالات ظلمانیہ نے ان سب کی باطنی کیفیات پر غلبہ حاصل کر لیا اور کفر پر ان کا اصرار صرف اپنے آباء واجداد کی تقلید اور اپنی قوم کی رسوم کی عادت ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔ آپ نے اس شرط و جزا کو قطعیت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ معلق فرما دیا اور یہ تعلیق بارگاہِ خداوندی میں مقبول ہوئی اور اس پر کوئی عتاب نہ ہوا۔

لیکن حضرت نوح علیہ السلام سے کنعان کا پیدا ہونا تو یہ اس تعلیق کے فوائد سے نہیں ہے تاکہ اسے تنبیہ اور عتاب پر محمول کیا جا سکے اس لیے کہ آپ نے صرف فاجر کفار ہی کی پیدائش کو فنا کرنے کے وجوب کی علت قرار دیا ہے نہ کہ اصل کافر و فاجر کی پیدائش کو کیونکہ نیک بختوں سے بُرے بھی پیدا ہوتے ہیں لیکن نیک بخت بھی پیدا ہوتے ہیں تو بعض اولاد کی نیکی' بعض دوسروں کی بُرائی کے ساتھ معارض ہو کر فنا اور ہلاک کرنے کے وجوب کی علت نہیں ہوتی اور کیا بعید ہے کہ کنعان کی پیدائش کے وقت بعض حالات کی ظلمانی کیفیت نے حضرت نوح علیہ السلام کے باطن میں جگہ لے لی ہو اور کنعان اس سر کا حامل ہوا اور اس کے ساتھ اس کی ماں جو کہ کافرہ منافقہ تھی' کی ناپاک استعداد کو بھی اس کی استعداد خراب کرنے میں پورا دخل ہے۔ لازم نہیں ہے کہ کنعان کی استعداد کی خرابی کو

حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ منسوب کر دیا جائے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ کافر و فاجر کے سوا نہ جننا اور کافر و فاجر کو جننا ان دونوں میں بہت فرق ہے۔ ایک کو ثابت کرنا دوسرے کی نفی نہیں کرتا تا کہ تنبیہہ اور عتاب کی صورت پکڑے۔ (ان مذکورہ احتمالات میں جو کہ عقلی ڈھکوسلوں اور منطقی موشگافیوں سے زیادہ کچھ نہیں، عظمت نبوت و رسالت کی کوئی خدمت نہیں البتہ عقل ظاہر کے پرستاروں کو مسلمات دینیہ میں عقلی توجیہہ قائم نہ ہونے کی وجہ سے عوام کو گمراہ کرنے کا موقع مل سکتا ہے اگر ایک کنعان کے حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں پیدا ہونے کے لیے معاذ اللہ حضرت نوح علیہ السلام کے باطن میں کسی ظلمانی ہیئت و کیفیت کا اثر مانا جائے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق کیا کہا جائے گا جن کی نسل سے ساری کائنات کے کفار اشرار پیدا ہوئے۔

حالانکہ جس مقصد کے لیے یہ مفروضہ قائم کیا جا رہا ہے، وہ مقصد ہی غلط اور بے بنیاد ہے یعنی بیان یہ کرنا ہے کہ کبھی کافر کا باطن پاک رہتا ہے اور اسی استعداد کی وجہ سے پاک اولاد پیدا ہوتی ہے جیسے آزر سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پیدا ہونا جبکہ آزر آپ کا چچا ہے، باپ نہیں۔ کما حققہ الامام فخر الدین الرازی فی تفسیرہ ونقلہ وایدہ خاتم الحفاظ الجلال السیوطی فی رسائلہ التسعہ۔

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت آدم علیہ السلام کے باطن میں معاذ اللہ کتنی لاکھوں، کروڑوں، اربوں، کھربوں ظلمتوں کو تسلیم کرنا پڑے گا جن کی اولاد میں سے اسی قدر کفار اور مشرکین پیدا ہوئے اور قیامت تک ہوں گے۔ بات سیدھی سی ہے کہ یُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ۔ اور حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی نافرمان قوم کی ہلاکت کی دعا فرمائی اور ان سے صرف کفار فجار ہی کے پیدا ہونے کا حوالہ دیا، یہ سب خداداد علم غیب تھا جس کی بناء پر آپ نے ایسا کہہ دیا۔ آپ کی اس دعا کی بنیاد علم الٰہی ہے جس سے مستفید ہو کر آپ نے یہ الفاظ عرض کیے۔ خدا تعالیٰ کا علم اور اپنے مقربین کو اس کی عطا، عقلی چیرہ دستیوں سے وراء ہے، وہ فعال لما یرید ہے اسی میں سلامتی اور یہی حقیقت ہے۔ عقل قرباں کن بہ پیش مصطفیٰ۔ حسبی اللہ گو کہ اللہ بس کفیٰ۔ نیز یہ

توجیہہ بھی باعثِ حیرت ہے کہ کبھی کافر کی بنیاد اس کے کفر کے باوجود جو کہ سب سے بڑی نجاست ہے، پاک ہی رہتی ہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ نبی اور رسول بلکہ اولوالعزم رسول علیہ السلام ہونے کے باوجود کوئی ہیئت ظلمانی رسول علیہ السلام کے باطن کو متاثر کرے، عجیب توجیہہ ہے کہ کفر کی نجاست کافر کے باطن تک نہیں پہنچتی جبکہ ترکِ اولیٰ کی وجہ سے حاصل ہونے والی ظلمت رسول علیہ السلام کے باطن تک پہنچ جائے۔ فیاللعجب والی اللّٰہ المشتکی۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

سورة الجن

مکی ہے اس کی اٹھائیس (۲۸) آیات ہیں اور اس سورۃ کے سورۃ نوح اور اس سے ماقبل کے ساتھ مربوط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ نون میں اس بات کا ذکر ہے کہ کفارِ مکہ نے نسبی طور پر انتہائی قریب ہونے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور آپ کے اخلاق کریمہ سے واقف ہونے کے باوجود آپ کو نہ پہچانا اور مجنون کہا اور سورۂ الحاقہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ ان بدبختوں نے عقل و دانش کے دعوے کے باوجود قرآن مجید کو کبھی قول شاعر، کبھی قول کاہن اور کبھی رسول علیہ السلام کا بہتان کہا۔ اور وہ حقیقت حال کا سراغ بالکل نہیں لگاتے تھے کہ یہ سراپا معجزہ کلام کیا ہے اور کہاں سے ہے اور زمین اور زمین والوں میں اس کے آنے کا مقصد کیا چیز ہے یہاں تک کہ سورۂ المعارج میں ان کی بدگوئی اور سینہ زوری صراحتاً ذکر فرمائی گئی کہ وہ انتہائی جہالت کی بناء پر عذاب کی درخواست کرتے ہیں اور سورۂ نوح علیہ السلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کی ہزار سال کی مدت میں دعوتِ کاملہ اپنی قوم کو ترغیب و ترہیب کی مختلف قسموں کے ساتھ سمجھانے اس کام میں اپنی کدوکاوش کو آخر درجے تک پہنچانے پھر اس قوم کے اپنے کفر پر اصرار کرنے اور اپنے آباؤ اجداد کی غیر موزوں تقلید ترک نہ کرنے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا۔ اب اس سورۃ میں ارشاد ہوتا ہے کہ قدرتِ الٰہی کا تماشہ دیکھو اور جان لو کہ دِلوں کو پھیرنے والا اور حقیقی ہدایت کنندہ وہی ہے۔ آپ کی قوم آپ کے حالات پر اس اطلاع کے باوجود نسبی قرابت جنسیت اور لغت عربی کو جاننے کے اور معمولی غوروفکر کے ساتھ اعجاز قرآن کو پہچاننے کی استعداد

ہونے کے باوصف اس قدر گمراہ ہیں اور سینہ زوری اور بدگوئی کرتے ہیں۔

اور حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ اس قدر کامل اور طویل دعوت' جنسی اتحاد کے باوجود کہ آدمی تھے نہ کہ جن اور بشری عقل رکھتے اور ایمان اور کفر کے حسن اور قبح کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے' بالکل راہِ راست پر نہیں آئے بلکہ روز بروز گمراہی میں دُور ہوتے جاتے تھے اور حق کی راہ سے بھاگتے تھے۔

جبکہ جنوں کی ایک جماعت کے چند افراد جو کہ نہ آپ کے ہم جنس ہیں نہ انسانی تعبیر کو اچھی طرح سمجھتے ہیں' نہ انہوں نے آپ کی زیارت کی نہ آپ کی صحبت میں رہے تاکہ آپ ان کے سامنے قرآن پاک کے معنوں کی تفسیر ارشاد فرمائیں اور ان پر اس کے مضامین کی تشریح و تفصیل بیان فرمائیں صرف راستہ سے گزرتے ہوئے قرآن پاک کی چند آیات آپ سے سُن کر ہدایت کے نشے سے کس قدر لبریز ہوگئے اور قرآن مجید کے کس طرح معتقد ہوئے اور صرف اسے سنتے ہی ایمان لے آئے اور اپنے بڑوں اور اپنی قوم کی اندھی تقلید سے ایک دَم منحرف ہوگئے اور انہوں نے ایمان کے حسن اور کفر کی قباحت کو اپنی قوم کے سامنے اچھی طرح پیش کیا اور وہ آپ کی نبوت کے صحیح ہونے پر عجیب استدلال لائے اور ان خرابیوں کو جو کہ جنوں کی جبلت میں نخوت' تکبر' اصرار' اپنی بات پر جھگڑا کرنے اور بھاگنے اور چھپنے کی عادت رکھنے سے ہیں' اپنے سے سب دُور کریں اور اس بات کا اقرار کیا کہ لَنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا اور اس بات کا اقرار کیا کہ ہم علمِ غیب بالکل نہیں رکھتے' لَانَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا اور خودستائی اور اپنی قوم کی تعریف و توصیف سے دست بردار ہوگئے اور کہا کہ مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا اور انہوں نے ایمان والوں اور کافروں کا انجام دریافت کرلیا۔

تو جب ہدایتِ الٰہی کسی کی اصلاح پر توجہ فرمائے تو ایک دَم تمام رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں اور تمام شرائط کلی طور پر میسر آ جاتی ہیں اور جب اس طرف سے ہدایت کی توجہ نہ فرمائی جائے تو عقل و دانش' قرابت و جنسیت' شفقت و محبت مرشد و استاذ اور اس کی طویل

صحبت سب رائے گاں جاتی ہے اور کارگر نہیں ہوتی اور اس کے علاوہ ان دونوں سورتوں کے مختلف مضامین میں بھی مناسبت اور مماثلت پائی جاتی ہے اس سورۃ میں حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے فرمایا جارہا ہے کہ مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وقارا جبکہ اس سورۃ میں جنوں کی زبان سے نقل فرمایا ہے کہ وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا وہاں کفار بنی آدم کی زبان سے نقل فرمایا ہے کہ لا تذرن ودا ولا سواعا ولایغوث ویعوق ونسرا جبکہ یہاں ایمان والے جنوں کی زبان سے نقل فرمایا جاتا ہے کہ ولن نشرك بربنا احدا ومن اسلم فاولئك تحروا رشدا وہاں فلم یجدوا من دون الله انصاراً مذکور ہے جبکہ یہاں ولن اجد من دونه ملتحدا اور لن نعجزالله فی الارض ولن نعجزه هربًا ہے اور وہاں یہ مذکور ہے کہ استغفروا ربکم انهٗ کان غفارًا یرسل السماء علیکم مدرارا جبکہ یہاں وان لو استقاموا علی الطریقة لاسقیناهم ماء غدقًا لنفتنهم فیه ہے وہاں مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے فرزند ناخلفی اور نالائقی کی وجہ سے اس ابوالآباء کی خلافت کی خدمت سے معزول ہوگئے اور ان کا قتل اور ہلاکت واجب کہ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِيْنَ دَيَّارًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَايَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا جبکہ یہاں یہ مذکور ہے کہ جنس کے مختلف ہونے اور اخلاق و اطوار کے جدا ہونے کے باوجود شائستگی اور صلاحیت کی وجہ سے جنات آخرالزمان پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلیفہ ہوئے اور انہوں نے ہدایت و ارشاد کا منصب پالیا اور اپنی قوم کی طرف منذر اور مبلغ ہوکر گئے۔

قطعہ۔ وزیر کے کم عقل بیٹے گدائی کے لیے دیہات میں چلے گئے اور کسان کے عقل مند بیٹے وزارت کی وجہ سے بادشاہ تک پہنچ گئے اس کے علاوہ اور بھی وجوہ مناسبت ہیں جو کہ غور کرنے سے معلوم ہوتی ہیں۔

سورۃ الجن کی وجہ تسمیہ

اس سورۃ کا نام سورۃ الجن اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورۃ میں قرآن پاک کے برحق ہونے کو جنات کی طرف سے دو وجہ سے بیان کیا گیا ہے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ

انسانوں کے فصحاء اور بلغاء کا اس قرآن پاک کے مقابلے سے عاجز ہونا ہر خاص و عام کو معلوم ہو چکا تھا۔ پس اس بات کا احتمال کہ یہ انسانوں میں سے کسی شاعر یا ناظم کی تالیف ہو نہ رہا۔ قرآن پاک کے بارے میں یہی دو احتمال اس زمانے کے لوگوں کے دِلوں میں کھٹکتے تھے۔ ایک یہ کہ کلامِ الٰہی ہوگا جو کہ فرشتوں کے واسطے سے پہنچا ہے' دوسرا یہ کہ جنوں کا کلام ہوگا جو کہ کسی کاہن کے ذریعے القاء ہوا اور اس زمانے میں عرب کے شہروں میں کہانت اور جنوں سے علم حاصل کرنے کا رواج اور اس کی شہرت تھی۔ عرب کے اکثر لوگوں کو جنات کے ساتھ مناسبت اور دوستی حاصل ہو جاتی تھی اور وہ جنات ان پر ایسے کلام کا القاء کرتے جس کے ضمن میں غیب کی خبر ہوتی اور اس لین دین میں لوگوں کے ذہنوں میں ان انسانوں کا مقام بھی اور ان جنات کا مرتبہ بھی ایک وقعت حاصل کر لیتا اور لوگ ان کی طرف رجوع کرتے اور نذر و نیاز اور فتوح کا دروازہ کھل جاتا جیسا کہ اس زمانے میں بھی بعض لوگ پریوں اور جنوں کے ساتھ یہی معاملہ کرتے ہیں۔

اور عرب کے جاہل لوگ سمجھتے تھے کہ کلام کی ترکیب میں جنات کو ایسی قدرت حاصل ہے کہ بشر کو ایسی قدرت ہرگز حاصل نہیں شاید یہ کلام جو کہ طاقتِ بشری سے باہر ہے' بلغائے جن کی تالیف ہو جسے وہ پیغمبر کی زبان پر القاء کرتے ہیں جب اس سورۃ میں یہ ذکر ہوا کہ جنات نے یہ کلام سنتے ہی اپنے عاجز ہونے کو تسلیم کر لیا اور اس کے مقابلے کو اپنی ہمت سے باہر سمجھا تو وہ احتمال بالکل ٹل گیا اور وہی ایک سچا احتمال ثابت رہا۔

اور اگر کسی کو اس تقریر میں یہ شبہ ہو کر معارضۂ قرآن سے جنات کا عاجز ہونا اور اس بات کا اقرار کرنا کہ یہ کلامِ الٰہی ہے' یہ بھی اسی کلام کے ساتھ ثابت ہوا۔ جنات کی زبان سے کس نے سنا کہ انہوں نے اپنے عجز کا اقرار کیا تاکہ اس کا اعجاز ثابت ہو اور اس کا کلامِ الٰہی ہونا یقینی ہو جائے۔ پس اثبات الشیء بنفسہ لازم آیا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اثبات الشیء بنفسہ کے قبیلے سے نہیں ہے بلکہ اثبات الشیء علی فرض نقیضہ کے باب سے ہے کہ مقاصد اور دعووں کو ثابت کرنے کے مسئلہ میں اس سے زیادہ پختہ مسلک اور کوئی نہیں اور اس اثبات کو قریب کر کے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ہم

منکروں سے پوچھتے ہیں کہ یہ سورۃ کہ جس میں جنات کی زبان سے اپنے عاجز ہونے کا اقرار اور کلامِ الٰہی ہونے کی تصدیق منقول ہے یا کلامِ الٰہی سے ہے یا جنات کے کلام سے ہے اگر جنات کے کلام سے ہے تو مدعا ثابت کہ جنات نے اپنے عجز کا اقرار کرلیا اور انہوں نے اس کلام کو کلامِ الٰہی جانا اور اگر کلامِ الٰہی ہے تو مدعا پھر بھی ثابت ہے کہ خود بھی کلامِ الٰہی ہوا اور جو جنات سے نقل کیا گیا' وہ بھی سچا ہوگیا اور یہ احتمال کہ باقی قرآن جنات کا کلام ہوگا اور یہ سورۃ کلامِ بشر ہے' یہ اصل سے ہی باطل ہے کیونکہ اس سورۃ کا معارضہ بھی بشر سے ممکن نہیں ہے تو دونوں مذکورہ احتمالات میں سے ایک متعین ہوگیا اور دونوں میں سے ہر ایک میں مقصد حاصل ہے۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے جناب آسمان پر چلے جاتے تھے اور وہاں سے چوری اور جاسوسی کے طریقے سے آنے والے حادثوں کی خبریں جو کہ روئے زمین پر مقدر ہوتے تھے اور ان کا فرشتوں کی مجالس میں تدبیر اور سرانجام دینے کے لیے ذکر ہوتا تھا' سن کر آتے تھے اور ان کا آدمیوں پر القاء کرتے تھے تاکہ وہ جنات کی غیب دانی کے معتقد ہوجائیں اور پوجا کریں اور کاہنوں کو جو کہ جنات کے خدام کی طرح تھے' نذر اور رشوت ملے اور ان کی شیخی روز بروز ترقی حاصل کرے اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے' یہ کاروبار بھی ٹھپ ہوگیا اور جنات کو آسمان پر آنے سے روک دیا گیا اور آتشیں شعلوں کے ساتھ فرشتے مقرر کردیئے گئے تاکہ وہ جنات کو دھتکاریں اور آنے نہ دیں اور اس احتیاط اور چوکی داری کا مقصد یہ تھا کہ جب قرآن پاک نازل ہو تو زمین میں اس کا مقابلہ کرنے کا چیلنج کیا جائے اور اہلِ زمین اس کے مقابلے سے عاجز ہوکر یقین کرلیں کہ یہ کلامِ الٰہی ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ جنات میں سے کوئی بیت العزت جو کہ آسمانِ دنیا میں نزولِ قرآن کی جگہ تھی' کے فرشتوں کی زبان سے بعض قرآنی آیات سن کر کسی کاہن تک پہنچادے اور یہ کاہن حضرت پیغمبر علیہ السلام کے مقابلے میں ان آیات کو مشہور کردے اور جاہلوں کے ذہنوں میں شبہ پڑ جائے کہ قرآن کا مقابلہ ممکن ہوگیا۔ پس اس کا کلامِ الٰہی ہونا یقین کے ساتھ ثابت نہ

ہوا۔

نیز اس پیغمبر علیہ السلام کی بعثت جنوں انسانوں کے لیے عام تھی جس طرح آپ انسانوں کی طرف مبعوث تھے جنات کی طرف بھی مبعوث تھے اور ان سے بھی مقابلے کا چیلنج پیش نظر تھا تا کہ وہ عاجز ہو کر اس کے کلام الٰہی ہونے کا اقرار کریں اور ان کے آسمان پر آنے اور فرشتوں کی زبان سے بعض قرآنی آیات سننے کی صورت میں وہ مقابلے کی صورت میں عاجز نہ ہوتے تو تدبیر الٰہی کا لازمی تقاضا ہوا کہ قرآن پاک کے نزول کی مدت میں جو کہ تیئس (۲۳) سال ہے یہ کاروبار بالکل معطل کر دیا گیا۔ چنانچہ عرب کے کاہن اس مدت کی ابتدا سے معطل ہو کر رہ گئے تھے اور شکایت کیا کرتے تھے کہ اب جنات ہمارے پاس کوئی امر نہیں لاتے اور جنات بھی حیرت میں تھے کہ اب کیا انقلاب پیش نظر ہے کہ ہمیں آسمان پر جانے نہیں دیا جاتا جب انہوں نے یہ قرآن مجید سنا تو یقین کر لیا کہ یہ سب انتظام اس کلام کو معارضے کی صورت سے بچانے کے لیے تھا اور قرآن پاک کے برحق ہونے پر یہ استدلال سابقہ قرائن اور علامات کی مدد سے ہے جو کہ عرف میں رائج ہے۔

اور دانش مندی کے قاعدوں کے مطابق اسے اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے کہ آسمانی کلام چرانے سے اگر جنات کو روکنا فرشتوں کے کلام کی حفاظت کی بناء پر ہوتا تو چاہیے تھا کہ قرآن مجید کے نزول سے پہلے بھی ہوتا۔ پس یہ صرف اور صرف معارضہ کی صورت میں قرآن پاک کی حفاظت کے لیے ہے دلیل دوران کے ساتھ تو یہ کلام معارضے سے محفوظ ہے اور جو معارضے سے محفوظ ہو وہ معجز ہے اور معجز نہیں ہوتا مگر فعلِ الٰہی جسے کسی سچے کے ہاتھ پر پیدا فرماتا ہے۔ پس وہ کلامِ الٰہی ہوگا جسے ایک سچے پر اُتارا اور وہی مدعا ہے۔

جان داروں کی پیدائش میں حکمت

یہاں جاننا چاہیے کہ حکمت کی نظر سے جہان میں جان داروں کو پیدا کرنا بھی ضروری ہوا اس لیے کہ جہان میں جان دار نہ ہوں تو فعل اختیاری کی صورت نہیں ہوتی

اور افعال اختیاریہ کے بغیر کائنات میں کوئی رونق نہیں ہے اور ارادہ اور اختیار کا مظہر محقق نہیں ہوتا اور اسی طرح جان دار کے بغیر شعور و ادراک کا کوئی مظہر نہیں اور صفت علم مظہر کے بغیر رہ جاتی ہے اور جان دار کا فعل اختیاری کا مصدر ہونا خواہش اور نفرت کے بغیر صورت نہیں پکڑتا تو جان دار کو دونوں صفات عطا کرنا بھی لازم ہوا اور خواہش اور نفرت اس چیز کے حسن اور قباحت کو دریافت کیے بغیر صورت نہیں پکڑتی جس کی خواہش کی جاتی ہے یا جس سے نفرت کی جاتی ہے۔ پس جان دار میں اشیائے جزئیہ کے شعور و ادراک کا پیدا کرنا بھی ضروری ہوا اور جب اشیائے جزئیہ کا کلی طور پر شعور و ادراک تھوڑی سی مدت میں ممکن نہیں ہے تو ناچار جان دار کو شعور و ادراک کلی دینا ضروری ہوا جو کہ امر عام کے ساتھ متعلق ہوا اور اس کی وجہ سے ہزاروں چیزوں کے حسن و قباحت کو سمجھا جا سکے۔ پس خواہش و نفرت کے لیے شہوت اور غضب کی قوت کو پیدا کیا گیا اور اشیائے جزئیہ کے حسن و قباحت کو دریافت کرنے کے لیے وہم اور خیال اپنے آلات سمیت جو کہ پانچوں حواس ہیں' عطا فرمائے گئے اور شعور و ادراک کلی کے لیے روح کو تیار کیا گیا اور اسے قوت عقلی بخشی گئی۔ پس ہر جان دار میں شہوت' غضب' وہم' خیال اور عقل لازم قرار پائی۔

جان داروں کی چار قسمیں

اور ان امور کی ترکیب کی کیفیت میں جان داروں کی چار قسمیں ہیں۔ پہلی قسم وہ جان دار ہے جس کی قوتِ عقلیہ' وہم' خیال' شہوت اور غضب پر غالب ہے یہاں تک کہ ان چیزوں کا حکم اس کی قوتِ عقلیہ پر قطعاً نہیں چلتا اور غسل دینے والے کے ہاتھ میں میت کی طرح اس کے زیر فرمانی اور مطیع ہیں اور اس قسم کو فرشتہ کہتے ہیں اور روحانیت بھی کہتے ہیں اور ہندی میں دیوتا' فارسی میں سروش اور شرع شریف کی زبان میں ان کی تعبیر ملائکہ' ارواح اور ملکوت کے ساتھ کرتے تھے۔ یہ قسم خطا اور گناہ سے معصوم اور پاک ہے اور نہ ہی کھانے پینے' مقاربت کرنے اور دوسری حقیر چیزوں کی محتاج ہے اس لیے کہ انہیں افعال اختیاریہ صادر کرنے کے لیے ایسا نورانی جسم دیا گیا ہے جو کہ کھلنا' جدا ہونا' ٹکرانا اور خلل میں پڑنا قبول نہیں کرتا اور قوتِ عقلیہ کے غلبے اور وہم و خیال پر اس کی

حاکمیت کی وجہ سے انہیں ممکن ہے کہ اپنے آپ کو ہر صورت میں ظاہر کریں اور ہر معنی میں ڈھال لیں اور مختلف شکلیں اختیار کریں اور اس قسم کے بزرگ حملۃ العرش ہیں اس کے بعد عرش کے اِردگرد صف بستہ ملائکۃ اس کے بعد ملائکۃ کرسی اس کے بعد درجہ بدرجہ ساتوں آسمانوں کے ملائکہ' اس کے بعد بادل' ہوا' بخارات اور زمہریر کے کروں کے فرشتے جو کہ شعلے پھینکنے' بارش اُتارنے اور رعد اور برق کے ساتھ بادل کو چلانے پر مقرر ہیں اس کے بعد پہاڑوں اور سمندروں پر مقرر فرشتے پھر طبقۂ زمین کے ملائکہ جو کہ نباتی' حیوانی اور انسانی اجسام کے تصرفات میں مشغول ہیں۔

دوسری قسم وہ جان دار ہے جس کی وہم وخیال کی قوت عقل پر بھی اور شہوت وغضب پر بھی اس حد تک غالب ہے کہ ان کی عقل' شہوت اور غضب ہر اختیاری فعل میں وہم و خیال کے تابع ہو جاتے ہیں اور ان کا جسم ناری اور ہوائی اجزا کا خلاصہ ہے کہ جسے قرآن پاک میں مارج من نار کا نام دیا گیا اور کہیں نارالسموم فرمایا گیا ہے اور ان کا یہ بدن آدمی کی ہوائی روح کا حکم کھتا ہے جو کہ دل میں پیدا ہوتی ہے اور آدمی کی ہوائی روح اور اس قسم کے بدن میں فرق یہ ہے کہ آدمی کی ہوائی روح اربعہ عناصر کا خلاصہ ہے جو کہ اس کی غذا میں کام آتے ہیں جبکہ اس قسم کا بدن صرف ناری اور ہوائی اجزا سے ہے اور ان کا نسیمی بدن بھی جو کہ بمنزلہ آدمی کی ہوائی روح کے ہے چونکہ اسی لطیف جنس سے ہے اس بدن کے ساتھ مل کر اور متحد ہو کر پانی اور دودھ کے رنگ اور جنس کی طرح یک رنگ ہو جاتا ہے اور اسی وجہ سے ان کے وہم وخیال کی قوت اس بدن کی شکل کو بدن نسیمی کی طرح بدل دیتی ہے جس طرح کہ خوف اور گھبراہٹ' خوشی اور مسرت کی حالت میں آدمی کے نسیمی بدن میں تغیر واقع ہوتا ہے۔

ہاں اس قسم والے کبھی اپنے اسی بدن پر اکتفاء کرتے ہیں اور اس کے ساتھ تصرف کرتے ہیں اور آدمی کے مسام اور تنگ جگہوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور باہر آ جاتے ہیں اور کبھی وہم وخیال کی قوت کے ساتھ ایک کثیف جسم ترتیب دے کر مختلف شکلوں اور حسن وقبح' انس ووحشت کی جدا جدا کیفیتوں میں ڈھل کر ظہور کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے

کہ اکثر اوقات اس قسم والوں کا جسم ہوا' آگ اور شعاع کی طرح نظر نہیں آیا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ وہم و خیال کی قوت کے ساتھ مشکل اور بھاری کام کر سکتے ہیں جس طرح ہوا بڑے درخت کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتی ہے اور اس قسم کی مخلوق کے لیے کھانا پینا' مقاربت کرنا اور دوسری حقیر چیزوں کا ارتکاب ثابت ہے اور انہیں جن کہتے ہیں اور ہندی لغت میں لفظ دیوتا انہیں شامل ہے ہاں ان میں سے ایک گروہ کو کہ جن کے زیادہ تر افعال اختیاریہ بُرائی اور مخلوقِ خدا کو نقصان پہنچانے کی صورت میں ہیں' دانیت اور دنیت کہتے ہیں اور لغت عرب میں ان کے شریروں کو شیطان اور غیر شریروں کو جن کہتے ہیں اور لغت فارسی میں ان کے شریروں کو دیو اور غیر شریروں کو پری کہتے ہیں۔

اور حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم میں بھی ایک دوسرے سے کھلا اختلاف ہے۔ چنانچہ وارد ہے کہ ان میں سے بعض کے پر ہیں' آندھی کی طرح ہوا میں پھرتے ہیں اور بعض اپنے آپ کو سانپوں اور کتوں کی شکل میں بدل کر گشت کرتے ہیں اور ان میں سے بعض آدمیوں کی شکل میں خانہ داری کرتے ہیں اور کوچ اور مقام کرتے ہیں اور ان کے رہنے کی جگہیں اکثر ویران مقامات' جنگلی اور پہاڑ ہیں لیکن یہ ساری صورتیں ہیں کہ ان سے کسی ایک کے ساتھ ہر گروہ کو خصوصیت اور رغبت حاصل ہوئی ورنہ اصل میں جنات کا بدن وہی آگ اور ہوا کے ملے ہوئے اجزاء ہیں اور یہ قسم گویا عالم ملائکہ اور عالم حیوانات کے درمیان برزخ ہے جس طرح کہ وہم و خیال بھی عقل و طبیعت کے درمیان برزخ ہے اسی لیے ان میں دونوں طرف کے احکام ثابت ہیں' انہوں نے مختلف شکلوں میں رونما ہونا' تدبیراتِ کلیہ اور امورِ دقیقہ میں حسن و قبح کا ادراک و شعور عالم ملائکہ سے لیا ہے اور اسی وجہ سے ان پر مکلف ہونے کا حکم جاری ہے اور کھانا پینا' مقاربت کرنا اور دوسرے حیوانی خصوصیتیں حیوانات سے حاصل کی ہیں اور یہ شہوت وغضب کی پیروی کرتے ہیں۔ چنانچہ حیوانات کے ساتھ ان کا یہی فرق ہے کہ حیوانات نے اپنی عقل' وہم اور خیال کو اپنی شہوت اور غضب سے مغلوب کر لیا ہے جبکہ انہوں نے اپنی عقل' شہوت اور غضب کو وہم و خیال سے مغلوب کیا ہے۔

تیسری قسم وہ جان دار جس کی شہوت اور غضب اس کی عقل' وہم اور خیال پر اس حد تک غالب ہو کہ اس کی عقل کالمعدوم ہو جائے اور اس کا وہم و خیال اس کی شہوت و غضب کے فرمان کے تابع اور اس قسم کو حیوان کہتے ہیں۔ اگر اس کی شہوت غضب پر غالب ہوئی تو بہیمہ یعنی چار پایہ ہے اور اگر اس کا غضب شہوت پر غالب ہو تو درندہ ہے اور بہائم اور درندے جس طرح چرنے والے جانوروں میں ہوتے ہیں' پرندوں اور حشرات الارض میں بھی ہوتے ہیں جیسا کہ پورے تجسس کے بعد ظاہر ہوتا ہے۔ پس مکھی حشرات الارض کا بہیمہ اور مکڑی درندہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

اور یہ تین اقسام جو ذکر کی گئیں' ذی روح مفردات ہیں کہ ارواح کے ابدان کے ساتھ متعلق ہونے کی ابتدا میں یہی تین قسمیں ظاہر ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی قسم کو آسمانوں کی سکونت اور کائنات کو شامل ان امور کی تدبیر کے لیے منتخب فرمایا جن میں خطا اور نافرمانی سے معصوم ہونا مطلوب تھا اور دوسری قسم کو زمین میں افعال اختیاریہ جزئیہ صادر کرنے اور نباتات' معدنیات اور حیوانات میں تصرف کرنے کے لیے مقرر فرمایا اس لیے کہ اس قسم کی روحیں سختی اور کثافت کے مرتبے میں نہ درندے اور بہائم تھیں اور نہ ہی صفائی اور لطافت کے درجے میں ملائکہ' ناچار ان کے جسموں کو بھی اجرام عنصریہ لطیفہ بنایا گیا جو کہ ہوائیت اور ناریت کا خلاصہ ہیں تاکہ علوم و ادراکات حاصل کرنے اور نفوذ حرکات کی سرعت میں معتدل رہیں اور جب اس قسم کی ارواح اور ابدان طبعی طور پر فرشتوں کی ارواح اور ابدان کے قریب ہو گئے تو اس قسم کے لیے ممکن ہو گیا کہ عالم ملکوت سے بعض غیبی امور کو حاصل کر لیں اور عالم ملکوت کی محفلوں میں جو کہ آسمان کے اوپر ہیں' حاضر ہوں۔

اور تیسری قسم جو کہ حیوان ہے صرف اس دوسری قسم کی خدمت اور ان کی خواہش اور نفرت کی پیروی کرنے کے لیے پیدا ہوئی۔ گویا حیوانی قسم اس قسم کا آلۂ کثیف تھا حتیٰ کہ چوتھی قسم جو کہ ان تینوں اقسام سے بمنزلہ معجون مرکب کے ہے اور اس کی عقل' وہم' خیال' شہوت اور غضب اعتدال کے ساتھ کام آئے' زمین کی سلطنت اسے سونپ دی گئی اور اس

پر فرشتوں کے واسطے سے علومِ غیب خصوصیت کے ساتھ نازل فرمائے گئے اور حیوانات' نباتات اور معدنیات کو اس کے لیے مسخر کر دیا گیا تاکہ وہ خلافتِ کبریٰ کی ذمہ داریاں پوری کرے اور جس کی ذوی الارواح بسائط سے توقع نہ تھی اس میں ظہور کرے اور اسی تحقیق سے انسان کی تخلیق سے جنات کی تخلیق پہلے ہونے کا راز واضح ہو گیا۔ نیز مکلّف ہونے کی امانت کا بوجھ اُٹھانے میں انسان کے ساتھ جنوں کی شرکت کا راز بھی ظاہر ہو گیا۔

لیکن جنات کا جہان گویا فرشتوں کے جہان کی نچلی سطح ہے' اس وجہ سے کمال انسانی کی راہ جو کہ اس عالم کی طرف ترقی ہے' برہم ہو گئی اور بنی آدم کے گروہوں کو اسی نچلی سطح میں پابند کر دیا یہاں تک کہ ان کی صلاحیتیں اور ہمتیں اسی سطح میں منحصر ہو گئیں اور ان میں اس سطح کو پھاڑنے اور اس سے اوپر جانے کی طاقت نہ تھی۔ پس بنی آدم میں سے بعض لوگوں نے اس سطح کے قدآور اشخاص کو اپنا معبود بنا لیا اور بعض نے اپنی ضرورتوں میں ان سے مدد طلب کی اور بعض نے مستقبل کے واقعات کو ان سے ڈھونڈا اور شرک پیدا ہو گیا یہاں تک کہ بعض جاہلوں نے اس جہان کو حضرت ذاتِ حق سے بلاواسطہ پیدا ہونے والا سمجھ کر ان کے لیے خدا کی بیٹیاں ہونے کا مرتبہ ثابت کرنا شروع کر دیا اور اگر ہندوؤں کے مذہب اور مشرکین عرب اور کفار کے دوسرے گروہوں کی رسموں میں گہری نظر ڈالی جائے تو صراحتاً معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے علم کی رسائی اور ہمت کا ادراک اسی نچلی سطح تک ہے بلکہ جاہل مسلمان بھی اسی منجدھار میں گرفتار ہیں اس جہان کے بعض اشخاص کو پیر کہتے ہیں اور ان سے امداد اور غیب کا علم مانگتے ہیں اور کسی کو پریاں کہتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس

(اس کی وضاحت کے لیے حضرت مفسر علام کی وہ تفسیر ضرور دیکھیں جو کہ آپ نے ایاک نستعین کے تحت کی ہے اور آپ کا مسلک اسی تناظر میں دیکھیں اور متعین کریں۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ واقع ہوئی تو پہلے اس سطح کو پھاڑنا اور اس

حائل دیوار کو اُٹھانا ضروری ہوا جو جہانِ غیب کے آگے رکاوٹ بنی ہوئی تھی تاکہ انسانی ارواح کی ترقی کی راہ صاف ہو' ناچار شعلے پھینکنے کا حکم صادر ہوا اور ابلیس اور اس کے پیروکاروں کو جو کہ طبعی طور پر گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کی سرداری کا درجہ رکھتے تھے' ایک ذلت اور رسوائی لاحق ہوئی اور ان کی حیلہ گریوں اور مکاریوں کو کہ کبھی کاہن کی زبان پر مسجع کلام ڈال کر اپنی غیب دانی ثابت کرتے تھے اور کبھی شعراء کی قوتِ فکریہ میں مداخلت کر کے اپنی باریک بینی اور نکتہ آفرینی کا جلوہ دِکھاتے تھے اور کبھی بتوں کے ڈھانچوں میں ہوا کی طرح لپٹ کر عجیب وغریب آوازیں نکالتے تھے' معطل اور بے کار کر دیا گیا' انہیں عجیب واقعات سے جو کہ اس پیغمبر علیہ السلام کی بعثت کی علامت تھے جنوں کی زبان سے کہ جن کی ان امور سے واقفیت زیادہ اور بہت خوب تھی' نشان دیا جارہا ہے۔ پس یہ سورۃ گویا سورۃ جن ہے کہ ایمان کی تحسین' کفر کی مذمت' شرک کے رد' توحید کے اثبات' شیاطین کے مکروفریب کو دُور کرنے اور پیغمبر علیہ السلام کی بعثت اور قرآن پاک کے نزول کے برحق ہونے کو ثابت کرنے کے لیے ان کے اقوال کی تفصیلات بیان فرمائی جارہی ہیں۔

اس سورۃ کے نزول کا سبب

اور اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت سے دس سال تک اپنی قوم کو مختلف طریقوں سے دعوت دی جب آپ نے دیکھا کہ یہ قبول نہیں کرتے اور راہ پر نہیں آتے تو مایوس ہو کر سوچا کہ اب اجنبیوں اور بے گانوں کو دعوت دینا چاہیے اس قصد سے آپ طائف کی طرف اس تعلق کی بناء پر تشریف لے گئے کہ قریش کی ایک عورت جو کہ بنی جمح کی لڑکی سے تھی طائف کے سرداروں میں سے ایک کے عقد نکاح میں تھی اور وہاں کل تین سردار تھے' عبدیالیل' مسعود اور حبیب۔ ان تینوں نے آپ سے اچھا سلوک نہ کیا اور آپ کو اپنے شہر سے نکال دیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی سلسلے میں سوق عکاز کی طرف تشریف لے گئے اور وہ پتہ یوگھر کی طرح کی ایک منڈی تھی کہ ہر علاقے اور ہر سمت کے لوگ بیس (۲۰) شوال سے دس (۱۰) ذوالقعدہ تک

تجارت اور خرید وفروخت کے لیے وہاں جمع ہوتے' دورانِ سفر آپ مقام نخلہ میں فروکش ہوئے' صبح کے وقت اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ نمازِ فجر میں مشغول ہوئے اور بلند آواز سے تلاوت شروع فرمائی اسی دوران نصیبین شہر کے جنات میں سے اور بنوالشیصبان کے گروہ سے جو کہ جنوں کے قبائل میں سے سب سے عمدہ ہے' نو افراد کا وہاں سے گزر ہوا اور ان کا گزر اس مقصد سے تھا کہ جب جنات کو آسمانی خبر سے رکاوٹ ہوئی اور ان پر شعلہ باری شروع ہوگئی' انہوں نے اس بارے میں آپس میں مشورہ کیا کہ کیا وجہ ہے کہ ہمیں آسمانی خبر سے منع کر دیا گیا ہے اور ہمیں آسمان پر جانے نہیں دیتے۔ آپس میں یوں طے ہوا کہ زمین کی مشرق ومغرب میں پھیل جاؤ اور دیکھو کہ زمین میں کیا نئی چیز پیدا ہوئی ہے جو کہ اس رکاوٹ کا باعث ہوئی تاکہ اگر ممکن ہو تو اس چیز کا تدارک کریں۔ یہ جماعت بھی اس امر کی تلاش میں سرزمینِ مکہ کی طرف آنکلی تھی اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے قرآن پاک سنا اور انہیں یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ یہ کلام اس رکاوٹ اور چوکی داری کا باعث ہے تاکہ کوئی اس کلام کو آسمان سے چوری کر کے نہ لائے اور بے محل نہ پہنچائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری قرأت سننے کے بعد اپنی قوم کی طرف لوٹے اور انہیں اس امر سے آگاہ کیا اور اس جماعت میں زوبعہ نامی ایک جن سردار تھا اور ایک عمرو نامی بھی سردار تھا اور ان دونوں کا واقعہ سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔

جنات کی بارگاہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری

اس کے بعد ان کی دلالت پر نصیبین اور نینویٰ کے جنات میں سے نوے (۹۰) افراد نے اپنے پیروکاروں اور فوجوں کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور قرآن پاک سننے کا ارادہ کیا۔ زوبعہ نے سب سے آگے آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ بے شمار جنات آپ کی زیارت اور قرآن پاک سننے کے لیے آرہے ہیں' آپ جس وقت اور جس جگہ فرمائیں' حاضر ہو جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ شہر سے باہر رات کے وقت شعب الحجون کے نواح میں جو کہ مکہ معظمہ کے شہر کے متصل ایک پہاڑ کا فراخ درہ ہے' جمع

ہوں تا کہ شہر کے لوگ انہیں دیکھ کر خوف و ہراس میں مبتلا نہ ہوں۔ نمازِ عشا کے بعد آپ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ہمراہ لے کر روانہ ہوئے جب دیکھا جنات کا ہجوم بہت زیادہ ہے اور وہ حضور علیہ السلام کے دیدار کے شوق کی وجہ سے ٹوٹے پڑتے ہیں' آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس درے سے باہر کھڑا کر دیا اور ان کے اِردگرد ایک دائرہ کھینچ دیا اور فرمایا کہ اس دائرے سے باہر نہ آنا تا کہ ان کی وجہ سے تجھے تکلیف نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دُور سے دیکھ رہے تھے کہ ان میں سے بعض گدھ کی طرح بڑے جثوں والے اور بعض زط یعنی قوم جت کی طرح جو کہ بصرہ کے متصل رہتے ہیں' سر اور پاؤں سے ننگے' سفید کپڑے کے ساتھ مقامِ ستر کو ڈھانپے ہوئے اور ان کے جسم یا رنگ سیاہ اور ان کے سر اور داڑھی کے بال سرخ و سفید اور بعض دوسری شکلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہجوم کر رہے تھے۔ آپ صبح تک ان کی تعلیم اور تلقین میں مشغول رہے اور جب انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ یا حضرت! ہمیں تبرک کے طور پر کوئی تحریر عطا فرمائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسی تحریر دیتا ہوں جو کہ نسل در نسل اور قبیلہ در قبیلہ تمہارے کام آئے۔ جہاں خالی ہڈی' اونٹ' بکری اور بھیڑ کی مینگنی یا گائے بھینس کا گوبر پڑا ہو' میری دعا سے اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں ایک لذت اور رزق بخشے گا اس کے علاوہ جو تم پہلے سے کھانے پینے کی چیزیں رکھتے تھے۔ اور بعض روایات میں آپ نے انہیں کوئلہ بھی عطا فرمایا۔ جنات نے عرض کی کہ یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آدمی ان چیزوں کو گندا کر دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہم آدمیوں کو ان چیزوں کو نجاست کے ساتھ آلودہ کرنے سے روک دیں گے۔ چنانچہ اسی وقت سے ہڈی' خشک گوبر' مینگنی اور کوئلے کے ساتھ استنجا کرنے سے منع کر دیا گیا۔

اور ان دنوں جنات کا آپس میں ایک خون ہو گیا تھا اور انہوں نے اس مقدمے میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا منصف قرار دیا اور آپ نے حق کے مطابق فیصلہ فرمایا اور وہ سب راضی ہو کر واپس چلے گئے۔

اور اسی طرح دوسری مرتبہ بے شمار جنات کوہِ حرا میں جمع ہوئے اور یہ جزیرہ میں سکونت پذیر تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنوں کے ایلچی کے آنے پر تنہا تشریف لے گئے اور ساری رات وہیں رہے اور صبح کے وقت آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو ان کی آگ کے نشانات اور دوسرے اسباب وآلات دِکھائے جو وہ چھوڑ کر چلے گئے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے۔ حاصل کلام یہ کہ جنات کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں متعدد بار آنا اور امورِ دینیہ کی تحقیق کرنا ثابت ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب قومِ زط کو کوفہ میں دیکھتے تو ڈر جاتے اور پوچھتے کہ کیا یہ جنات ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں؟ لوگ تعجب کرتے اور کہتے کہ یہ جنات نہیں ہیں' انسانوں کا ایک گروہ ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چونکہ میں نے حضور علیہ السلام کے ہمراہ جنات کو اسی صورت میں دیکھا تھا' میں انہیں جب بھی دیکھتا ہوں یہی گمان کرتا ہوں کہ جنات ہوں گے۔

نیز صحیح حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے جنات کے سامنے سورۃ الرحمٰن تلاوت فرمائی تو وہ پورے ادب کے ساتھ سُن رہے تھے اور جب بھی آیت فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ آتی تو وہ بلند آواز سے کہتے کہ اے پروردگار! ہم تیری کسی نعمت کی ناشکری نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ جنات کے قرآن اور رسول پاک علیہ السلام پر ایمان لانے اور ان کے مطیع وبرگزیدہ ہونے کو کافروں کے سامنے بیان فرماتا ہے تاکہ وہ عبرت پکڑیں اور سمجھیں کہ جنوں کی مخلوقات جو کہ فرماں برداری اور اطاعت شعاری سے بہت دُور ہیں اس رسول علیہ السلام اور اس قرآن کے گرویدہ ہو گئے' ہمیں بھی چاہیے کہ سر کو پاؤں بنا کر اس راہ میں داخل ہوں۔

دو جواب طلب سوالات

یہاں دو جواب طلب سوالات ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ اس سورۃ میں اوحی الی کا لفظ واقع ہوا ہے اور یہ جملہ جزئیہ حاکیہ ہے کہ اس کے لیے محکی عنہ چاہیے اور اگر عبارت

سورۃ کو محکی عنہ قرار دیں تو جذر اصم کا وہی مغالطہ پیش آتا ہے جو کہ منطقیوں میں مشہور ہے اور حکایت کا محکی عنہ سے اتحاد لازم ہوتا ہے۔ پس چاہیے کہ اس سے پہلے اس سورۃ کے مضامین کی خبر وحی میں آئی اور یہ خلاف واقع ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ احقاف میں آیت وَاِذْ صَرَفْنَا اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْآنَ میں چار دوسری آیات سمیت اس واقعہ کی اصل کی وحی ہوئی تھی اور اس سورۃ کے نزول سے پہلے اس واقعہ کو اس کی تمام مذکورہ خصوصیات سمیت غیر متلو وحی کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مقدس پر القاء فرما دیا گیا ہوگا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس متلو اور غیر متلو وحی کی کفار کے سامنے حکایت فرمائیں اور انہیں اس کی خبر دیں تا کہ وہ قرآن پاک اور آپ کی نبوت کے برحق ہونے پر دلیل پکڑیں اور انکار سے باز آئیں۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اس سورۃ میں جنات کے اقوال میں سے تیرہ (۱۳) باتوں کی حکایت فرمائی گئی ہے اور پہلی بات میں حرف ان کو ہمزہ کے کسرے کے ساتھ وارد فرمایا کہ انا سمعنا جبکہ بارہ (۱۲) باتوں کو حرف ان ہمزہ کے فتح کے ساتھ حالانکہ قول کا مقولہ ہمزہ کے فتح کے ساتھ نہیں آتا' ہمزہ کے کسرے کے ساتھ آتا ہے۔ پس عربی کے قاعدے کی مخالفت لازم آئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بات قولِ جن کا صریح مقولہ تھا' وہاں ان کا کسرہ لازم ہوا جبکہ باقی بارہ (۱۲) سخن فاصلہ واقع ہونے کی وجہ سے قول کا مدخول نہ ہوئے بلکہ وہاں ذکروا اور اخبروا کا لفظ محذوف رکھ کر قالوا پر عطف فرمایا گیا اور قول کے معنی کے بعد حرف ان میں ہمزہ کا فتح لازم ہے اور وہ جو ان بارہ (۱۲) باتوں کے بعد ہے جیسے وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا وَاَنَّ الْمَسَاجِدَ وَغَيْرَ ذَالِكَ وہ قولِ جنات میں داخل نہیں ہے بلکہ وحی میں داخل ہے۔ انہ اسمع پر معطوف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ آپ فرما دیں یا رسول اللہ! کہ اگر تمہارے ذہن میں لوگوں کا اس کلام سے عاجز ہونا اس لیے ہے کہ یہ جنات کا کلام ہے اور جنات جیسا کلام کرنا آدمی کے بس سے

باہر ہے تو سُن لو کہ جنوں نے یہ کلام سنتے ہی اس کے اعجاز کا اقرار کیا اور میرے پاس ان کا یہ اقرار ان کی طرف سے نہیں پہنچا ہے تا کہ ان کی خبر میں سچ اور جھوٹ کا احتمال ہو بلکہ بطریق وحی پہنچا ہے اس لیے کہ

اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهٗ میری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ جنوں نے اس کلام کے اعجاز کا اقرار کیا ہے صرف سرسری طور پر سننے کے بعد نہیں کہ اس میں بلاغت کلام کے درجے میں غور نہیں ہوتا بلکہ اسْتَمَعَ پوری توجہ سے سنا' ان کے ایک یا دو افراد نے نہیں تا کہ اس کے اقرار پر اعتماد نہ ہو بلکہ

نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ جنات کی کثیر جماعت نے کہ ان کی خبر کو تواتر کا حکم حاصل ہو گیا اور اس قدر کثیر جماعت جب اپنے وجدانی امر کی خبر دیں تو اس سے یقین حاصل ہو جاتا ہے اور یہ خبر بھی انہوں نے میرے سامنے یا دوسرے لوگوں کے سامنے نہیں دی ہے تا کہ کسی کی پاس داری کا احتمال ہو بلکہ جب وہ اپنی قوم کی طرف واپس گئے تو خود انہوں نے خبر پہنچائی۔

فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا تو انہوں نے کہا کہ تحقیق ہم سب نے ایک پڑھنے کی چیز سنی ہے۔

قرآن کی وجہ تسمیہ

یہاں جاننا چاہیے کہ جہان میں تصنیف شدہ کتابوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں' ایک پڑھنے کی دوسری دیکھنے اور مطالعہ کرنے کی۔ پڑھنے کی کتاب وہ ہے جس میں ذکر خدا غالب ہو اور اللہ تعالیٰ کے اوصاف مدح جو کہ عام فہم اور عقل کے نزدیک ظاہر ہوں اس میں درج ہوں جیسے اورادِ فتحیہ اور اذکار و اوراد کی دوسری کتابیں اور دیکھنے کی کتاب وہ ہے جس میں باری تعالیٰ کی صفات دقیقہ یا اس کی قدرت وصنعت کے عجائب یا اس کے دنیا و آخرت کے احکام یا اس کے بندگانِ خاص انبیاء علیہم السلام و اولیائے علیہم الرحمۃ والغفر ان کے احوال یا وہ مسائل جو کہ ان معانی کو سمجھنے میں مدد دیں اور آلہ بنیں' درج ہوں جیسے عقائد' حدیث' فقہ' سلوک اور دیگر علوم الٰہیہ کی کتابیں اور یہ کلام الٰہی جو کہ

ہمارے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی' صفاتِ الٰہی کے ذکر سے جو کہ عند العقل ظاہر اور واضح ہیں اس قدر بھری ہوئی ہے کہ کوئی آیت بلکہ کوئی طویل جملہ اس سے خالی نہیں ہوتا۔ اسی لیے اس کلام کو قرآن کہتے ہیں کہ اوراد واذکار کا حکم رکھتی ہے لیکن جنات نے یہ پہچاننے کے بعد کہ یہ کلام ذکر اور ورد ہے' ایک اور چیز بھی دریافت کی کہ

عَجَبًا ایک ایسا ذکر جو کہ نہایت عجیب ہے اس لیے کہ ذکر ہونے کے باوجود حقائقِ الٰہیہ' کونیہ اور دقیقہ کا جامع ہے۔ ایک حکمت پر مبنی تقریر رکھتا ہے جس میں ہر چیز کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے پھر اگر ہم تامل کریں تو اس کے مواعظ اور نصائح نہایت دلچسپ اور دل میں اثر کرنے والے ہیں کہ اس میں تقریر خطابت کو انتہا تک پہنچایا گیا ہے پھر جب ہم ان عمدہ مضامین میں غور کریں تو ان میں ایسے الفاظ ارشاد فرمائے گئے ہیں جو کہ بے مثل اور دوسرے کلام کے انداز سے جدا ہیں' نہ نظم اور نہ سجع اور اس کے باوجود اس میں بلاغت' حسن تشبیہ اور استعارہ کے درجات کو آخری حد تک طے کیا گیا ہے اور اس سب کے علاوہ یہ ہے کہ

یَهْدِیْٓ اِلَى الرُّشْدِ حق وصواب کی طرف رہنمائی کرتا ہے' روح میں عظیم اثر پیدا کرتا ہے اور اس میں معانی کو نقش کر دیتا ہے اور عقل کو نور علیٰ نور کر دیتا ہے یہاں تک کہ اس نور کی تاثیر شہوت وغضب کی ساری قوتوں کو گھیر لیتی ہے۔ پس یہ کلام ورد و ذکر کا حکم بھی رکھتی ہے۔ استاذ معلم کا بھی اور پیر و مرشد کا بھی اور اس کے ساتھ ساتھ ایسے کلام کی جنس سے نہیں ہے جو کہ فکر و تخیل کے ساتھ متعلق ہو یا عقلی قیاسات سے بطورِ نتیجہ حاصل کی گئی ہو یا وہمی اور خیالی مقدمات سے مرکب ہو۔ پس نہایت عجیب ہے۔

فَاٰمَنَّا بِهٖ پس ہم اس کلام پر ایمان لائے اور ہم نے سمجھ لیا کہ اس قسم کا کلام خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے اور اگر اس فہم اور اس تاثیر کے باوجود ہم اس کلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نہ سمجھیں بلکہ اس کے غیر کی طرف سے خیال کریں تو اس کے غیر کے لیے اس قسم کا کلام نازل کرنے پر قدرت ثابت کریں اور شرک لازم آئے۔

وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں

ٹھہرائیں گے۔ نیز جنات نے ذکر کیا کہ رب مطلق وہی ہے جو کہ عظمت کے اعلیٰ مرتبوں میں ہو اور کوئی شخص عظمت میں اس کی برابری نہ کرے۔

وَاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی بزرگی اس سے بہت بلند ہے کہ کوئی اس کا شریک ہو سکے اور اسی لیے مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ہمارے پروردگار نے کوئی عورت اختیار نہیں فرمائی ہے اور نہ ہی کوئی بیٹا اس لیے کہ بیوی گھر کے اکثر کاموں میں شوہر کے ساتھ شریک ہوتی ہے اور بیٹا بھی باپ کے مال اور اس کی ملک میں شریک ہوتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ شریک سے برتر ہے کہ خواہ وہ شریک خود بخود شریک ہو یا اس کے شریک کرنے سے شریک ہو اس لیے کہ دونوں قسم کی شرکت عظمت کی بلندی میں نقصان کرتی ہے۔ نیز جنات نے اس میں جو کہ اس قرآن مجید کو سننے سے پہلے بعض بندوں کے اللہ تعالیٰ کا شریک ہونے یا بعض لوگوں کے اللہ تعالیٰ کا بیٹا یا بیوی ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے' عذر پیش کیا اور یوں کہا:

وَاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا اور یہ کہ ہمارے بے عقل لوگ اللہ تعالیٰ کی شان میں وہ چیز کہتے تھے جو کہ اس کی شان سے دُور ہے۔ مختصر یہ کہ ابلیس اور اس کی پیروی کرنے والے دوسرے جنات باری تعالیٰ کے حق میں بیوی اختیار کرنے' بیٹا اختیار کرنے اور بعض مخلوقات کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قدرتِ کاملہ' علم محیط' بندوں کے افعال پیدا کرنے' مدد غیبی کے ساتھ بے چاروں کی حاجت روائی' استحقاق عبادت' ذکر دائمی کے استحقاق' (اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کے چار مقامات پر وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ سے حضرت مفسر کی مراد یہی ہے کہ وہ جانور حرام ہیں جنہیں اولیاء اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کیا جائے یعنی ذبح کے وقت ان کا نام لیا جائے نہ کہ وہ جانور جو اہل اللہ کی طرف منسوب ہوں۔ کیونکہ وہاں مقصد یہی ہوتا ہے کہ مراد تقرب الی اللہ ہی ہے البتہ ایصالِ ثواب فلاں بزرگ کے لئے ہے اور ان کا نام لیا جاتا ہے۔ آپ کا اصل مسلک یہی ہے۔ البتہ آپ کی تفسیر میں جانور کے مطلقاً منسوب شدہ جانور کی حرمت کا قول ناعاقبت اندیشوں نے اور برصغیر کے نجدیوں نے اپنی طرف سے شامل کر دیا ہے جس کا

حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اور انہوں نے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان باندھا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ - وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى پناہ بخدا-محمد محفوظ الحق غفرلہ)

ان کے نام کے ساتھ حیوانات کو ذبح کرنے کے استحقاق' ان کی راہ میں مال' نذریں اور ہدیے خرچ کر کے ان کا قرب ڈھونڈنے اور اس بات کے استحقاق میں کہ لوگ اپنے آپ کو ان کا بندہ اور پوجنے والا کہیں' شریک ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اب اس قرآن کے سننے سے ہمیں پتہ چل گیا کہ وہ اعتقاد نرا باطل اور بے اصل تھا اور باری تعالیٰ کی ذات پاک ان غلط اعتقادات سے پاک اور مبرا ہے۔ نیز جنوں نے اس غلط اعتقاد سے اپنے عذر کے مقام میں بیان کیا کہ:

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اور ہم گمان کرتے تھے کہ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ آدمی اور جنات جرأت بے جا کرتے ہوئے ہرگز نہیں کہیں گے۔ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اللہ تعالیٰ ہر جھوٹ' حاصل کلام یہ کہ ہم جو آج تک اس کثیر جماعت کی تقلید کی وجہ سے باطل عقائد میں گرفتار تھے جو کہ ادراک وشعور میں تمام مخلوقات سے ممتاز ہیں اور حق وصواب کو دریافت کرنے میں خود کو یکتا سمجھتے ہیں۔ ہم سمجھتے تھے کہ اس قدر کامل العقل کثیر جماعت جو کہ آدمیوں کی جنس سے بھی تھے اور جنوں کی جنس سے بھی کہ ان میں سے ہر ایک موشگافی اور باریک بینی میں ایک دوسرے سے سبقت کرتے ہیں' اجتماعیت کے ساتھ مخلوق میں سے کسی مرتبہ والے پر جرأت نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ پر کہ جس کی عظمت ہر ذی جاہ کی عظمت سے بلندتر ہے' کیسے جرأت کریں گے لیکن انہوں نے بہت جرأت کی اور ہم نے اس جرأت کا سبب بھی دریافت کر لیا ہے اور اس جرأت کا سبب بیان کرنے کے مقام میں جنات نے ذکر کیا:

وَّاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ اور یہ کہ آدمیوں سے بہت سے مرد جو کہ مرد ہونے کے باوجود کہ جسے کمال عقل' قوتِ قلب اور نہ ڈرنا لازم ہے۔ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ

مِّنَ الْجِنِّ جنات میں سے چند لوگوں کی پناہ لیتے تھے۔

اور یہ پناہ لینا چند طرح تھا۔ پہلی یہ کہ انہیں جب بھی کوئی بیماری لاحق ہوتی تو منسوب کرتے کہ جنوں کی بدنظری کے اثر سے ہے اور جنوں کے لیے کوئی کھانا' خوشبو اور دھونی تیار کرتے اور جہاں جنوں کے حاضر ہونے کا گمان کرتے' وہاں رکھ دیتے تا کہ اس حقیر چیز کو بطورِ رشوت قبول کریں اور ہمیں ستانے سے دست بردار ہو جائیں۔

دوسری یہ کہ مشکل کاموں اور لاینحل الجھنوں میں ان کے ناموں کو بطورِ ورد پڑھتے تھے اور ان کی تراشی ہوئی مورتیوں پر جا کر جو کہ ان کے نام کے ساتھ مقرر تھیں اور انہیں بت کہتے تھے' نذریں' ہدیے اور قربانیاں پیش کرتے تھے۔

تیسری یہ کہ جب انہیں آئندہ حادثوں کو معلوم کرنا منظور ہوتا تو کاہنوں کے پاس جاتے تھے اور ان سے پری خوانی (منتر) کراتے تھے تا کہ جنات حاضر ہو کر خبر دیں کہ فلاں چیز یوں ہو گی اور فلاں واقعہ یوں ہو گا۔

چوتھی یہ کہ جب بھی کسی سفر کے دوران جنگل یا نئی منزلوں میں ڈیرا جماتے تو ان جنوں کے سردار اور ان کے بادشاہ سے مدد مانگتے اور پناہ طلب کرنے کے بعض کلمات کہتے تا کہ اس جنگل اور اس منزل میں ان کے پیروکاروں کی طرف سے کسی صدمے سے محفوظ رہیں۔

پانچویں یہ کہ خوشامد' مدح' چاپلوسی اور ہدیوں' نذروں اور مرغوب کھانوں کے ساتھ بعض جنات کو اپنی طرف مائل کرتے تھے تا کہ ضرورت اور بشری حیلوں سے عاجز ہونے کے وقت ان سے کام لیں جیسا کہ کردم بن سائب نے اپنے باپ سے جو کہ صحابی ہیں' روایت کی کہ ایک دفعہ ہم سفر میں تھے' ہم نے ایک عجیب مشاہدہ کیا کہ جنگل میں ایک بھیڑیا آیا اور ایک شخص کے ریوڑ سے ایک بھیڑ اٹھا لے گیا اس شخص نے ایک جن کا نام لے کر فریاد کی کہ اے فلاں! جلد پہنچ کہ بھیڑیا میری بھیڑ لے جا رہا ہے اس کے فریاد کرتے ہی ہم نے سنا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ او بھیڑیے! اس کی بھیڑ کو چھوڑ دے۔ علی الفور بھیڑیا پلٹا اور بھیڑ چھوڑ کر چلا گیا۔

فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا پس ان آدمیوں نے جنوں کی نخوت و تکبر کو بڑھا دیا۔ پس جنوں نے سمجھ لیا کہ جب بندے ان کاموں میں ہمارے محتاج ہوتے ہیں اور ہم ان کے کام بناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان پر جو بلائیں اور مصیبتیں بھیجتا ہے' ہم دُور کرتے ہیں' ہمیں بھی کارخانہ خدائی میں ایک قسم کی شراکت حاصل ہے اور اگر مستقل شراکت نہیں ہے تو ہمیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے بیٹا اختیار کرنے کا تعلق ضرور حاصل ہے کہ اس نے نرے بندوں کو ہمارے حوالے فرمایا ہے۔ پس ہم نرے بندے نہیں ہیں اور آدمیوں نے سمجھا کہ یہ غیبی جماعت جو ہماری حاجتیں پوری کرتی ہے' ہماری پرورش میں انہیں کچھ شراکت حاصل ہے اور بلاشبہ یہ خدا تعالیٰ کے ساتھ نری بندگی کا تعلق نہیں رکھتے' انہیں منہ بولا بیٹا ہونا یا ولی عہدی یا خدمات کی سپرداری اسی طرف سے ہے ورنہ ہمیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے بندے ہونے میں ان کے برابر ہیں' ان کا محتاج کیوں کرتا؟ پس اس قسم کا مدد مانگنا اور مدد کرنا جو کہ آدمیوں اور جنات کے درمیان واقع تھا' باطل اعتقادات پر جرأت کرنے کا باعث ہوا۔

استعانت بالجن سے منع کرنے اور جنات کے نقصان کو روکنے کا بیان

اور اسی لیے حدیث شریف میں استعانت بالجن سے مطلقاً منع فرمایا گیا ہے اور ارشاد ہوا ہے کہ جسے سفر' گھر یا بیماری میں جن سے خطرہ محسوس ہو' چاہیے کہ اسمائے الٰہی کی پناہ حاصل کرے اور اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اور قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنَ اور معوذتین وغیرہ پڑھے اور کہے اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَاتِ كُلِّهَا مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ اسے جنات کی طرف سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ نیز جنات کے ذبیحوں سے شدت کے ساتھ منع فرمایا گیا ہے اور ان منتروں سے جن میں پریوں اور جنات کے سرداروں کے نام مذکور ہیں' روکا گیا ہے اس لیے کہ شرک کی اصل آفت یہیں سے پیدا ہوئی ہے اور انسانوں اور جنوں دونوں کے حالات خراب کرنے کا موجب ہوئی اور جنات اپنی اصل پیدائش میں جو کہ آگ کے مادے سے پیدا ہوئے ہیں' برتری' تفوق' نخوت' تکبر' سرکشی اور اپنے آپ کو الٰہ اور

معبود قرار دینے کی جبلت رکھتے ہیں اور طبعی طور پر ان چیزوں کو پسند کرتے ہیں جب بھی ان کے ساتھ اس قسم کا معاملہ واقع ہوتا ہے' بنی آدم کی حاجتوں کو پورا کرنے میں زیادہ کوشش کرتے ہیں کہ یہ پودا سرسبز ہو جائے اور لوگوں کے ذہنوں میں ہماری عظمت کا بڑا مقام پیدا ہو اور اپنے آپ کو حیلوں مکروں کے ساتھ بزرگوں کی پاک ارواح میں شمار کرتے ہیں اور بزرگوں کا نام اپنے لیے لیتے تھے تاکہ لوگ جلد گرویدہ ہو جائیں اور انکار نہ کریں اور آہستہ آہستہ اپنی خباثت اور کمینے پن کا اظہار کرتے ہیں اور صریح شرک کراتے ہیں اور یہ مرض بنی آدم کے تمام گروہوں کو لاحق ہے حتیٰ کہ اس اُمت میں بھی عام شائع اور رائج ہو گیا۔ والعیاذ باللہ تعالٰی من ذٰلک

نیز جنات نے جنوں اور انسانوں کے اس معاملے کہ آدمی جنوں کی پناہ لینے' مدد مانگنے اور ان کی طرف رجوع کرنے سے باز نہیں آتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں' ہمیں اس کی طرف رجوع کرنا اور التجا کرنا چاہیے نہ کہ اپنی سطح کے لوگوں کی طرف اور جنات گمراہ کرنے' الوہیت کے دعوے' نخوت اور تکبر سے دست بردار نہیں ہوتے تھے اور نہیں سمجھتے تھے کہ اگر ایک مالک کے بندے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں تو یہ کام مالک ہی کی امداد اور اس کی عنایت سے ہوگا تو رشوت لینے اور نخوت و تکبر کا کیا مقام ہے اور اپنے کو مستقل گمان کرنے اور مالک کے شریک جاننے کا سوال کے سبب کے بیان میں ذکر کیا۔

وَاَنَّهُمْ ظَنُّوْا اور یہ کہ آدمیوں نے گمان کیا کَمَا ظَنَنْتُمْ جیسا کہ اے جنو! تم نے گمان کیا۔

اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا کہ اللہ تعالیٰ جنوں اور انسانوں میں سے کسی کو اعمال کی جزا اور حرکات و سکنات کی باز پرس کے لیے زندہ نہیں کرے گا۔ پس آدمیوں نے چاہا کہ جس طرح بھی ہو اپنی حاجت پوری کرنا چاہیے اور دنیا کی زندگی میں تکالیف دُور کرنا' لذتوں کو حاصل کرنا اور فوائد حاصل کرنا چاہئیں اگرچہ معاملہ شرک تک جا پہنچے اور مالک ناراض ہو جائے اور جنات نے چاہا کہ مشکل کشائی کا مرتبہ اور نام و نشان پیدا کرنا چاہیے

اگر چہ مالک کے کاروبار میں شریک ہونے کا دعویٰ لازم آئے اس لیے مالک کی طرف سے کوئی باز پرس، خوف اور خطرہ نہیں ہے۔

نیز جنات نے اس بات کو ثابت کرنے میں کہ قرآن آسمان سے اُترا ہوا کلام ہے، سفلی کلام نہیں کہ اسے کسی آدمی یا جن نے تالیف کیا ہو، ذکر کیا:

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ اور ہم آسمانوں کے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ گویا ہم نے آسمان کو ہاتھ لگا لیا جب ہمیں آسمان پر آنے سے روک دیا گیا، ہم نے چاہا کہ معروف راہوں کے سوا کسی دوسری راہ سے آسمان کے اوپر پہنچ جائیں اور حقیقت حال معلوم کریں کہ اس سختی کا باعث کیا ہے۔

فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ تو ہم نے اس آسمان کو پایا کہ وہ پُر کر دیا گیا ہے اور ہر راہ میں امداد کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔

حَرَسًا شَدِيْدًا سخت پہرے دار اور چوکی دار جو کہ انتہائی طاقت ور فرشتوں کی جنس سے ہیں کہ ان کا مقابلہ کرنا ہمارے لیے قطعاً ممکن نہیں ہے اور اس کے علاوہ ہم نے آسمان کی ہر راہ میں پایا۔ وَّشُهُبًا اور آگ کے بھاگتے ہوئے شعلے جو کہ وہ چوکی دار ہم پر مارتے ہیں اور ہمیں ان شعلوں سے جلا دیتے ہیں۔

معمر نے زہری سے پوچھا کہ کیا نزولِ قرآن سے پہلے جاہلیت کے دور میں بھی شہاب تھے؟ زہری نے کہا ہاں تھے لیکن اس کثرت اور شدت کے ساتھ نہ تھے کہ بعثت اور نزولِ قرآن کے وقت ہوئے اور اس وقت دوسرے فوائد اور اغراض کے لیے تھے اور اس وقت شیاطین اور جنات کو دھتکارنے کے لیے ہو گئے۔

نیز جنات نے اس استدلال کو قریب کرنے اور اس احتمال کو باطل کرنے کے لیے کہ آسمان کے پہرے کی یہ زیادتی کسی اور چیز کی حفاظت کے لیے ہو نہ کہ اس کلام کی حفاظت کے لیے یا اگر اس سخن و کلام کی جنس کی حفاظت کے لیے ہو تو ہو سکتا ہے کہ وہ ملائکہ کا کلام ہو جو کہ وہ مہمات کی تدبیر کے لیے آپس میں کرتے ہیں یا کلامِ الٰہی کی حفاظت کے لیے۔ ذکر کیا:

وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ اور یہ کہ ہم زمانہ قدیم سے آسمان کی مقررہ جگہوں میں بیٹھتے تھے جو کہ فرشتوں کی محفلوں اور مجلسوں کے قریب تھی' ان کی باتیں سننے کے لیے۔ پس ہم آسمان سے کوئی اور چیز چرا کر نہیں لاتے تھے تا کہ اس کلام کے سوا ہم سے اس چیز کی حفاظت پیش نظر ہو اور ہم سے فرشتوں کے کلام کی اس شدت اور سختی کے ساتھ کبھی حفاظت نہیں کی جاتی تھی جیسا کہ اب بھی ہم فرشتوں کے کلام کو آسمان کے نیچے سے لے آتے ہیں لیکن ہمیں آسمان کے اوپر کلام سننے سے منع کیا جاتا ہے۔

فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ تو ان دنوں جو کہ قرآن کے نزول کا وقت ہے جو بھی کان لگاتا ہے اگر چہ دُور سے ہو' اس کے بغیر کہ اپنی مقرر جگہ پر پہنچے' قرار پکڑے اور بیٹھے۔ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا اپنے لیے آگ کا شعلہ پاتا ہے جو کہ تاک میں بیٹھا ہے تو یہ سب سختی اور پابندی کی صرف اور صرف اس کلام کی صورتِ مقابلہ کے امکان یا اس کے غیر محل میں پہنچنے یا ہماری ناپاک زبان پر جاری ہونے سے بچانے کے لیے ہے اور ہر صورت میں اس کلام کی عظمت کی انتہا اس حد تک ثابت ہوتی ہے کہ کلامِ الٰہی کے غیر میں اس عظمت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

نیز ثابت ہوا کہ یہ کلام فرشتوں کے مسکن آسمان سے ہے کہ جس میں جھوٹ اور افتراء کی گنجائش نہیں ہے تو اس کلام میں جو کچھ فرمایا گیا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کیا گیا حق ہے۔

نیز آدمیوں اور جنوں کے درمیان جو معاملہ جاری تھا کہ جنات آسمان پر آ کر عالم سفلی کی تدبیریں سُن کر آدمیوں کے سامنے ظاہر کرتے تھے اور اپنی ان معلومات کے مطابق لوگوں کی ضرورتوں میں مدد کرتے تھے اور آدمی بھی ان کی وساطت سے آئندہ حوادث کو پہلے پہچان لیتے تھے اور اپنے نفع ونقصان کی بنیاد ان پر رکھ کر تدبیر کرتے تھے اور جنات کی تعظیم وتوقیر حد سے زیادہ کرتے تھے کہ انسان کی حاجات ان کی وجہ سے پوری ہوتی ہیں اور جنات گویا ان کی طرف سے خود وکیل دربار بھی تھے اور جاسوس وایلچی بھی اور دونوں گروہ اس معاملے کے رواج پکڑنے کی وجہ سے بہت نفع لیتے تھے اس کے

دگرگوں ہونے کی وجہ بیان کرنے میں حیرت کے طور پر جنات نے ذکر کیا ہے۔

وَاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اور ہم نہیں جانتے کہ اَشَرٌّ اُرِیْدَ بِمَنْ فِی الْاَرْضِ آیا زمین والوں اور سفلی جہان کے ساتھ بُرائی کا ارادہ کیا گیا ہے کہ اُمورِ غیبیہ کے لین دین کے اس کاروبار کو ان سے روک دیا گیا ہے اور ترقی اور آسمان سے کسب فیض کی راہ بند کردی گئی تاکہ ان کی حاجت روائی نہ ہو اور وہ آفتوں اور مصیبتوں میں گرفتار رہیں اور ان کی فریاد کو کوئی نہ پہنچے اور اپنے نفع و نقصان سے آگاہ نہ ہوں۔

اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا یا ان کے پروردگار سے ان کے ساتھ راہ پانے کا ارادہ فرمایا ہے کہ جنات کی وکالت اور سفارت ختم ہو جائے اور ان کی جگہ پاک فرشتوں کی ارواح اور اولیاء اللہ اور شہداء ارواح طیبہ حکم الٰہی کے ساتھ یہ وکالت اور سفارت کریں اور آدمیوں کے آسمان پر ترقی اور وہاں کے امورِ غیبیہ کی حاصل کرنے کی راہ صاف ہو جائے اور درباری واقف کار اور خود پیش ہونے والے ہو جائیں اور خائن اور دغاباز وکیلوں کی ماتحتی سے رہائی پائیں کہ انسانی فطرت اصل میں اسی کا تقاضا کرتی ہے اور سیدھی راہ یہی ہے اور اس ترقی کی وجہ سے جو کہ نوعِ انسان کو حاصل ہو' انسان کو وراثت میں ملنے والی خلافت کا معنی جو کہ ان کے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو عطا کی گئی تھی اس وقت پورا ہو جائے اور جنات جس طرح زمین کی خلافت سے معزول ہو گئے تھے' وکالت' سفارت اور حل مشکلات سے بھی معزول ہو جائیں اور جس چیز کی ان کے باپ نے بنیاد رکھی تھی' یہ سعادت مند بیٹا اسے پورا کرے اور انجام تک پہنچائے اور اپنے باپ کے حاسدوں سے واجبی انتقام لے اسی لیے جنات رشد کو شر کے مقابلے میں لائے ورنہ بظاہر شر کے مقابل خیر ہوتا ہے اور رشد کے مقابلے میں گمراہی۔

یہاں جاننا چاہیے کہ جنات نے اس کلام میں ادب کے ایک باریک نکتے کی رعایت کی ہے کہ ارادۂ شر کے بیان میں انہوں نے فعل کو مجہول کر دیا اور فاعل کا ذکر چھوڑ دیا اور ارادۂ رشد کے بیان میں فعل معلوم کا صیغہ لائے اور ربھم کو اس کا صریح فاعل کر دیا۔ انہوں نے خداتعالیٰ کی توفیق سے کیا خوب ادب کیا۔ نیز جنات اس کے بیان میں کہ

ظاہر یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے اس معاملہ کو موقوف کرنے میں جو کہ آدمی اور جنات ایک دوسرے کے ساتھ کرتے تھے' افراد انسانی کے راہ پانے بلکہ جنوں کے راہ پانے کا بھی ارادہ فرمایا ہے اور فی الواقع جنات وکالت اور سفارت کے لائق نہ تھے اور اس خدمت سے معزول ہونے کے مستحق تھے' انصاف کرتے ہوئے ذکر کیا:

وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ اور یہ کہ ہمارے درمیان بعض درست لوگ تھے جن سے وکالت اور سفارت کی خدمت اچھی طرح سرانجام ہو سکتی تھی اور اس خدمت کے درست ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ جہان غیب کہ دربارِ حقیقی وہی ہے کے حکم و احکام' اخبار اور واقعات کو کمی بیشی اور کسی تغیر و تبدل کے بغیر آدمیوں تک پہنچائیں اور اس میں اپنی طرف سے کچھ نہ ملائیں تا کہ جھوٹ راہ نہ پائے اور جھوٹ کی وجہ سے دربار کے بعض احکام اور خبریں آدمیوں کے نزدیک غیر معتبر قرار نہ پائیں اور وہ یہ نہ سمجھیں کہ جس طرح دنیوی تدبیروں اور خبروں میں صحیح اور غلط ہوتی ہیں' یہی صورت جہانِ غیب کی تدبیرات و اخبار میں بھی واقع ہے اور بُرے اعتقاد اور جہالت وغیرہ میں گرفتار نہ ہوں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اگر اپنی عرض و معروض سے کوئی کام یا حاجت پوری کریں یا کسی تدبیر کے ساتھ کسی بلا اور مصیبت کو دُور کریں' نخوت و تکبر کا دَم نہ بھریں اور خود کو حاکم دربار کا شریک نہ قرار دیں اور آدمیوں پر بڑائی اور بلندی نہ ڈھونڈیں اور ان سے اپنے لیے لوازم عبادت طلب نہ کریں اور وہ سمجھیں کہ ہم سب ایک مالک کے بندے ہیں' وہ بعض کو بعض کے کام میں مصروف کرتا ہے جو کچھ ہوا اس کی عنایت سے ہوا' فخر و مباہات کی کوئی جگہ نہیں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس وکالت اور سفارت کے مقابلے میں رشوت کا کاروبار نہ کریں اور اپنے لیے نذریں' ہدیے اور قربانیاں مقرر نہ کریں اور اگر آدمی وہ نذریں اور قربانیاں دینے میں دیر یا کوتاہی کریں تو انہیں ستانے کے درپے نہ ہوں اور جھگڑا نہ کریں اور ہم میں ان شرائط کے جامع بہت کم ملتے ہیں اور اس کے باوجود ہم میں سے بعض اس خدمت کی اہلیت رکھتے ہیں۔

وَمِنَّا دُوْنَ ذَالِكَ اور ہمارے درمیان اور گروہ بھی ہیں جو اس مرتبے سے پست تر ہیں اور اس خدمت کے قابل نہیں ہیں تو ان میں سے کچھ تو آدمیوں کو خوش کرنے یا انہیں دھوکہ دینے کے لیے اخبارِ غیب میں جھوٹ ملا کر پہنچاتے ہیں اس حد تک کہ ایک سچی بات کے ساتھ سو جھوٹی باتیں ملاتے ہیں جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے اور ان میں سے کچھ حاجت بَر لانے اور کام سرانجام دینے کے بعد بہت نخوت و تکبر کرتے ہیں اور تعریف و خوشامد طلب کرتے ہیں اور محتاجوں سے اپنے لیے لوازم عبادت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود کو بھوانی درس' شیودرس' گر بخش اور اندر بخش کہلائیں اور ہمارے سوا دوسروں سے التجا نہ کریں بلکہ اپنے مالک کے رسولوں کی بھی پیروی نہ کریں جو کہ ہماری وساطت کے بغیر اس طرف سے کوئی پیغام پہنچاتے ہیں ورنہ ہم تمہاری وکالت سے دست بردار ہو جائیں گے اور تمہاری ضرورتیں پوری نہ ہوں گی۔

اور ایک اور گروہ والے جو کہ بہت طمع کرتے ہیں' ہر مطلب برلانے اور ہر چیز کے پہنچانے میں بکری' بھیڑ' مرغ' مرغی' کپڑے' نقدی' پکوان' پھول' پان' گانا' رقص اور اپنی مدح خوانی کی قسم کی رشوت کی شرط کراتے ہیں اور اگر آدمی وہ شرط ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو اپنے وہم و خیال کی قوت کی وجہ سے جس کا اثر کافی رکھتے ہیں' لوگوں کو بدنی یا مالی نقصان پہنچاتے ہیں۔

اور اس کے ساتھ ساتھ ان میں سے ایک کی پسندیدہ چیزیں دوسرے کی پسندیدہ چیزوں کے مطابق نہیں ہوتیں اور ایک کی فرمائش دوسرے کی فرمائش کے موافق نہیں پڑتی اور انہوں نے حاجات اور مقاصد کو بھی اپنے پاہم تقسیم کر رکھا ہے ایک نے چیچک کے مرض کو دُور کرنے کے لیے خود کو مقرر کر رکھا ہے تو دوسرا خون کی خرابی سے مزاج کی اصلاح کرنے کا کفیل ہوتا ہے۔

اور انہوں نے خبریں لانے کو بھی تقسیم کر رکھا ہے بلکہ گروہوں' ریاستوں اور شہروں کو بھی ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا ہے۔ پس اس جہت سے کنا طرآئق قددًا ہم مختلف قسم کی راہیں رکھتے تھے اور باہمی نفاق' طمع' حسد' غرور اور شرکت کے دعویٰ کی وجہ سے ہم اس

خدمت کی اہلیت سے دُور جا پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے عین حکمت کا اظہار فرمایا کہ ہمیں اس خدمت سے معزول فرما دیا اور دربار میں آنے سے روک دیا اور بنی آدم کی ضروریات کو ہم سے پھیر کر ان میں سے بعض کو بلاواسطہ اپنا روشناس کر دیا تا کہ وہ بعض دوسروں کی حاجات کو عرض معروض کے ساتھ پورا کریں اور نفع دینے والی غیبی خبریں جو کہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی آدمیوں کے کام آئیں' کسی تغیر و تبدل کے بغیر ان تک پہنچائیں اور جو چیزیں نقصان دہ ہیں' ان سے ڈرائیں اور جو چیزیں کہ نفع بخش ہیں' ان کی ترغیب دیں اور اپنے آپ کو درمیان میں صرف سفیر قرار دیں اور آدمیوں کی صلاحیتوں اور ہمتوں کو کسی واسطے اور کسی برزخ کے بغیر اپنے مالک کی طرف متوجہ کریں اور اس بات پر ان سے کوئی رشوت' نذر اور مزدوری نہ لیں اور ان میں سے ایک کو ان کا سرکردہ بنا دیا اور اپنی مرضی کے مطابق اس خدمت کے قوانین کلیہ اس کے لیے لکھ کر اپنے کلام میں نازل فرمائے تا کہ اس کے مطابق عمل کرے اور دوسروں کو بھی ان قوانین پر مطلع کرے تا کہ ان قوانین کے عمل کے وسیلے سے اس منصب کی اہلیت پیدا کرے اور ان کے گروہ میں سے صدی بعد صدی اور طبقہ بعد طبقہ اس اعزاز کا حامل پیدا ہوتا رہے بلکہ جنات کو بھی ان قوانین پر مطلع کر دیا' ان کی وکالت اور سفارت کی بھی رسم اور طرح ڈالی تا کہ ایک دوسرے کی مدد کرتا رہے اور اپنے مالک کے حضور روشناس اور پیش ہونے والے ہو اور آدمی اور جن کے دونوں گروہ اصلاح پذیر ہوں اور شرک و فساد سے نجات پائیں۔

آدمیوں کے مختلف مذاہب جنات میں بھی ہیں

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ آدمیوں کے درمیان پائے جانے والے تمام مذاہب کا جنات میں بھی رواج ہے' ان میں سے بعض قدریہ ہیں' بعض جبریہ اور بعض روافض ہیں' بعض ہندو اور بعض یہودی ہیں' بعض نصرانی اور مجوسی وغیرہ۔ پس ہر مذہب والے خواب اور بے داری میں آدمیوں پر اپنے مذہب کے موافق خبریں القاء کرتے ہیں اور آدمی سمجھتے ہیں کہ اس مذہب کی تصدیق عالم غیب سے ہو گئی اور زیادہ گمراہ ہوتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہر مذہب کے جنات حاجات' مہمات اور بلائیں دُور کرنے

میں اپنے مذہب والوں کی امداد و اعانت کرتے ہیں تاکہ آدمیوں میں سے اس مذہب والے جانیں کہ اس مذہب کی عالمِ غیب میں بھی وقعت ہے کہ ہماری حاجات پوری کی جا رہی ہیں اور ہماری بلائیں دُور کی جا رہی ہیں۔ پس آدمیوں اور عالمِ غیب میں اس گروہ کی سفارت آدمیوں میں بھی اور خود جنوں میں بھی گمراہیوں اور قباحتوں کے پختہ ہونے کو لازم کرنے والی تھی لہٰذا اس کاروبار کو ایک دَم غیر معتبر قرار دے دیا گیا۔

اور اگر کوئی شبہ کے طور پر یہاں کہے کہ اس معاملے کو دگرگوں کرنے' اس کارخانے کو معطل کرنے اور جنات کو اس کام سے معزول کرنے کا کوئی فائدہ نہ ہوا اس لیے یہ ساری چیزیں اب بنی آدم میں مروج ہیں اور کسی نہ کسی طرح ان سے امورِ غیبیہ کا علم اور مشکل مہمات میں امداد طلب کرتے ہیں اور شرک اور تقرب الی غیر اللہ کا ارتکاب پوری طرح کرتے ہیں۔

تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ معزول کو مقرر سمجھنا' اس کے مکر و فریب سے دھوکہ کھانا اور اس کی طرف رجوع کرنا اپنا قصور ہے' آدمیوں کو چاہیے تھا کہ جیسے ہی اس گروہ کے معزول ہونے کی خبر سنی تھی' ان کی طرف رجوع کرنے سے بالکل دست بردار ہو جاتے جس وکیل کو دربار سے دُھتکار دیا گیا' در آنے سے منع کر دیا گیا ہو پھر اسے اپنے کاموں کا مرجع اور سوال و جواب کا وسیلہ بنانا' انتہائی حماقت اور نادانی ہے۔ قرآن مجید میں ایک ہزار سے زیادہ مقامات پر مکلفین کے لیے اس معزول اور معطلی کی اطلاع مذکور ہے اگر سنے کو اَن سنا اور دیکھے کو نادیکھا سمجھیں تو ہدایتِ تبلیغ کا کیا قصور؟

ہم یہاں آئے کہ اگر ان سے یہ خدمت موقوف کر دی گئی تھی پھر انہیں عالمِ غیب میں دخل دینا کہ وہاں کی خبروں پر اطلاع بھی پائیں اور امداد و اعانت بھی کر سکیں' کیوں روا رکھا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ عالمِ غیب کی خبروں پر مطلع ہونا جنات کی پیدائش کے لوازمات میں ہے اور اسی طرح دشوار کاموں اور بشری طاقت سے باہر تاثیرات پر قادر ہونا اور انسانی بدن اور انسانی روح کو جسمانی تکالیف اور وسوسے ڈال کر دگرگوں کرنا جنات کی خلقت کے لوازمات میں سے ہے اگر علم و عمل کی یہ دونوں زیادتیاں

ان سے سلب کر لی جاتیں تو جنات کا نشأ جنسیہ سے نکل جانا لازم آتا اور اس سفارت اور وکالت کی خدمت سے معزولی اس محرومی کا تقاضا نہیں کرتی بلکہ معزول کرنے سے غرض یہی ہے کہ بنی آدم کے گروہ پھر ان کی طرف رجوع نہ لائیں اور ان سے امداد اور علم طلب نہ کریں اگرچہ وہ علم دینے اور مدد کرنے کی قدرت رکھتے ہوں۔

اور اس کے باوجود اس کارخانے کو معطل کرنا اور انہیں خدمت سے معزول کرنا بہت مفید ہوا کہ لاکھوں آدمی ان کے شر اور مکر و فریب سے رہائی پا گئے اگرچہ ابھی تک ان میں سے بعض اسی بھنور میں گرفتار ہیں کہ افراد بنی آدم سے ہر فرد کی ہدایت منظور ہے نہ حکمت کا تقاضا۔ نیز جنات نے اس کلامِ الٰہی کو سنتے ہی مطیع ہو جانے کی جلدی اور اس کلام کی وجہ سے اپنی قوم کی اس عمدہ خدمت سے معزولی کے باوجود اس کلام سے صبر نہ کرنے اور اس کی ممانعت اور دشمنی کی راہ اختیار نہ کرنے جو کہ جنوں اور انسانوں میں سے ہر عاقل غیر معصوم کی طبیعت کا تقاضا ہے' کی وجہ میں ذکر کیا ہے کہ:

وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اور یہ کہ ہم نے گمان کیا کہ اگر ہم اس کلام پر ایمان نہ لائیں اور اپنے پروردگار کی عبادت میں مصروف نہ ہوں اور اس خدمت سے اپنی معزولی پر راضی نہ ہوں تو ہمارا پروردگار ہم پر ضرور ناراض ہوگا اور ہمیں مواخذہ فرمائے گا اور ایسی صورت میں ہمیں غالب گمان ہے کہ

اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ ہم اللہ تعالیٰ کو ہرگز عاجز نہیں کر سکتے' زمین میں تاریک مکانات' گھنے جنگلوں' پہاڑوں کی غاروں اور تنگ وادیوں میں چھپ کر جس طرح کہ ہم منتر پڑھنے والوں اور موکلوں کو عاجز کر دیتے ہیں۔ نیز

وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا اور ہم اسے فضا میں بھاگ جانے کی وجہ سے ہرگز عاجز نہیں کر سکیں گے جس طرح کہ شعلے پھینکتے وقت ہم فرشتوں کو عاجز کر دیتے ہیں اور یہاں مقامِ یقین کے باوجود جنات گمان کا لفظ اس لیے لائے کہ کلام اللہ کی تصدیق اور خدمات سے معزولی اور تعیناتی کے احکامِ الٰہی کو قبول کرنے میں گمان غالب بھی کفایت کرتا ہے' پکے یقین کی حاجت نہیں جیسا کہ مخلوقات کے درمیان معاملات میں بھی یہی رائج ہے کہ جب

کسی کے مقابلے میں اپنے عاجز ہونے کا گمان غالب ہو جائے تو اس کے مطیع ہو جاتے ہیں اور پختہ یقین کے حاصل ہونے کے انتظار میں نہیں رہتے ورنہ کام معطل ہو جائیں اور تدبیر و تدارک کا وقت گزر جائے۔ چہ جائیکہ یہاں پختہ یقین بھی ہے اور اسی لیے جنوں نے ذکر کیا ہے:

وَاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰىٓ اٰمَنَّا بِهٖ اور یہ کہ جیسے ہم نے اس قرآن میں ہدایت کی بات سنی کسی مہلت کے بغیر اس پر ایمان لے آئے اس لیے کہ اگر سننے کے بعد ہم دیر اور تاخیر کرتے تو ہمیں غضبِ الٰہی کا خطرہ تھا اور ہم اس کے غضب کی ذمہ داری قبول نہیں کر سکتے تھے اور اگر قوم کے لوگ ہمیں کہیں کہ اگر چہ تم جلدی ایمان لانے میں خدا کی ناراضگی کے خطرے سے کہ جس کا گمان اور توقع تھی بچ گئے لیکن تمہیں آدمیوں سے ملنے والی نذر و نیاز اور فتوح کا نقصان ہوا جو کہ وہ اپنی وکالت کی رشوت میں تمہیں دیتے تھے۔ نیز تمہیں بہت ذلت اور بے عزتی لاحق ہوئی کہ اس طرح کی عمدہ خدمت تم سے چھڑا لی گئی اور تم نے اسے بحال کرانے میں ہاتھ پاؤں نہ مارے اور چپ کر کے بیٹھ گئے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس چیز سے ہمیں کوئی ڈر نہیں اس لیے کہ ایمان نے ہمیں ان تمام چیزوں سے بے خوف کر دیا۔

فَمَنْ يُّؤْمِنْ بِرَبِّهٖ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لائے تو وہ نہ مال کے نقصان اور نہ ہی ذلت و بے حرمتی اور نقصان آبرو سے ڈرتا ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ اس ایمان کی برکت سے اس نقصان کے بدلے دوسرے طریقوں سے اموال کو زیادہ اور ثواب کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے اور اس ذلت اور بے حرمتی کے بدلے کئی دوسری وجوہ سے ہمیشہ کی عزت اور مرتبہ عطا فرماتا ہے اور عرب کی اصطلاح میں رہق ذلت لاحق ہونے کو کہتے ہیں جو کہ کپڑے کی طرح آدمی کے سارے جسم کو ڈھانپ لیتی ہے جیسا کہ ایک اور آیت میں فرمایا ہے وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ

نیز جنات نے ان قوی اسباب اور قادر و توانا کے مواخذے کے اس خوف کے باوجود کہ کسی وجہ سے اس کے ہاتھ سے رہائی اور چھٹکارا ممکن نہیں ہے' اپنی تمام جماعت

کے اس قرآن پاک پر ایمان نہ لانے سے تعجب کے مقام میں ذکر کیا ہے۔

وَاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ اور یہ کہ ہمارے گروہ میں سے بعض حکم الٰہی کی اطاعت کرنے والے ہیں اور انہوں نے اس عظیم خدمت سے اپنی معزولی پر راضی ہو کر اپنے مالک کی اطاعت کر کے سر تسلیم خم کرنے کی راہ اختیار کی ہے اور وہ اس کلام پر ایمان لائے اور اس معاملے سے دست بردار ہو گئے جو کہ آدمیوں کے ساتھ رکھتے تھے بلکہ کمال انصاف کے طور پر انہوں نے آدمیوں کو اپنی آوازوں کے ساتھ اس خدمت سے اپنی معزولی کی خبر دی اور وہ خود پیغمبر زماں صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور حاضر ہو گئے اور ان کی اتباع کو لازم شمار کیا اور جزیرۂ عرب میں سکونت پذیر بے شمار جنات نے یہی وتیرہ اختیار کیا اور اس باب میں تواتر کے ساتھ ان سے بے شمار واقعات منقول ہیں۔

جنات کے ایمان لانے کے واقعات

(۱) ان میں سے یہ ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت آئی کہ ایک دن میں اپنے بتوں کے پاس حاضر تھا' اچانک ایک شخص بتوں کی نذر کے لیے گائے کا بچھڑا لایا اور اس نے اسے ذبح کیا۔ ایک بت کے پیٹ سے نہایت بلند آواز کہ میں نے ایسی آواز کبھی نہ سنی' ہر خاص و عام نے سنی کہ وہ کہہ رہا تھا یا جلیح امر نجیح رجل یصیح یقول لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اے مرد قوی! ایک ایسا امر پیش آیا ہے جس میں کامیابی ہے۔ ایک مرد بلند آواز سے کہتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حضرت امیر المومنین فرماتے ہیں کہ لوگ یہ آواز سنتے ہی بھاگ گئے اور میں وہیں قائم رہا تا کہ اس آواز کی حقیقت معلوم کروں۔ دوسری بار میں نے یہی آواز سنی' تیسری بار بھی سنی اور میں حیرت میں رہا یہاں تک کہ لوگوں نے خبر پہنچائی کہ یہاں ایک پیغمبر ظاہر ہوا ہے جو کہ لوگوں کو کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین فرماتا ہے۔

(۲) اور اسی قسم کا واقعہ ایک اور بوڑھے سے امام مجاہد نے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ میں ایک گائے کو ہانک کر لے جا رہا تھا' اچانک میں نے ایک آواز سنی کہ یاالذریح قول فصیح رجل یصیح ان لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جب میں شہر مکہ میں پہنچا تو میں نے ...نا

کہ یہاں ایک رسول علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں جو کہ یہ کلمہ شریف پڑھتے ہیں۔

(۳) اور بیہقی' حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ جاہلیت کے دور میں جنات میں سے میرا ایک شناسا تھا جو کہ مجھے آئندہ کی خبریں پہنچاتا تھا اور میں لوگوں سے کہہ دیتا اور اس ذریعے سے مجھے نذر و فتوح بہت ملتی تھی اور اس کی ساری خبریں مطابق واقعہ نکلتی تھیں اچانک میں ایک رات سو رہا تھا کہ وہ جن آیا اور اس نے کہا کہ اُٹھ! سمجھ اور عقل کر اگر تجھے کوئی شعور ہے۔ لوی بن غالب کے قبیلے سے ایک پیغمبر ظاہر ہوا پھر اس نے یہ چند بیت پڑھے۔ عجبت للجن وارجاسها وشدهن العیس باحلاسها یعنی میں جنوں کے حال اور ان کی بے چینی سے تعجب کرتا ہوں اور ان کا اونٹوں پر زین کسنا تاکہ سفر کریں۔ تہوی الی مکۃ تبغی الہدیٰ' ما مومنو ہا مثل ارجاسها مکہ کی طرف ہدایت طلب کرنے کے لیے جاتے ہیں' ایمان والے جن ان کے ناپاکوں کی طرح نہیں ہیں۔ فانهض الی الصفوة من هاشم' واسمو بعینیك الی راسها تو بھی بنی ہاشم کی برگزیدہ شخصیت کی طرف جا اور اپنی دونوں آنکھوں کو قبیلے کے سردار کی طرف اُٹھا۔

میں یہ ابیات سُن کر بے دار ہوا اور ساری رات تشویش میں رہا یہاں تک کہ وہ اسی طرح دوسری رات آیا اور اس نے مجھے بے دار کیا اور یہی ابیات پڑھ کر چلا گیا پھر تیسری رات بھی اس نے یہی عمل کیا جب مسلسل تین رات میرے ساتھ یہی اتفاق ہوا تو میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا ہوگئی اور میں مکہ شریف کی طرف روانہ ہوگیا یہاں تک کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں پہنچ گیا۔ مجھے دیکھتے ہی آپ نے فرمایا مرحبا اے سواد بن قارب! میں جانتا ہوں کہ تجھے یہاں کونسی چیز لائی ہے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کی شان میں چند اشعار کہے ہیں' پہلے وہ شعر سُن لینا چاہیے۔ فرمایا پڑھو! سواد بن قارب رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی نعت میں اپنا قصیدۂ بائیہ پڑھ ڈالا جس کا آخری بیت یہ ہے ؎

وکن لی شفیعا یوم لا ذو شفاعة

سواك بمغن عن سواد بن قارب

یارسول اللہ! آپ اس دن میرے شفیع ہوں جس دن آپ کے سوا کوئی شفاعت کرنے والا سواد بن قارب کے کام نہیں آئے گا۔

(۴) نیز بیہقی نے روایت کی ہے کہ میں مازن طائی ملک عمان میں خدمت پر مقرر تھے' بتوں میں سے ایک بت تھا جسے فاجر کہتے تھے' مازن کہتے ہیں کہ ایک دن میں نے اس بت کے لیے ایک جانور ذبح کیا اچانک ایک آواز بت کے پیٹ سے سنائی دی کہ کوئی کہہ رہا ہے:

یامازن اقبل الی اقبل اے مازن! آ میری طرف آ۔ لتسمع مالایجهل تا کہ تو وہ سنے جس سے ناواقفیت درست نہیں۔

هذا نبی مرسل یہ نبی ہے بھیجا گیا جاء بحق منزل حق لے کر آیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل فرمایا گیا۔

فَاٰمِنْ بِهٖ کے تعدل پس اس پر ایمان لا تا کہ تو کنارہ کرے عن حر نار تشعل اس آگ کی گرمی سے جو کہ شعلے مارتی ہے۔ وقودها بالجندل جس کا ایندھن پتھر ہیں۔

مازن کہتے ہیں کہ میں اس آواز سے بہت متعجب ہوا اور میں نے ایک مرتبہ پھر ذبیحہ ادا کیا تو پھر زیادہ وضاحت سے سنا کہ کہہ رہا تھا یا مازن اسمع تسر خیر ظهر وبطن شر بعث نبی من مضر بدین الله الاکبر فدع نحیتا من حجر تسلم من حر سقر۔

اے مازن! سُن تا کہ تو خوش ہو' خیر کا ظہور ہوا اور شر چھپ گیا۔ قبیلہ مضر سے اللہ کے دین کے ساتھ نبی مبعوث فرمایا گیا ہے پس تو پتھر سے تراشا ہو بت چھوڑ دے تا کہ تو دوزخ کی آگ سے سلامت رہے۔

مازن کہتے ہیں کہ میں اس وقت سے مضر سے مبعوث ہونے والے پیغمبر کی خبر کی تلاش میں سرگرم تھا یہاں تک کہ حجاز سے ایک قافلہ آیا' میں نے ان سے پوچھا کہ وہاں کی کیا خبر ہے؟ انہوں نے کہا کہ ملک تہامہ میں ایک شخص پیدا ہوا ہے جسے احمد کہتے ہیں اور وہ خود کو داعی الی اللہ ظاہر کرتا ہے' میں سمجھ گیا کہ اس آواز کی تعبیر یہی ہے۔ میں سواری

اور سفر کے اسباب تیار کر کے مکہ شریف کی طرف روانہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہی میرا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور میں اسلام لے آیا۔ آپ نے فرمایا کوئی اور مطلب ہو تو کہو؟ میں نے عرض کی یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم میرے تین مطلب ہیں۔ ایک کہ میں تماش بین آدمی ہوں' گانے بجانے' شراب نوشی اور بُرے کام کا بہت شوق رکھتا ہوں۔ دوسرا یہ کہ بے اولاد ہوں' اولاد کا شوق رکھتا ہوں۔ تیسرا یہ کہ ہمارے ملک میں سخت قحط واقع ہوا ہے' آپ سے دعا کا طالب ہوں۔ آپ نے ان تینوں مطالب کے بارے میں فرمایا کہ بارِ خدایا! گانے بجانے کے، بجائے اسے تلاوتِ قرآن پاک کی توفیق عطا فرما اور بدکار عورتوں کے بجائے حلال عورتیں عطا فرما اور اسے شرم و حیا نصیب فرما اور اولاد بھی عطا فرما۔ مازن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان ساری چیزوں کو مجھ سے دُور کر دیا اور ہمارا ملک آباد اور سر سبز ہو گیا اور چار خوب صورت خواتین میرے عقد نکاح میں آئیں اور مجھے حبان بن مان لائق بیٹا عطا فرمایا۔

(۵) اور امام احمد نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے' ابونعیم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے اور بیہقی اس واقعہ کو حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ وعن آباءَ الکرام واخلافہ العظام سے لائے کہ مدینہ عالیہ میں پہلے پہل جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پہنچی اس انداز سے تھی کہ اہلِ مدینہ کی ایک عورت کا جنوں میں سے ایک شخص سے تعلق تھا' وہ جن ہر رات اس کے ہاں آتا تھا اور اکثر ایک پرندے کی شکل میں ایک دیوار پر آ کر بیٹھ جاتا اور جب تنہائی ہو جاتی تو اپنے آپ کو آدمی کی شکل میں کر لیتا اور اس عورت کے ساتھ رہتا اچانک چند دنوں سے اس کی آمد و رفت رُک گئی اور ایک مدت کے بعد ایک جانور کی شکل میں آ کر دیوار پر بیٹھ گیا اس عورت نے کہا ادھر آ' تجھے کیا ہو گیا کہ تو اتنی مدت نہیں آیا۔ اس نے کہا اب تجھ سے رخصت ہے ہمارے آنے کی توقع مت رکھنا اس لیے کہ شہر مکہ میں ایک پیغمبر تشریف لایا ہے جس نے ہم پر بدکاری حرام کر دی ہے۔

(۶) اور حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی واقعہ کی مانند جو

آپ نے ملک شام میں دیکھا تھا' روایت کی ہے۔ چنانچہ ابونعیم نے ان سے نقل کی ہے کہ ایک دفعہ ہم شام کے علاقے میں تھے اور اس علاقے میں ایک کاہنہ عورت تھی جو کہ اس فن میں شہرت رکھتی تھی' ہم بھی اس سے ملاقات کے لیے گئے اور اس سے اپنے سفر کے انجام کے متعلق پوچھا اس نے کہا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں ہوتا اس لیے کہ جس جن کا مجھ سے رابطہ تھا اور میں اس سے پوچھ کر سوال کا جواب دیتی تھی ایک دن آ کر میرے دروازے پر کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ اب رخصت ہے۔ میں نے کہا کیوں؟ اس نے کہا خرج احمد جاء امر لایطاق یعنی حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا اور ایسا حکم آ گیا جو کہ مشکل ہے۔ ازاں بعد چلا گیا اور پھر نہیں آیا۔

(۷) اور ابن شاہین اور دوسرے محدثین نے ذباب بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جنات میں سے میرا بھی ایک شناسا تھا جو کہ غیب کی خبریں پہنچاتا تھا۔ ایک دن وہ آیا' میں نے اس سے کچھ پوچھا اس نے میری طرف حسرت سے دیکھا اور کہا یاذباب یاذباب اسمع العجب العجاب بعث محمد بالکتاب یدعو بمکة فلا یجاب یعنی اے ذباب! ایک عجیب بات سُن (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کتاب کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں' مکہ شریف میں دعوت دیتے ہیں لیکن لوگ ان کی دعوت قبول نہیں کرتے۔ میں نے کہا' کیا کہتا ہے سوال کوئی جواب کوئی اس نے کہا تجھے سمجھ آ جائے گی اور اُٹھ کر چلا گیا' چند دن نہ گزرے کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کی خبر پہنچ گئی۔

(۸) اور عمر بن شیبہ نے جموع بن عثمان غفاری سے بھی اسی قسم کا واقعہ روایت کیا ہے کہ بنی غفار کے قبیلے میں ایک کاہن کو اس کا جن دوست جواب دے گیا اور چھوڑ گیا۔

(۹) نیز ابونعیم نے روایت کی ہے کہ ایک دن حضرت امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اپنی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا' آپ نے اس سے پوچھا کہ تیری شکل وصورت سے یوں پتہ چلتا ہے کہ تو کاہن رہا ہے اور تجھے جنات سے صحبت رہی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں! فرمایا اب کہو کہ کیا اب بھی تجھے جنات کی صحبت کا اتفاق ہوتا ہے اس

نے کہا نہیں! دین اسلام کے رائج ہونے سے پہلے ایک دن میرے مصاحب جنات میرے پاس آئے اور انہوں نے کہا یاسالم یاسالم الحق المبین والخیر الدائم غیر حلم اے سالم واضح حق اور خیر دائم کی جلوہ گری ہوئی' کوئی خواب نہیں۔ اللہ اکبر

(۱۰) ایک شخص اس مجلس میں حاضر تھا اس نے کہا کہ مجھے بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا کہ میں ایک دن جنگل کے چٹیل میدان سے گزر رہا تھا اور دائیں بائیں کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ اچانک ایک شتر سوار میرے سامنے نمودار ہوا اور بلند آواز سے کہنے لگا یا احمد! یا احمد! الله اعلی وامجد اتاك ماوعدك من الخير یا احمد! اے احمد' اے احمد! اللہ اعلیٰ اور بہت بزرگی والا ہے' اے احمد تیرے پاس وہ خیر آ گئی جس کا اس نے تجھ سے وعدہ فرمایا تھا اور پھر نظر سے چھپ گیا۔

(۱۱) انصار میں سے ایک اور شخص بھی مجلس میں حاضر تھا' اس نے کہا کہ میرے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا کہ میں شام کے علاقے میں گیا ہوا تھا' ایک دن میں بے آب و گیاہ علاقے سے گزر رہا تھا کہ اچانک پچھلی سمت سے ایک آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا تھا۔

قد لاح نجم فاضاء مشرقه یخرج من ظله عرف مولقه۔ ذاك رسول مفلح من صدقه۔ الله اعلی امرہ وحققه

ستارہ ظاہر ہوا پس اس کا مشرق روشن ہوا اس کے سائے سے خوشبو نکلتی ہے' وہ رسول ہے۔ جس نے اس کی تصدیق کی بامراد ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا کام اونچا اور اسے سچا فرمایا۔

(۱۲) نیز فاکہی نے اخبار مکہ میں عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے' ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اور دوسرے محدثین نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے کہ ایک دن ایک جن نے جبل ابوقبیس پر سخت آواز کی اور اسلام کی ہجو میں چند بیت پڑھے کہ مسلمانوں کو جلد قتل کر دینا چاہیے اور شہر بدر کر دینا چاہیے اور بت پرستی کو چھوڑا نہ جائے۔ کافر بہت خوش ہوئے اور انہوں نے

مسلمانوں سے کہا کہ دیکھو غیب سے بھی تمہارے قتل اور تمہیں شہر بدر کرنے کا حکم آ گیا' مسلمان بہت پریشان اور غمگین ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے' آپ نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو کہ یہ آواز کرنے والا مسعر نامی ایک شیطان تھا' اسے اللہ تعالیٰ عنقریب سزا دے گا جب تیسرا دن ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ آج ایک قوی ہیکل جن سمج نامی میرے پاس آیا اور مسلمان ہوا اور میں نے اس کا نام عبداللہ رکھا اس نے مجھ سے مسعر کو قتل کرنے کی اجازت طلب کی اور میں نے اسے اجازت دے دی' آج مسعر مارا جائے گا۔ مسلمان بہت خوش ہو کر منتظر رہے' شام کے وقت اسی مقام سے انہوں نے سخت آواز سنی کہ کوئی کہہ رہا ہے:

نحن قتلنا مسعرا۔ لما طغی واستکبرا۔ وصغر الحق وسن المنکر۔ بسبه نبینا المطهرا

اوردته سیفا جزوفا مبترا۔ انا نزدو من اراد البطرا

یعنی ہم نے مسعر کو قتل کر دیا جب اس نے سرکشی اور تکبر کیا اور حق کو گھٹایا اور ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کر کے بُرا طریقہ جاری کیا۔ میں نے نہایت تیز اور کاٹنے والی تلوار کے ساتھ اس پر وار کیا۔ بے شک ہم نافرمانی کرنے والے کو یونہی تباہ کرتے ہیں۔

(۱۳) اور ابن سعد نے کتاب شرف المصطفیٰ میں جندل بن نضلہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالیہ میں حاضر ہوئے۔ عرض کی یا رسول اللہ! جنات میں سے میرا ایک دوست تھا جو کہ مجھے غیب کی خبریں پہنچاتا تھا' ایک دن بہت بے چینی کے ساتھ آیا اور اس نے مجھے بے دار کیا اور کہنے لگا هب فقد لاح سراج الدین لصادق مهذب امین فارحل علی باذل امون تمشی علی الصحصح والحزون بے دار ہو۔ پس بے شک دینِ حق کا چراغ روشن ہوا' ایک سچے بے عیب کے لیے۔ پس تو نو برس کے طاقت ور اونٹ پر سفر کر تجھے نرم سخت زمین پر چلنا ہے' میں یہ مسجع کلام سُن کر خوف زدہ ہو کر اُٹھ بیٹھا اور میں نے کہا کہ کیا بات ہے' صاف

صاف کہہ۔ اس نے کہا:

وساطح الارض و فارض الفرض لقد بعث محمدفي الطول

والعرض نشأ في الحرمات العظام وهاجر الى الطيبة الامينه

مجھے زمین بچھانے والے اور فرض لازم کرنے والے کی قسم! طول وعرض میں البتہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث فرمائے گئے، عظیم عزتوں میں پروان چڑھے اور پاک اور امن والے شہر کی طرف ہجرت فرمائی۔

میں مدینہ عالیہ کی طرف روانہ ہوگیا اور راستے میں پھر ایک ہاتف نے آواز دی

یا ایھا الراکب المزجي مطیته نحو الرسول لقد وفقت للرشد اے سوار! اپنی سواری کو رسول علیہ السلام کی طرف چلانے والے تجھے کامیابی کی توفیق بخشی گئی ہے۔

(۱۴) اور ابن الکلبی نے عدی بن حاتم سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا کہ بنو الکلب کے قبیلے سے میرا ایک نوکر تھا جسے حابس بن دغنہ کہتے تھے۔ ایک دن میں اپنے گھر کے باہر بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک دیکھتا ہوں کہ وہ مرعوب اور حواس باختہ ہو کر آ رہا ہے' میں نے کہا تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا کہ اپنے یہ اونٹ میری سپرداری سے لے لیں اور مجھے نوکری سے معافی دیں۔ میں نے کہا کیا ہوا؟ کیا میری طرف سے کوئی حق تلفی ہوئی ہے؟ کہنے لگا نہیں! لیکن مجھے ایک واقعہ پیش آیا ہے کہ میں آپ کے اونٹوں سمیت چراگاہ میں گیا ہوا تھا' اچانک میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ پہاڑ کے درے سے باہر آیا اس کا سر اُلو کے سر کی طرح تھا اور اس کے طول وعرض کی کوئی حد نہ تھی اس حد تک کہ اس کا سر پہاڑ کی چوٹی تک پہنچا ہوا تھا اور اس کا ہر پاؤں پہاڑ کے دامن میں۔ اور اس نے مجھے آواز دی اور کہا یا حابس بن دغنہ یا حابس لایعرضن لك الوساوس هذا سنا النور بكف القابس فاجنح الى الحق ولا تواجس یعنی اے حابس! تجھے وسوسے پیش نہیں آنے چاہئیں' یہ نور کی روشنی ہے' ایک مشعل والے کے ہاتھ میں۔ پس حق کی طرف مائل ہو اور دل میں کوئی اندیشہ مت کرنا۔ یہ کہا اور غائب ہوگیا' میں ڈر کی وجہ سے اونٹوں کو گھیر کر دوسری چراگاہ میں لے گیا اور ایک درخت کے نیچے آرام کرنے

کے لیے لیٹ گیا جیسے ہی میری آنکھیں خواب آلود ہوئیں کہ اچانک ایک شخص نے مجھے اپنے پاؤں کے ساتھ ٹھوکر ماری' میں بے دار ہوا' دیکھا کہ وہی بوڑھا ہے اور کہہ رہا ہے یا حابس! اِسْمَعْ مَا قَوْلُ ترشد لیس ضلول حائر کمهتد لاتترکن نهج الطریق الاقعد قد نسخ الدین بدین احمد یعنی اے حابس! میں جو کچھ کہتا ہوں اسے سُن تا کہ تو راہ پائے' گمراہ حیرت والا' راستہ پانے والے کی طرح نہیں ہے' سیدھی راہ پر چلنا ترک مت کر' تحقیق ہر دین حضرت احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے ساتھ منسوخ ہو گیا ہے۔

(۱۵) اور ابو نعیم اور ابن عساکر نے قبیلۂ بنی خثیم کے ایک شخص سے روایت کی ہے کہ عربوں کا قاعدہ یہ تھا کہ حلال و حرام کو پہچانتے نہیں تھے اور بتوں کی پوجا کرتے تھے اور اگر آپس میں کوئی جھگڑا اور اختلاف پڑ جاتا تو اس کے فیصلے کے لیے بتوں کے پاس حاضر ہوتے اور ندائے غیبی کے طور پر بتوں کے شکم سے جو کچھ سنائی دیتا' اس کے مطابق عمل کرتے تھے۔ ہم بھی رات کے وقت نذریں اور قربانیاں گزارنے کے بعد ایک بت کے پاس بیٹھے غیبی آواز کے منتظر تھے اچانک بت کے پیٹ سے آواز آئی کہ یا ایہا الناس ذوی الاجسام- ومسندالحکم الی الاصنام- ما انتم وطائش الاحلام- هذا نبی سیدالانام- اعدل ذی حکم من الحکام- یصدع بالنور وبالاسلام وینزع الناس عن الاثام اے لوگو! جو کہ بتوں کے پاس فیصلے کے لیے جاتے ہو' تمہیں کیا ہے کہ بے وقوف ہو گئے ہو؟ یہ رسول علیہ السلام ہیں جو کہ تمام مخلوقات کے سردار ہیں اور حاکموں میں سب سے زیادہ انصاف کرنے والے ہیں' نور اور اسلام کو ظاہر فرماتے ہیں اور لوگوں کو گناہوں سے منع فرماتے ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی ہم سب بھاگ گئے اور منتشر ہو گئے اور یہ واقعہ ہر محفل میں بیان ہونے لگا یہاں تک کہ ہمیں خبر پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ شریف میں پیدا ہوئے پھر آپ نے مدینہ عالیہ کی طرف ہجرت فرمائی' ہم حاضر آئے۔

(۱۶) اور بزار' ابو نعیم اور ابن سعد نے حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت

کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت شریفہ سے پہلے ہم موضع بوانہ میں ایک بت کے پاس بیٹھے تھے اور ایک شتر اس بت کی نذر کے لیے ذبح کیا ہوا تھا کہ اچانک ہم نے بت کے شکم سے ایک آواز سنی کہ کہتا ہے الا اسمع الی العجب ذهب استراق السمع بالوحی ویرمی بالشهب لنبی بمكة اسمه احمد مهاجره الی یثرب یعنی خبردار ایک عجیب بات سنو! وحی آنے کی وجہ سے آسمانی خبروں کی چوری ختم ہوگئی اور جنات کو آتشیں شعلوں سے مارا جاتا ہے۔ مکہ شریف میں ایک نبی کی تشریف آوری کی وجہ سے جن کا نام احمد ہے' جن کی جائے ہجرت یثرب ہے (یہ مدینہ عالیہ کا ہجرت سے پہلے نام ہے جسے حضور علیہ السلام نے بدل دیا اور فرمایا یہ طیبہ ہے اب اسے یثرب کہنا جائز نہیں) جبیر کہتے ہیں کہ ہم حیرت زدہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور چند دنوں کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی خبر عام ہوگئی۔

(۱۷) نیز ابونعیم نے تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ میں شام میں تھا جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ میں نے اپنے بعض کاموں کے لیے سفر کیا' دورانِ سفر مجھے رات ہوگئی' عربوں کے قدیم دستور کے مطابق جنوں کے ڈر سے میں نے اس جنگل میں با آواز بلندیوں کہا انافی جوارعظیم هذا الوادی میں اس وادی کے سردار کی پناہ میں ہوں۔ اچانک میں نے سنا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے اور میں اسے دیکھ نہیں رہا ہوں کہ عذبالله فان الجن لايجير علی الله احدا یعنی خداتعالیٰ کی پناہ لے اس لیے کہ جنات میں اتنی ہمت نہیں کہ حکمِ خداوندی کے بغیر کسی کو پناہ دیں۔ میں نے کہا تو کیا کہہ رہا ہے؟ اس نے کہا بیت قدخرج رسول الامیین وصلینا خلفه بالجحون فاسلمنا واتبعناه وذهب کیدالجن رمیت نانطلق الی محمد رسول رب العالمین فاسلم یعنی عربوں کا رسول علیہ السلام ظاہر ہوا ہے' ہم نے ان کے پیچھے حجون میں جو کہ مکہ معظمہ کا ایک محلہ ہے' نماز پڑھی ہے۔ پس ہم اسلام لائے اور ان کی پیروی کی اور جنات کا فریب ختم ہوا اور انہیں شعلے مارے گئے۔ پس تو پروردگار عالمین کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام لے آ۔ تمیم

کہتے ہیں کہ جب صبح ہوئی' میں روانہ ہوا اور ایک شہر میں پہنچا۔ میں نے ایک راہب کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا اس نے کہا کہ جنات نے تیرے سامنے صحیح بات کی۔ حرم سے ایک رسول ظاہر ہوگا اور دوسرے حرم کی طرف ہجرت کرے گا' وہ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہوگا' اس کی خدمت میں جلد پہنچ جا۔

(۱۸) نیز ابونعیم نے خویلد ضمیری سے روایت کی ہے کہ ہم ایک بت کے پاس بیٹھے تھے کہ اچانک میں نے اس بت کے شکم سے ایک آواز سنی کہ کہہ رہا ہے ذھب استراق الوحی ودرمی بالشھب لنبی بمکة اسمه احمد و مهاجره الی یثرب یامر بالصلوات والصیام والبر للارحام یعنی وحی کی چوری ختم ہوئی اور شعلے پھینکے گئے اس نبی علیہ السلام کی خاطر جو کہ مکہ معظمہ میں ہیں' نام نامی حضرت احمد ہے' جن کی جائے ہجرت یثرب ہے' نمازوں اور روزوں اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔ یہ آواز سنتے ہی ہم اُٹھے اور ہم نے اس خبر کی تفتیش کی۔ لوگوں نے کہا کہ صحیح ہے' مکہ معظمہ میں ایک نبی ظاہر ہوا جس کا نام احمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۹) اور ابونعیم' ابن جریر' طبرانی' خرائطی اور دیگر محدثین نے متعدد سندوں اور کثیر طریقوں کے ساتھ حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے جو کہ عرب کے سرداروں میں مشہور سردار تھے کہ ابتدا میں میرے اسلام لانے کا واقعہ یوں ہوا کہ میرے باپ نے اپنی وفات کے وقت مجھے ضمار نامی بت کی پوجا کرنے کی بڑی مؤثر وصیت کی تھی اور کہا تھا کہ اگر تجھے کوئی مشکل پیش آئے تو تو اسی بت کی طرف رجوع کرے گا جو کہ مشکل کشائی میں بے مثل ہے۔ میں باپ کی وصیت کے مطابق اس بت کی خدمت میں ہمیشہ مشغول رہتا تھا اور سرداری کی مصروفیات کے باوجود ہر روز اس کی زیارت کو جاتا۔ ایک دن میں شکار کے لیے جنگل میں گیا ہوا تھا اور دوپہر کا وقت تھا' میں ستانے کے لیے ایک درخت کے سائے میں بیٹھ گیا اور میرے نوکر اور سپاہی درختوں کے نیچے بیٹھ گئے۔ اچانک میں دیکھتا ہوں کہ دُھنی ہوئی روئی کی طرح ایک سفید رنگ کا شترمرغ فضا سے نیچے آ رہا ہے اور اس شترمرغ پر ایک سفید پوش نورانی آدمی سوار ہے اور

اس نے مجھے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اے عباس بن مرداس! تجھے کچھ معلوم ہے کہ چوکی داروں کے ساتھ آسمان کی حفاظت کی جاتی ہے اور روئے زمین پر جنگ اور لڑائی عام ہوگئی اور گھوڑے زین اور لگام کے تیار ہوگئے اور جو یہ نیک راہ زمین میں لایا ہے' پیر کے دن منگل کی رات وجود میں آیا اس کی ایک اونٹنی ہے جس کا نام قصوا ہے۔

میں یہ کلام سُن کر بہت مرعوب ہوا اور وہاں سے سوار ہو کر گھر پہنچا۔ پہلے میں اپنے اس ضمار نامی بت کے پاس پہنچا جب میں ایک گھڑی بھر اس بت کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا اس کے پیٹ سے ایک آواز پیدا ہوئی کہ کوئی یہ بیت پڑھ رہا ہے۔

قل للقبائل من سليم كلها

هلك الانيس وعاش اهل المسجد

اودى ضمار وكان يعبد مدة

قبل الكتاب الى النبى محمد ﷺ

ان الذى ورث النبوة والهدىٰ

بعد ابن مريم من قريش مهتد

سلیم کے تمام قبائل سے کہہ دو کہ انیس ہلاک ہو گیا اور مسجد والے زندہ وسلامت رہے ضمار ہلاک ہوگیا اور ایک مدت سے اس کی پوجا کی جاتی تھی نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کتاب آنے سے پہلے۔ ابن مریم کے بعد جو نبوت اور ہدایت کا وارث ہوا' وہ قریش سے ہے۔ سراپا ہدایت

میں نے یہ واقعہ لوگوں سے چھپائے رکھا اور کسی سے نہ کہا۔ ایک دن جبکہ کفار غزوۂ احزاب سے واپس ہوئے میں اس وقت ذات عرق کے متصل ایک مقام عقیق کی طرف اونٹ خریدنے گیا ہوا تھا اچانک میں نے ایک نہایت سخت آواز آسمان کی طرف سنی جب میں نے نگاہ اوپر اُٹھائی تو دیکھا کہ وہی سفید پوش بزرگ سفید شتر مرغ پر سوار ہے اور کہہ رہا ہے کہ جو نور پیر اور منگل کو دنیا میں جلوہ گر ہوا ہے' یہ ہے قصوا اونٹنی والے کے ہمراہ نجد کے ملک میں پہنچ رہا ہے اس کے بعد دینِ اسلام کا اعتقاد میرے دل میں پختہ ہو گیا۔

(۲۰) اور ابن سعد اور ابونعیم نے سعید بن عمرو ہذلی سے روایت کی ہے کہ میرے باپ عمرو نے ایک دن ایک بت کے سامنے نذر کے طور پر ایک بھیڑ ذبح کی تھی اس نے اس بت کے پیٹ سے ایک آواز سنی کہ العجب کل العجب خرج نبی من بنی عبدالمطلب یحرم الزنا ویحرم الذبح الاصنام وحرست السماء ورمینا بالشهب ایک بہت عجیب بات ہے کہ عبدالمطلب کی اولاد سے نبی علیہ السلام ظاہر ہوئے ہیں جو بدکاری اور بتوں کے لیے ذبح کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں' آسمان پر پہرے بٹھا دیے گئے اور ہمیں شعلے مارے گئے۔ میرا باپ یہ آواز سنتے ہی اس خبر کی تحقیق کے لیے مکہ معظمہ گیا' کسی نے کوئی پتہ نہ دیا حتیٰ کہ اس نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان سے پوچھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! ہمارے درمیان محمد بن عبدالمطلب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' تجھے چاہیے کہ ان پر ایمان لائے اور اس قسم کے بے شمار واقعات تواتر کے ساتھ ثابت ہوئے۔

بلکہ بعض جنات نے جو کہ ابھی تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مشرف نہیں ہوئے تھے' آدمیوں کے واسطے سے سلام اور اطاعت واتباع کے الفاظ کہہ کر بھیجے۔

(۲۱) چنانچہ ابن سعد نے حضرت جعد بن قیس مرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم چار آدمی حج کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہوئے اور دورانِ سفر یمن کے ایک صحرا میں سے ہمارا گزر ہوا اس صحرا میں ہم نے ایک آواز سنی کہ کہنے والا کہہ رہا تھا

الا ایها الرکب المعرس بلغوا
اذا ما وقفتم بالحطیم وزمزما
محمد المبعوث منا تحیة
تشیعه من حیث ساروا یمما
وقولوا له انا لدینك شیعة
بذلك اوصانا المسیح بن مریما

اے پچھلی رات آرام کرنے والے سوارو! جب تم حطیم اور زمزم پر پہنچو تو اللہ تعالیٰ

کے رسول حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے سلام پہنچانا جوان کے ساتھ رہیں جہاں بھی جائیں اور ان سے عرض کرنا کہ یارسول اللہ! ہم آپ کے دین کے ماننے والے ہیں' ہمیں مسیح بن مریم علیہ السلام نے اس کی وصیت فرمائی ہے۔

(۲۲) ابن عساکر اور خرائطی نے مرداس بن قیس دوسی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں کاہنوں اور ان کی کہانت کا ذکر ہو رہا تھا' لوگ اس سلسلے میں باتیں کر رہے تھے کہ یہ کاروبار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور نزولِ وحی کے ساتھ ہی ختم ہو گیا۔ مرداس نے کہا کہ یارسول اللہ! ہمارے ساتھ اس سلسلے میں ایک عجیب اتفاق ہوا جو سننے کے لائق ہے۔ فرمایا: کہو۔ اس نے کہا کہ ہماری ایک کنیز تھی جس کا نام خلصہ تھا' نہایت پارسا اور نیک تھی' ہم نے اسے کبھی بھی بے حیائی کے ساتھ متہم نہ پایا' ایک دن وہ اچانک ہمارے پاس آئی اور کہنے لگی کہ میرے متعلق تمہارا کیا گمان ہے؟ میں نے کہا کہ ہم تجھے پارسا اور نیک بخت سمجھتے ہیں اور تجھے کسی چیز کی تہمت بالکل نہیں لگاتے۔ اس نے کہا کہ اب مجھ سے ایک عجیب واقعہ سنو' ایک دن میں اپنے گھر میں بالکل اکیلی تھی کہ ایک سیاہ چیز آ کر مجھ پر مسلط ہو گئی اور جس طرح مرد عورت کے ساتھ صحبت کرتا ہے اس نے مجھ سے کیا' مجھے خطرہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں حاملہ ہو جاؤں اور آپ لوگ مجھے بدکاری کی تہمت لگاؤ۔ ہم نے کہا کہ ہمیں تجھ سے اس طرح کا گمان بالکل نہیں' جا اور فارغ البال رہ۔ کچھ عرصے کے بعد پتہ چلا کہ وہ لونڈی حاملہ ہے یہاں تک کہ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا جس کے دونوں کان کتے کے کانوں جیسے تھے اور رنگ آدمیوں کے رنگ جیسا نہ تھا اور وہ بچہ ہمارے بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مصروف رہتا۔

ایک دن اس نے اپنے بدن سے چادر اُٹھائی اور بلند آواز سے شور کرنے لگا ہائے افسوس' ہائے افسوس! دشمن کے سوار تم پر حملہ کرنے کے لیے پہاڑ کے پیچھے پہنچ چکے ہیں اور تم بے خبر ہو۔ ہم اس کے کہنے سے خبردار ہو کر ہتھیار اُٹھائے پہاڑ کی پچھلی سمت پہنچے۔ ہم نے دیکھا کہ فی الواقع وہ دشمن کے سوار تھے' ان کے ساتھ جنگ ہوئی اور انہیں شکست

ہوئی' اس کے بعد وہ لڑکا جو کچھ کہتا تھا اسی کے مطابق ہوتا اور اس کی بات کبھی پیچھے نہیں رہی تھی' جب آپ کی بعثت اور وحی کا نزول ہوا تو اس کی باتیں غلط ثابت ہونا شروع ہوگئیں اور وہ اکثر خلاف واقع کہتا۔ میں نے اس سے کہا تجھے کیا ہوگیا کہ اب جھوٹ بولتا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے کچھ پتہ نہیں' وہ شخص مجھے سچی خبر پہنچاتا تھا اب جھوٹی خبریں لاتا ہے' میں اپنی طرف سے کوئی تصرف نہیں کرتا اس کی تدبیر یہ ہے کہ مجھے کسی تاریک کمرے میں تین دن تک قید کر دو تاکہ میں اکیلا رہوں اور وہ جن میرے اندر آ کر میرے رگ و ریشے میں سرایت کرے اس وقت اس سے پوچھنا۔ ہم نے ایسا ہی کیا جب تین دن کے بعد ہم نے حجرے کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ اس لڑکے کا سارا جسم آگ کے شعلے کی طرح چمک رہا تھا' ہم نے معلوم کیا کہ جن اس کے رگ و ریشے میں سرایت کر چکا ہے؟

ہم نے کہا اے عزیز! تو اب تک صحیح خبریں لاتا تھا اب غلط خبریں کیوں لاتا ہے؟

اس نے کہا کہ یامعشردوس حرست السماء وخرج خیر الانبیاء کہ آسمان پر پہرے لگ گئے ہیں اور خیر الانبیاء علیہ وعلیہم السلام تشریف لے آئے۔ ہم نے پوچھا کہاں؟ اس نے کہا مکہ میں نیز یہ بھی کہا کہ اب میں مر رہا ہوں' مجھے کسی پہاڑ کی چوٹی پر دفن کر دینا' دفن کے بعد مجھ سے آگ کی طرح شعلے نکلیں گے جب یہ حال دیکھو تو مجھ پر تین پتھر مارنا اور ہر پتھر پر کہنا بلاسمك اللھم کہ میں ٹھنڈا پڑ جاؤں گا اور سکون اختیار کرلوں گا اسی طرح اس کے مرنے کے چند دنوں بعد ہم تک آپ کی بعثت کی خبر پہنچی۔ یہ حال ہے جزیرۂ عرب کے جنات کا جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی' رمی شہاب اور نزولِ قرآن کریم کی گواہی بطریق تواتر منقول ہوئی۔

صحابی جنات رضی اللہ عنہم کا ذکر

لیکن وہ جنات جو ان میں سے مشرف باسلام ہوئے اور انہوں نے صحابیت کا درجہ پایا' وہ بھی بے شمار ہیں جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس لیلۃ الجن میں جو کہ مکہ شریف میں درۂ حجون کے متصل ہوئی تھی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گئے تھے اور اس لیلۃ الجن میں جو کہ مدینہ عالیہ میں حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بعد

بقیع الغرقد میں ہوئی تھی' بھی حاضر تھے۔ ان کی کثرت کو اس حد تک بیان فرمایا کہ گنتی سے باہر ہے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی مدینہ عالیہ میں ایک اور رونما ہونے والی لیلۃ الجن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حاضر ہو کر جنات کو دیکھا تھا اور ان کی باتیں سنیں' ان کے افراد کی کثرت کو بیان فرمایا ہے جیسا کہ دلائل النبوۃ' ابونعیم اور حدیث شریف کی دوسری کتابوں میں ان واقعات کی تفصیلات مذکور ہیں۔

اور صحاح ستہ میں واقع ہے عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ کہ رسول پاک علیہ السلام نے فرمایا کہ مدینہ عالیہ میں جنات کی ایک جماعت ہے جو کہ اسلام لائے تو ان حشرات الارض میں سے جسے کچھ نظر آئے تو تین بار تعوذ کرے اگر تین بار کے بعد بھی نظر آئے تو شیطان ہے۔

اور ابونعیم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ جزیرہ کے جنات کی بے شمار جماعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آئیں اور انہوں نے چند روز تک مقام کیا اور پھر اپنے وطن کو لوٹ گئیں۔

اور امام احمد' بزار' ابویعلیٰ' بیہقی اور دوسرے محدثین نے حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دفعہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے' مقام عرج میں پڑاؤ ہوا' میں اپنے خیمے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لیے نکلا۔ میں نے دیکھا کہ آپ لشکر کے خیموں سے دور صحرا میں تنہا تشریف فرما ہیں۔ میں نے چاہا کہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں جب میں قریب پہنچا تو میرے کانوں میں شور و غوغا کی آواز پہنچی۔ گویا بہت سے لوگ آپس میں جھگڑ رہے ہیں اور تیز زبانی کر رہے ہیں' میں رُک گیا اور سمجھ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مردم غیب کا ہجوم ہے اس وقت نہیں جانا چاہیے۔ حتیٰ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھ کر تشریف لائے اور آپ تبسم فرما رہے تھے۔ میں نے عرض کی یارسول اللہ! یہ شور و غوغا کیا تھا؟ آپ نے فرمایا کہ مسلمان جنات کا کافر جنات کے ساتھ رہائش کے بارے میں جھگڑا تھا اور وہ اس جھگڑے کا فیصلہ لینے کے لیے میرے پاس حاضر ہوئے' میں نے یوں فیصلہ دیا ہے کہ

مسلمان جنات ملک جلس میں اور کفار غور میں سکونت اختیار کریں اور آپس میں میل جول نہ رکھیں۔

اس حدیث شریف کے راوی کثیر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ ہم نے یوں تجربہ کیا ہے کہ جسے ملک جلس میں جن کا آسیب ہو جاتا ہے' جلد شفا پاتا ہے اور اس کی جان بچ جاتی ہے اور جسے ملک غور میں جن کا آسیب ہوا' اکثر نہیں جاتا اور ہلاک کر دیتا ہے۔

اور خطیب نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سفر میں تھے اور آپ کھجور کے درخت کے نیچے تشریف فرما تھے اچانک ایک بہت بڑا اژدہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف متوجہ ہوا' لوگوں نے چاہا کہ اسے مار دیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسے کچھ نہ کہو یہاں تک کہ وہ آپ کے قریب پہنچ گیا اور اس نے اپنا سر حضور علیہ السلام کے کان مبارک کے ساتھ لگایا اس کے بعد حضور علیہ السلام نے بھی اپنا منہ مبارک اس کے کان پر رکھ کر کچھ ارشاد فرمایا اس کے بعد اژدہا غائب ہو گیا اور نظر نہیں آیا۔ گویا اسے زمین نگل گئی' ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اس سانپ کو اپنے کان مبارک تک پہنچنے دیا' ہمیں بہت خطرہ غالب ہوا کہ یہ بے عقل جانور ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ تکلیف دے یا ڈنگ مارے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ جانور نہ تھا' جنوں کا ایلچی تھا' انہیں فلاں سورۃ کی بعض آیات بھول گئی تھیں' ان آیات کی تحقیق کے لیے اسے بھیجا تھا جب اس نے تمہیں دیکھا تو اپنے آپ کو سانپ کی شکل میں کر کے پوچھ کر چلا گیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے اور راستے میں ایک بستی میں پہنچے۔ اس بستی والے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد آمد کا سُن کر بستی سے باہر انتظار میں تھے جب سرکار علیہ السلام پہنچے تو انہوں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! یہ ایک جوان عورت ہے' ایک جن اس پر عاشق ہو گیا ہے اور اس کے بدن میں آ کر اسے بے ہوش کر دیتا ہے نہ کچھ کھاتی ہے نہ بات کرتی ہے' ہلاک ہونے کے قریب ہے۔ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں وہ نہایت حسین عورت تھی۔ حضور علیہ

السلام نے اسے اپنے سامنے بلا کر فرمایا و جن! تجھے کچھ پتہ ہے کہ میں کون ہوں؟ میں رسولِ خدا محمد ہوں۔ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کو چھوڑ دے اور دفع ہو جا' صرف یہ فرمانے سے ہی عورت کو ہوش آ گئی اور اس نے اپنے چہرے پر نقاب ڈال لیا اور مردوں سے علیحدہ ہو گئی اور صحیح ہو گئی۔

حضور علیہ السلام کی خدمت میں رہنے کے لیے ہامہ پسر ابلیس کے آنے کا بیان

اور عقیلی' بیہقی اور ابونعیم نے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک دن ہم حضور علیہ السلام کے ہمراہ تہامہ کے ایک پہاڑ پر بیٹھے تھے کہ اچانک ایک بوڑھا ہاتھ میں عصا لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمتِ عالیہ میں آ پہنچا اور آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا۔ حضور علیہ السلام نے جواب عطا فرمایا۔ اس کی آواز جنوں کی سی ہے اس کے بعد اس بوڑھے سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے عرض کی میں ہامہ بن ہیم بن لاقیس ابن ابلیس ہوں۔ فرمایا کہ تیرے اور ابلیس کے درمیان دو پشت سے زیادہ نہیں ہیں' یہ بتا کہ تو نے کتنی عمر گزاری ہے؟ اس نے عرض کی کہ یارسول اللہ! دنیا کی پوری عمر تھوڑی سی مدت کے سوا میری عمر کے برابر ہے جن دنوں قابیل نے ہابیل کو قتل کیا' میں چند سالہ طفل تھا' بات سمجھتا تھا اور پہاڑوں پر دوڑتا پھرتا تھا اور آدمیوں کا کھانا چرا لیتا تھا اور ان کے دلوں میں وسوسے کے طریقے سے ان کے قریبیوں کی بدسلوکی ڈالتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرے بڑھاپے کا عمل یہ ہے اور یہ جوانی اور بچپنا یہ۔ تو تو بہت بُرا شخص تھا۔ اس نے عرض کی کہ یارسول اللہ! آپ اب مجھے ملامت فرما رہے ہیں اب تو میں توبہ کے لیے حاضر آیا ہوں اور میں نے حضرت نوح علیہ السلام سے ملاقات کی ہے اور میں ان کے ساتھ ان کی مسجد میں رہا ہوں اور پہلے ان کے دست مبارک پر توبہ کی اور ایک سال تک ان کی مسجد میں رہا اور حضرت ہودؑ حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی خدمت میں حاضر رہا ہوں اور میں

نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی ہے اور تورات پڑھی ہے اور ان کا سلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پہنچایا ہے اور میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی ہے اور انہوں نے مجھے فرمایا تھا کہ اگر تجھے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو تو میرے سلام ان کی خدمت میں عرض کرنا اب میں اس کی ادائیگی کے لیے حاضر آیا ہوں۔ نیز میں امیدوار ہوں کہ آپ مجھے قرآن پاک کی کچھ تعلیم فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سورۂ واقعہ سورۂ مرسلات، عم یتساءلون، اذا الشمس کورت، معوذ تین اور سورۃ اخلاص کی تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ اے ہامہ! جب تجھے کوئی ضرورت ہو، ہماری خدمت میں آ جانا اور ہماری ملاقات ترک نہ کرنا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا اور آپ نے ہمیں اس کے فوت ہونے کی خبر نہ دی اب ہمیں معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا۔

چند دیگر جن صحابہ کرام کا ذکر

اور جنات میں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے عمر بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کی تکفین و تجہیز حضرت صفوان بن معطل نے فرمائی اور ان میں سے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ہیں جنہیں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے احباب نے دفن کیا اور وہ کافر جنات کی جنگ میں شہید ہوئے اور ان میں سے حضرت سرق رضی اللہ عنہ ہیں جو کہ صحرا میں فوت ہوئے اور انہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دفن کیا اور یہ اس گروہ میں سے تھے کہ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مقدس پر بیعت کی تھی اور ان میں سے ایک جن خاتون حضرت خرقا رضی اللہ عنہا تھیں کہ انہیں بھی مکہ شریف کی راہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے دفن کیا اور اس مذکورہ جماعت کے واقعات بیہقی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیے ہیں۔

یہ حالات ہیں ان لوگوں کے جو کہ جنات میں سے پیغمبر زماں صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے مطیع اور تابع ہوئے اور جس خدمت سے معزول ہوئے تھے اس سے

دست بردار ہو کر لوگوں کی ارشاد و ہدایت کی خدمت پر قائم رہے۔

وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ اور ہم میں سے ٹیڑھا چلنے والے بھی ہیں جو اس خدمت سے اپنی معزولی پر خوش نہ ہوئے اور جیسا کہ چاہیے تھا انہوں نے اس کلام اور اس رسول علیہ السلام کی اتباع اور اطاعت نہیں کی اور وہ چار گروہ ہیں۔

گمراہ جنات کے چار گروہ

پہلا گروہ کافر جنات جنہوں نے کھلم کھلا مخالفت کی راہ اختیار کی اور آدمیوں کو گمراہ کیا اور انہوں نے کہا کہ ہم اپنی ڈیوٹی سے معزول نہیں ہیں' غیب کی خبریں' حاجت روائی اور مشکل کشائی ہم سے طلب کی جائے جیسا کہ کفار کے معبودان باطلہ خصوصاً ہندوؤں' حبشیوں' زنگیوں اور بت پرستوں کے دوسرے گروہ کہ آسمان پر آنے سے روکنے' شعلے پھینکنے' بنی آدم کو گمراہ کرنے اور انہیں اپنی طرف مائل کرنے سے معزول ہونے کے باوجود اہلِ کفر کی امداد و اعانت کرنے بلکہ شرک کی دعوت اور اسلام سے باز رہنے سے دست بردار نہیں ہوتے۔

دوسرا گروہ منافق جنات جنہوں نے خود کو اہلِ اسلام کے زمرہ میں داخل کر کے مکر و فریب شروع کر دیا اور آدمیوں کے نزدیک خود کو پاک بزرگوں کے نام سے موسوم کر کے پیر کہلواتے ہیں جیسے شیخ سدو' زین خاں' سرور اور بالے وغیرہ اور در پردہ ولایت' غیب دانی' مشکل کشائی اور الوہیت و خدائی کا دعویٰ کرتے ہیں اور شرک اور بت پرستی کے لوازمات میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑتے جو اپنے معتقدین سے طلب نہیں کرتے۔

تیسرا گروہ فاسق جنات جو کہ ڈاکوؤں کی طرح آدمیوں کو مختلف قسم کی تکالیف پہنچاتے ہیں اور ان سے اپنے لیے نذریں' ہدیے' شیرینی' پانی' شراب وغیرہ لیتے ہیں۔

چوتھا گروہ دوسرے جنات ہیں جو کہ چوروں کی طرح ان بعض آدمیوں کی ارواح کو کہ جنہوں نے برے اخلاق میں جیسے غرور' تکبر' کینہ اور نجاستوں سے ملوث جنات کے ساتھ ایک قسم کی مناسبت حاصل کر لی ہے' کھینچ کر لے جاتے ہیں اور اپنے رنگ میں رنگ دیتے ہیں اور ان ارواح کو جسموں کے مسامات میں داخل ہونے' مزاج تبدیل

کرنے اور شکلیں بدلنے کی تعلیم دیتے ہیں تا کہ اس ذریعے سے آدمیوں کو کوئی تکلیف اور رنج پہنچائیں اور آدمیوں کے گروہ کو خراب کریں یہ چاروں فرقے قاسط ہیں کہ انہوں نے دین اور قرآن کی اتباع نہ کی گرچہ بظاہر کلمہ پڑھا ہو۔

فَمَنْ اَسْلَمَ تو جو حکمِ الٰہی کے مطیع ہوئے اور انہوں نے کج روی نہ کی فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا تو انہوں نے راہ پانے کی تدبیر اچھی طرح سوچ لی اس لیے کہ انہوں نے اپنے مالک کے حضور جھک جانے کی وجہ سے اس کے دربار میں مرتبہ اور قبولیت حاصل کر لی جبکہ کجروی اور آدمیوں کو دھوکا دینے کی صورت میں انہیں مخلوقات میں سے چند لوگوں کے سامنے فانی مرتبہ اور عزت حاصل ہوتی تھی اور اپنے مالک کے دربار میں ذلیل' بے عزت اور خوار و حقیر ہوتے تھے اور دائمی خیر اور ہمیشہ کی نعمتوں سے محروم ہوتے تھے۔

وَاَمَّا الْقَاسِطُوْنَ لیکن کج روی کرنے والے جو کہ حکمِ الٰہی کے آگے نہ جھکے اور انہوں نے سفارت کی خدمت سے معزول ہونے کے باوجود آدمیوں کو فریب دیا اور خود کو ان کے سامنے کارخانۂ خدائی کا شریک ظاہر کیا۔

فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا تو دوزخ کا ایندھن اور اس کی آگ بھڑکانے والے ہو گئے کہ خود بھی اس کی آگ میں جلتے ہیں اور ناریت کی مناسبت کی وجہ سے اسی آگ کے شعلوں کو اور زیادہ کر کے دوسروں کو جلاتے ہیں۔

ایک شبہ کا جواب

اور وہ جو بعض بے دین لوگ شبہ کے طریقے سے ذکر کرتے ہیں کہ جب جن کی پیدائش آگ سے ہے تو اسے آگ میں آنے سے کیا عذاب ہو گا؟ اس لیے کہ شے کو اپنی جنس سے کوئی دُکھ اور تکلیف نہیں پہنچتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ آگ جن کا مادہ ہے جبکہ اس کی ترکیبی صورت اور مزاج دوسرا ہے۔ جب نری آگ اس کی ترکیبی صورت اور مزاج کے خلاف ہو گی تو اسے زیادہ تکلیف اور عذاب کا موجب ہو گی جیسا کہ مشہور ہے کہ ایک خوش طبع شخص نے ایک بے دین کے جواب میں جو کہ یہ اعتراض کر رہا تھا' بڑا سا پتھر اُٹھا کر اس بے دین کی پنڈلی پر دے مارا' بے دین نے آہ و پکار شروع کر دی' خوش طبع شخص

نے کہا کہ تجھے اس پتھر سے جو کہ زمین کی جنس سے ہے تکلیف اور دُکھ کیوں ہوا' آخر تو بھی تو زمین سے ہے اور خاک ہے بلکہ کیفیت مزاج اور کیفیت عذاب کے ایک ہونے کے باوجود رنج و تکلیف' کیفیت مزاج و کیفیت عذاب کے مختلف ہونے کی صورت سے زیادہ ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ بات مجرب اور آزمائی ہوئی ہے کہ صفراوی مزاج انسان کو آگ اور سورج کے قریب اس قدر تکلیف اور دُکھ ہوتا ہے کہ بلغمی مزاج والے کو اس کا سواں حصہ بھی نہیں ہوتا ہے اور بلغمی مزاج والے کو دریا کے قریب اور ٹھنڈی ہوا میں اس قدر جمود اور کمزوری طاری ہوتی ہے کہ صفراوی مزاج والے کو نہیں ہوتی۔

اور اللہ تعالیٰ نے آگ کو ایک خاصیت بخشی ہے کہ اجزا جدا جدا کرنے اور خود کو سنبھال رکھنے والی رطوبتوں کو فنا کرنے کی وجہ سے ہر ترکیب کے اجزاء کو کھول دیتی ہے اور ہر مزاج کو باطل کر دیتی ہے اور جو تکلیف ملی ہوئی اور مرکب شئ کو محسوس ہوتی ہے' مزاج کو باطل کرنے اور مرکب کے اجزاء کو کھولنے کی وجہ سے ہے نہ کہ مادہ کی مخالفت سے یا اس کی جنسیت درد نہ ہونے کا موجب ہوتی ہے۔

اور جب سورۃ کی ابتدا سے لے کر یہاں تک جنوں کی تیرہ باتیں نقل کرنے سے فراغت ہوئی اب انه استمع پر عطف فرماتے ہوئے تین اور مقاصد کی تلقین فرمائی جا رہی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام جنات اور آدمیوں کو پہنچا دیں کہ وہ تینوں مقاصد عمدہ ہیں جو کہ جنوں کی پیدائش اور ان کی عادات سے تعلق رکھتے ہیں اور آدمی بھی انہیں عادتوں کی وجہ سے عقائد باطلہ اور شرک کے بھنور میں گرتے ہیں۔ پس ارشاد ہوتا ہے کہ اے رسولِ کریم! آپ فرمادیں کہ میری طرف جنوں کی یہ ساری باتیں وحی کی گئیں۔

وَاَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ اور یہ کہ بالفرض جنات اگر اس طریقے پر استقامت اختیار کریں کہ جسے انہوں نے بالفعل اختیار کیا ہے۔ تلون مزاجی اور بدلنے سے جو کہ جنوں کا خاصہ ہے' باز آئیں۔

لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ہم انہیں بارش سے ضرور بافراغت پانی پلائیں اور ان سے قحط دُور کریں۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سورۃ اس وقت اُتری جب اہلِ مکہ کے کفر کی

نحوست کی وجہ سے سات سالہ قحط شروع ہو چکا تھا۔ آدمی' جانور اور جنات سب کے سب پانی نہ ملنے کی مصیبت میں گرفتار تھے اور زمانۂ قحط سے قطع نظر بارش کا پانی تمام دنیوی برکات اور منفعتوں کا سرمایہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ پس اس نعمت کا ذکر گویا تمام دنیوی نعمتوں کا اشارہ ہے جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اور اس کے باوجود جنات کو یہ نعمت عطا کرنے میں خصوصاً ایک اور باریک اور دقیق غرض بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ:

لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ تاکہ ہم جنات کی عقل اور دانائی اس پانی پلانے میں آزمائیں کہ آیا عقل وخرد کے طریقے سے خود کو آگ کے ساتھ عذاب دیئے جانے کو خود کو پانی کا انعام دیئے جانے پر قیاس کرتے ہیں یا نہیں اور سمجھتے ہیں کہ رطوبت اور ٹھنڈک دونوں کیفیتوں میں پانی ہماری ضد ہے کہ ہم آگ سے مخلوق ہیں اور گرمی اور [illegible]ی اس کا خاصہ ہے اور اس کے باوجود پانی پلانے کی وجہ سے ہمیں راحت اور تسکین ہوتی ہے تو اگر آگ میں داخل ہونے سے ہمیں دُکھ اور عذاب نہ ہو تو لازم آتا ہے کہ ہمارا مزاج دو ضدوں کے موافق ہے اور ایک مزاج کا دو ضدوں کے موافق ہونا محال ہے تو ناچار آگ ہمیں دُکھ اور عذاب کا موجب ہوگی۔

نیز وہ سمجھیں کہ راہِ حق پر استقامت ظلم اور کجروی کی ضد ہے' انعام دینا عذاب دینے کی ضد اور پانی آگ کی ضد ہے اور جب استقامت پانی کا انعام دینے کا موجب ہوئی تو لازم آیا کہ ظلم اور کجروی آگ کے ساتھ عذاب دینے کا سبب ہو ورنہ ضدوں کا مقابلہ دگرگوں ہو جائے گا۔ نیز وہ جان لیں کہ پانی طبعی طور پر آگ کو مار دیتا ہے جبکہ ہمارے لیے آتشی ہونے کے باوجود زندگی اور راحت کا باعث ہوتا ہے تو کیا عجب کہ آگ ہماری تکلیف اور مشقت کا باعث ہو جائے لیکن اخروی وبال کے بغیر یہ سب دنیوی نعمت پسندیدہ راہ پر استقامت اختیار کرنے والوں کے لیے ہے۔

وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ اور جو اپنے پروردگار کی یاد سے روگردانی کرے

اس طریقے پر جو اس نے اختیار کیا تھا' قائم رہے اور تلون مزاجی اور بدلنے کو اپنے تک راہ دے۔

یَسْلُکْهُ عَذَابًا صَعَدًا اسے اس کا پروردگار اس عذاب میں لائے گا جو کہ اس کی طاقت سے باہر ہے خواہ آگ کے ساتھ ہو جو کہ اس کی ہم جنس ہے اور جب ہم جنس چیز برداشت کی حد سے اوپر ہو جائے تو انتہائی تکلیف کا موجب ہوتی ہے اور خواہ کسی اور چیز کے ساتھ۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صعد دوزخ کا ایک پہاڑ ہے' صاف ہموار پتھر کا بنا ہوا' کافر کو اس پر چڑھنے کی تکلیف دیں گے اور فرشتے اسے آگ سے زنجیروں کے ساتھ کھینچیں گے اور پیچھے سے گرزیں ماریں گے۔ چالیس سال کی مدت میں اس کے اوپر پہنچ جائیں گے پھر اسے اس پہاڑ کے نیچے پھینک دیں گے پھر اوپر آنے کی تکلیف دیں گے' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔

اور اس آیت میں استقامت کی تعریف کی گئی ہے۔ چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس کے مطابق فرماتے ہیں کن طالب الاستقامة ولاتکن صاحب الکرامة فان الرب یطلب منك الاستقامة والنفس تطلب منك الکرامة یعنی استقامت علی الحق کا طالب بن اور صاحب کرامت نہ ہو کیونکہ رب تعالیٰ تجھ سے استقامت طلب فرماتا ہے جبکہ نفس تجھ سے کرامت مانگتا ہے اور حدیث صحیح میں وارد ہے کہ استقیموا ولن تحصوا یعنی طاعت پر استقامت اختیار کرو اور تم تمام طاعات کا احاطہ نہیں کر سکتے ہو اور فی الواقع دل اور روح کے طاعات کے انوار سے منور ہونے کا موجب استقامت ہے اور جوہر نفس میں عبادت کا رنگ استقامت پکا کرتی ہے جبکہ عبادات اور طاعات کا مقصد نفس کو ان کے رنگ میں رنگنا ہے نہ کہ صرف تکلیف اور رنج۔

وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ اور یہ کہ مسجدیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہیں۔ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا پس ان مسجدوں میں اللہ تعالیٰ کے ہمراہ کسی کو نہ پکارو اس لیے کہ اگر ان مسجدوں میں خدا کے ہمراہ کسی اور کو پکارو تو تم ان مسجدوں کو خدا اور اس شخص

کے درمیان مشترک کر دو گے حالانکہ تم نے مسجدوں کو خدا تعالیٰ کے لیے خاص کیا ہے۔

(مطلقاً پکارنا مراد نہیں بلکہ معبود سمجھ کر پکارنا ہے یا فَلَاتَدْعُوْا سے مراد فَلَاتَعْبُدُوْا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَاتَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْ رَبِّيْ اور ذاتِ حق نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس اعلان کی تعبیر یوں فرمائی کہ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ پتہ چلا کہ وَمَا تَدْعُوْنَ سے مراد وَمَا يَعْبُدُوْنَ ہے۔

چنانچہ خود مفسر علام نے سورت مزمل کی تفسیر کے آغاز میں سورۃ الجن کے ساتھ رابطے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لما قام عبداللّٰه یدعوه میں یدعو کا معنی نماز اور عبادت کیا ہے جیسا کہ وہاں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے فهو المدعي واللّٰه تعالٰی یهدی الی الصواب وهو ولی التوفیق۔ اسی لیے فہم قرآن مجید کے لیے بہترین ترجمہ کنزالایمان از امام اہلِ سنت حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی ہے جس میں ایسے مقامات کا ترجمہ مزاج قرآن کے مطابق کیا گیا۔ نیز فَلَاتَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا اور اس جیسے دیگر مقامات اور من دون اللہ کی صحیح تفسیر کے لیے علم القرآن از حکیم الامت مولانا المفتی احمد یار خاں صاحب گجراتی کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ والوالدیہ)

اور جنات کا قاعدہ ہے کہ لوگ جب ان کے لیے کسی مکان کو خاص کریں تو پھر وہ یہ گوارا نہیں کرتے کہ اس مکان میں کسی اور کا دخل ہو تو جس طرح خاص ہونے کے بعد شرکت جنات کی ناراضگی کا موجب ہے تو چاہیے کہ عبادتِ الٰہی کے مقامات میں دوسروں کا نام لینے اور اغیار کے پکارنے کو تم اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب جانو۔

مسجد اور اس کے آداب کا بیان

یہاں جاننا چاہیے کہ مسجد در حقیقت اس چیز کا نام ہے جو کہ سجدے میں دخل رکھتی ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم مکانِ سجدہ جو کہ اُمت محمدیہ علیٰ رسولہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے لیے تمام روئے زمین ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ

جعلت لی الارض مسجدا یعنی میرے لیے تمام زمین کو مسجد کا حکم دیا گیا ہے' دوسری قسم سجدے کا قبلہ کہ جس سمت سجدہ کرتے ہیں' تیسری قسم وہ عضو جس سے سجدہ کیا جا سکتا ہے اور وہ سات اعضاء ہیں' چہرے سے ناک تک' دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں' دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں اور یہ تینوں قسمیں مشرکین کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور مملوک ہیں۔ پس غیر خدا کو سجدہ کرنا اسے خدا تعالیٰ کی خاص ملکیت میں شریک کرنا ہے جو کہ جنات کے نزدیک بھی یہ نہایت غضب و غیرت کا موجب ہے اور وہ اسی وجہ سے آدمیوں کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں اور انہیں تکلیف پہنچاتے ہیں اور آدمیوں کے نزدیک بھی یہ بات بُری اور معیوب ہے۔ خصوصاً وہ مکانات کہ جنہیں وہ اپنی مجازی ملکیت سے نکال کر خدا تعالیٰ کی عبادت کے لیے مقرر کرتے ہیں' زیادہ خصوصیت حاصل کر لیتے ہیں تو لازم ہے کہ ان مکانات میں ذکر خدا کے سوا کوئی اور کام رونما نہ ہو۔

اسی لیے حدیث شریف میں وارد ہے کہ مسجد میں خرید و فروخت اور دنیوی معاملات نہیں کرنا چاہئیں اور آواز بلند نہ کی جائے۔ دنیوی باتیں نہ کی جائیں' اسے رہائش گاہ نہ بنایا جائے' چھوٹے بچوں اور پاگلوں کو وہاں نہ لے جائیں کہ وہ بے عقلی کی وجہ سے اس کی عزت کی رعایت نہیں کرتے اور کہیں اسے نجاستوں سے ملوث نہ کر دیں۔

نیز حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین علیہ السلام سے پوچھا کہ دنیا میں بہترین جگہ کون سی ہے اور بدترین کون سی؟ جبرئیل علیہ السلام کو علم نہ تھا' ولاء اعلیٰ کی طرف عروج فرمایا۔ پھر اُترے اور جواب لائے کہ دنیا کی سب سے زیادہ اچھی جگہ اس کی مسجدیں ہیں جبکہ بدترین مقام اس کے بازار ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دنیا میں بہترین چیز خدا تعالیٰ کا ذکر اور اس کی اطاعت ہے اور مسجدوں میں داخل ہوتے ہی ذکر اور طاعت یاد آ جاتے ہیں اور دنیا میں بدترین چیز خدا تعالیٰ کی یاد اور اس کی طاعت سے غفلت ہے جبکہ بازار غفلت کا مقام ہیں۔

لیکن اس حدیث شریف میں مباح مقامات میں سے بہترین اور بدترین جگہ کا سوال واقع ہوا تھا اس جہت سے یہ جواب عطا فرمایا گیا ورنہ مکانات میں سے بدترین وہ

مکان ہے جو کہ کفر اور معصیت کے لیے بنایا جائے جیسے بت خانہ' مے خانہ' بدکاری اور جوئے کا اڈہ لیکن جب حکم شرعی کے مطابق ان مکانات کو گرانا اور تباہ کرنا واجب ہے گویا مکانات ہی نہیں ہیں۔ بخلاف بازار کے کہ حکمِ شرعی کے مطابق انہیں تعمیر اور آباد کیا جا سکتا ہے۔

نیز جاننا چاہیے کہ ذکر و عبادت اس چیز کی حاضری کی طلب کو لازم کرنے والے ہیں جس کا ذکر اور عبادت کرتے ہیں تو غیر کا ذکر اور عبادت اس جگہ جسے حضرت حق تعالیٰ کے ساتھ خصوصیت حاصل ہو اس طرح ہے کہ کسی مکان کو بادشاہ کی تشریف آوری کے لیے بنایا جائے اور اس کے ساتھ رعایا میں سے بھی کسی کو دعوت دے دیں کہ بہت بے ادبی ہے۔

وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ اور یہ کہ جب بھی بندۂ خدا اُٹھتا ہے اور اس جہت سے کہ بندہ ہے اس کے لیے اپنے مالک کو پکارنا ضروری ہے کہ اپنی گزارشات پیش کرے اسی لیے اس کی خاطر اُٹھتا ہے کہ

یدعوہ خدا کو پکارے اور ذکر اور پکارنے کی وجہ سے حضرت حق جل وعلا اس کے قلب پر تجلی فرمائے اور اس کے بدن کی بہترین جگہ جو کہ دل ہے' نورِ الٰہی کے نزول کا محل ہو جائے اور ذاتِ حق اس محل میں مہمان ہو۔

كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا قریب ہے کہ اس بندے پر آدمی اور جنات ہجوم کر کے تہ بہ تہ کی شکل اختیار کریں' ایک شخص اس بندے سے بیٹا مانگتا ہے' دوسرا روزی' کوئی دنیوی خدمات تو کوئی کشف جہان اور اس ہجوم کرنے کی وجہ سے اس کے تمام اوقات کو بے مزہ اور پریشان کر دیتے ہیں اور خود بھی شرک و کفر کی منجدھار میں گرفتار ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جب اس بندے کے اندرونی خانے میں کمال ذکر و عبادت کی وجہ سے نورِ الٰہی نے نزول فرمایا گویا یہ بندہ کارخانۂ خدائی میں شریک ہو گیا اور اسے حق تعالیٰ کے نزدیک اتنی قدر و منزلت مل گئی کہ یہ جو کچھ کہتا ہے حق تعالیٰ اس پر عمل کرتا ہے جیسا کہ دنیا میں مہمان کی خاطر میزبان کی دلجوئی اسی معیار کے مطابق ہوتی ہے۔ اسی لئے اہل دنیا

تلاش کرتے ہیں کہ بادشاہ' سردار' حاکم اور فوج دار جس کے گھر میں آتے ہیں' اسی سے مشکلات کا حل اور حاجت روائی طلب کرتے ہیں اور اسی خیال فاسد کی وجہ سے جو انہیں خدا کے ساتھ بندگانِ خدا کے بارے میں حاصل ہوتا ہے' پیر پرستی اور گور پرستی میں پڑ جاتے ہیں اور اس حادثے میں جنات اور انسان دونوں شریک ہیں۔ (اصل فساد کی جڑ بندے کو خدا کا شریک قرار دینا ہے جبکہ مسلمان مقربین بارگاہِ خداوندی کو شریک قطعاً نہیں سمجھتے' کارخانۂ خدائی میں شرکت' پیر پرستی اور قبر پرستی کے الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ ان لوگوں کا رد ہے جو اس عقیدے کے ساتھ مشائخ کے ساتھ رابطہ قائم کرتے ہیں۔ الحمدللہ رب العالمین اہلِ سنت و جماعت کا دامن اس نجاست سے قطعاً پاک ہے' وہ انہیں خدا سمجھ کر نہیں بلکہ مظہرِ عون خداوندی سمجھ کر ان سے مدد مانگتے ہیں اور یہ فرق مفسر علام نے آغاز تفسیر میں ہی وایاک نستعین کے تحت واضح کر دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا لیکن دریںجا باید فہمید کہ استعانت از غیر بوجہی کہ اعتماد براں غیر باشد وا ورا مظہرِ عون الٰہی نداند حرام است واگر التفات محض بجانب حق است وا ورا یکے از مظاہرِ عون دانستہ و نظر بکارخانۂ اسباب وحکمت او تعالیٰ دراں نمودہ بغیر استعانت ظاہر نماید دور از عرفان نخواہد بود و در شرع جائز است وانبیاء واولیاء ایں نوع استعانت بغیر کردہ اندر ترجمہ زیر آیت وایاک نستعین پڑھیں' استمداد اولیاء کے منکرین کے لیے یہاں سے استدلال کی کوئی گنجائش نہیں فلہٰذا دورانِ تفسیر جہاں بھی یہ مسئلہ آئے' یہ وضاحت پیش نظر رہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

اور آپ کو منصب رسالت کی تلقین کی گئی ہے اگر اس امر میں آپ کو اپنے متعلق کسی قسم کا خوف ہو تو آپ ان دونوں گروہوں سے واشگاف الفاظ میں

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْ رَبِّيْ فرمادیں کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں تاکہ میرے دل کو اپنی تجلی کے نور سے مشرف فرمائے۔

وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا اور میں اس کے ساتھ ہرگز کسی کو شریک نہیں کرتا اور جب میں نے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا اور اپنے پروردگار کو پکارنے میں مشغول ہوں

تو میں دوسروں سے کیسے روا رکھوں گا کہ مجھے پکاریں یا مجھے اس کا شریک مقرر کریں اور یہ دونوں گروہ اگر آپ سے کسی نفع و نقصان کی توقع رکھ کر پکاریں اور شریک ٹھہرائیں تو صاف

قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا فرما دیں کہ تحقیق میں تمہارے لیے کسی نقصان یا تدبیر مطلب کا مالک نہیں ہوں جیسا کہ مجھ سے پہلے جنات کے وکیل اور سفیر اور بنی آدم کی گمراہ ارواح دنیا والوں کو منفعتوں کا لالچ اور نقصانات کا خطرہ دِلا کر دھوکا دیتے تھے اور ان کے نزدیک خود کو نفع و نقصان کا مالک ظاہر کرتے تھے کہ اب اس دفتر کو گائے کھا گئی اور کسی حادثے اور مصیبت میں آپ کی پناہ لیں اور چاہیں کہ غضب خداوندی سے آپ کے دامن میں پناہ لیں تو کھال کھینچ کر

قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ فرمائیں کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا اور میں اپنے وجدان میں کسی وقت خدا تعالیٰ کے سوا کوئی رجوع اور مائل ہونے کی جگہ نہیں پاؤں گا تا کہ اس طرف رجوع اور التجا کروں۔

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ سوائے احکامِ خداوندی اور اس کے پیغامات کو مخلوق کی طرف پہنچانے کے وقت کے کیونکہ اس وقت مجھے حق تعالیٰ سے مخلوق کی طرف توجہ کرنا اور رجوع کرنا ضروری ہوتا ہے اور میں توجہ الی اللہ کے انتہائی خلوص اور اس کی طرف رجوع سے نزول کرتا ہوں لیکن وہ بھی ظاہری طور پر۔ ورنہ یہ نزول چونکہ اس کے حکم پر ہے اور اس کے کام میں ہے عین عروج و استغراق ہے اور اسی لیے یہ نزول اور توجہ بھی انہی کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل و جان کے ساتھ قبول کرتے ہیں اور اس کی اطاعت میں مستعد ہو کر کمر بستہ ہیں کہ ان کی تکمیل اور ان کی ارواح کو مقامِ قرب تک پہنچانا میری ڈیوٹی ہے۔

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور جو اس معاملے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کی نافرمانی کرے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مکانات اور اس کی عبادت

کے اوقات میں غیر خدا کو پکارنے' اپنے مقاصد اور ضرورتیں پوری کرنے میں اس کے غیر کی طرف التجا اور رجوع کرنے اور اس کے غیر کو اس کا شریک کرنے سے باز نہ آئے اور دست بردار نہ ہو۔ اور وہ جو معتزلہ نے سمجھا ہے کہ اس عصیان سے مراد مطلق گناہ ہے اور ہر گناہگار کو ابدی عذاب میں ہمیشگی ہوگی تو یہ تحریف ہے' تفسیر نہیں اس لیے کہ اس آیت کا سیاق و سباق اس عصیان کو مقدمۂ شرک کے عصیان کے ساتھ خاص کرنے میں صریح نص ہے جبکہ کلام کو سیاق و سباق کے تقاضے کے خلاف محمول کرنا تحریف ہے اس کا سباق خود گزر چکا جبکہ اس کا سیاق آرہا ہے کہ فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا اور وہ دلالت کرتا ہے کہ ان کی بے شمار مخلوقات کے ساتھ استعانت جو کہ وہ دنیا میں کرتے تھے اور ہر حاجت اور ہر مقصد کے لیے انہوں نے اپنے لیے ایک کارساز' مددگار مقرر کیا ہوا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ یہ سب کثیر جماعت سفارش اور ہمیں چھڑانے سے عاجز نہیں ہوں گے' انہیں کوئی کام نہیں آئیں گے چنانچہ فرمایا:

فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ تو تحقیق اس کے لئے جہنم کی آگ ہے خَالِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا وہ اس جہنم میں ہمیشہ ابدالآباد تک رہیں گے اور ان کے مددگاروں میں سے کوئی بھی ان کی فریاد کو نہیں پہنچے گا اور دوزخ سے نہیں نکالے گا جیسا کہ ایمان والے گناہگاروں کو ان کا ایمان' انبیاء علیہم السلام شہداء اور اولیاء کی شفاعت دوزخ سے نکالے گی اور نجات دے گی اس لیے کہ ان کی نافرمانی شرک اور غیر اللہ کی پوجا تک پہنچ گئی اور وہ شفاعت اور معافی کے قابل نہ رہے۔

اور ضمیر کو مفرد لانا جو کہ لفظ من کے مفرد ہونے اور اسے جمع لانا من کے معنوں کے پیش نظر اس لیے ہے کہ نافرمانی اور جہنم کے مقرر ہونے کی حالت میں ہر ایک جدا جدا ہے جبکہ ہمیشگی کی حالت میں سب اکٹھے اور ایک ہی جگہ ہیں اور اجتماع اور کثرت کے باوجود کوئی کام نہیں کر سکیں گے اور کوئی مقصد حاصل نہیں کر پائیں گے لیکن وہ دوزخ میں آنے' وہاں کا عذاب چکھنے' ان کے مددگاروں کے ان کی شفاعت اور امداد سے ہاتھ کھینچنے اور ان سے ان کے معبودوں کے بےزار ہونے تک اسی حال میں ہوں گے کہ آخر یہ ہمارے

معبود اور رہنما ہمارے کام آئیں گے اور ہمیں چھڑالیں گے کہ انہوں نے اپنے لیے مضبوط وسائل اور بے شمار سندیں درست کر چھوڑی ہیں۔

حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ یہاں تک کہ جب دوزخ میں آ کر وہ اسے دیکھیں گے جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے جیسے ان سے ان کے معبودان باطلہ کی بے زاری' ان کا عاجز اور بے چارہ ہونا اور مقامِ شفاعت اور گزارشات پیش کرنے کے مقام میں ان کا بازیاب نہ ہونا بلکہ ان میں سے اکثر کا عذابِ دوزخ میں شامل ہونا

فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا پس تم جان لو گے کہ مددگاروں کے اعتبار سے کون زیادہ کمزور ہے' وہ لوگ کہ جنہوں نے اپنے گمان میں قوی مددگار پیدا کر لیے تھے یا توحید کو ماننے والے مسلمان جو کہ کسی کو مددگار نہیں جانتے تھے اور اپنے مالک کے کرم پر بھروسہ کرتے تھے۔

وَاَقَلُّ عَدَدًا اور گنتی کے اعتبار سے کم تر کون ہے؟ وہ لوگ کہ جنہوں نے ہزاروں پیر اور پریاں اپنے کارساز بنا رکھے تھے اور اپنے گمان میں اپنے لیے ایک لشکر ترتیب دے رکھا تھا یا توحید پرست مسلمان جنہوں نے ایک ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کسی کو کارساز نہ بنایا تھا اور اس کے سوا کسی کو نہیں جانتے تھے۔

اور اگر کافر جنات اور انسان آپ کی ان باتوں کو سُن کر جو کہ شرک کی بیخ کنی کرتی ہے اور استعانت بغیر اللہ کا پروگرام درہم برہم کر دیتی ہیں اور ان کی اس طمع اور توقع کو کہ جنوں کی وکالت اور سفارت کی خدمت معزول ہونے کے بعد یہ ڈیوٹی آپ کو سونپی گئی ہے اور جس طریقے سے کہ آپ کی بعثت سے پہلے آدمی اور جنات ایک دوسرے کی باہمی مدد اور تعاون کرتے تھے اور علم دینے اور علم لینے کی راہ چلتے تھے اب آپ کے واسطے سے اسی طریقے پر چلیں گے اور آپ کو اور آپ کے پیروکاروں کو جنات کی طرح پوچھیں گے بلکہ خود آپ کی اتباع کر کے آپ کے وسیلے سے پھر اسی خدمت پر بحال ہو جائیں گے جیسا کہ دنیا کا معزول و مقرر کرنے کا طریقہ ہے کہ معزول کے متوسلین مقرر شدہ لوگوں کے توسل سے ڈیوٹی میں دخیل ہو جاتے ہیں' ان چند کلمات کے ساتھ آپ نے ختم کر دیا

اور مایوس کر دیا پوچھیں کہ آپ یہ تو بتائیں کہ یہ قیامت کے وعدے' معبودانِ باطلہ کا اپنے پوجا کرنے والوں سے ہاتھ کھینچ لینا اور مقتداؤں کا اپنے مقتدیوں سے بے زار ہونا کب ہوگا' نزدیک ہے یا دُور؟ ان کے جواب میں

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ فرما دیں کہ میں نہیں جانتا اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا آیا وہ چیز قریب ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے یا اس کے لیے میرا پروردگار ایک مدت مقرر کر دے گا' طرزِ کلام کو بدلنا کہ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ نہ فرمایا اس لیے ہے کہ ظاہری نظر میں حکمتِ الٰہی اس کے قریب ہونے کا تقاضا کرتی ہے اس لیے کہ بدلے کے مستحق ہونے کے بعد بدلہ پہنچانے میں جلدی کرنا مناسب ہے لیکن شاید مخفی حکمتِ الٰہیہ تاخیر کی متقاضی ہوئی ہوگی اس لیے کہ جب تک نوعِ انسان دنیا میں باقی ہے' اپنے گزرے ہوؤں کے لیے تقرب الی اللہ یا الی غیر اللہ کی مختلف قسموں کے ساتھ امداد کرتے ہیں اور ان میں جتنی ہمت ہے' خرچ کرتے ہیں جب ان کی تلاش میں یہ ساری کوشش پوری ہو جائے اس وقت الزام حجت اور ان کے مددگاروں کے عجز وضعف کو ظاہر کرنے کے لیے بدلہ دینا زیادہ مناسب اور بہتر ہے۔ پس وعدہ شدہ قرب ہر فرد کا وقت پورا ہونے پر جو کہ اس کی موت کا وقت ہے اور عمل دنیا سے فارغ ہو جاتا ہے' نظر کرتے ہوئے احتمال رکھتا ہے اور تمام نوعِ انسانی کا وقت پورا ہونے' تمام افرادِ انسانی کے اعمال منقطع ہونے اور سب کے سب افرادِ نوع کی ارواح کے آخرت کی طرف منتقل ہونے کے پیشِ نظر فیصلے اور جزا کے دن تک وعدہ شدہ تاخیر کا بھی احتمال ہے اور حقیقت میں قرب وبعد کی دونوں صورتیں واقع ہیں۔ موت کے بعد ہر کسی کو اپنی غلط فہمی اور خطا کا پتہ چل جائے گا جبکہ فیصلے کے وقت تمام مخلوقات کا عجز اور کمزوری ظاہر ہو جائے گی۔ نیز امید کلی طور پر منقطع ہو جائے گی۔ پس اخروی وعدہ شدہ چیزوں کے ظہور کی ابتدا بالکل قریب ہے جبکہ ان کی انتہا بہت دُور اور ہر صورت میں کوئی تعجب نہیں ہے' ہر کسی کے وقت کی مقدار کو میں نہ جانوں اور اس کے مطابق اس کے بارے میں آخرت کی وعدہ شدہ چیزوں کے قریب یا دُور ہونے کا حکم نہ کروں یا نوعِ انسانی کی بقاء کو نہ جانوں اس لیے کہ میں

عالم الغیب نہیں ہوں اور میں اس علم کا مدعی نہیں ہوں جیسا کہ اس سے پہلے جنات میں سے تمہارے معبود کرتے تھے بلکہ میرا پروردگار

عَالِمُ الْغَيْبِ ہے اور اس کے غیر کو یہ علم حاصل نہیں ہے اس لیے کہ غیب اس چیز کا نام ہے جو حواس ظاہرہ اور باطنہ کے ادراک سے غائب ہو نہ کہ حاضر تاکہ مشاہدہ اور وجدان سے دریافت ہو اور اس کے اسباب اور علامات بھی ان کی عقل وفکر کی نظر میں نہیں آتے تاکہ سوچ اور استدلال کے ساتھ دریافت ہوں اور یہ غیب مختلف ہوتا ہے۔ مادرزاد اندھے کے نزدیک عالم رنگ وبو غیب ہے اور آوازوں' نغموں اور خوش الحانی کا عالم شہادت ہے اور نامرد کے لیے لذتِ جماع غیب ہے اور فرشتوں کے نزدیک بھوک اور پیاس کی تکلیف غیب ہے اور جنت اور دوزخ شہادت ہے لہٰذا اس قسم کو غیب اضافی کہتے ہیں اور وہ جو سب مخلوقات کی نسبت سے غائب ہے' غیب مطلق ہے جیسے قیامت آنے کا وقت' باری تعالیٰ کے ہر روز کے اور شریعت کے احکام کونیہ وشرعیہ اور تفصیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے حقائق اور اس قسم کو اللہ تعالیٰ کا خاص غیب کہتے ہیں۔

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا پس کسی کو اپنے غیب خاص پر اس طرح مطلع نہیں فرماتا کہ اس اطلاع میں تلبیس واشتباہ اور خطا بالکل اُٹھ جائے اور خطا اور اشتباہ کا احتمال بالکل نہ رہے اور یہی اس طرح اطلاع دینا ہے کہ اسے کسی شخص کو غیب پر مطلع کرنا کہا جا سکتا ہے۔ بخلاف نجومیوں' طبیبوں' کاہنوں' رمالوں' علم جفر والوں اور فال بینوں کی اطلاع کے کہ اسباب وعلامات ظنیہ یا جنوں اور شیطانوں کی سچ جھوٹ کا احتمال رکھنے والی خبروں کے ساتھ استدلال کے ذریعے ان کا بعض حوادث کونیہ کو جان لینا قیاسی اور وہمی ہوتا ہے نہ کہ یقینی اور اولیائے اللہ کو اگرچہ بعض حقائق ذات وصفات یا واقعات کونیہ کا الہامی یقینی علم حاصل ہوتا ہے لیکن ہر طرح سے تلبیس واشتباہ مرتفع نہیں ہوتا تاکہ غیب پر ان کی اطلاع اور اس پر غالب آنا متحقق ہو بلکہ ان پر غیب کا اظہار صورتِ غیبیہ کا ان کے وجدان کے آئینے میں منعکس ہونا ہے اور اسی لیے اس سے عام ذمہ داری متحقق نہیں ہوتی اور وہ خود بھی یقین حاصل کرنے اور اس پر اعتماد کرنے میں کتاب وسنت اور اقسام وحی کی

گواہیوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ پس غیب پر اظہار کسی کو نہیں دیا جاتا۔ (یہاں قل انما العلم عنداللّٰہ انما انا نذیر مبین (الملک) کا حاشیہ دیکھیں محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ مگر اسے جسے پسند فرمائے اور وہ رسول علیہ السلام ہوتا ہے خواہ فرشتوں کی جنس سے ہو جیسے جبرئیل علیہ السلام خواہ جنس انسان جیسے حضرت محمد، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کہ اسے اپنے بعض خاص غیوب پر اطلاع فرماتا ہے تاکہ اس غیب کو مکلفین تک پہنچائیں اور اس سے ہر طرح سے تلبیس واشتباہ دُور کر دیں تاکہ خطا اور نادرست ہونے کا احتمال اس کے قریب نہ جائے۔

اور عام مکلفین جنہوں نے معجزہ دیکھ کر انسان رسول علیہ السلام کی تصدیق کی ہو، وحی اور ہر معاملے میں اس پر اعتماد کر کے غلطی میں نہ پڑیں اور راہِ حق گم نہ کریں اور اسی لیے وحی نازل کرنے میں نہایت احتیاط کام میں لائی جاتی ہے۔

فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ پس تحقیق میرا پروردگار روانہ کرتا ہے اور مقرر کر دیتا ہے۔ مِنْ م بَيْنِ يَدَيْهِ اس رسول کے آگے خواہ رسول ملکی ہو یا رسول انسانی اور آگے سے مراد اس کی قوتِ فکریہ، قوتِ وہمیہ اور اس کی قوتِ خیالیہ ہے اور ان کے حاضر موجود طبائع، عادات اور اخلاق۔ وَمِنْ خَلْفِهٖ اور اس رسول کے پیچھے خواہ ملکی ہو یا انسانی اور اس کے پس پشت اس کے حافظہ میں جمع شدہ علوم اور اس کے چھوڑے ہوئے طبائع عادات اور اخلاق چھوڑے ہوئے اور اخلاق رصداً چوکی دار فرشتوں سے تاکہ وحی آنے اور اسے لینے کے وقت اس کی قوتِ فکریہ، وہمیہ اور خیالیہ کو سبقت نہ کرنے دیں اور اس کی طبیعت، عادت اور خلق کے تقاضوں کو بند کر دیں تاکہ وحی کے احکام کے ساتھ نہ ملیں اور حفاظت اور چوکی داری اس کے آگے سے ہے اور اس کے جمع شدہ علوم اور متروکہ عادات و اخلاق کو وحی کے ساتھ مخلوط ہونے سے روکیں اور یہ حفاظت اور چوکی داری رسول علیہ السلام کے پیچھے سے ہے۔ پس رسول کو وحی لینے کے وقت سے لے کر پہنچانے تک معطل القوی کر دیتے ہیں کہ اس کی کوئی قوت کسی طرح بھی اس میں دخل نہیں دے سکتی۔

بخلاف اولیائے اللہ اور عارفین کے کہ ان کے غیب پر مطلع ہونے کی حالت میں یہ احتیاط اور چوکی داری نہیں ہوتی اور ان کے فکر' وہم' خیال' حافظہ اور ذاکرہ کے قوی اور طبائع اور عادات و اخلاق موجودہ اور متروکہ سب اپنے کام میں مشغول ہوتے ہیں اور اگرچہ ملکی رسول ان اکثر امور میں اس چوکی داری کے محتاج نہیں ہیں لیکن بعض امور سے احتیاط کی بناء پر جیسے محرکاتِ الٰہیہ میں سے کسی محرک کو برداشت کرنا کہ جسے جاری کرنا بالفعل حکمت کو منظور نہیں اس کے لیے بھی چوکی داری ضروری ہے اور اسی لیے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب بھی وحی لائے آپ کے ہمراہ وحی کی حفاظت کے لیے اور فرشتے بھی ہوتے تھے اور جب سورۂ انعام لائے تو اس کی حفاظت کے لیے ان کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے تھے اور اس سورۃ کو زیادہ احتیاط کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہ سورۃ پوری کی پوری یا اس کا اکثر حصہ ایک دَم اُترا اور قابلِ حفاظت چیز جتنی زیادہ ہوگی' اسی قدر محافظ زیادہ چاہئیں۔ نیز اس سورۃ میں وحی شیطانی کی بعض اقسام کو رد و ابطال کے طریقے سے ذکر کیا گیا ہے اور فرض محال کے طور پر بعض کلمات کفریہ کی حکایت کی گئی ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت جبرئیل ان وساوس شیطانی اور ان کلماتِ کفریہ کو ان سے انتہائی نفرت کی وجہ سے حافظہ سے دُور کر دیں اور وحی کی مقدار میں کوئی کمی واقع ہو جائے۔

ایک قوی اعتراض

یہاں ایک قوی اعتراض ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیوب خاصہ پر اطلاع دی گئی اور رسول کا مفہوم اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ان خاص غیوب کو دوسروں تک پہنچائیں۔ پس استثناء میں رسول کی تخصیص بے فائدہ اور خلاف واقع ہوئی۔ نیز یہ ساری احتیاط وحی کے پہلے واسطے میں کافی ہے جو کہ ملکی رسول ہے اور اگر دوسرے واسطے میں جو کہ انسانی رسول ہے' میں بھی اس احتیاط کی رعایت کی جائے تو چاہیے کہ دوسرے واسطوں جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم' علمائے کرام اور مفسرین میں بھی اس کی رعایت کی جائے تاکہ نقل الفاظ اور وحی کی مراد سمجھنے میں خطا واقع نہ ہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ غیب پر اطلاع ملکی رسول اور انسانی رسول کے حق میں خاص ہے لیکن عام مکلفین کا علم معجزے کی تصدیق کی وجہ سے وحی استدلالی کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ اطلاع علی الغیب کے قبیلے سے۔ پس استثناء میں رسول کی تخصیص واقع کے مطابق ہے اور اس کا اعتبار ضروری ہے اور وحی نازل کرنے میں احتیاط کی رعایت اس وقت تک ہے جب تک کہ رسول کی طرف سے اس کی تبلیغ عدد تواتر کے ساتھ واقع نہ ہو اور رسول نے عدد تواتر کے ساتھ اسے پہنچا دیا' تلبیس واشتباہ کا خوف نہ رہا اور فہم مراد میں ساری اُمت کا مجموعی حیثیت سے خطا سے بچنا درکار ہے نہ کہ ہر ہر فرد کا بچنا اور دوسرا رسول جو کہ انسان ہے' ابھی مراتب غیب کے وسط میں واقع ہے اس لیے کہ اس تک پہنچنے کے بعد بھی وحی غیب سے شہادت نہیں بنی اور عام مکلفین کو اس تک وحی پہنچنے کا احساس اور مشاہدہ نہیں ہوا۔ احتیاط کے مرتبوں کو بلاوجہ چھوڑ دینا کس طرح جائز ہوگا کہ اس کے علوم مخزونہ' فکر' خیال اور عادت کے تقاضے برقرار ہیں ہاں اس کے بعد کہ اس نے عدد تواتر کے ساتھ تبلیغ کردی تو وحی بالکل ظاہر ہوگئی اور احتیاط کی ضرورت نہ رہی۔ چنانچہ فرمایا:

لِيَعْلَمَ تاکہ ظاہر کردے میرا پروردگار اور یہاں لام بمعنی حتیٰ ہے اس لیے کہ غرض اور غایت کے درمیان قوی مناسبت ہے' ایک کا لفظ دوسرے کے لیے بطورِ استعارہ لانا جائز ہے اور یہی وجہ ہے کہ لفظ حتیٰ کو جو کہ غایت کے لیے موضوع ہے' تعلیل اور بیان کے مقام میں اکثر استعمال کرتے ہیں جبکہ لام کو جو کہ غرض کے لیے موضوع ہے' بیان غایت کے مقام میں گرچہ بطریق مجاز سہی استعمال کرتے ہیں جیسے اور لدوا للموت وابنوللخراب اور جیسے فَالْتَقَطَهٗ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا اور حاصل کلام یہ ہے کہ یہ احتیاط اور چوکی داری کا سلسلہ جاری رہتا ہے حتیٰ کہ میرے پروردگار کا حالی علم جو واقع ہونے والی چیزوں کے ساتھ ان کے وقوع کے وقت متعلق ہوتا ہے' تعلق قبول کرے۔

اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ کہ تحقیق اس رسول ملکی اور رسول انسانی اور چوکی داروں نے اپنے پروردگار کے تمام پیغامات پہنچا دیے اور عام مکلفین پر حجت لازم ہوگئی

اور گزشتہ کلام میں رسول کے صیغۂ مفرد کے باوجود یہاں جمع کا صیغہ وارد کرنا اسی لیے ہے کہ اکثر اوقات نزولِ وحی اور اسے مکلفین تک پہنچانا ملکی اور انسانی رسولوں اور چوکی داروں کی جماعت سب کے دخل سے ہوتا ہے۔ گو اس کا حامل صرف رسول ہو جیسے اس کھانے کا تھال جو بادشاہ اپنے مقربین کے لیے بھیجتا ہے' اسے اٹھانے والا ایک ہوتا ہے اور دوسروں کو اطلاع نہیں ہوتی کہ اس میں کیا ہے لیکن مشعل بردار اور محافظ ضرور ہمراہ ہوتے ہیں اور اس کا پہنچانا ان سب کی طرف منسوب ہوتا ہے۔

وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ اور ان کے پروردگار نے اس سب کا احاطہ فرمایا ہے جو کچھ ان کے پاس علوم مخزونہ' اخلاق' عادات اور احکام وحی سے ہے اور اللہ تعالیٰ کا احاطہ کرنا رسولوں اور وحی کے چوکی داروں کے احوال کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام ذہنی اور خارجی موجودات کو عام ہے۔

وَاَحْصٰی كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا اور اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے حتیٰ کہ دریا کی موجوں' بیابان کی ریت' درختوں کے پتوں اور بارش کے قطروں کے شمار کو جانتا ہے تو اس سے کیا بعید ہے کہ اس نے رسولوں اور وحی کے محافظوں کے احوال کا احاطہ کر رکھا ہو۔

صاحبِ کشاف کا رد

یہاں جاننا چاہیے کہ صاحب کشاف نے معتزلی ہونے کی بناء پر اس آیت کے تحت لکھا ہے کہ وفی ھذا ابطال الکرامات لان الذین تضاف الیھم وان کانوا اولیاء مرتضین فلیسوا برسل الخ یعنی یہاں کرامات کا ابطال ہے کیونکہ جن کی طرف منسوب ہوتی ہیں اگرچہ منتخب اولیاء ہوں' رسول نہیں ہیں لیکن دانش مندی کے دعوے کے باوجود یہ بات اس سے حقیقت سے بہت بعید واقع ہوئی ہے اس لیے کہ یہ آیت غیب پر اطلاع کی نفی اس انداز سے کہ تلبیس واشتباہ رفع ہو جائے' رسولوں کے غیر سے کرتی ہے نہ کہ مطلق غیب پر اطلاع کی نفی چہ جائیکہ دوسری کرامات کو باطل کرے اور تفسیر میں گزرا ہے کہ کسی شخص کی غیب پر اطلاع اور چیز ہے اور کسی شخص پر غیب ظاہر کرنا اور بات ہے' اس کی نفی سے اس کی نفی لازم نہیں آتی اور اولیائے اللہ کو اگرچہ غیب پر

اطلاع حاصل نہیں ہے لیکن ان پر غیب کا اظہار جائز اور واقع ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کے بارے میں سورۂ قصص میں منصوص ہے کہ اِنَّا رَادُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔

اسی لیے اکثر علمائے اہلِ سنت و جماعت کہ جنہوں نے کسی شخص کے غیب پر مطلع ہونے اور کسی شخص پر غیب ظاہر کرنے کا فرق نہیں کیا ہے' کہتے ہیں کہ اس آیت میں غیب سے مراد احکامِ شرعیہ ہیں جن کی عام مکلفین پر ذمہ داری ہوتی ہے اور اگر غیب سے مطلق غیب مراد ہو تو لازم آئے کہ صرف نبی کو جیسے حضرت خضر علیہ السلام کسی غیب پر اطلاع حاصل نہ ہو اس لیے کہ آیت میں علمِ غیب کا حصر لفظ رسول پر فرمایا اور نبی سے رسول زیادہ خاص ہوتا ہے۔ ہاں جدید احکامِ شرعیہ پر اطلاع دینا رسول کا خاصہ ہے کہ نبی میں یہ اطلاع نہیں پائی جاتی۔

اور ان میں سے بعض نے کہا ہے حصر' اصالت کی پابندی کے اعتبار سے ہے یعنی اصالت کے طور پر غیب پر اطلاع پیغمبروں علیہم السلام کا خاصہ ہے جبکہ اولیائے اللہ کو غیب پر اطلاع وراثت اور تبعیت کے طریقے پر حاصل ہوتی ہے جیسا کہ چاند کا نور سورج کے نور سے حاصل شدہ ہے اور کسی چیز کا حصر اس چیز میں کہ بالاصالت ہو اور اس چیز کی اس چیز سے نفی جس میں کہ تبعیت و وراثت کے ساتھ ہو' ایک متعارف اور مشہور مجاز ہے' تاویل میں داخل نہیں ہے۔

اور اہلِ سنت کے بعض پرانے مفسرین نے کہا ہے کہ غیب سے مراد لوحِ محفوظ ہے اور لوحِ محفوظ پر پیغمبروں کے سوا کسی کو اطلاع حاصل نہیں ہوتی لیکن اس کلام میں بہت خلل ہیں اس لیے کہ پہلے تو لوحِ محفوظ پر اطلاع اس لوح اور اس کے نقوش کے مطالعہ کے معنوں میں طریق صحیح سے مروی نہیں ہے کہ کسی پیغمبر علیہ السلام کو ہوئی ہو بلکہ اخبارِ صحیحہ میں اس امر کا حضرت اسرافیل علیہ السلام کے ساتھ خاص ہونا مروی اور ثابت ہے اور حضرت اسرافیل علیہ السلام رسول نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ لوح پر اطلاع سے مراد نفس الامری موجودات پر اطلاع ہے

جو کہ ان موجودات کے خارج میں ظہور سے پہلے حاصل ہو۔ گو لوح کے نقوش کے مطالعہ کے ساتھ ہو یا مطالعہ کے بغیر اس لیے کہ کتاب پر اطلاع سے مراد اس کتاب میں لکھے ہوئے مضامین پر اطلاع ہوتی ہے نہ کہ نقوش دیکھنا اور یہ معنی اولیائے اللہ کو بھی حاصل ہوتا ہے تو دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہو گیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ نقوش دیکھنے کے مطالعے کے ساتھ لوحِ محفوظ پر اطلاع بھی بعض اولیائے اللہ سے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ پس اختصاص اور حصر صحیح نہ ہوگا اور اس کے علاوہ غیب کو لوحِ محفوظ پر محمول کرنا آیت کے سیاق وسباق کے ساتھ بالکل مناسبت نہیں رکھتا۔ پس اصل وجہ وہی ہے جو تفسیر میں گزری۔

سورۃ المزمل

مکی ہے اس کی بیس (۲۰) آیات ہیں اور اس سورۃ کے سورۃ الجن کے ساتھ رابطے کی وجہ یہ ہے کہ اُس سورۃ میں مذکور ہے کہ جنات کا ایک گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سُن کر ہدایت پا گیا اور انہوں نے ذات صفاتِ الٰہیٰ کے ضروری عقائد مکلفین کا صالح اور بد بخت دو قسموں میں منقسم ہونا اور ان میں سے ہر ایک کے انجام کا فرق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھ کر بالمشافہ سوال و تفتیش کے بغیر معلوم کر لیا اور یقین حاصل کیا۔ پس اس سورۃ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ رات کے وقت خلوت میں کہ لوگ حاضر نہ ہوں چاہیے کہ آپ تلاوتِ قرآن پاک میں مشغول ہوں اور اس کے الفاظ اور حروف کو بلند آواز کے ساتھ صاف صاف پڑھیں تا کہ اس سراپا ہدایت کلام سے عالم غیب والے بھی بہرہ ور ہوں جس طرح کہ ہر روز اس سے آدمی نفع حاصل کرتے ہیں تو آپ کو رسول الثقلین کا مرتبہ حاصل ہو اور اس کلام کی تلاوت کے اوقات کی تقسیم کچھ اس طرح مقرر کیجیے کہ انسانی مخلوق کو جو کہ ظاہر ہے ظہور کے وقت جو کہ دن ہے یہ کلام سنائیں اور جنوں کی مخلوق کو جو کہ پوشیدہ اور پردہ نشیں ہیں تاریکی کے پردے کے وقت جو کہ رات ہے یہ کلام سنائیں اس لیے کہ جنات کی حاضری اور پھیلاؤ زیادہ تر رات میں ہوتا ہے جبکہ آدمیوں کی حاضری اور پھیلاؤ زیادہ تر دن میں ہوتا ہے۔

نیز اس سورۃ میں ذکر فرمایا گیا کہ نماز اور قرآن مجید کی تلاوت کے وقت کفار اژدہام اور شور و غوغا کرنے کی وجہ سے حضور علیہ السلام کو بہت پریشان کرتے تھے کہ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا اور عبادت اور تلاوت کا فائدہ جو

کہ مناجات کی حلاوت پانا اور درجات قرب کی ترقی ہے' ان کے ہجوم کی وجہ سے متحقق نہیں ہوتا تھا' ناچار اس سورۃ میں اس وقت کا پتہ دیا گیا جبکہ کفار' فساق بلکہ اکثر لوگ خوابِ غفلت میں مردوں کی طرح پڑے ہوتے ہیں اور اس وقت تشویش بالکل رونما نہیں ہوتی۔

سورۃ المزمل کی ماقبل سے مناسبت

اس کے علاوہ دونوں سورتوں کے مختلف مضامین اور ان میں مستعمل الفاظ میں بھی مناسبت حاصل ہے یہاں قیامت کے دن آسمان پھاڑنے کا ذکر ہے جبکہ وہاں دنیا میں آسمان کی حفاظت اور چوکی داری کا ذکر ہے۔ یہاں خدا تعالیٰ کے ذکر کا حکم فرمایا گیا ہے۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ جبکہ وہاں اس شخص کی مذمت ہے جو ذکر خدا سے روگردانی کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا وَمَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا یہاں بنی آدم کے علم وقدرت کی کمی ان لفظوں سے ارشاد فرمائی۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ جبکہ وہاں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے علم وقدرت کا کمال اس عبارت میں ادا فرمایا وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا اس کے علاوہ اور مناسبتیں ہیں جو کہ غور وفکر کے بعد واضح ہوتی ہیں۔

اور اس سورۃ کا نام سورۃ مزمل اس لیے رکھا گیا ہے کہ اس سورۃ میں خرقہ پوشی کے لوازمات اور اس کی شرائط بیان فرمائی گئی ہیں۔ پس یہ سورۃ اس کے لیے ہے جو درویشوں کا خرقہ پہنے اور اپنے آپ کو ان کے رنگ میں ڈھالے اور لغتِ عرب میں مزمل اسے کہتے ہیں جس نے وسیع سا کپڑا اپنے اوپر لپیٹا ہوا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ نے چودہ (۱۴) ہاتھ کا ایک لمبا کمبل رات کے قیام کے لیے مہیا کر رکھا تھا جب نمازِ تہجد اور قرآن مجید کی تلاوت کے لیے اُٹھتے تو وہ کمبل اوڑھ لیتے تاکہ ہوا کی سردی سے بچاؤ بھی ہو جائے اور کپڑا لپیٹنے کی وجہ سے نماز اور وضو کی حرکات وسکنات میں رکاوٹ بھی نہ ہو۔ پس اس کمبل کو جو کہ عبادت کے لیے مقرر تھا' اپنے اوپر لپیٹنا گویا اشارہ ہوتا تھا کہ میں عبادتِ مولیٰ کی راہ میں داخل ہوا اور میں نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا جس طرح کمر

باندھنا اور اسلحہ اُٹھانا سپاہی گری کی اور قلم دان اور کاغذ سنبھالنا منشی گری کی علامت ہے' ناچار ارشاد ہوا کہ اس لباس کی سات شرائط ہیں۔

خرقہ پوشی کی سات شرائط

پہلی شرط شب بے داری اور تہجد میں قرآن پاک کی تلاوت کا عظیم مجاہدہ' دوسری دن کے اوقات کو مالک کی اطاعت سے آباد رکھنا' تیسری نام خدا کا ذکر ہمیشہ کرنا' چوتھی علائق دنیا سے قطع تعلق' ترک اور تجرید' پانچویں مالک کی کارسازی پر بھروسہ اور اعتماد کرنا اور خود کو کوئی دخل نہ دینا' چھٹی مخلوق کی جفا پر صبر کرنا' ساتویں اہلِ دنیا کی خیرخواہی کے باوجود ان کی صحبت کو ترک کرنا کہ بہت مشکل ہے اور اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سورۃ میں مزمل سے خطاب فرمایا گیا ہے تا کہ اس بات کا اعلان ہو کہ یہ لباس اختیار کرنے سے آپ کے ذمہ یہ کام مقرر ہو گئے جیسا کہ اس شخص کو جو کمربستہ ہو کر اور ہتھیار اُٹھا کر جنگ کے لیے تیار ہو کر آئے کہتے ہیں کہ اے ہتھیار پہننے والے! تجھے چاہیے کہ تو فلاں مورچے میں رہے اور یوں یوں کوشش کرے یعنی اسلحہ پہننا اس کام کا تقاضا کرتا ہے اگر تو ہتھیار نہ پہنتا تو میں تجھے یہ کام نہ کہتا اب تجھے ہتھیار پہننے کی شرم دامن گیر ہو گئی اس سے دل نہ چرانا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ○

يٰۤاَيُّهَا الۡمُزَّمِّلُ اے اپنے آپ پر ریاضت کا لباس لپیٹنے والے! اس لباس کا حق بجالا اور سب سے لذیز چیز جو کہ نیند ہے' عبادت کی مصروفیت میں چھوڑ دے۔

قُمِ الَّيۡلَ اُٹھیے اور ہر رات کھڑے ہو کر نماز ادا کریں۔ **اِلَّا قَلِيۡلًا** مگر تھوڑی سی راتیں جو کہ بیماری' سفر اور ان دنوں کی راتیں ہیں کہ جن میں آپ نے مشقت اور تھکاوٹ کے کام کیے ہوں جیسے کفار کے ساتھ جہاد اور لڑائی' اصلاحِ معاشرہ' کسی مظلوم کو کسی ظالم کے پنجے سے چھڑانا اور اس قسم کے مشقت طلب کام اور شب بے داری کی طاقت نہ رہے کہ ایسی راتوں کی تہجد ساقط ہو جاتی ہے اور صرف نفل ہو جاتی ہے اور تاکید اور پابندی نہیں رہتی اور اسی طرح اس قسم کے عذروں میں قیام کرنا بھی ساقط ہو جاتا ہے

اگر چاہے تو نمازِ تہجد بیٹھ کر ادا کرے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عمر مبارک کے آخری سال نمازِ تہجد بیٹھ کر ادا فرماتے تھے اور اس صورت میں احتمال ہے کہ اِلَّا قَلِیْلًا قیام لیل کی محذوف ظرف سے استثناء ہو یعنی قم فی صلوٰۃ اللیل فی جمیع عمرك الا زمانا قلیلا ھو کبر السن وضعف البدن فلا باس بالقعود یعنی ساری زندگی صلوٰۃ لیل کھڑے ہو کر ادا کریں مگر وہ تھوڑا سا زمانہ جو کہ بڑھاپا اور جسمانی کمزوری ہے تو بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔

لیکن چاہیے کہ رات کی نماز میں یہ کھڑا ہونا بہت تھوڑا نہ ہو کہ جذب الی اللہ اور حاضری اور مناجات کی اہلیت حاصل کرنے میں کوئی قابلِ قدر اثر نہ کرے اس لیے کہ عمل قلیل کسی طرح کا بھی ہو، روح اور دل کو اپنی کیفیت میں متکیف نہیں کرتا بلکہ آپ نماز میں کھڑے رہیں۔

نِصْفَهٗ نصف رات اگر ربیع اور خریف کے معتدل ایام ہوں اس لیے کہ آدھی رات ان دنوں میں دن رات کے پورے دورے کا چوتھائی حصہ ہے اور خواص وتاثیر میں رات کے چوتھے حصے کو اس رات کا حکم ہے۔ پس اتنی مقدار کے مجاہدے کی وجہ سے رات اور دن کے مکمل دورے میں اس کا اثر روح میں باقی رہے گا اور وہ حضوری اور مناجات کی کیفیت سے متکیف رہے گا اور معنوی قرب دائما حاصل ہوگا اس شخص کی طرح جسے پورے دن رات میں دو پہروں کی مقدار اپنے محبوب اور مطلوب کے ساتھ صحبت اور ہم کلامی اور مخاطب ہونے کا موقع ملے کہ وہ دن رات کے آٹھ پہر تک اس کی لذت نہیں بھولتا اور اس کی کیفیت سے لبریز رہتا ہے اور اگر اسے یہ موقع ایک ساعت یا ایک لمحہ کے لیے نصیب ہو تو پیاس اور بے قراری زیادہ ہو جاتی ہے اور اس آتش کی تسکین میں بالکل مفید نہیں پڑتا اسی قیاس پر شدید پیاس کے وقت تھوڑا سا پانی پینا اور سخت بھوک کے وقت تھوڑا سا کھانا استعمال کرنا ہے۔

اَوِانْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا یا آدھی رات سے کچھ کم دیں تاکہ رات کے تیسرے حصے تک آجائے اگر موسمِ سرما ہو کیونکہ رات کافی طویل ہوتی ہے اور اس کا تیسرا حصہ دن

رات کے دورے کا تقریباً چوتھائی ہوتا ہے اور احتمال ہے کہ یہ اختیار دینا طبیعت کی چستی اور سستی کی رعایت کرنے کے لیے ہوتا کہ اگر طبیعت میں پوری طاقت اور چستی ہو تو نصف سے زیادہ کر دیں اور یہ کیفیت درمیانی ہو تو نصف شب پر اکتفا کریں اور اگر قوت اور نشاط میں کسی وجہ سے خلل پڑ جائے تو تیسرے حصے تک پہنچائیں اس لیے کہ اس عبادت کی بنیاد دِلی نشاط اور رغبت پر ہے جیسا کہ مسئلہ تہجد کے بارے میں حدیث شریف میں وارد ہے کہ لیصل احدکم نشاطہ فاذا فتر فلیقعد اس وقت تک یہ نماز پڑھو جب تک طبیعت حاضر اور خوش باش ہے جب سستی ہو جائے تو بیٹھ جاؤ۔

نیز وارد ہے کہ تہجد کی ادائیگی کے وقت جب تم میں سے کسی پر نیند غلبہ کرے تو چاہیے کہ سو جائے اور نماز فی الحال چھوڑ دے' کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کے غلبے کے وقت اچھی دعا کی بجائے اس کی زبان پر بددعا آ جائے یا قرآن پاک کی تلاوت کے بجائے کفر وفسق کا کوئی کلمہ نکل جائے۔ نیز وارد ہے لاتکابدوا اللیل یعنی دِلی ملال کے ساتھ شب بے داری کی بے فائدہ مشقت اور تکلیف نہ اُٹھاؤ اس لیے کہ ملال کے ساتھ کی گئی عبادت اچھا نتیجہ نہیں دیتی۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اختیار دینا اس لیے ہے کہ رات کے حقیقی نصف کو معلوم کرنا اور اتنی مقدار کو کمی بیشی کے بغیر نماز' تلاوت اور ذکر میں مصروف رکھنا انسانی ہمت سے باہر ہے۔ خصوصاً جہاں ساعت پہچاننے کے آلات موجود نہ ہوں۔ گویا یوں فرمایا جا رہا ہے کہ اس راہ کے طالب کے لیے دراصل نصف رات کی بے داری ضروری ہے لیکن جب تحقیق کے ساتھ نصف شب کو معلوم نہیں کیا جا سکتا تو اتنی وسعت کر دی گئی کہ اگر کچھ کمی بیشی ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اور سورۃ کے آخر سے معلوم ہوگا کہ کم از کم حد ایک تہائی ہے اور زیادہ سے زیادہ دو تہائی اور جب مدت مجاہدہ کے بیان سے فراغت ہوئی اب اس عمل کی بابت ارشاد ہوتا ہے جو اس مدت میں کرنا چاہیے کہ

وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا اور نماز میں کھڑے ہو کر قرآن کی اچھی طرح ترتیل کریں اور لغت میں ترتیل روشن اور واضح کر کے پڑھنے کو کہتے ہیں۔

ترتیل قرآن کا شرعی تصور

اور شرع شریف میں قرآن پاک کی تلاوت کے لیے چند چیزیں ضروری ہیں تا کہ کمال ترتیل حاصل ہو۔ پہلی چیز حروف کو صحیح کرنا کہ ضاد کے بجائے ظا اور طا کی جگہ تا نہ نکلے' دوسری چیز وقف اچھی طرح کرنا کہ وصل اور کلام کا قطع کرنا بے موقع واقع نہ ہو اور کلامِ الٰہی کی صورت تبدیل نہ ہو' تیسری چیز حرکات کا اشباع یعنی ضمہ' فتحہ اور کسرہ کو ایک دوسرے سے اس طرح امتیاز دینا کہ اشتباہ نہ رہے' چوتھی چیز آواز کو کچھ اونچا کرنا تا کہ قرآن پاک کے الفاظ زبان سے قوت سامعہ پر وارد ہوں اور وہاں سے دل تک پہنچیں اور مطلوبہ کیفیتوں میں سے کوئی کیفیت دل میں پیدا کریں جیسے شوق' ذوق' خوف اور ڈر' پانچویں چیز آواز کو اچھا کرنا یعنی خوش آوازی اور اسے دردمند بنانا تا کہ مطلوبہ تاثیر جلد حاصل ہو اس لیے کہ جب کوئی مضمون اچھی آواز کے ساتھ ملتا ہے تو روح کے اس آواز کے ساتھ لذت حاصل کرنے کی وجہ سے اس مضمون کی زود اثر کشش قوی روح تک پہنچتی ہے اسی لیے طبیبوں نے کہا ہے کہ جب بھی کسی دوائی کی کیفیت دل تک پہنچانا منظور ہو تو اس دوا کو کسی خوشبو کے ساتھ ملا کر کھلانا چاہیے کیونکہ دل خوشبوؤں کو جذب کرنے والا ہے اس لیے اس خوشبو کے ساتھ اس دوا کو بھی جلدی جذب کرلے گا۔ علیٰ ہذا القیاس جب کسی دوا کو جگر تک پہنچانا منظور ہو تو اس دوا کو شیرینی کے ساتھ ملا کر دینا چاہیے جگر مٹھاس کا عاشق ہے۔

چھٹی چیز مواقع کے مطابق شد اور مد کا خیال رکھنا کہ ان کی رعایت کی وجہ سے کلام کی عظمت و جلالت ظاہر ہوتی ہے اور تاثیر میں امداد و اعانت کرتی ہے' ساتویں چیز اگر قرآن پاک میں کسی خوفناک اور ڈرانے والے امر کے متعلق سنے تو رُک جائے اور خدا تعالیٰ کی پناہ لے اور اگر مطلوب و مقصود امر سنے تو رُک جائے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اپنے لیے وہ مقصد طلب کرے اور اگر قرآن پاک میں کسی دعا یا ذکر کی تعلیم دی گئی ہے تو رُک جائے اور وہ دعا یا وہ ذکر کم از کم ایک بار زبان پر لائے۔

اور ترتیل میں ان ساتوں چیزوں کا صرف ایک چیز کے لیے اعتبار کیا گیا ہے کہ

مقصود بالذات وہی ہے یعنی تدبر اور فہم جو کہ ان سات چیزوں کے بغیر نہ خود کو حاصل ہوتا ہے نہ سامع کو اور اس کے بغیر شعر خوانی کی طرح تلاوتِ قرآنِ پاک کا فائدہ مرتب نہیں ہوتا اور اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے لا تنثروه نثر الدمل ولا تهذوه كهذا لشعر قفوا عند عجائبه حركوا به القلوب ولايكن هم احدكم آخر السورت یعنی الفاظ قرآنِ کریم کو اپنی زبان سے اس طرح نہ پھینکو جیسے کھجوریں پھینکتے ہو اور قرآن پاک کو اس طرح مسلسل نہ پڑھتے جاؤ جیسے شعر پڑھتے ہو۔ عجائب قرآن کے نزدیک رُکو اور اس کے ساتھ اپنے دلوں کو حرکت دو اور اس کی فکر نہ کرو کہ سورۃ کا اختتام کب ہوگا تا کہ اسے جلد پورا کروں۔

حضور علیہ السلام کا اندازِ تلاوت

اور اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تلاوت کیسے فرماتے تھے؟ آپ نے فرمایا کہ حرکات کو دراز فرماتے تھے اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرأت قرآنِ پاک میں آواز کو لمبا کرنا نقل فرمایا ہے اور اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی ایک آیت پاک کا نمازِ تہجد میں تکرار فرماتے رہے اِنَّكَ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

اور اسی لیے علمائے اُمت نے فرمایا ہے کہ قرأت قرآن میں تدبر کا کم از کم مرتبہ یہ ہے کہ ہر خطاب اور ہر واقعہ میں خود کو مخاطب سمجھے اور تدبر کا اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ اس میں متکلم کی صفات اور اس کے افعال کا مشاہدہ کرے اور اس کا درمیانی مرتبہ یہ ہے کہ اس کلام کو بارگاہِ حق سے بلاواسطہ سنے۔

سلوک الی اللہ کا مفہوم

اور یہاں جاننا چاہیے کہ سلوک الی اللہ اپنے پاس اس کی حضوری کو طلب کرنا ہے

اور چونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ جسمیت اور اس کے لوازم سے پاک ہے' اس کی حاضری تین طریقوں میں سے ایک کے ساتھ ہو سکتی ہے۔ پہلا طریقہ تصور جسے عرف شرع میں تفکر اور اہلِ سلوک کی اصطلاح میں مراقبہ اور نگرانی کہتے ہیں' دوسرا ذکر اور تیسرا اللہ تعالیٰ کے کلام کی تلاوت اور چونکہ پہلا طریقہ بھی درحقیقت ذکر اور یادِ قلبی ہے اس لیے ذکر کو بھی اس طریقے میں شامل کرتے ہیں اور ذاتِ حق کی حاضری طلب کرنا دو طریقوں میں منحصر مانتے ہیں ذکر اور تلاوت لیکن ذکر جو کہ لسانی اور قلبی ذکر کو شامل ہے' بے واسطہ یا کسی لفظ کے واسطے سے جو کہ ذاتِ حق پر دلالت کرتا ہو' ذہن کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا موجب ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ ہوگئی تو اس کی حاضری ہوگئی اور جب اس حاضری کا دوام نصیب ہو جائے تو صحبت اور ہم نشیں ہونے کا حکم حاصل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات بشری صفات پر غالب آ جاتی ہیں اور افعال حق سبحانہ وتعالیٰ بندے کے افعال پر حاکم ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے لایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبته فاذا احبته کنت سمعه الذی یسمع به وبصره الذی یبصر به ویده التی یبطش بها ورجله التی یمشی بها کہ میرا بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تو جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ جس سے وہ دیکھتا اور اس کا ہاتھ جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کا پاؤں جس سے وہ چلتا ہے۔ (اقول وباللہ التوفیق اسی لیے اولیائے اللہ دور کی سن لیتے ہیں اور مشرق و غرب تک مشاہدہ فرماتے ہیں اور اطراف واکناف عالم میں دست گیری فرماتے ہیں اور پہنچتے ہیں جیسا کہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس حدیث شریف کے تحت لکھا ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

لیکن قرب حاصل کرنے کا یہ طریقہ ذاتِ حق تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اگر کوئی چاہے کہ اس طریقے سے مخلوقات میں سے کسی کا قرب حاصل کرے' ممکن اور دستور نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کا قرب حاصل کرنے میں متقرب الیہ کو دو چیزیں چاہئیں۔

ایک تو مکانوں' زمانوں' مرتبوں اور زبانوں کے مختلف ہونے کے باوجود ذکر کرنے والوں کے قلبی اور لسانی اذکار کا علمی طور پر محیط ہونا تاکہ ہر ذکر کرنے والے کے قلبی اور لسانی ذکر کو معلوم کرے۔ دوسری چیز نزدیک ہونے' اس کے ذہن میں داخل ہونے' اسے پُر کرنے اور اس کی صفت کا حکم پیدا کرنے کی قوت جسے عرف شرع میں دنوٗ' تدلی' نزول اور قرب کہتے ہیں اور یہ دونوں صفات حق تعالیٰ کی ذات پاک کا خاصہ ہیں' کسی مخلوق کو حاصل نہیں۔ ہاں بعض کفار اپنے معبودان باطلہ کے بارے میں پہلا امر ثابت کرتے ہیں اور ضرورت کے وقت اسی اعتقاد کے ساتھ ان سے استعانت کرتے ہیں لیکن یہ عام نہیں اور درحقیقت وہ شبہ میں پڑ گئے ہیں کہ اس شبہ کو یہاں بیان کرنا موضوع سے علیحدہ ہے اور انہیں دو امور سے سلوک کا کاروبار پورا ہوتا ہے ورنہ ممکن نہیں کہ بندہ پروردگار کے نزدیک ہو۔

اور انہیں دو امور کی طرف ایک حدیث صحیح میں اشارہ فرمایا گیا ہے جسے محدثین کتاب السلوک والتقرب الی اللہ کی ابتدا میں وارد کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکایت کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ انا عندظن عبدی بی وانا معه اذا ذکرنی کہ میں اپنے بندے کے اس گمان کے قریب ہوں جو میرے متعلق رکھتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرے' میں اس کے ساتھ ہوں۔ نیز ایک دوسری صحیح حدیث شریف میں ہے جسے محدثین کتب سلوک کے سرفہرست ذکر کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ من تقرب الی شبرا تقربت الیه ذراعاً ومن تقرب الی ذراعاً تقربت الیه باعاً و من اتانی یمشی اتیته هروله یعنی جو ایک بالشت بھر میرے قریب ہو' میں ایک گز بھر قرب عطا کرتا ہوں اور جو ایک گز میرے قریب ہو' میں دونوں بازوؤں کے دائیں بائیں پھیلاؤ کے درمیانی فاصلے تک اسے قرب عطا کرتا ہوں اور جو میرے پاس چل کر آئے' میں اسے پویہ چال کے انداز کے سے یعنی تیز رفتاری سے قرب عطا فرماتا ہوں۔

پس یہ ذاتِ حق عزوعلا کا خاصہ ہے کہ اپنے یاد کرنے والے کی طرف نزول فرماتا

ہے اور نزدیک ہوتا ہے اور اس کے ذہن کو پُر کرتا ہے اور اس کے باطنی لطائف پر غالب آ جاتا ہے اور اس واقعی حقیقی تدلی کی وجہ سے روح آدمی کی روح ہو جاتا ہے اور روح کو جو بدن سے نسبت ہے اس تدلی کو اس کی روح کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے اور دوسری مخلوقات گرچہ روحانیات ہوں' پہلے تو علم محیط نہیں رکھتیں کہ ہر ذکر کرنے والے کے ذکر پر مطلع ہوں دوسرے ذکر کرنے والے کی روح پر دائمی غلبہ نہیں پا سکتیں کہ انہیں ایک حالت دوسری حالت سے غیر متوجہ کر دیتی ہے جبکہ حق سبحانہ وتعالیٰ کو ایک شان دوسری شان سے غیر متوجہ نہیں کرتی۔

تلاوت قرآن پاک کے موجب قرب ہونے کی وجہ

رہی تلاوتِ کلام پاک تو وہ اس وجہ سے قربِ خداوندی کا موجب ہوتی ہے کہ اس کلام کے الفاظ اس کے معنوں پر دلالت کرتے ہیں اور وہ معانی اللہ تعالیٰ کے علم میں ایک مدت تک کلامِ نفسی کا خلعت پہنے اس کی صفاتِ ذاتیہ میں سے ایک صفت ہو گئے تھے۔ پس وہ الفاظ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ میں سے ایک صفت کو تلاوت کرنے والے کے ذہن کے نزدیک کر دیتے ہیں اور ایک قسم کے امتزاج اور اتحاد کے ساتھ وہ صفت ذاتیہ تلاوت کرنے والے کی صفت بن جاتی ہے کیونکہ یہ مرتب ہونے والے معانی اس کے ذہن میں قائم رہتے ہیں جس طرح کہ وہ الفاظ اسی طرح سے تلاوت کرنے والے الفاظ ہو جاتے ہیں اور اس قسم کا قرب حاصل کرنا حق جل شانہ کی ذات پاک کا خاصہ نہیں بلکہ ہر صاحب کلام کے ساتھ اس کے کلام کو بار بار پڑھنا اور اس کے کلام کے معنوں پر ذہن میں ہمیشہ پوری توجہ کرنا اس قسم کا قرب حاصل کرنے کا موجب ہو جاتا ہے اور نفس متکلم کے بعض نشانات بندہ میں مترشح ہوتے ہیں جیسا کہ مثنوی اور اولیائے اللہ کے دوسرے ملفوظات اور منظومات بلکہ عوام اور فساق کے اشعار پڑھنے میں ان کے نفوس کے اثرات اور کیفیات ظاہر ہوتی ہیں اگر اشعار اچھے تو اثر اچھا ورنہ بُرا۔ فرق یہ ہے کہ دوسروں کے کلام پڑھنے سے وہی نفسانی کیفیات منتقل ہوتی ہیں جو کہ لباس کلام میں ظاہر تھیں اور بس جبکہ کلامِ الٰہی پڑھنے میں ان کیفیات کے ساتھ ساتھ دنو اور قربِ ذاتی بھی رونما ہوتا ہے

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ علم محیط رکھتا ہے اور دنوّ تدلی اور قرب کی قدرت بھی۔ پس ذکر کرنے والوں کے بارے میں جو کرم فرماتا ہے' تلاوت کرنے والوں کے بارے میں بطریق اولیٰ کرم فرماتا ہے اور اسی لیے اس سورۃ میں کلام اللہ کی ترتیل کو ذکر پر مقدم فرمایا ہے۔

نیز قرآن مجید کی آیات میں سے کوئی آیت حق تعالیٰ کے ذکر سے خالی نہیں جیسا کہ غور کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ پس تلاوت ذکر کے فوائد بھی رکھتی ہے اور پیرو مرشد اور استاذ کے فوائد بھی اس لیے کہ صفتِ الٰہیہ کے ساتھ موصوف ہونا اور اس کی حبل متین کے ساتھ وابستگی تلاوت قرآنِ کریم کا نقد فائدہ ہے۔ اتنی بات ضرور ہے کہ الفاظ قرآن پاک کو نحو' صرف' معانی' بیان' بدیع اور اس صفت کی حقیقت پر توجہ کرنے سے روکنے والے فنون کی طرف متوجہ ہونے کی آلائش سے جدا کرنا بہت مشکل ہے' کچھ دیر کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ بخلاف ذکر کے الفاظ یا صورت فکر یہ کے کہ جدا کرنے کے اتنے محتاج نہیں ہیں اور یہیں سے حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے قول کا راز واضح ہو گیا کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ کلام اللہ میں مشغول شخص زیادہ فضیلت والا ہے یا ذکر کرنے والا؟ فرمایا کہ ذکر کرنے والے کو وصل جلدی نصیب ہوتا ہے لیکن زائل ہونے کا خوف بھی ہے جبکہ تلاوت کرنے والے کو وصل دیر سے حاصل ہوتا ہے لیکن زوال کا خطرہ نہیں ہے۔

اور انبیاء علیہم السلام کو کلامِ الٰہی کی تلاوت میں ایک اور بہت ہی عمدہ فائدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ انہیں علم غیب حاصل کرنے میں بہت عظیم مدد حاصل ہوتی ہے اور اسے ہمیشہ سننا کہ بار بار زبان سے کان تک پہنچتی ہے اور وہاں سے دل تک ان پر نزولِ وحی کا بوجھ ہلکا کر دیتا ہے اس شخص کی طرح کہ جس نے کسی نفع یا ضرر پہنچنے کے وقت سخت صدمہ اُٹھایا ہو' وہ نفع یا ضرر جتنا بار بار تکرار کرے گا' وہ صدمہ اس پر آسان ہو جائے گا اس کا راز یہ ہے کہ نزولِ وحی خدمت لینے کے طور پر ارواح ملکیہ کی کیفیت کو مختلف مقامات سے ساتھ لاتا ہے اور وہ ملی جلی کیفیت اچانک پیغمبر علیہ السلام کے قلب واعضاء پر وارد ہوتی ہے۔ حکم بشریت کی وجہ سے وہ اسے برداشت کی قوت نہیں رکھتے اور بے ہوش ہو جاتے ہیں

اور پسینہ آ جاتا ہے اور جب دوسری مرتبہ وہ پیغمبر علیہ السلام اس کلام کی تلاوت کرتے ہیں' وہی کیفیت پھران کے قلب واعضاء پر وارد ہوتی ہے۔ تیسری مرتبہ بھی اور چوتھی مرتبہ بھی حتیٰ کہ وہ اس کیفیت کو برداشت کرنے کے خوگر ہو جاتے ہیں اور تکلیف کا احساس نسبتاً کم ہو جاتا ہے اور ترتیل کے حکم کے مقام میں اسی فائدے کو علت قرار دے کر ارشاد فرمایا کہ

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا تحقیق عنقریب ہم آپ پر ایک نہایت گراں اور دشوار کلام اُتاریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کے بعد ہم آپ پر پے در پے قرآن نازل کریں گے۔ پس خود کو رات کی عبادت اور نازل شدہ قرآن کی تلاوت کے انوار کے ساتھ اس بہت عظیم فیض کو قبول کرنے کے لیے مستعد کیجیے۔

حضور علیہ السلام پر قرآن پاک کی گرانی اور دشواری کے مواقع

قرآن پاک کی گرانی اور دشواری ایک تو اس کے نزول کے وقت تھی کہ حضور علیہ السلام نزولِ وحی کے آغاز میں ایک آواز گھنٹی کی آواز کی مانند سنتے تھے پھر اسی صورت مجرد میں مخارج پر اعتماد کے بغیر حروف اور کلمات صورت پکڑنا شروع کر دیتے اور وہ تیز اور تند آواز حضور علیہ السلام میں اس طرح اثر کرتی تھی کہ آپ کے ظاہری اور باطنی حواس اس جہان سے بالکل منقطع ہو کر اس جہان کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے اور جذب بروح کی حالت کی طرح کی ایک حالت پیدا ہو جاتی اور بدن مبارک کی تمام ارواح دماغ کی طرف متوجہ ہو جاتی تھیں جو کہ ادراک اور حفظ کی قوت کا مقام ہے اور دماغ میں ارواح کے اجتماع کی وجہ سے انتہائی گرمی پیدا ہو جاتی تھی اور پیشانی مبارک پر پسینہ آ جاتا اور آپ استغراق میں آ جاتے اور جسم مقدس کے اعضاء ارواح کے نفوذ کی زیادتی کی وجہ سے طبعی ثقل کی طرف لوٹتے جیسا کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ موسم سرما کے انتہائی سرد ایام میں حضور علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی اور آپ کی جبین مقدس سے پسینے کے قطرے گرتے تھے اور نزولِ وحی کے وقت اگر آپ کسی جانور اونٹ یا گھوڑے پر سوار ہوتے تو وہ جانور گر پڑتا مگر حضور علیہ السلام کی ایک خاص

اونٹنی جس کا نام عضباء اور قصوا تھا' اپنے ہاتھ اور پاؤں جھکا کر زمین پر تکیہ کر کے خود کو زمین پر گرنے سے محفوظ رکھتی اور اس کام کی عادی ہو چکی تھی اور اگر اس وقت حضور علیہ السلام کسی کی ران پر تکیہ کیے ہوتے تو ران کے ٹوٹ جانے کا خطرہ لاحق ہو جاتا اور رُخِ انور سرخ ہو جاتا اور سانس اس قدر بلند ہو جاتی کہ دُور سے سنائی دیتی۔

دوسرے اسے یاد رکھنے میں کہ لکھنے سے مدد لیے بغیر اسے تمام قرأت اور وجوہ کے ساتھ یاد رکھنا چاہیے تھا۔ تیسرے اس کی تبلیغ کے وقت کہ ان دشمنوں کے سامنے جو کہ تمسخر اور مذاق پر اصرار کرتے تھے اور قرآن مجید میں جو تازہ مضمون سنتے' محفل میں اس کی نقل کرتے تھے' اسے پڑھنا ہوتا تھا اور ان کی ہر لغو اور بے ہودہ گفتگو سننا پڑتی تھی۔

چوتھے قرآن پاک کے مخفی عجائب اور دقائق اور اس کے اعجاز کی وجوہ کو سمجھنے میں جو کہ انتہائی گہری سوچ اور فکر دقیق پر موقوف ہے اور پھر بھی فضلِ الٰہی سے مدد لیے بغیر میسر نہیں' پانچویں اقسام قرآن کو جدا جدا کرنے میں محکم و متشابہ' ناسخ و منسوخ اور ظاہر و مؤدل سے اور ہر قسم کو دوسری قسم سے امتیاز دینے اور ہر قسم سے احکام کے استنباط میں کہ بہت مشکل علم ہے۔ چھٹے مسلمانوں کے حق میں امر اور نہی اور یہ کرو اور یہ نہ کرو' نہایت دشوار اور گراں ہے کہ اس کے مطابق عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تائید کے بغیر ہرگز ممکن نہیں۔ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں ظاہر پر بھی حکم فرمایا گیا ہے اور باطن پر بھی اور ان دونوں کو جمع کرنا بہت مشکل ہے۔ ساتویں اس کا سننا کفار کے حق میں بہت گراں اور دشوار تھا جیسا کہ آئندہ سورۃ میں آئے گا کہ وہ قرآن پاک سننے سے اس قدر ڈرتے تھے جس طرح کہ گدھا غضب ناک دہاڑتے ہوئے شیر کو دیکھ کر ڈرتا ہے۔

اور سورۂ فصلت میں مذکور ہے کہ یہ قرآن فِیْٓ آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَّهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى

آٹھویں منافقوں اور فاسقوں کے بارے میں نزولِ قرآن بہت دشوار تھا اس لیے کہ قرآن مجید میں ان کے مخفی عیبوں اور چھپے ہوئے امور کا رمز و اشارہ اور تعریض و کنایہ کے ساتھ نشان دیا جاتا تھا اور حاضرین قرائن کی مدد سے سمجھ جاتے تھے کہ یہ لوگ ذلیل ہوتے تھے جیسا کہ سورۂ توبہ کے آخر میں اور سورۂ قتال اور دوسری سورتوں میں ان

حالات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

نویں یہ کہ حروفِ قرآن میں سے ہر حرف کا ایک روحانی خادم ہے۔ جب دَم کرنے والا شرائط دعوت کے ساتھ اس کلام کو پڑھنا شروع کرتا ہے تو اِس کلام کے تمام روحانی خدام حاضر ہوتے ہیں اوران کے ثابت اور حاضر رہنے کے باوجود ثابت قدم رہنا اور قائم رہنا بہت دشوار پڑتا ہے۔ نیز قیامت کے دن جبکہ میزانِ عمل قائم ہو اور اعمال تولے جائیں تو کوئی عمل اس کلام کے وزن کے برابر نہ ہوگا جیسا کہ حدیث شریف میں مذکور ہے۔

اور تفسیرات کے عجائبات میں سے یہ ہے کہ بعض صوفیاء نے قول ثقیل کی مسئلہ توحید وجودی کے ساتھ تفسیر کی ہے جسے سمجھنا عوام پر بہت دشوار ہے اور انہوں نے کہا ہے هوطور وراء طور العقل یعنی وہ روش عقل سے جدا ایک روش ہے اور بعض واعظوں نے شفاعتِ مطلقہ کے ساتھ تفسیر کی ہے جو کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اور شفاعت کا کلمہ زبان سے ادا کرنا تمام انبیاء ومرسلین علٰی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والتسلیمات پر بھی شاق اور گراں ہوگا' قیامت کے دن اس سے پہلو تہی کریں گے اگرچہ یہ پچھلی تفسیر' سورۂ اسرا کی آیت وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کے پیش نظر قدرے درست ہے۔

جب نمازِ تہجد میں ترتیل قرآن کے حکم کی وجہ بیان کرنے سے فراغت ہوئی اب اصل نمازِ تہجد کی وجہ بیان کرنے پر توجہ فرمائی جاتی ہے۔ پس ان تینوں آیات میں ان تعلیل کے لیے ہے اور تینوں تعلیلات کے بیان میں حرفِ عطف نہ لایا گیا اس لیے کہ یہ ایک امر کی تعلیل نہیں ہیں بلکہ مختلف امور کی تعلیل ہیں جو کہ گزشتہ کلام سے معلوم ہوئے۔ پس ترتیل قرآن کے امر کی تعلیل قول ثقیل کا القاء ہے اور قیام اللیل کے امر کی علت یہ ہے اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ تحقیق جو عبادت اور جو تلاوت کہ رات میں پیدا ہوتی ہے اور اُٹھتی ہے اور لغت میں ناشئی نئی پیدا ہونے والی اور نئی اُٹھنے والی چیز کو کہتے ہیں۔ کہتے ہیں سحاب ناشئی یعنی نو پید بادل' ونشاءت الریح ہوا اُٹھی۔

هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وہی ہے سخت تر نفس کو پائمال کرنے اور اس کی ظلمتوں کو دور کرنے میں دو وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ شب بے داری قرأت کے ساتھ آواز بلند کرنا' وضو کے لیے اُٹھنا' اس کے اسباب کی جستجو لوٹا' پانی اور مسواک پھر نماز میں کھڑا ہونا اور سجدہ میں گرنا نفس پر بہت ناگوار اور گراں ہے اس لیے کہ رات کا وقت سکون' راحت' سکوت اور خاموشی کا وقت ہے۔ مختصر یہ کہ آدمی چاہتا ہے کہ اس وقت حرکت نہ کرے' بات نہ کرے' لیٹا رہے خصوصاً جبکہ محبوب عورتیں اور پسندیدہ بیٹے آغوش میں ہوں۔ بستر نرم اور لحاف گرم اور راحت پہنچانے والے خدام موجود اس وقت ان تمام لذتوں کو پس پشت ڈالنا اور ان مشقت طلب کاموں میں مشغول ہونا سمجھا جا سکتا ہے کہ نفس پر کیا قیامت ڈھاتے ہیں اور اگر موسمِ گرما ہے اور اسی وقت دن کی جلن' سورج کی چمک اور گرمی اور اس کی شعاعوں سے کچھ راحت ملی اور قدرے سکون نصیب ہوا اس وقت کو جو کہ اس موسم کی سرد غنیمت ہے' چھوڑ دینا اور راحت کے کام میں صرف نہ کرنا کس قدر دشوار ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ وقت اپنی حقیقت کے اعتبار سے لاہوتی اور ملکوتی انوار و برکات کے نزول کا وقت ہے اور جب یہ عمدہ عبادت اس وقت واقع اور نورِ قرآن اور نورِ ایمان ان انوار کے ساتھ مل کر ایک نورانی ستون استوار کریں تو دیکھا جا سکتا ہے کہ پھر نفس کی ظلمت کے قائم اور باقی رہنے کا کیا مقام ہے؟

قیام اللیل کی برکات کا بیان

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ ہر رات جب رات کا پچھلا تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے تو رب تبارک وتعالیٰ (کی رحمت) کا آسمان دنیا کی طرف نزول ہوتا ہے۔ پس فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھے پکارے' میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے تو میں اسے بخش دوں؟ یہ سلسلہ طلوع فجر تک رہتا ہے۔ نیز حدیث شریف میں واد ہے کہ رات میں ایک ساعت ایسی ہے کہ جو مسلمان اس وقت اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی خیرات میں سے کوئی خیر مانگے' اللہ تعالیٰ اسے عطا فرماتا ہے اور یہ ہر رات میں ہے۔

پس وہ وقت بعینہٖ نوکر کے حق میں دربار آقا کا وقت' عاشق کے حق میں جلوۂ معشوق کا وقت' سوداگر کے حق میں خریداری کے بازار کی گرمی کا وقت اور پیشہ ور کے حق میں مزدوری عام ہونے کا وقت ہے کہ تھوڑی سی کوشش سے بہت بڑا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور معمولی سی کوتاہی اور بے توجہی کی وجہ سے بہت بڑی نعمت ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔

حضرت سیدالطائفہ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ سے منقول ہے کہ آپ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا گیا اور حال پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ طاحت العبارات وفنیت الاشارات مانفعنا الارکیعات رکعناها فی جوف اللیل یعنی عبارات اور اشارات ختم' ہمارے کام صرف وہی چند رکعات آئیں جو کہ ہم نے رات میں ادا کیں۔

اور اس وقت کو نزول اور تجلی کے لیے اس وجہ سے خاص فرمایا گیا ہے کہ آدمی کی روح اصل میں عالم پاک سے تھی اور اس میں دنیوی نجاستوں کی کوئی آلائش نہ تھی' اسے عالم قدس وطہارت سے آلائشوں کے اس بازار میں کسب کمال کے لیے بھیجا گیا اور وہ اس عالم سے دُور جا پڑی اور اس جہان میں اسے اپنے پروردگار کے دربارِ عالی سے جو ایک رابطہ تھا' ہاتھ سے نکل گیا۔ ناچار اسے وہ لذت یاد کرانے کے لیے ذات پاک نے خود توجہ فرمائی ہے اور اس کے غم کدہ کو اپنی جلوہ گری کے نور سے منور فرمایا ہے۔ پس اس توجہ اور اس انعام کا وقت ایسا ہونا چاہیے کہ پھر اس روح کو اپنی اصلی حالت کا قرب حاصل ہو اور وہ وقت عالم قدس وطہارت کے مشابہ ہو اور دنیا میں اس وقت کے سوا کوئی وقت اس عالم کے مشابہ نہیں ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دن چونکہ حواس کے اعمال اور اشغال وحرکات کا وقت ہے' آدمی کی سوچ کائنات کے معاشی امور اور کارخانہ دنیا کے انتظام میں مصروف اور سرگرم رہتی ہے اور آدمی مال ومرتبہ کی طلب' اہل وعیال کی خبرگیری اور آقا و مالک کی خدمت میں مستغرق ہو جاتا ہے اور وہ اس جہان سے بہت دُوری پیدا کر لیتا ہے اور رات کے پہلے حصے میں دن بھر کی تھکاوٹ اور کھانے پینے سے پیٹ بھرنے کی وجہ سے بے حواس اور غافل ہو جاتا ہے اور اسے اندرونی غذائی ردی

بخارات پریشان کرتے ہیں اور اس سے متعفن ہوائیں اور غذائی فضلے خارج ہوتے ہیں اور وہ اس حالت میں جانوروں میں سے ایک جانور کی طرح ہے جو کہ دنیائے انسانیت کی طہارت سے کوسوں دُور پڑا ہوا ہے چہ جائیکہ عالم ارواح کی طہارت کے مشابہہ ہو اور جب پچھلی رات کا وقت ہوا اور یہ ساری کدورتیں زائل ہوگئیں اور دن بھر کے فاسد خیالات نیند اور غفلت کے حائل ہونے کی وجہ سے اس کے ذہن سے نکل گئے گویا روح اپنی اصلی حالت پر پہنچ گئی اور اس نے اپنے اصلی جہان کو یاد کیا اس وقت اسے اس لذت کے ساتھ جو کہ اس جہان میں چکھتی تھی اور اس کی خوگر تھی' نواز نا مناسب ہوا۔

وَاَقْوَمُ قِيْلًا اور گفتگو اور بات کرنے میں زیادہ درست ہے۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ دوسرے اوقات کی بہ نسبت رات کے پچھلے حصے میں قرآن پاک کی تلاوت تدبر اور معانی کو سمجھنے کے لیے بہتر ہے اس لیے کہ ذہن صاف ہوتا ہے اور غذا کے بخارات کم رہ جاتے ہیں اور باہر سے حرکات اور آوازیں حواس پر وارد نہیں ہوتیں کہ دل ان کی طرف متوجہ ہو اور معانی سمجھنے سے غفلت کرے اور رات کی تاریکی کی وجہ سے آنکھ بھی اپنے کام سے معطل ہو جاتی ہے اور رنگ اور روشنیاں دیکھنے کی وجہ سے دل کو پریشان نہیں کرتی اسی لیے اس وقت شعراء شعر کہتے ہیں یا علمائے کرام کتابوں کے مطالعہ میں جو غور و فکر کرتے ہیں' تقریباً درست ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ سحری کے وقت کا خواب اکثر درست نکلتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں بھی وارد ہے کہ اصدق الرؤیا بالاسحار یعنی سحری کے وقت کا خواب اکثر سچا ہوتا ہے اور رات کے وقت کی انہیں خصوصیات کے پیش نظر حدیث شریف میں وارد ہے کہ علیکم بقیام اللیل فانہ داب الصالحین قبلکم وقربۃ الی ربکم ومکفرۃ للسیئات ومنھاۃ عن الاثم یعنی رات کا اُٹھنا لازم کرو اس لیے کہ یہ عبادت قدیم سے نیکوں کی ریاضت ہے کہ انہوں نے عبادت کے لیے اس وقت کو بہترین سمجھ کر معمور کیا ہے اور تمہارے پروردگار کے حضور قرب کا ذریعہ ہے اس لیے کہ اس وقت تجلی الٰہی کا آسمان دنیا پر نزول ہوتا ہے اور تمہارے گناہوں کا کفارہ بھی ہے اس لیے کہ اس وقت کے انوار قرآن و نماز کے انوار کے ساتھ مل کر تمہارے بُرے اعمال کی

ظلمانی کیفیتوں کو کہ جنہوں نے تمہارے نفس کو تاریک کر دیا ہے دُور کر دیتے ہیں۔ نیز تمہیں گناہ سے مانع ہوتا ہے اس لیے کہ تمہارا لطیفۂ عقل دوسرے خیالات سے فارغ ہونے کی وجہ سے قرآن پاک کے معنوں میں زیادہ اچھے طریقے سے تدبر کرتا ہے اور پورے طور پر نصیحت قبول کرنے اور باز آنے کا موقع ملتا ہے اور لطیفۂ قلب اس وقت کی صفائی کی وجہ سے انس و مناجات کی نورانی کیفیت سے زیادہ لبریز ہوتا ہے اور اس کیفیت کو پورا رسوخ حاصل ہو جاتا ہے اور یہ رسوخ ارتکاب گناہ سے مانع ہوتا ہے۔

اور اگرچہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس کاملہ اور ارواح قدسیہ کے لیے ان کی صاف استعداد کے پیش نظر ان فوائد اور منافع حاصل کرنے میں دن اور رات برابر ہیں لیکن دن کے اوقات مختلف قسم کی عبادات اور طاعات سے معمور ہیں اس میں ایک کیفیت اور ایک حالت کا خالص ہونا صورت نہیں پکڑتا۔ چنانچہ فرمایا ہے:

اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا تحقیق آپ کے لیے دن میں طویل شناوری کرنا اور مختلف قسم کی عبادتوں میں مصروف ہونا ہے اور آپ کو ہم صحبت اور ہم کلام ہونے اور مناجات و سرگوشی کی محفل سجانے کی فرصت نہیں۔

سید الکونین رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کی روزانہ مصروفیات

اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر کے بعد سے اشراق تک اپنی جائے نماز میں ذکر و فکر میں مشغول رہتے اور آپ نے اس وقت اور عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک حضرت خضر علیہ السلام کے مسبعات عشر پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اور اشراق کے بعد چاشت تک دوسری عبادات میں مصروف رہتے جیسے بیماروں کی مزاج پرسی' مسلمانوں کے جنازوں کے ساتھ چلنا' مسلمان حاجت مندوں کی امداد' طالب علموں کو تعلیم دینا' طالبان رشد و ہدایت کو راہِ خدا کے سلوک کی ہدایت دینا' فتویٰ طلب کرنے والوں کو فتویٰ دینا' معاملات کو سلجھانا اور کفار کے ساتھ جہاد اور لڑائی کی مہموں کی تدبیر کرنا اور چاشت کے بعد حرم سرا میں تشریف لے جاتے اور اہل و عیال کی خبر گیری فرماتے کہ یہ بھی عبادات ہی کی ایک قسم ہے پھر چاشت کا کھانا تناول فرماتے اور قیلولہ یعنی دوپہر کو آرام فرماتے جب

سورج ڈھل جاتا تو اُٹھتے اور طہارت اور وضو یا غسل میں مصروف ہو جاتے اور فیئ الزوال کی نماز ایک سلام کے ساتھ چار رکعت ادا فرماتے اور جب ظہر کی اذان ہو جاتی تو باہر تشریف لاتے اور مسجد مبارک میں ظہر کی سنت وفرض کی ادائیگی میں مشغول ہو جاتے۔

اور ظہر کے بعد عصر تک دعوت' تعلیم' ارشاد' افتاء اور مقدمات کے فیصلے کرنے میں مصروف رہتے یہاں تک کہ نمازِ عصر ادا فرماتے اس کے بعد پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر ذکر وفکر میں مشغول بیٹھے رہتے اور مغرب کے فرض' سنتیں اور نوافل ادا کرنے کے بعد حرم سرا میں داخل ہوتے اور پھر اہل وعیال کی خبر گیری میں مصروف ہو جاتے اور اپنے مہمانوں اور زیارت کے لیے آنے والوں کو کھانا کھلانے کی طرف متوجہ ہوتے اور اگر مالِ دنیا کی جنس سے کوئی چیز گھر میں رہ جاتی' اسے جلد مستحقین تک پہنچا دیتے تا کہ آپ کے آستانہ کرم میں دنیا کا مال رات نہ گزارے' اس کے بعد خود رات کا کھانا تناول فرماتے اور اپنے جانوروں کے چارے اور راتب کے متعلق خبر گیری فرماتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی جانور بے زبان بھوکا اور پیاسا رہ گیا ہو۔

اس کے بعد طہارت اور وضو کر کے نمازِ عشا کے لیے مسجد میں جلوہ افروز ہوتے اور نمازِ عشا کے بعد وتر چھوڑ دیتے تا کہ پچھلی رات ادا کریں اور خواب گاہِ ناز میں رونق افروز ہو کر چار رکعت نماز نفل ادا کر کے تسبیحات' تکبیرات' تکبیر اور تحمیدات بجالا کر قرآن پاک کی چند سورتیں جن میں سے سورۂ زمر' سورۂ اسرا' چھ مسبحات (سورۂ الحدید' سورۂ حشر' سورۂ الصف' سورۂ الجمعہ' سورۂ التغابن اور سورۂ الاعلیٰ) سورۃ اخلاص' سورۃ فاتحہ' معوذتین (آخری دو سورتیں) اور سورۂ ملک ہیں' پڑھ کر آرام فرماتے۔

پس اوقات کی اس مصروفیت میں اس گنجائش کا کیا امکان تھا کہ آپ خود کو اس عظیم مجاہدہ میں اتنی مدت تک مصروف رکھیں اور اس کے باوجود فرمایا گیا ہے کہ اگرچہ دن میں آپ کو قسم قسم کی عبادات میں مصروفیت درپیش ہے لیکن اپنے اس وقت کو اس عظیم مجاہدے سے خالی اور معطل نہ رکھیں جو کہ حجاب اُٹھانے اور قرب اور کشش میں بہت مؤثر ہے اور وہ کسی عبادت اور کسی مصروفیت سے مزاحمت نہیں رکھتا بلکہ تمام اشغال وعبادات کو رونق

بخشتا ہے۔

ذکر خداوندی کی مختلف اقسام

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اور اپنے پروردگار کو ہمیشہ یاد کیجیے ہر وقت اور ہر کام میں اور ہر عبادت کے ساتھ خواہ اس کے دوران خواہ اس کے اوّل و آخر میں' خواہ زبان کے ساتھ' خواہ دل کے ساتھ' خواہ روح کے ساتھ' خواہ سر کے ساتھ' خواہ خفی کے ساتھ' خواہ اخفیٰ کے ساتھ' خواہ نفس کے ساتھ' خواہ دن میں' خواہ رات میں' لسانی ذکر خواہ جہر کے ساتھ ہو خواہ آہستہ۔ پروردگار کا نام بھی خواہ اسم ذات ہو یا اسم اشارہ جو کہ ھو ہے یا اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم جسے سالک کے نفس اور اس کے وقت اور حال کے ساتھ مناسبت زیادہ ہو۔

چنانچہ حضرت شیخ ابوالنجیب سہروردی بغدادی قدس سرہ سے منقول ہے کہ جب بھی اس راہ کا کوئی طالب آپ کی خدمت میں آتا تو آپ پہلے اسے ایک چلہ یا دو چلوں کا حکم دیتے اس کے بعد اسے اپنی خدمت میں بٹھا کر اس پر ننانوے (۹۹) اسمائے حسنیٰ پڑھتے اور اپنی نظر اس کے چہرے پر مرکوز رکھتے اگر اسمائے الٰہی میں سے کسی اسم کے ساتھ اس کے چہرے میں کوئی تبدیلی اور اضطراب پیدا ہوتا تو فرماتے تیری فتوح اس اسم مبارک پر ہوگی اور اسے اس اسم کے ذکر کی تلقین فرماتے اور اگر ان اسمائے حسنیٰ میں سے کسی اسم کی وجہ سے اس کے چہرے میں کوئی تبدیلی اور اضطراب پیدا نہ ہوتا تو فرماتے کہ نیکوں کی راہ اختیار کر اور تجارت' زراعت اور حرفت میں مشغول رہ کہ تو قرب و جذب کی راہ کے سلوک کی استعداد نہیں رکھتا۔ اور خواہ پروردگار کا اسم نرا اکیلا ہو یا تہلیل کے ضمن میں جو کہ نفی و اثبات ہے یا تسبیح' حمد' تکبیر' لاحول اور دوسرے مسنون اذکار کے ضمن میں ہو۔

اور خواہ ذکر کی کیفیت ایک ضربی ہو یا دو ضربی یا اس سے زیادہ' خواہ حبس نفس کے ساتھ ہو' خواہ حبس نفس کے بغیر ہو' خواہ برزخ کے بغیر' خواہ برزخ کے ساتھ' خواہ سہ رُکنی ہو' خواہ سات رُکنی' خواہ ان شرائط کے ساتھ ہو جو کہ شد' مد' تحت' فوق' محاربہ' مراقبہ' محاسبہ' مواعظہ' تفہیم اور حرمت ہیں' خواہ ان شرائط کے بغیر ہو اس کے علاوہ دیگر خصوصیات جنہیں اہلِ طریقت کے ماہرین نے نکالا ہے اور مذکورہ خصوصیات کی دوشقوں سے ایک کا

تعین شیخ و مرشد کی صوابدید کے سپرد ہے کہ حسب حال جسے زیادہ بہتر جانے' تلقین فرمائے اور ایک خصوصیت سے دوسری خصوصیت کی طرف منتقل کرے اور پھیرے جیسا کہ ایک دوسری آیت میں فرمایا ہے۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ کوئی لمحہ اور سانس غفلت میں نہ گزرے اور کوئی مصروفیت اور کوئی عمل اس یاد سے باز نہ رکھے جیسا کہ ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا ہے: لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ اور اگر اس بات کا خوف ہو کہ کسی مصروفیت اور عمل کی وجہ سے یادِ حق سے باز رہے گا تو اس مصروفیت اور کام کو اپنے سے دُور کر دے۔

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ اور ہر اس عمل سے جو تجھے یادِ حق سے باز رکھے' اپنے پروردگار کی طرف اسے یاد کرنے کے ساتھ منقطع ہو جا۔ تَبْتِيْلًا اپنی طرف سے اختیار کے ساتھ اس مصروفیت اور عمل کا تعلق قطع کر کے۔ اس لیے کہ اس عمل اور مصروفیت کا تعلق قطع کیے بغیر اپنی طرف سے منقطع ہونا بسا اوقات ظلم اور ناجائز ہو جاتا ہے۔ مثلاً نوکر جو کہ نوکری کا تعلق قطع کیے بغیر اپنے مالک کی خدمت سے باز رہے اور منقطع ہو جائے یا مرد جو کہ تعلق نکاح کو قطع کیے بغیر بیوی کی صحبت' اس کی دل جوئی اور اس کے نان ونفقہ کی کمائی سے منقطع ہو یا باز رہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور اس قید کی طرف اشارہ کرنے کے لیے تبتیلاً لایا گیا اس لیے کہ اس قسم کے انقطاع کو بیان کرنا منظور ہے جو کہ اس تعلق کو قطع کرنے سے حاصل ہو نہ کہ انقطاع کی تاکید تاکہ تبتلاً فرمایا جائے۔

اس قسم کے تبتیل اور انقطاع کا فائدہ

اور اس قطع و تبتیل کا پہلا فائدہ عین ذکر میں ہے کہ ماسویٰ اللہ کے خیالات دل میں نہ کھٹکیں اور ذکر کا مقصد حاصل ہو اور خیالات کے کھٹکنے سے ذکر' ذکر نہیں رہتا اور مذکور کی طرف خالص توجہ کا موجب نہیں ہوتا تاکہ جذب اور قرب کا ثمرہ حاصل ہو۔

دوسرا فائدہ ذکر کے اثر کے باقی رہنے میں ہے کہ ایک امر پر بے حد توجہ کی وجہ سے گزشتہ امر پر توجہ کا اثر زائل ہو جاتا ہے اور دوسرے وساوس کی طرح یہ کام ہوتا ہے۔

اور تیسرا فائدہ عبادات کو پورا کرنے میں دل کا فارغ ہونا شرط ہے اور مخلوق کے ساتھ تعلق

رکھنا ایک مضبوط رکاوٹ ہے اور چوتھا فائدہ بہت سے گناہوں سے خلاصی کا موجب ہے جیسے ریاء' غیبت' بدعت' خوشامد' بُرائیوں اور بدعتوں کو دیکھنا اور بُرے ساتھی کی صحبت سے متاثر ہونا۔ پانچواں فائدہ ماسویٰ اللہ کی محبت کی نفی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اس کی محبت کو دل میں زیادہ کرتا ہے۔ پس یہ صحت کی دوا کے استعمال سے پہلے تنقیہ کا حکم رکھتا ہے جو کہ شرط ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ دنیوی تعلقات سے تبتیل وانقطاع ذکر وسلوک کی ابتدا میں شرط ہے جبکہ انتہا میں جبکہ استغراق واختلاط کے اجتماع کی قوت حاصل ہوتی ہے' شرط نہیں ہے بلکہ اختلاط تبتیل سے بہتر ہو جاتا ہے اس لیے کہ یہ علم سیکھنے سکھانے' ادب سیکھنے سکھانے' ارشاد ونصیحت اور رعایت حقوق کا باعث اور ان عبادات کے ثواب حاصل کرنے کا موجب جو کہ باہمی میل جول پر موقوف ہیں جیسے بیمار کی عیادت' جنازہ کے ساتھ چلنا' حاجت مندوں کی مدد کرنا' قریبیوں کے ساتھ نیکی کرنا' مخلوق کی جفا پر تواضع اور صبر وتحمل' مساکین اور مہمانوں کی خدمت اور صدقات' خیر کی صورتوں میں خرچ کرنے اور مسجدوں اور سراؤں کی تعمیر کے لیے مال کمانے کا سبب ہوتا ہے اور بعض فقہاء نے واذکر اسم ربک کو تکبیر تحریمہ پر اور تبتیل کو تکبیر تحریمہ کے لیے ہاتھ اُٹھانے پر محمول فرمایا ہے اس لیے کہ نماز کے آغاز میں دونوں ہاتھ اُٹھانا اس بات کا اشارہ ہے کہ میں دو عالم سے ہاتھ کھینچ کر یادِ خدا میں مشغول ہوا اور بعض صوفیاء نے تبتیل کو ذکر کے وقت ماسویٰ اللہ کی نفی پر محمول فرمایا ہے۔

اس انقطاع اور تنہا نشینی کا طریقہ

اور اس تبتیل یعنی انقطاع کا طریقہ یہ ہے کہ تاریک کمرے میں بیٹھ جائے اور اپنے سر کو لپیٹ لے اور اپنی آنکھیں بند کر لے اور زبان کو ذکر کے علاوہ خاموش رکھے اور اس وقت معدہ خالی رکھے اور بھوکا رہے لیکن حد سے گزرے بغیر اور بے دار رہنا اختیار کرے' کھانا کم کرنا ضروری سمجھے اور ان دونوں امور کا دل کو منور کرنے میں پورا دخل ہے اس لیے کہ کھانا کم کھانا خون دل کو کم کرتا ہے اور بے دار رہنا دل کی چربی کو پگھلاتا ہے اور کسی

شخص کو اپنا پابند کرے جو کہ روزی اور لباس کی ضروریات سرانجام دے اور روزی میں احتیاط کرے کہ حلال طریقے سے ہو اور استقبال قبلہ' طہارت اور حضور دل کے ساتھ فرائض اور موکدہ سنتوں کی ادائیگی اور ذکر دائمی میں مشغول ہو۔ پہلے زبان کے ساتھ ذکر کرے حتیٰ کہ زبان کی حرکت گر جائے اور بے اختیار ذکر جاری ہو اور اس کے بعد دل کا تخیل ذکر کرے یہاں تک کہ حروف بھی درمیان میں نہ رہیں اور صرف معنی ہی ذہن میں راسخ ہو جائے اس کے بعد گنتی منقطع ہو جائے اور ذکر حالات میں سے ایک حالت ہو جائے اور اس وقت محبت قویہ پیدا ہو اور مذکور کو بالکل فراموش نہ کر سکے پھر ظاہری اور باطنی طور پر تمام اشیاء سے غائب ہونا رونما ہو یہاں تک کہ اپنے نفس اور صفاتِ نفس سے بھی غائب ہو جائے اور اس مرتبہ کو قرب کہتے ہیں پھر نوبت یہاں تک پہنچے کہ ذکر سے بھی غائب ہونا رونما ہو اور صرف مشہود و مذکور باقی رہ جائے اور یہ فنا کی سرحد ہے اس کے بعد کیفیت و قیاس کے بغیر اپنے محبوب کے ساتھ ایک وصال حاصل ہو جائے اور بقاء یہی ہے اور اس مرتبہ میں اسے شاہ ولی واصل کا خطاب دیا جا سکتا ہے اور اس سے پہلے طالب' مرید' شوقین اور تلاش کنندہ کہا جا سکتا ہے۔

اور جب یہاں ایک شبہ کا گمان تھا کہ کسی کے خیال میں گزرے اور اس شبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیوی تعلقات کو قطع کرنا باوجودیکہ یہ دارالحیوۃ دنیا ہے' کس طرح متصور ہو سکتا ہے اور دنیوی آلائشوں سے تعلق کے باوجود ماسوی سے غفلت اور حضرت حق جل جلالہ کی طرف خالص توجہ کس طرح ممکن ہوگی اس شبہ کو دور کرنے کی طرف توجہ فرمائی جاتی ہے کہ دنیا میں افعالِ الٰہی کی طرف نظر کیجیے اور ہر شب و روز میں دنیوی آلائشوں سے تعلق اور آلائشوں سے انقطاع کا تماشا کیجیے اس لیے کہ حق تعالیٰ

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ مشرق و مغرب کا پروردگار ہے اور اس نے مشرق کو علائق دنیوی کی یاد دلانے کے لیے بنایا ہے جبکہ مغرب کو علائق دنیوی سے منقطع ہونے کے لیے مقرر کیا ہے۔ یعنی کہ سورج کا نور مشرق سے اٹھا' تاجر کو بازار اور دکان کا تعلق یاد دلا کر [illegible] اپنی حرفت و صنعت کے آلات کا' نوکر کو اپنے آقا کے دربار کا' کاشت کار کو

نہ اپنے ہل‘ بیل اور کھیتی کا‘ باغبان کو اپنے لگائے ہوئے پودوں کا‘ باپ کو بیٹے کا‘ ماں کو بیٹی کا‘ غلام اور لونڈی کو اپنے مالک کا‘ بیٹے کو اپنے باپ کا‘ بیوی کو اپنے شوہر کا تعلق یاد آیا اور اس تعلق کے احکام ظاہر ہونا شروع ہو گئے‘ مسافر کو راستہ چلنے کی فکر دامن گیر ہوئی‘ ملاح اور رہنما نے کام شروع کر دیا‘ کمائی کرنے والے کے دل میں کمانے کی طمع نے جوش مارا اور سوداگر کو خریدار کی تلاش نے پریشان کر دیا یہاں تک کہ سورج نے مغرب کا رُخ کیا‘ یہ تمام تعلقات آہستہ آہستہ ٹوٹنا شروع ہو گئے۔ لوگ کھیتوں‘ دُکانوں اور بازاروں سے اور مسافرین راستہ سے بھاگ سے گھروں میں داخل ہو گئے اور نوکر دربار سے واپس آ گئے اور اس وقت تمام بیرونی رابطے منقطع ہو گئے مگر گھر والوں اور گھر کا رابطہ باقی رہ گیا جب کھانے پینے سے فارغ ہوئے تو گھر کے اکثر سامان اور خدمت گزاروں سے علاقہ نہ رہا مگر بیوی اور اولاد کے ساتھ اور جب بستر پر دراز ہوئے تو بیوی کے سوا کسی سے تعلق نہ رہا اور جب سو گئے تو وہ علاقہ بلکہ روح کا علاقہ بھی بدن کے ظاہر سے منقطع ہو گیا‘ اپنے اعضاء کی حس و حرکت بھی روح کے اختیار میں نہ رہی‘ کسی اور چیز کا کیا اختیار ہو گا۔ پس اس وقت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا تماشا کیجیے کہ انہیں دنیا میں زندہ بھی رکھتا ہے اور وہ کسی چیز کے ساتھ علاقہ بھی نہیں رکھتے‘ اپنے آپ کو اپنی عمر کے تمام اوقات میں اسی طرح بے اختیار سمجھو اور کسی چیز کے ساتھ تعلق نہ رکھو اس لیے کہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ آپ کا ذکر و عبادت میں معبود وہی ہے کہ علائق منقطع کرنا اور انہیں ثابت کرنا اس کی ربوبیت کی شانوں میں سے ایک شان ہے جب وہ آپ کو تبتیل اور قطع علائق کا حکم دیتا ہے تو کسی اور کے لیے فکر و اندیشہ کا کیا مقام ہے۔

خدا خود میر سامان است سر کار توکل را

یعنی توکل کی دنیا کے تمام امور کا خود انتظام فرماتا ہے۔

اور بعض عارفوں نے کہا ہے کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ اے مخاطب اگر اسباب اور وسائل کے باوجود تجھے تبتیل اور تعلقات کو قطع کرنا مشکل ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھ جو کہ مشرق و مغرب کا پروردگار ہے کہ اسے اشیاء میں ظہور بھی ہے اور اشیاء میں بطون بھی

ہے اور اگر اشیاء میں اس کا ظہور و بطون ایک ساتھ نہ ہوتا تو اشیاء کے وجود کی کوئی صورت نہ ہوتی اس لیے کہ لا الہ الا ہو یعنی موجود حقیقی اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے تو اگر وہ دن میں ظاہر نہ ہوتا تو اشیاء قطعاً وجود میں نہ آ سکتیں اور اگر کلی طور پر ظاہر ہوتا تب بھی اشیاء موجود نہ ہو سکتیں لہٰذا اس نے ظہور کو بطون کے ساتھ ملایا ہے اور جس طرح سایہ سورج کے بغیر نہیں ہوتا اور سورج کے ساتھ بھی نہیں ہوتا' سورج کو سایہ کے وجود میں دو وجہ سے دخل ہے۔ از رہ ظہور بھی اور از رہ بطون بھی اسی طرح اسباب اور وسائل اپنے ظلی تحقق کے باوجود اس کے بغیر اپنی ذات میں موجود نہیں۔ پس اس معنی کا لحاظ کرنا تیری نظر میں اسباب اور وسائل کو مستقل وجود نہیں دیتا اور جب اسباب اور وسائل درمیان سے اُٹھ گئے اور تعلقات کلی طور پر منقطع ہو گئے۔

فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا پس اپنے پروردگار کو کارساز بناؤ اور اسے اپنی ضروریات کا کفیل قرار دو اور بے پرواہ ہو جاؤ' اپنے سے علائق کے منقطع ہو جانے کی وجہ سے تشویش نہ کرنا اور یہاں کلمہ فاء کو لانا جو کہ مہلت کے بغیر تعصیب کے لیے ہے اس بات کے اشارہ کے لیے ہے کہ علائق منقطع ہونے کے بعد بغیر تاخیر کے یہ کام کیجیے اور توکل اختیار کیجیے اور تجربہ و امتحان کا انتظار ہرگز نہ کرنا اس لیے کہ عیاں ہونے کے بعد تجربہ اور امتحان کا کون سا مقام ہے؟

ایک قوی شبہ

یہاں ایک قوی شبہ باقی رہ گیا اور وہ یہ ہے کہ اس شان والوں کے نزدیک توکل کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے پروردگار پر ایسا اعتماد حاصل ہو جائے جیسے موکل کا کسی وکیل پر کہ اس کی شفقت اور خیر خواہی کو بھی یقینی طور پہ جانتا ہے اور اپنے کام سرانجام دینے پر اس کے قادر ہونے پر بھی پورا اعتقاد رکھتا ہے اور اسے اپنی ضروری حاجتوں کو پوری طرح جاننے والا اور واقف کار شمار کرتا ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ بندے کو اپنے پروردگار پر ایسا اعتماد حاصل ہو جیسا بچے کو اپنی ماں پر ہے اور یہ مرتبہ پہلے مرتبہ سے اعلیٰ ہے اس لیے کہ پہلے مرتبے میں اپنے اعتماد پر ایک توجہ ہوتی ہے اور

موکل کے ذہن میں بار بار آتا ہے کہ میں نے یہ کام فلاں کے سپرد کیا ہے' وہ ضرور سرانجام دے گا' اس کی کیا ضرورت کہ میں خود توجہ کروں بخلاف بچے کے کہ اسے اپنی ماں میں ایک ایسا استغراق حاصل ہے کہ اپنے اعتماد پر نظر کرنے سے غافل ہو گیا ہے اور اسی لیے موکل اس کام کی اپنے ذہن میں تدبیر کرتا ہے جبکہ بچہ تدبیر نہیں کرتا جس طرح کہ اسباب میں بھی مصروف نہیں ہوتا۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ درمیان میں کوئی اعتماد اور استغراق نہ ہو بلکہ غسال کے ہاتھ میں میت کی طرح واقع ہو اور خود کو اس کام میں قطع دخل نہ دے حتیٰ کہ اس مرتبے میں سوال بھی نہیں کرسکتا۔ بخلاف دوسرے مرتبے کے کہ اس میں سوال کا دروازہ کھلا تھا جیسا کہ ماں سے سوال کرنا بچے کی عادت ہے اور یہ تیسرا مرتبہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمایا گیا تھا اسی لیے جس وقت کفار آپ کو آگ میں ڈال رہے تھے اور جبرئیل علیہ السلام آئے اور انہوں نے کہا کہ اپنے پروردگار سے دعا کیجیے تا کہ آپ کو اس پریشانی سے نجات بخشے۔ آپ نے فرمایا حسبی من سؤالی علمه بحالی یعنی اس کا میرے حال کو جاننا مجھے سوال کرنے سے کافی ہے۔

تو یہاں اس شان کے اولوالعزم پیغمبر علیہ السلام کو توکل کے پہلے مرتبے کا نشان کیوں دیا گیا اور آپ کو اونچے مرتبوں کا پتہ کیوں نہ دیا گیا اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس سورۃ میں ابتدا سے انتہا تک مقامات سلوک کو اس انداز سے پورا کیا گیا ہے کہ مبتدی اور منتہی دونوں کے کام آئے جیسا کہ گزرا اور اگرچہ مخاطب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں لیکن پیش نظر اُمت کو حکم دینا ہے اور جب توکل کی ابتدا اسی مرتبہ سے ہوتی ہے اور اس سے ترقی کر کے آہستہ آہستہ ان دو مرتبوں تک پہنچتے ہیں تو ناچار پہلے اسی مرتبہ کی دلالت فرمائی گئی کہ اس مرتبہ پر قائم رہنے کی وجہ سے ان دو مرتبوں تک خود بخود رسائی حاصل ہو جائے گی۔ نیز حضرات انبیاء علیہم السلام کا کمال' محویت تمام کائنات کے ملاحظہ' بیداری اور ہوشیاری کے مقام سے پیدا ہونے والا ہے' وہ اسباب اور مسببات کے کارخانہ کو بڑے بڑے کاموں کی مشیت اور اپنے محبوب بندوں کے ارادے کے مطابق مرادیں

حاصل کرنے میں وکالت کے طور پر تولیت الٰہی کو نظر میں رکھتے ہیں اور فی الواقع بات بھی یوں ہی ہے۔ پس گہرے غور وفکر کے مطابق کمال حقیقی اسی پہلے مرتبہ میں ہے جبکہ دوسرے دو مرتبوں میں سوائے سکر' غلبۂ استغراق اور واقعی نفس الامری نظام سے ذہول کے کوئی مرتبہ نہیں اور یہ مرتبہ کمالات ولایت میں معتبر ہے نہ کہ کمالات نبوت میں۔

یہی وجہ ہے کہ بچے کا ماں پر اعتماد اور مردے کا اپنے آپ کو غسال کے سپرد کرنا عقل والوں کے نزدیک اتنا اعلیٰ نہیں ہے۔ بخلاف موکل کے اپنے امور کو وکیل مطلق کے سپرد کرنے کے اور حضرت خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ جو حسبی من سوالی علمه بحالی فرمایا تدبیر سے ذہول کے طریقے سے نہ تھا بلکہ تسلیم کے طور پر تھا اور علمہ بحالی توکل کے پہلے مرتبے پر صریح دلالت کرتا ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔

اور جب راہِ خدا کے سلوک کی شرائط اور خرقہ پوشی کے لوازم سے فراغت ہوئی تو اب فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کو جو اس سب ریاضت' مجاہدہ اور تبتیل کے ساتھ مخلوق کو حق کی طرف دعوت دینے' ناقصوں کی تکمیل' گمراہوں کی ہدایت اور طالبوں کے ارشاد کے لیے مقرر فرمایا ہے اور اسی طرح اسے جو آپ کی وراثت اور نیابت کے طریقے سے یہ منصب پائے' چاہیے کہ ایک اور چیز بھی اپنے اوپر لازم کریں اور وہ جفائے خلق کو برداشت کرنا ہے اور تبتیل میں ان کاموں سے باز نہ رہیں اور اس منصب والوں کو اس راہ کے منکرین اور معاندین زیادہ تر طعن و تشنیع اور تعریض و کنایہ کے ساتھ پیش آتے ہیں اور مختلف قسم کی زبانی ایذائیں پہنچاتے ہیں' ان ایذاؤں کو برداشت کرنے میں ثابت قدم رہیں۔

وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ اور اس پر صبر کیجیے جو کہ آپ کے منکر اور معاند کفار' منافقین اور فاسقین کہتے ہیں کہ وہ اس راہ سے طبعی طور پر نفرت رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس راہ کے مسافروں کو لوگوں کی نظر میں حقیر کر دیں اور نیت کی خرابی' باطنی طمع اور ریاکاری ان کی طرف منسوب کریں خصوصاً وہ شخص جو ان سے تعلقات منقطع کرتا ہے' مخلوق کی طرف سے اس پر زیادہ طعن و تشنیع کی جاتی ہے اور اس کے اقارب' دوست اور اہلِ حقوق بھی اس سے نفرت کرتے ہیں اور اسے غیر ذمہ داری' بے مروتی' عاجزی' کاہلی

اور کبھی خودداری' غرور اور تکبر کے ساتھ متہم کرتے ہیں۔ پس ان کی زبانی ایذاء پر صبر کرنا تبتیل کے شرائط اور لوازمات میں سے ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ معاندین اور حاسدین کی زبانی ایذاء تین قسم کی ہوتی ہے۔ پہلی یہ کہ اس شخص کے معبود' پیر' استاد اور مرشد کے بارے زبان طعن دراز کریں اور یہ سب سے زیادہ شدید قسم ہے۔ دوسری یہ کہ خصوصیت کے ساتھ اس شخص کے بارے میں طعن کریں۔ تیسری یہ کہ اس کی اہلیہ' اولاد' احباب اور دوستوں کے بارے میں طعن کریں کہ ان مذکورہ تعلقات کی وجہ سے ان کے بارے میں طعن بے حد دُکھ اور تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اُمت کے کافروں' منافقوں اور بدمذہبوں کے ہاتھوں تینوں قسم کی زبانی ایذاء رسانی انتہا کو پہنچ گئی۔ بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ ایک یا دو قسم کی تکلیف میں مبتلا ہوتے تھے۔ پہلی قسم سے یہ ہے کہ کفار حضور علیہ السلام کو تکلیف دینے کے لیے بارگاہِ خداوندی میں بے ادبیاں کرتے تھے جنہیں سُن کر جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے' ان میں سے بعض کہتے کہ خدا تعالیٰ کے اہل وعیال ہیں' بعض کہتے کہ شیطان خدا پر غالب آ جاتا ہے اور مخلوق کو گمراہ کرتا ہے اور بعض طنز کرتے ہوئے بکتے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خدا کہتا ہے کہ میرے محتاج بندوں کو کھانا کھلاؤ اور زکوٰۃ دو تو معلوم ہو وہ فقیر ہے اور ہم غنی۔ علاوہ ازیں اور کفریات بھی بکتے تھے۔

اور قرآن مجید کے بارے میں بھی عجیب فاسد گمان اور ناپاک خیالات ظاہر کرتے تھے اور احکامِ شریعت اور حضور علیہ السلام کے دین کے بارے میں بھی بے سروپا شبہات کے ساتھ اعتراض کرتے اور بعض کہتے کہ لولانزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ یعنی اگر یہ قرآن کلامِ الٰہی ہے تو ایک بار ہی کیوں نازل ہوا۔ شعر سوچنے کی طرح کہ ایک دن غزل' ایک دن رباعی اور ایک دن قطعہ موزوں ہوا' کیوں نازل ہوتا ہے اور بعض کہتے کہ لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ یعنی ہم اس قرآن اور جو اس سے پہلے ہے' پر ایمان ہرگز نہیں لائیں گے۔ بعض جادو کہتے تھے' بعض کاہن کا قول قرار دیتے تھے' بعض بہتان اور جھوٹ شمار کرتے تھے' بعض ہذیان اور جنون سمجھتے تھے اور ذبح کیے ہوئے

جانور کے حلال اور مردار کے حرام ہونے پر اعتراض کرتے کہ اپنے مارے ہوئے کو کھانے اور خدا کے مارے ہوئے کو نہ کھانے کا کیا معنی؟ علیٰ ہذا القیاس اور جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں یہودی کئی قسم کی گستاخیاں کرتے اور غالی رافضیوں کا ایک فرقہ جن کا لقب غرابیہ ہے' حضرت جبرئیل علیہ السلام پر (العیاذ باللہ) لعنت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی سے وحی پھیر کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دی جیسا کہ ان کا کہنے والا کہتا ہے بیت جبرئیل کہ آمد ز بر قادر بیچوں در پیش محمد شد مقصود علی بود

دوسری قسم یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر' شاعر' کذاب اور مجنون کہتے اور اس سب کچھ کے باوجود ہجو کرتے ہوئے مذمم کہتے اور آپ کو ابن ابی کبشہ کہتے یعنی اپنے جد رضائی کا بیٹا ہے اور اس نے اسی کی خو بو حاصل کی ہے اور اپنے آباء و اجداد کے طریقے سے پھر گیا ہے گویا ان کی اولاد سے نہیں ہے۔ نیز کہتے کہ یہ پیغمبر فقیر اور غریب کیوں ہے؟ مالھذا الرسول یاکل الطعام ویمشي في الاسواق لولا انزل اليه ملك فيكون معه نذيرا اويلقى اليه كنز اوتكون له جنة ياكل منها اور اگر کبھی چند روز وحی نہ آتی تو زبان طعن دراز کرتے اور کہتے کہ ودعه ربه وقلاه اسے اس کے رب نے چھوڑ دیا اور ناپسند قرار دیا۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجو میں شعر کہتے اور گانے والی اور رقص کرنے والی عورتوں کو سکھاتے کہ وہ مجالس و محافل میں طبل اور سرنگی پر گائیں اور تیسری قسم یہ ہے کہ مدینہ شریف میں منافقین اور فاسقین اور خیبر' فدک' نضیر اور قریظہ کے یہودی ہر روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب و اقارب کی طعن و تشنیع میں نئی نئی باتیں کرتے تھے یہاں تک کہ حضورِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طاہر و مطہر حرم پاک کو معاذ اللہ بُرائی کی طرف منسوب کیا اور حضور علیہ السلام کے وصال مبارک کے بعد اُمت کے منافقوں نے آپ کے صحابہ کبار اور اہلِ بیت اطہار علیہم الرضوان کو دنیا طلب' ظالم اور غاصب قرار دیا اور ان بدبختوں کی مجموعی بکواس کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متوسلین' مصاحبین اور قریبیوں میں سے کوئی بھی شاید راہِ حق پر رہا ہو اور سب کے سب معاذ اللہ

یک قلم مرتد ہو گئے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد کہ ما اوذی نبی مثل ما اوذیت یعنی جتنا مجھے ستایا گیا' کسی نبی علیہ السلام کو نہیں ستایا گیا' بالکل ظاہر ہو گیا اور آپ نے اس سب جفا کے باوجود اسے برداشت فرمایا اور دعوت الخلق الی الحق اور ان کے ارشاد و ہدایت سے دست بردار نہ ہوئے۔

اللھم صل علیه واجزه عنا افضل ما جازیت نبیا عن امته.

اور وہ جو کہا گیا کہ رسول دشمن کا خیر خواہ ہے۔ گویا اسی رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال کا بیان ہے اور حضور علیہ السلام کی طرف سے یہ سب اس امر الٰہی کی پیروی تھی کہ آپ کو صبر کا حکم دیا گیا اور دشمنی رکھنے سے باز رکھا یہاں تک کہ حکم دیا گیا کہ اگر آپ سے ان کے ساتھ رہتے ہوئے ان کی ایذاء رسانی پر صبر ممکن نہ ہو تو ان کی صحبت سے کنارہ کشی فرمائیں۔

وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا اور ان کی صحبت کو ترک کر دیں لیکن انہیں چھوڑنا اچھا ہو۔

ہجر جمیل کی حقیقت

کہ جس میں تین چیزیں ہوں۔ پہلی چیز کہ بظاہر انہیں چھوڑ دیں لیکن باطنی طور پر ان کی صحبت کی طرف مائل رہیں اور ان کی خبر گیری کرتے رہیں کہ وہ کیا کرتے اور کیا کہتے ہیں اور مجھے کس طرح یاد کرتے ہیں۔ دوسری چیز یہ کہ ان کی بدسلوکی کا کسی کے سامنے شکوہ نہ کریں اور انتقام کے طور پر کسی کے سامنے ان کے عیب ظاہر نہ کریں اور گفتگو اور آمنے سامنے ہونے کے وقت کج خلقی اور سخت کلامی نہ کریں۔

تیسری چیز یہ کہ مفارقت اور جدائی کے باوجود ان کی نصیحت اور خیر خواہی میں کوئی کوتاہی نہ کریں اور ان کا برا نہ چاہیں اور جس طرح بھی ممکن ہو' ان کی ہدایت و رہنمائی میں دریغ نہ فرمائیں۔

علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ ہجر جمیل ان تین شرائط کے جمع ہونے سے متحقق ہوتا ہے اگر ایک شرط بھی فوت ہو جائے تو ہجر جمیل نہیں رہتا اور یہ بہت مشکل امر ہے اور جو

شخص حدیث وسیرت کی کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ کرے یقینی طور پر جان لے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس راہ کے منکروں کے ساتھ جو حسن سلوک اور خیر خواہی کی ہے' بشر کی طاقت سے بالکل باہر ہے اسی لیے اس عمل کی برکت سے ان میں سے اکثر درست ہو گئے اور انہوں نے یقین کر لیا کہ آپ نفسانیت سے قطعاً پاک ہیں جو کچھ کرتے ہیں' خدا تعالیٰ کے لیے کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے حکم پر کرتے ہیں۔ انہوں نے چاروناچار سر تسلیم خم کر دیا اور اپنے کو اطاعت کے لیے وقف کر دیا اور خدمت کا قلادہ پہن لیا۔

اور اگر آپ کے دل میں یہ خیال گزرے کہ مجھے جو تعلقات منقطع کرنے اور منکروں اور معاندوں کی ایذاء رسانی پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے' سر آنکھوں پر لیکن اس راہ کے منکروں سے جو کہ حال اور قال کی زبان سے لوگوں کو اس راہ سے روکتے ہیں اور تن آسانی' دنیوی راحت اور نفسانی لذتوں کی ترغیب دیتے ہیں اگر ہلاکت کی دعا کے ساتھ انتقام نہ لوں تو یہ راہ رائج نہ ہوگی اور کوئی شخص بھی اس مجاہدہ کے قریب نہیں آئے گا جو کہ نفس پر بہت ناگوار ہے اور ان کی شیطانی حیلہ گری کی وجہ سے زیادہ ناگوار معلوم ہوتا ہے۔ پس میری بعثت کا فائدہ متحقق نہ ہوگا اور میری محنت ضائع جائے گی' مجھے اس گروہ سے انتقام لینے کا حکم ملنا چاہیے تاکہ میں انہیں ہلاکت کی دعا کے ساتھ برباد کر دوں اس لیے کہ وہ صرف مجھے ایذاء دینے والے ہی نہیں بلکہ اس راہ میں خلل ڈالنے والے ہیں۔ حکم دیا جا رہا ہے کہ اس بارے میں فکر نہ کریں بلکہ یہ معاملہ میرے سپرد کر دیں۔

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ آپ مجھے اور اس راہ کے منکروں کو چھوڑ دیں جو کہ عیش وعشرت اور بدنی آسائش والے ہیں اور انہیں عیش اور آسائش کی محبت۔ مجاہدہ' رات کے قیام' شب بےداری اور ہمیشہ ذکر کرنے سے باز رکھتی ہے اور وہ لوگوں کو اپنے حال اور مستقبل میں عیش وراحت کی ترغیب دیتے ہیں' ان کے بارے میں آپ کچھ نہ کہیں اور نہ ہی ہلاکت کی دعا کریں اس لیے کہ میں دو جہانوں کا مالک ہوں اور جس طرح اُس جہان میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو کہ مجاہدہ' ریاضت' دُکھ اور مشقت

اُٹھانے میں مشغول ہوتے ہیں اور اپنی ناز پروردہ آنکھ کو راہِ خدا میں برباد کرتے ہیں اسی طرح اس جہان میں بھی ایک گروہ مجاہدہ' دُکھ اُٹھانے اور مصیبت میں مبتلا ہونے کے لیے درکار ہے اگر یہ لوگ نہ ہوں تو اس جہان کا مجاہدہ اور دُکھ کون اُٹھائے اور اگر اس جہان میں سب لوگ دُکھ سہنے اور مشقت برداشت کرنے والے ہوں اور وہاں سب لوگ آرام و راحت میں ہوں تو دونوں جہان مناسبت کے بغیر ہوں اور رنج بغیر راحت کے اور راحت بغیر رنج کے ہو اور ہر زمانے کا دو متضاد چیزوں میں سے ایک سے خالی ہونا اس زمانے کا ناقص ہونا ہے کیونکہ میں جامع المتقابلات اور کامل الاطلاق ہوں' مجھ سے اس نقصان کی طلب نہ کریں کہ میں انہیں جلدی سے اس جہان کے مجاہدہ میں مشغول اور اس جہان کی راحت سے محروم کردوں بلکہ صبر کیجیے۔

وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا اور انہیں اس جہان کے عیش و آسائش میں قدرے مہلت دیں تا کہ اس جہان کے مجاہدہ کی استعداد اس جہان کی آسائش سے بہ ادا کریں اس لیے کہ میں جو کہ حکیم ہوں' استعداد پوری ہونے سے پہلے کسی کو کسی کام میں مشغول نہیں کرتا ورنہ میری حکمت ناقص ہو۔

اِنَّ لَدَيْنَآ اَنْكَالًا تحقیق ہمارے نزدیک بھاری زنجیریں مہیا ہیں جو کہ ہم ان کے پاؤں میں ڈالیں گے اس کے عوض کہ وہ راحت طلبی کی وجہ سے رات کی نماز میں کھڑا ہونے سے جی چراتے تھے' علائق دنیوی کے پابند ہو کر متبتل نہیں ہوتے تھے۔

وَجَحِيْمًا اور جلانے والی آگ ہے' عشق و شوق کی جلن کے عوض کہ اہلِ مجاہدہ و ذکر دنیا میں اس سوزش کے ساتھ جلتے تھے اور اپنے باطن کو آگ جلا کر پگھلاتے تھے۔

وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ اور حلق میں اَٹکنے والا کھانا ہے اس مشقت اور رنج کے عوض جو کہ دنیا میں مجاہدہ اور ذکر کرنے والے تہجد کے وقت ذکر اور تلاوتِ قرآن مجید میں آواز بلند کرنے میں اُٹھاتے تھے اور ذکر و تلاوت کی شد اور مد اور اونچی نیچی آواز میں بلغم ان کے حلقوم میں آ کر اَٹک جاتی تھی بلکہ کبھی تو وہ خون اُگلتے تھے۔ نیز ان لذیز مرغن کھانوں اور خوشبودار اور میٹھے مشروبات کے عوض جنہیں کھا پی کر ان کے خمار میں مست ہو

کر بستر خواب پر اونگھتے تھے۔

وَعَذَابًا اَلِيمًا اور عذاب کی ایک اور قسم ہے جو کہ انتہائی دردناک ہے جیسے دوزخ کے موکلوں کی پٹائی اور زدوکوب جو کہ مجاہدہ وذکر والوں کے اس رنج ومشقت کے عوض جو کہ پانچ وقتی جماعتوں اور جمعہ میں آنے کے وقت اور ذکر کے حلقوں' علم وعظ درس قرآن وحدیث کی مجالس میں داخل ہونے کے وقت ہجوم واژدہام کی وجہ سے انہیں گرنے' اُٹھنے اور صدمہ اُٹھانے میں ہوتی تھی اس راہ کے منکرین کو دیا جائے گا اور جیسے دوزخ کے سانپوں اور بچھوؤں کے ڈسنے کا عذاب جو کہ اس طعن وتشنیع اور طنز وتعریض کے عوض جو کہ اہلِ مجاہدہ کو مخالفوں اور معاندوں کی طرف سے ہوتی تھی' منکروں کو دیا جائے گا۔ پس اگر ہم انہیں دنیا میں مہلت نہ دیں تا کہ وہ اس قسم کی آسائشیں پورے طور پر حاصل کریں تو ان تکالیف اور مصیبتوں کے اُٹھانے کا استحقاق کہاں سے پیدا ہوگا اور اس جہان کے دُکھوں اور تکلیفوں کے یہ تمام اسباب جو کہ انہوں نے مہیا کر رکھے ہیں' بے فائدہ اور بے کار ہیں۔ بیت

رموز مملکت و ملک خسرواں دانند
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اور آپ تبتیل' یادِ مولیٰ اور طالبان رشد وہدایت کے ارشاد میں مصروف رہیں۔

سخن ز مطرب و مے گو دراز دہر کمتر جو
کہ کس نہ کشود نہ کشاید بحکمت اس معمہ را

ہاں آپ کو اس قدر جاننا چاہیے کہ ان کے مجاہدہ کی باری اس وقت آئے گی کہ مجاہد اور ذکر والوں میں سے دنیا میں کوئی باقی نہ رہے گا اور ولایت کی راہ بالکل بند ہو جائے گی اور خدماتِ غیبیہ جیسے غوثیت' قطبیت' ابدالیت اور اوتادیت ختم ہو جائیں گی اور قطب مدار زمین پر نہیں رہے گا اور ابدال واوتاد سب قبض کر لیے جائیں گے اس لیے کہ اس گروہ کے باقی رہنے کے باوجود دنیا کو جو کہ دائمی ذکر کے مجاہدے اور دنیوی نعمت وآسائش سے محظوظ ہونے کے درمیان جامع ہے اور اس میں دونوں بازار گرم ہیں' خراب کرنے کی

کوئی وجہ نہیں اور جب ایک بازار ویران ہوا تو جہان کا دو متقابل چیزوں میں سے ایک سے خالی ہونا لازم آیا۔ ناچار دوسرے جہان کو جلوہ گر کرنے پر توجہ ضرور پڑے گی اور دنیا سے راہِ ولایت کے بند ہونے اور دائمی ذکر کے مجاہدے کے منقطع ہونے کی علامت یہ ہے کہ ولایت کا تخم جو کہ ایمان ہے' جہان میں نہ رہے گا تاکہ اس کی نشوونما ممکن ہو اور یہ علامت متحقق نہ ہوگی مگر

اہل اللہ کی برکت سے جہان کا قیام ہے

يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ اس دن کہ زمین اور پہاڑ کانپیں گے۔ قطب مدار' اوتاد اور ابدال کی وفات کی وجہ سے کہ ان کی برکت سے جہان کا قیام اور سلامتی تھی۔

وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا اور پہاڑ ریت کے ٹیلے کی طرح بکھرے ہوئے ہوں گے کہ ان کے اجزاء میں ٹھہراؤ بالکل باقی نہ ہوگا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں عربی والوں کا ایک مشہور سوال ہے کہ جبال جمع کا صیغہ ہے۔ پس اس کی خبر میں کثبا مہیلۃ فرمانا چاہیے تھا لیکن تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ سب پہاڑ ریت کے ایک ٹیلے کی طرح ہو جائیں گے اور ان کے درمیان امتیاز اٹھ جائے گا اگر پہاڑ جگہ جگہ مضمحل الاجزاء ہو کر رہتے تو ریت کے مختلف ٹیلے معلوم ہوتے اور جمع صحیح ہوتی اس صورت میں جمع لانا بلاغت میں خلل ڈالنے والا ہے۔ چنانچہ جب چند نہریں جمع ہو کر ایک ہی وادی میں جاری ہوں تو یوں نہیں کہا جا سکتا کہ صارت الانهار كلها انهارا عريضة بلکہ نهرا عريضا کہنا چاہیے۔

جب قرب و وصال کی راہ کے سلوک کی تعلیم اور اس کی شرائط کے بیان سے جو کہ صبر و تحمل' رضا و تسلیم اور سب کاموں کو حکمتِ الٰہی کے سپرد کرنے تک پہنچتی تھی' فراغت ہوئی تو اب اس راہ کے منکروں کو غضب آمیز خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے جو اپنے رسول علیہ السلام کو امر و نہی کی ہے اور انہیں تمہاری بربادی کی دعا اور انتقام لینے سے روکا

ہے' اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ یہ پیغمبر صرف ایک ایلچی تھا کہ آیا' پیغام دیا اور چلا گیا اس کی نافرمانی کرنے سے کوئی نقصان نہ ہوگا بلکہ یہ پیغمبر علیہ السلام صرف ایلچی نہیں ہیں۔ تمہارے بارے میں ان کی بات اور گواہی مقبول ہے' کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ رسول علیہ السلام تمہاری شکایت کریں اور غضب و انتقام کا دریا جوش میں آ جائے اور تم دنیا میں بھی آفات' بلیات' قحط' وباء' فقر اور تکلیف میں گرفتار ہو جاؤ جس طرح کہ اس سے پہلے بھی انبیاء علیہم السلام کے منکروں کو اس قسم کا عذاب ہوا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ تحقیق ہم نے تمہاری طرف وہ رسول بھیجا ہے جو کہ گواہ ہوگا اور ہمارے حضور عرض کرے گا کہ فلاں اس راہ کا منکر ہوا اور فلاں نے اس راہ کو قبول کیا تا کہ اس کے مطابق ہم منکروں اور موافقوں میں سے ہر ایک کے ساتھ سلوک کریں۔

كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا جیسا کہ ہم نے فرعون کی طرف بھی اسی قسم کا ایک رسول بھیجا تھا' جن کی گواہی اور بات مقبول تھی اور وہ رسول حضرت موسیٰ ہیں علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ اکثر اہلِ تواریخ واخبار کے گمان میں آپ کا فرعون کی طرف جانا صرف پیغام رسانی اور ایلچی گری کے طور پر تھا اس لیے کہ آپ بنی اسرائیل کے رسول تھے جبکہ فرعون فرقۂ قبط سے تھا۔ نیز آپ کو فرعون کی طرف بھیجنے کا مقصد یہی تھا کہ بنی اسرائیل کو قید سے رہائی دِلائیں اور فرعون اور قبطیوں کی رشد وہدایت آپ کی نبوت کی اصل میں داخل نہ تھی بلکہ بنی اسرائیل کے قلوب کو روشن کرنا اور ان کی رسموں کو درست کرنا مقصود تھا۔ پس بخلاف دوسرے انبیاء علیہم السلام کے کہ وہ جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے' ان کی بعثت کا مقصد سفارت' رسالت اور اس قوم کی طرف پیغاماتِ الٰہی پہنچانا بھی ہوتا اور طالبان رشد و ہدایت کی تعلیم وارشاد' ان کے دِلوں کو منور کرنا اور انہیں خدا تعالیٰ تک پہنچانا بھی۔ پس وہ صرف رسالت نہیں رکھتے تھے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کی نسبت سے صرف قاصد تھے لیکن فرعون اور قبطیوں کو ہلاک کرنے اور انہیں جلد سزا دینے کے بارے میں

آپ کی درخواست دنیا میں مقبول ہوئی۔ چنانچہ فرمایا:

فَعَصٰی فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ پس فرعون نے اپنے اس رسول کی نافرمانی کی۔

فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا پس ہم نے اسے دنیا میں سخت وبال والی گرفت سے پکڑا اس لیے کہ اسے تمام فوج اور لشکر سمیت دریا میں غرق کر دیا اور ایک لمحہ کے اندر اس کی بادشاہی' ملک' عمارات' باغات' جواہر اور اس کی عیش و آسائش کے آلات اس کے دشمنوں کے حوالے کر دیئے۔ اس عظمت وشوکت کے باوجود جو کہ فرعون کو حاصل تھی' اپنے وقت کے رسول علیہ السلام کی نافرمانی کی وجہ سے اس وبال میں گرفتار ہوا تم جو کہ اس کا سواں حصہ بھی نہیں رکھتے ہو' اپنے رسول علیہ السلام کو کس طرح تکلیف دیتے ہو اور ان کے حکم کو قبول نہیں کرتے ہو اور اگر تم اس رسول علیہ السلام کے کمال حلم اور بردباری کی بناء پر جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مزاج کی نسبت سے پانی اور آگ کا حکم رکھتا ہے اس جہان کے عذاب اور آپ کی دعائے ہلاکت سے محفوظ رہو۔

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ پس تم کیسے بچو گے اور اپنے آپ کی عذاب سے حفاظت کرو گے؟

اِنْ كَفَرْتُمْ اگر تم کفر میں مر گئے اور تم نے اپنے رسول علیہ السلام کی فرماں برداری نہ کی۔

يَوْمًا اس دن کہ بے گناہوں کو ان کمزور تعلقات کی بناء پر جو کہ وہ گناہ گاروں کے ساتھ رکھتے تھے' سختی اور تنگی' خوف اور اُلجھن درپیش آئے گی یہاں تک کہ

يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبًا وہ دن چھوٹے بچوں کو سفید بالوں والا بوڑھا کر دے گا اس قدر خوف کھائیں گے کہ ان کے بال سفید ہو جائیں گے اور اس روز چھوٹے بچوں کے بال سفید ہونے کا سبب یہ ہوگا کہ اپنے ماں باپ' بھائیوں اور بہنوں کی گھبراہٹ اور گریہ زاری دیکھنے کی وجہ سے چھوٹی عمر کے بچوں پر افکار و غموم قلب کے اندر روح کی رکاوٹ کا موجب ہوں گے اور حرارت غریزی کا عمل کمزور ہو جائے گا اور اخلاط میں کچا پن پیدا ہوگا اور فاسد بلغم غالب ہو کر مسام کی راہ سے جو کہ بالوں کے اُگنے کی جگہیں ہیں' باہر آئے گی اور اس قسم کی تکلیف جو کہ اس دن بچوں کو ہوگی' جزا اور سزا دینے کے طور پر نہیں جیسا کہ غلط فہمی کی وجہ سے معتزلہ نے اسے اس قبیلے سے سمجھ کر اس کا انکار کیا ہے اور کلام کو تمثیل

اور کنایہ پر محمول کیا بلکہ یہ تکلیف تابع ہونے کے طور پر تخلیق کے احکام سے ہے کہ اس کا واقع ہونا ضروری ہے جیسا کہ دنیا میں بچوں کی بیماریاں اور تکالیف۔

لیکن بعض تفاسیر میں مذکور ہے کہ یہ تکلیف بھی کافروں کے بچوں کے ساتھ خاص ہوگی نہ کہ ایمان والوں کے بچوں کو شامل۔ اور ظاہری طور پر اس کی وجہ یہ ہے کہ گھبراہٹ اور گریہ زاری کفار کو زیادہ ہوگی اس حد تک کہ ان کے بچوں میں بھی اثر کرے گی۔ بخلاف ایمان والوں کے کہ ان پر ان چیزوں کو ہلکا کر دیا جائے گا اور جلدی زائل ہو جائیں گی اور اس کے علاوہ ایک اور فرق بھی ہے کہ ایمان والوں کے بچوں کو اپنے اقارب کے ایمان کی وجہ سے جو کہ شفاعت اور معافی کی شرط ہے' انہیں عذاب سے چھڑانا ممکن ہوگا۔ پس اس تکلیف کی سزا نہیں پائیں گے۔ بس یہی کہ وہ اپنی ماؤں اور قریبیوں کو عذاب میں بے چین دیکھیں گے' شفاعت اور معافی کی درخواست کی وجہ سے انہیں اُٹھا لیں گے اور مطلب پا لیں گے۔

مردِ مومن کے تین بچوں کی وفات اسے جہنم میں داخل ہونے سے بچا لے گی

جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ کسی باایمان شخص کے تین نابالغ بچے اس جہان سے نہیں گزرتے مگر یہ کہ اس پر جہنم کا داخلہ حرام ہو جاتا ہے اس لیے کہ وہ بچے قیامت کے دن اسے دوزخ میں نہیں چھوڑیں گے اور حق تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ ان کی دعا کو قبول فرمائے گا۔ بخلاف کفار کے بچوں کے کہ اپنے باپوں اور ماؤں کو عذاب میں دیکھیں گے اور ایمان نہ ہونے کی وجہ سے جو کہ شفاعت اور نجات کی شرط ہے' عرض نہیں کر سکیں گے۔ پس ناچار غم اور جلن میں گرفتار رہیں گے یہاں تک کہ انہیں بہشت میں داخل کریں اور جنتیوں کے خدمت گزار بنا دیں اور وہ اپنے قریبیوں کو بھول جائیں۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ اس روز سفید بال بدکاری سے پیدا ہونے کی علامت ہوگی' وہ بچے جو کہ بدکاری کے نتیجے میں پیدا ہوئے تھے اس دن خوف میں گرفتار ہوں گے جبکہ دوسرے بچے خوف سے محفوظ رہیں گے لیکن اس تخصیص کی صحیح سند چاہیے اور اس کے علاوہ بے گناہ کو تکلیف دینا توجہ طلب ہے اس لیے کہ بدکاری کے نتیجے میں پیدا ہونے

والے کا کوئی گناہ نہیں ہے اور بہر حال اس دن کا خوف گناہ کے ادنیٰ تعلق کی وجہ سے غالب ہوگا یہاں تک کہ گناہ گاروں کے مکانات کو بھی پیوند زمیں اور مسمار کر دے گا اور جس زمین اور عمارات میں گناہ واقع ہوتے تھے' وہ بھی درہم برہم ہو جائیں گی بلکہ

اَلسَّمَآءُ آسمان بھی باوجود یکہ وہاں کوئی گناہ واقع نہ ہوا تھا اور اس کے رہنے والے سب معصوم اور پاک ہیں' صرف اس تعلق کی بناء پر کہ اس سے گناہ گاروں کا رزق نازل ہوتا تھا اور ستاروں کی شعاعوں اور آسمانی حرکات سے گناہ گار بھی فائدہ لیتے تھے' انقلاب پذیر ہوگا اور اس طرح درہم برہم ہوگا کہ آسمان' آسمان نہیں رہے گا تاکہ اسے تانیث کی وصف سے ذکر کیا جائے اس لیے کہ آسمان اور ہر چیز کی تانیث اس کی ذہنی صورت کو لازم ہے اس صورت پر دلالت کرنے والے لفظ کے وسیلے سے ذہن میں آتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی لفظ کے ساتھ معنیٰ کی تعبیر کرتے ہیں تو تذکیر و تانیث میں اس صورت کا اعتبار ہے جو کہ اس لفظ سے ذہن میں حاصل ہوئی ہو نہ وہ صورت جو کہ فی الواقع ہے۔ مثلاً مرد کو جب نفس یا جان کے ساتھ تعبیر کریں تو مؤنث ہے اور عورت کو جب آدمی سے تعبیر کریں' مذکر ہے اور اس وقت جبکہ آسمان کی صورت درہم برہم ہو گئی تو جو صورت لفظ سماء کا مدلول تھی' ذہن میں نہ رہی اب اس کے حق میں زیادہ سے زیادہ جو کہا جا سکتا ہے' یہ ہے کہ آسمان ایک

مُنْفَطِرٌ بِهٖ ایسی چیز ہے جو کہ اس دن کے صدمے کی وجہ سے پھٹی ہوئی اور چری ہوئی ہے اسی لیے منفطرۃ نہیں فرمایا ہے باوجود اس کے کہ لفظ سماء مؤنث ہے۔ گویا یہ جتلایا جا رہا ہے کہ آسمان کو اس وقت آسمان نہیں کہنا چاہیے اور نہیں سمجھنا چاہیے جس طرح کہ گھر کو دیواریں اور چھت ڈھ جانے کے بعد گھر نہیں کہا جا سکتا' ایک میدان پڑا ہے جب آسمان نہ ہوا تو اس کی خبر کی تانیث بھی مناسب نہ ہوئی جو کہ اس کی آسمانیت کی بقاء پر دلالت کرتی۔

ایک جواب طلب سوال

اور اگر یہاں کسی کے دل میں ایک سوال پیدا ہو کہ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ۔ اِذَا

السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ کی آیات میں اس کا اعتبار کیوں نہ فرمایا گیا اور تانیث کی علامت لگا دی گئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ اور اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ۔ فعلیہ جملے ہیں جو کہ حدوث وتجدد پر دلالت کرتے ہیں اور انفطار اور انشقاق کی ابتدا میں آسمان' آسمان ہی تھا اور اس کی صورت کے لوازم یعنی تانیث وغیرہ برقرار تھے اس لیے ان افعال میں علامت تانیث لگانا ضروری ہوا۔ بخلاف السماء مُنْفَطِرٌ بِهٖ کو کہ جملہ اسمیہ ہے اور استمرار وثبوت پر دلالت کرتا ہے اور کسی شے کا دوام وثبوت اس شے کے پورا ہونے کے بعد ہے اور آسمان انفطار کے پورا ہونے کے بعد آسمان نہ رہا تا کہ اس کی صورت سمائیہ قابلِ اعتبار ہو لیکن وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ کی وجہ یہ ہے کہ انشقاق کی ابتدا میں جو کہ انشقت کا مدلول ہے' آسمان اپنے حال پر آسمان تھا' زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس کے بعض اجزاء میں انشقاق کا آغاز ہو چکا اور اس کے باقی اجزاء سست اور ڈھیلے ہو کر انشقاق کے قریب ہو چکے ہوں گے۔ پس ''وہی'' (جو کہ واھیہ کا مصدر ہے) کے وقت جو کہ سستی اور ڈھیلا ہونے سے عبارت ہے' ابھی اس نے صورتِ سمائیہ جدا نہ ہوئی تا کہ اس کے لوازمات کا اعتبار نہ کریں۔ چنانچہ وَالْمَلَكُ عَلٰٓى اَرْجَآئِهَا اس کی آسمانیت کی بقاء پر صریح دلالت کرتا ہے۔

اور اگر منکرین کہیں کہ اس قسم کے روز سیاہ کا واقع ہونا جو کہ تم بیان کرتے ہو' بہت بعید ہے' اس کی انتہا یہ ہے کہ ممکن ہوگا اور ہر بلائے ممکن سے ڈرنا اور اس کے دور کرنے کی فکر میں لگ جانا اور خود کو بے آرام رکھنا عقل مند کا کام نہیں اور اگر بالفرض جزا اور اعمال کے بدلے کے قانون پر نظر کرتے ہوئے اس دن اور اس دن کی تکلیف کے وجود کی سمت غالب بھی ہو تو پھر بھی وہ متوقع اور موعود بلا ہے اور مشہور مثال میں ہے کہ اس بلا سے نہ ڈر جس کے درمیان ابھی رات باقی ہے' ہم اپنے نقد عیش کو اس موہوم خطرے کی وجہ سے برباد کیوں کریں؟ ہم کہتے ہیں کہ یہ تمہاری غلط فہمی ہے جس بلا کا واقع ہونا ضعیف عقلی' قرائن اور نشانیوں سے معلوم ہوتا ہے یا اس بلا کا عام ہونا اور پھیلنا ہر کسی کو

معلوم نہ ہو البتہ ایسا مقام ہے کہ اس کی پرواہ نہ کریں اور اس سے نہ ڈریں لیکن جس مصیبت کا واقع ہونا قطعاً اور یقیناً معلوم ہوا اور عام اور شامل ہو اس سے لازماً ڈرنا چاہیے اور عقل اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دیتی کہ اس قسم کی مصیبت کو عبرت کی نظر سے گرا دیا جائے اور وہ دن اسی قسم کا ہے کہ:

كَانَ وَعۡدُهٗ مَفۡعُوۡلًا اس دن کا وعدہ لازماً واقع ہونے والا اور عمل میں لایا جانے والا ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ کا وعدہ ہے اور اس کے وعدے کا خلاف ہونا محال ہے۔ پس اس دن کا آنا اگرچہ فی ذاتہ ممکن الوقوع ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت اور عدل کے پیش نظر اور اس کے وعدوں کی صداقت کے پیش نظر واجب الوقوع ہے اور اس دن کی ہر سختی وعدے کے مطابق عام اور شامل ہے۔

اور جب اس سورۃ کی ابتدا سے یہاں تک راہِ خدا کے سلوک کی ضروریات اور اس راہ باصفا کے سلوک کی رکاوٹیں ختم کرنے کا طریقہ مدلل بیان کے ساتھ ارشاد فرمایا اور بظاہر خطاب کو پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ خاص کیا گیا اب فرمایا جا رہا ہے کہ:

اِنَّ هٰذِهٖ تَذۡكِرَةٌ تحقیق یہ سورۃ اور اس کے مضامین، ہر ذی روح کو قربِ خداوندی کی راہ کی عام یاد دِلاتا ہے اور پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ تو جو چاہے اپنے پروردگار کے قرب کی طرف پکڑے سَبِيۡلًا ان راہوں میں سے کوئی راہ اپنی استعداد اور رغبت کے مطابق اگر چاہے تو مجاہدہ، دائمی ذکر اور تبتیل کی راہ اختیار کرے اور اگر چاہے تو اختلاط، دعوت، نصیحت، ارشاد اور صبر کا راستہ پکڑے اور اس بیان کو یاد دِلانا اس وجہ سے فرمایا گیا حالانکہ یاد دِلانا اس چیز کا ہوتا ہے جو پہلے سے معلوم ہو چکی ہو اور بالفعل دل سے نکل گئی ہو کہ روح بدن کے ساتھ متعلق ہونے سے پہلے قدس و طہارت کے عالم میں جاگزیں تھی اور اسے دربارِ خداوندی سے ایک قسم کا قرب حاصل تھا اور حیوانی آلائشوں، ضروریات، دنیوی تعلقات اور غذائی نجاستوں سے پاک اور صاف تھی۔ اِس وقت کہ بدن کے ساتھ متعلق ہے اور ان چیزوں کی قید میں گرفتار، وہ سب کچھ فراموش کر کے تدبیر معاش میں مستغرق ہو گئی، وہ قرب اور وہ

صفائی اس کے ذہن سے نکل گئی ہے' راہِ سلوک کو بیان کر کے اسے وہ اصلی حالت یاد کرائی جا رہی ہے اور اسے اس کے اصل مقام کا اشتیاق دیا جا رہا ہے جیسا کہ ایک عارف نے فرمایا۔ بیت

میل ہر عنصر بود سوئے مقر اصلیش
جذبۂ اصل است سیر شورش مستانہ ام

یعنی ہر عنصر کا جھکاؤ اپنے اصلی مقام کی طرف ہوتا ہے اور میری شورش مستانہ کی سیر جذبہ اصل ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ دراصل یہ سورۃ اسی آیت پر پوری ہوگئی تھی جیسا کہ مفسرین نے حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر صحابہ کرام سے روایت کی ہے اور جب اس سورۃ میں پہلے تمام ریاضتیں اور مجاہدات شبِ بے داری اور تہجد گزاری ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام اور سلوک راہِ خدا میں آپ کے دوسرے ساتھیوں نے اس عبادت کو ادا کرنے میں اپنے اوپر پوری کوشش لازم کر لی یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے رات کی نیند بالکل ترک کر دی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ نیند کی وجہ سے ریاضت کی اس مدت میں کہ آدھی رات یا کچھ زائد یا قدرے کم جو کہ ہمارے لیے مقرر فرمائی گئی ہے' کوئی کمی واقع ہو جائے اور اس قدر مدت کو نیند سے آگے پیچھے اُٹھنے کی وجہ سے ہم پورا نہ کر پائیں اور ان لوگوں کو سخت مشقت لاحق ہوئی یہاں تک کہ ان کے قدموں پر ورم آ گئے اور رنگ زرد ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس مدت کی حد بندی اور تعین میں بہت تکلیف اٹھاتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس مدت میں کمی واقع ہو جائے اور ہم اس ریاضت کے عہدہ سے سرخرو نہ ہو سکیں اور یہ مشقتیں ایک سال تک جو کہ بارہ ماہ کی پوری مدت تھی' ان پر قائم رہیں۔ ایک سال کے بعد حق تعالیٰ نے یہ آیت اس سورۃ پر بڑھا دی اور نازل فرمائی اور اس آیت کے نزول کی وجہ سے اس مدت کا تعین معاف ہو گیا اور اصل تہجد و شب بے داری مدت کے تعین' رکعات کی گنتی کے تعین اور قدر قرأت کے تعین کے بغیر مسنون اور موکد رہی اور اس آیت کے

نزول کے بعد حضور علیہ السلام کا عمل اور آپ کا دوسرے صحابہ کرام علیہم الرضوان کو حکم دینا قوت واستعداد اور نشاط کی قلت و کثرت کے مطابق مختلف رہا۔

ختم قرآن مجید کی ترتیب کا بیان

چنانچہ آپ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تہجد میں ختم قرآن پورے مہینے میں کیا کریں تاکہ ہر رات ایک پارے کی قدر قرأت واقع ہو اور بعض روایات میں ختم قرآن چالیس رات میں بھی وارد ہوا ہے اور جب ان حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی شدتِ رغبت اور زیادہ قوت کو بیان کیا تو آپ کے لیے ختم قرآن ایک ہفتے میں مقرر فرما دیا اور اکثر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسی امر شریف کو اپنا معمول بنا لیا اور انہوں نے اسباع قرآنِ کریم کو اس طرح مقرر کیا کہ جمعۃ المبارک کی رات تین سورتیں، ہفتہ کی رات پانچ سورتیں اس کے بعد سات، اس کے بعد نو، اس کے بعد گیارہ، اس کے بعد تیرہ اور اس کے بعد باقی جو کہ سورۃ ق سے سورۃ الناس تک ہے اور حضرت امیرالمومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ جمعۃ المبارک کی رات کو سورۃ مائدہ کو پورا فرماتے اور ہفتہ کی رات کو سورۃ ھود، اس کے بعد سورۃ مریم، ازاں بعد سورۃ قصص، ازاں بعد سورۃ ص، بعد ازاں سورۃ الرحمٰن اور اس کے بعد باقی قرآن پاک کو پورا کرتے اور اس کا نام ختم احزاب رکھتے تھے جیسا کہ پہلی ترتیب کو ختم فمی بشوق کہتے اور صحابہ کرام علیہم الرضوان میں سے دوسری جماعت جیسے عبداللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم آیات کی تعداد کا لحاظ فرماتے اور ہر رات ہزار آیات کی تلاوت فرماتے اور اس صورت میں بھی ساتویں رات ختم قرآن پاک ہوتا تھا۔

نمازِ تہجد کی فضیلت اور اس کے پڑھنے کے طریقوں کا بیان

حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص تہجد میں دس آیات دو رکعت میں پڑھے اسے غافلوں میں سے نہیں لکھا جاتا۔ اور جو چند رکعت میں سو آیات کی تلاوت کرے اسے عابدوں میں سے لکھتے ہیں۔ اور جو ہزار آیات پڑھے اسے عمدہ زرداروں میں سے

لکھتے ہیں۔ اور بعض روایات میں وارد ہے کہ جو شخص تہجد میں قرآن پاک کی پچاس آیات پڑھے' قیامت کے دن قرآن اس سے کوئی جھگڑا نہیں کرے گا ورنہ قرآن اس سے نزاع اور جھگڑا کرے گا کہ تو نے مجھے ضائع کر دیا اور میری تلاوت کا حق ادا نہ کیا۔ اور بعض احادیث میں وارد ہے کہ جو شخص سورۂ بقرہ کی آخری دو آیات نمازِ تہجد میں تلاوت کرے تو اسے کافی ہیں۔ نیز حدیث پاک میں وارد ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا تم سے یہ نہیں ہو سکتا کہ قرآن پاک کا تیسرا حصہ ہر رات پڑھا کرو؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہر رات قرآن پاک کا تیسرا حصہ پڑھنا بہت مشکل ہے' ایسا کس سے ہو سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ سورۂ قل ھواللہ احد ثواب میں قرآن پاک کے تیسرے حصے کے برابر ہے اگر تم اسے پڑھو تو تمہیں قرآن کے تیسرے حصے کی تلاوت کا ثواب حاصل ہو اسی لیے اکثر مشائخ نے اس سورۃ کو نمازِ تہجد میں پڑھنے کا معمول رکھا ہے۔

نمازِ تہجد میں سورۃ اخلاص پڑھنے کے چند طریقے

اور اس کے چند طریقے ہیں۔ پہلا طریقہ یہ سورۃ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں اس سورۃ کو تین بار پڑھیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں بارہ مرتبہ پڑھیں اور اس کے بعد ایک ایک بار کم کرتے جائیں یہاں تک کہ آخری رکعت میں جو کہ بارہویں ہے' ایک بار پڑھی جائے۔ تیسرا طریقہ یہ کہ پہلی رکعت میں ایک بار پڑھیں اور ہر رکعت ایک ایک بار بڑھاتے جائیں تا کہ آخری رکعت میں بارہ بار واقع ہو لیکن فقہاء کے نزدیک یہ طریقہ مقبول نہیں اس لیے کہ دوسری رکعت پہلی رکعت سے زیادہ لمبی ہو جاتی ہے اور یہ ترکِ اولیٰ ہے اور مشائخ میں سے بعض ہر رکعت میں سورۂ مزمل کو سورۂ اخلاص کے ساتھ ملاتے ہیں۔ حضرت خواجہ عزیزاں قدس سرہ جو کہ گروہ نقشبندیہ کے حلقہ کے مقتدا ہیں' سے منقول ہے کہ آپ اپنے احباب کو نمازِ تہجد میں سورۂ یسین پڑھنے کا حکم دیتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے کہ جب اس نماز میں تین دل جمع ہو جائیں تو مطلب حاصل ہو جاتا ہے رات کا دل جو کہ آدھی رات کے بعد ہے' قرآنِ کریم کا دل جو کہ سورۂ یسین ہے اور مردِ

مومن کا دل جو کہ ایمان سے معمور ہے۔

بہرحال اس آخری آیت کے نزول کی وجہ سے نمازِ تہجد کی خصوصیات، کیفیات اور مقدار میں پوری گنجائش حاصل ہوگئی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ نماز اسی گنجائش کے لائق ہے اس لیے کہ نیند کے غلبے، اسباب کے فقدان اور وقت کے جانے اور باقی رہنے سے غفلت کا وقت ہے اگر یہ گنجائش نہ ہوتی تو اس کی ادائیگی بہت مشکل ہو جاتی جیسا کہ اس گنجائش کے باوجود بھی اس میں بہت دشواری اور اس پر ہمیشگی کرنا توفیق غیبی کے بغیر ممکن نہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ تحقیق آپ کا پروردگار جانتا ہے کہ آپ نمازِ تہجد میں کبھی رات کے دو حصوں کے قریب کھڑے رہتے ہیں۔ وَنِصْفَهٗ اور کبھی آدھی رات وَثُلُثَهٗ اور کبھی رات کا تیسرا حصہ۔ پس آپ ہمارے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور ہمارا فرمان بجا لاتے ہیں اور قلیلا کے لفظ سے جو کہ ہم نے اونقص منہ قلیلا اوزد علیہ میں ارشاد فرمایا تھا، آپ خوب سمجھے کہ کمی اور قلت کی حد کو آپ نے چھٹے حصے تک پہنچایا اور یہی ہماری مراد تھی اس لیے کہ اگر آپ چھٹے حصے سے زیادہ کم اور زائد کریں تو نہ ہوتا مگر چوتھائی اور چوتھائی نصف کا نصف ہے۔ شے کے نصف کو قلیل نہیں کہا جا سکتا۔

وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ اور اسی طرح ان لوگوں میں سے ایک جماعت بھی کھڑی رہتی ہے جو کہ آپ کے ہمراہ اور آپ کی رفاقت میں راہِ خدا کا سلوک کرتے ہیں اور ہر وقت وہ آپ کی سمجھ اور عمل کی پیروی کرتے ہیں اور دوسرے گروہ کو جو کہ ساری رات بے دار رہتے تھے، ذکر نہ فرمایا اس لیے کہ وہ لوگ ایک وجہ سے قابلِ تعریف ہیں کہ انہوں نے احتیاط پر عمل کیا اور اس وجہ سے محل عتاب ہیں کہ انہوں نے پیغمبر علیہ السلام کے سمجھے ہوئے مسئلہ کی پیروی نہ کی لیکن اس مقدار معین کو معلوم کرنا ممکن نہ ہوگا اس لیے کہ رات کی کمی بیشی دستِ قدرت میں ہے۔

وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور اللہ تعالیٰ رات اور دن کا اندازہ فرماتا ہے اور مقدار بخشتا ہے، چھ ماہ تک ہر روز رات کچھ گھٹتی ہے اور ہر دن بڑھتا ہے اور چھ ماہ تک ہر

دن کچھ گھٹتا ہے اور ہر رات بڑھتی ہے۔ پس پورے سال میں ایک رات دوسری رات کے برابر نہیں رہتی اور جب ایک رات کسی دوسری رات کے برابر نہ ہوئی تو اس کا نصف اس کے نصف کے برابر نہ ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس

ایک تہائی' دوتہائی اور چھٹا حصہ بھی برابر نہ ہوں گے اس لیے کہ ہر چیز کے شائع اجزاء طول اور کمی میں اس چیز کے تابع ہیں۔ پس آپ کو راتوں میں سے ہر رات کے نصف کو پہچاننے میں سخت دشواری درپیش ہوگی اور ساعت شناسی کے آلات' علم مکانات حاصل کرنے' زائچوں سے ہر سال کی تقویم نکالنے اور گھنٹوں منٹوں' سیکنڈوں اور لمحوں پر آسمانی حرکات کے حساب کی احتیاج ہوگی اور اس امر میں زبردست انہماک کی وجہ سے ملتِ حنیفیہ سے جس کے لیے اُمی ہونا لازمی ہے' آپ غیر متوجہ ہو جائیں گے اور صابیوں' ہندوؤں' یونانیوں اور کفار کے دوسرے گروہوں کی طرح آپ کی اُمت تقویمات نکالنے اور پترہ نویسی میں مشغول ہو جائے گی اور یہ امر دو بہت بڑی خرابیوں کا موجب ہوگا۔ پہلی خرابی مقاصد سے ہٹ کر وسائل میں اُلجھنا جس نے ایک جہان کی راہ ماری ہے۔ چنانچہ علم صرف' نحو' منطق' معانی' کلام اور اصول میں اتنا مصروف ہوتے ہیں کہ مقصد سے محروم رہتے ہیں اور تبتیل اور ریاضت ان سے حجابات اُٹھانے میں بعدالمشرقین کے فاصلے پر دُور جا پڑتی ہے۔ دوسری خرابی یہ کہ یہ شغل انہیں ستاروں کی حرکات' اتصالات اور انصرافات اور ان کے قران میں گہری سوچ تک کھینچ لے جائے گا اور یوں انہیں نجوم اور ان کی سعادت ونحوست کا عقیدہ حاصل ہوگا اور وہ شرک کی سرحد تک پہنچ جائیں گے اور پھر ہر رات کی مدت کی کمی بیشی کا علم تقریباً ہوگا نہ کہ تحقیقاً اسی لیے حق تعالیٰ ازل میں عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْہُ جانتا ہے کہ تم مقدار معین کا احاطہ ہرگز نہیں کر سکو گے۔ پس تمہیں شب بے داری کی مدت کو معین کرنے کی تکلیف دینا تکلیف مالایطاق کے قبیلے سے ہے۔

دو جواب طلب سوالات

یہاں دو جواب طلب سوالات باقی رہ گئے۔ پہلا سوال یہ ہے کہ اگر شب بے داری

کی مدت کا تعین برابر گھنٹوں اور منٹوں میں فرمایا جاتا تو اس کی اطلاع آسان تھی اور اس کے احاطہ کا امکان تھا تو مدت کے تعین کو موقوف کیوں فرمایا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سال کی راتوں سے ہر رات کو پورا کرنے کی وجہ سے برابر گھنٹے اور منت دنیا کے مختلف حصوں اور جدا جدا موسموں میں قسم قسم کی نسبتیں پیدا کرتے ہیں۔ بعض ریاستوں کے رہنے والوں کے حق میں بعض موسموں میں وہی گھنٹے اور منٹ نصف رات کے وقت پہنچتے جبکہ دوسری ریاست کے رہنے والوں کے حق میں دوسرے موسم میں چوتھائی کی قدر بلکہ اس سے بھی کم تر ہو جاتے اور یہ کھلا اختلاف عام تکلیف میں مناسب نہیں ہے اور اس کے علاوہ جو خرابیاں کہ رات کے اجزاء کو پہچاننے کی تکلیف میں ملحوظ ہیں' یہاں بھی اُلجھی ہوئی ہیں۔ لایعنی علوم میں انہماک' مقاصد سے ہٹ کر وسائل میں اُلجھنا اور نجوم اور ان کی تاثیرات کے عقیدے کا خوف سب کے سب اس تکلیف میں موجود۔ پس اس تکلیف کو ختم کرنا اور اس کی جگہ اس تکلیف کو لانا اسی طرح ہے کہ بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے کھڑا ہو گیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر یہ تکلیف ان خرابیوں کو ضمن میں لیے ہوئے تھی اور تکلیف مالایطاق کی سرحد تک پہنچتی تھی تو سورۃ کی ابتدا میں اسے ذکر کیوں فرمایا اور شروع سے ہی گنجائش کیوں نہ فرمائی اور ایک سال تک حضرت رسولِ کریم علیہ السلام اور ان کے صحابہ کرام کو مشقت میں کیوں ڈالے رکھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ علم الٰہی میں اس اُمت کے حال سے زیادہ مناسب یہی گنجائش تھی لیکن امر و نہی کے مالک کا قاعدہ ہے کہ جب اسے کسی سے کوئی دشوار کام کرانا منظور ہوتا ہے تو پہلے اس سے بھی زیادہ دشوار کام کا حکم دیتا ہے اور ایک مدت تک اسے اس رنج اور مشقت اُٹھانے میں چھوڑ رکھتا ہے اس کے بعد گنجائش اور تخفیف کر دیتا ہے تا کہ اس کے ذہن میں تخفیف کی نعمت کی قدر پیدا ہو اور اس امر کی مشقت اس کے حوصلے سے ہلکی ہو جائے اور وہ جان لے کہ جو امر مطلوب تھا' میں سرانجام نہ دے سکا اور اپنی ندامت اور شرمساری اور صاحبِ امر و نہی کا خاص لطف و کرم اس کا نصب العین رہے اور اگر ابتدا ہی سے اس کام کا حکم دیں تو یہ سہولت اور آسانی ہرگز

حاصل نہیں ہوتی۔ شب بے داری اور تہجد گزاری اس گنجائش کے باوجود بھی جو گرانی رکھتی ہے' پوشیدہ نہیں اگر پہلی دفعہ اس امر کی تاکید فرما دی جاتی تو بہت دشوار اور ناگوار معلوم ہوتی اور اگر پوری کوشش کے ساتھ کوئی ادا بھی کرتا تو غرور اور خود بینی کے بھنور میں پھنس جاتا' ان تمام آفتوں کا علاج اسی طریقے میں منحصر تھا کہ پہلے انہیں مدت کے تعین کی تکلیف دی جائے اور جب ایک سال کی مدت جو کہ رات کا کم ہونے سے دراز ہونے اور دراز ہونے سے کم ہونے میں بدلنا ہے' پوری ہوئی اور انہوں نے ہر وقت اور ہر موسم میں مدت ماموره کے تعین میں تکلیف اور مشقت اٹھائی اور انہوں نے ماموربہ کو قائم کرنے میں اپنی عاجزی اور کمزوری کو پالیا تو اس بات کے مستحق ہوئے کہ ان پر گنجائش کی جائے اور یہی اس امر کا راز ہے جو کہ حدیث معراج میں تواتر کے ساتھ ثابت ہوا ہے کہ پہلے پچاس نمازوں کا حکم دیا گیا اس کے بعد حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عرض و معروض کرنے کی وجہ سے آہستہ آہستہ تخفیف کر کے پانچ تک پہنچا دی گئیں۔

اور اگر کوئی شخص دنیوی معاملات از قبیل خرید و فروخت' خراج کی وصولی اور قرضوں اور حقوق میں صلح وغیرہ میں غور کرے تو یقین سے جانتا ہے کہ پہلی دفعہ ہی دل کی بات کو ظاہر کرنا فریق مقابل کی طرف سے انکار اور خاموشی کا موجب ہوتا ہے' خراج کے کارندے پہلی دفعہ مزارعوں سے کچھ طلب کرتے ہیں اور آخر میں کچھ اور لیتے ہیں اور سوداگر پہلی دفعہ ایک قیمت لگاتے ہیں اور آخر میں کسی اور قیمت پر راضی ہو جاتے ہیں اور مدعی حضرات دعویٰ کی ابتدا میں زیادہ طلب کرتے ہیں اور آخر میں قلیل مقدار پر صلح کر لیتے ہیں اور چونکہ جبلت انسانی اسی معاملے کا تقاضا کرتی ہے کہ موت کو پکڑ تا کہ بخار پر راضی ہو جائے۔ بندوں کو ذمہ داریوں میں معاملہ الٰہی اسی طرح ظہور فرماتا ہے اسی لیے فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے تمہاری عاجزی جانتے ہوئے تم پر رحم فرمایا۔

فَتَابَ عَلَيْكُمْ پس اس نے تم پر سہولت اور آسانی فرمائی اور شب بے داری' قرآن خوانی اور تہجد گزاری میں معینہ مقداروں کی تمہیں بالکل معافی دے دی اور لغت میں لفظ توبہ طاری حالت سے اصلی حالت کی طرف رجوع کرنے کے معنوں میں ہے

جب یہ لفظ بندوں کے بارے میں استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے معصیت سے طاعت کی طرف لوٹنا سمجھا جاتا ہے اور جب ذاتِ حق جل وعلا کے لیے استعمال کیا جائے تو اس سے دشوار ذمہ داری کی حالت سے سہولت اور آسانی کی طرف لوٹنا سمجھا جاتا ہے جیسا کہ یہاں اور جب ہمارا مقصد تم پر سہولت اور آسانی ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ پس تم پر جس قدر آسان ہو' نمازِ تہجد اور شب بے داری میں قرآن شریف پڑھو کہ کم از کم دو رکعت میں دس آیات ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ رکعتان فی جوف اللیل خیر من الدنیا وما فیھا رات کے دوران دو رکعت ادا کرنا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور زیادہ سے زیادہ قرآن پاک کا ساتواں حصہ' تیرہ رکعات میں ہے اگر وتر بھی باقی ہیں ورنہ بارہ رکعت میں (حدیث شریف کی بے شمار روایات سے ثابت ہے وتر تین رکعت ہیں۔ چنانچہ نسائی شریف' طحاوی' طبرانی صغیر اور حاکم نے مستدرک میں حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی قالت کان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوتر بثلاث لایسلم الافی اٰخرھن حضور علیہ السلام وتر کی تین رکعت ادا فرماتے اور آخر میں سلام پھیرتے۔ نیز ترمذی' نسائی' دارمی' ابن ماجہ' ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقرا فی الوتر بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی وَقُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ وَقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ فِیْ رَکْعَۃٍ رَکْعَۃٍ حضور علیہ السلام وتر میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی وَقُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ وَ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ پڑھا کرتے ایک ایک رکعت میں ایک ایک سورۃ۔

اور جن روایات میں وتر کی ایک رکعت ثابت کی جاتی' وہ معنیٰ حدیث کو سمجھنے میں غلطی ہے کیونکہ اگر یہی معنی ہو کہ وتر کی صرف رکعت ہے تو جن بے شمار احادیث میں تین رکعات ثابت ہیں' ان سے تصادم ہوا۔ ایسا ترجمہ چاہیے کہ تصادم کے بجائے مسئلہ کو تقویت ملے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے دو رکعت کے ساتھ ایک رکعت ملا کر انہیں وتر بنایا اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے جاء الحق حصہ دوم از حکیم الامت مولانا مفتی احمد یار خاں

گجراتی کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

اور بعض نے قرآن پاک کے ایک تہائی تک کی تلاوت بھی جائز قرار دی ہے اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ جس نے قرآن پاک کو تین رات سے کم میں ختم کیا' بے سمجھ اور لایعقل ہے اس لیے کہ تلاوتِ قرآنِ پاک کا جو مقصد ہے' وہ اس کے معنی میں تدبر اور غور وفکر کرنا ہے اور تین راتوں سے کم میں اکثر لوگوں کو یہ مقصد حاصل ہونا بعید ہے اور اس کے علاوہ ترتیل اور تجوید بالکل فوت ہو جاتی ہے۔ پس قرآن' قرآن نہیں رہتا (کم مدت میں ختم قرآن سے روکنے کی علت بیان کا مقصد یہ ہے کہ جو کم مدت میں پورے اہتمام ترتیل و تجوید کے ساتھ پڑھ سکیں' انہیں اجازت ہے۔ دیکھو حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ رمضان پاک میں روزانہ ایک ختم دن میں اور ایک ختم رات میں اور ایک ختم تراویح میں فرماتے اسی طرح طحاوی شریف میں حضرت ابن سیرین سے روایت ہے کہ كان تميم الداري يحيي الليل بالقرآن كله في ركعة حضرت تمیم داری صحابی رسول علیہ السلام و رضی اللہ عنہ رات بھر جاگتے اور ایک رکعت میں قرآن پاک ختم فرماتے۔ محمد محفوظ الحق غفرلہٗ)

اور اگر اے مسلمانو! تم جو ریاضت اور مشقت کا ذوق رکھتے ہو سوچو کہ شب بے داری کی مدت کا تعین رات کے شائع یا معین اجزاء کے ساتھ تو ضرور تکلیف مالا یطاق اور ان مذکورہ خرابیوں کو ضمن میں لیے ہوئے تھا لیکن قرآن پاک کی قرأت کی مقدار کے ساتھ اس مدت کا تعین ہمارے حال سے بہت مناسب تھا اور اس میں کوئی خرابی پیش نہ آتی۔ پس مدت کے تعین کو بالکل ہی کیوں ختم کر دیا گیا' چاہیے تھا کہ قرآن کے احزاب اور اس کے اجزاء پر اس مدت کو موزوں کر کے تعین فرما دیا جاتا مثلاً یوں ارشاد ہوتا کہ پانچ پارے یا چار پارے یا ہزار آیات یا پانچ سو آیات یا چار چار رکوع ایک رکعت میں پڑھتے رہیں۔ ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ازل الآزال میں

عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنكُمْ مَّرْضٰى علم ہے کہ تم میں سے بیمار ہوں گے اور بیماریاں انتہائی مختلف ہوتی ہیں۔ بعض بیماریوں میں ایک آیت بھی پڑھنے کی طاقت نہیں

ہوتی چہ جائیکہ ایک پارہ اور ایک سورۃ

وَاٰخَرُوْنَ یَضْرِبُوْنَ فِی الْاَرْضِ اور دوسرے وہ ہوں گے جو زمین میں دُور دراز کے سفر کرتے ہیں اور وہ سفر ایسے نہیں ہیں کہ انہیں ممنوع اور حرام قرار دیا جائے اس لیے کہ ان سفروں میں وہ

یَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کا فضل طلب کرتے ہیں' ظاہر میں جو کہ رزق' روزی' نوکری اور تجارت ہے یا باطن میں جو کہ طلب علم' حج وعمرہ کی ادائیگی اور صلحا و اولیاء کی زیارت ہے کہ دل کا نورانہی کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ دورانِ سفر اس وقت ایک گھنٹے کے قیام اور ایک سورۃ کی تلاوت کی طاقت نہیں رہتی چہ جائیکہ ہزار آیات اور سو آیات کی۔

وَاٰخَرُوْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اور کچھ اور ہوں گے جو کہ راہِ خدا میں دشمنانِ دین کے ساتھ جنگ کریں گے اگر ہم انہیں قرآنِ کریم کے ایک معین ورد کا حکم دیں تو جنگ اور جہاد میں کوتاہی واقع ہو جائے اور یہ تینوں عذر جو ذکر کیے گئے' قابلِ اعتبار ہیں اس لیے کہ مرض لاحق ہونا اپنے اختیار کے ساتھ نہیں' ارادۂ الٰہی سے ہے اور طلب معاش اور طلب علم دونوں آدمی کی روح اور جسم کی زندگی کی تکمیل کے لیے ضروری ہیں اور دین کے دشمنوں کے ساتھ جہاد اور جنگ کرنا بنی نوع انسان کی تکمیل اور ان کے عقائد و اعمال کی اصلاح میں ضروری ہے اسی لیے اسی ترتیب کے ساتھ ان دونوں عذروں کو ذکر فرمایا گیا ہے اس لیے کہ جو عذر اپنے اختیار کے بغیر ہو' خصوصیت کے ساتھ مقدم ہے کیونکہ بدن کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور بدن عبادت کا آلہ ہے اور جو عذر معاش اور معاد کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس عذر پر مقدم ہے جو کہ اپنی نوع کے افراد کی تکمیل کے ساتھ متعلق ہو اور جب تمہارے بعض افراد کو یہ عذر پیش آنے والے ہیں جن کا اعتبار واجب ہے۔ پس قرآن پاک کے معین ورد کے تعین کے ساتھ عام تکلیف دینا مناسب نہیں ہے۔

فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنْهُ پس اندازہ قرأت کو معین کیے بغیر جو کچھ تم پر آسان ہو'

پڑھو جیسا کہ ہم نے پہلی تخفیف میں وقت قرأت کی مدت معین کیے بغیر حکم دیا تھا اور اگر تمہیں شب بے داری اور تہجد گزاری کے تعین کے گرانے کی وجہ سے اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ریاضت اور مجاہدہ میں کمی واقع ہو جائے اس لیے کہ آدمی کا نفس عمل کا اندازہ معین کیے بغیر اس کی پابندی نہیں کرتا تو جان لو کہ تمہارے ذمہ معین فرائض بھی بے شمار ہیں' ان کی ادائیگی میں مجاہدہ کرو۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اور نماز کو قائم رکھو جو کہ پانچ اوقات میں رکعات کے تعین کے ساتھ تم پر فرض ہے اور نماز قائم کرنا بہت مجاہدہ چاہتا ہے اس لیے کہ اقامت کا معنی درست کرنا ہے اور نماز اس وقت درست ہوتی ہے جبکہ دل' زبان اور اعضاء کے عمل میں کوئی خلل واقع نہ ہو' وہ عمل فرض ہو' خواہ سنت اور خواہ مستحب۔

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور زکوٰۃ دو کہ وہ بھی ایک سال گزرنے کے بعد مال کا ایک جزو معین ہے اور زکوٰۃ کی ادائیگی عظیم مجاہدہ چاہتی ہے اس لیے کہ نفس سے مال کی محبت قطع کرنا بہت دشوار ہے اور ہم ایک اور مجاہدے کا بھی پتہ دیتے ہیں جو کہ بہت گراں اور دشوار ہے۔

وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دو۔ مختصر یہ کہ اس کے بندوں میں سے ضرورت مندوں کو قرض حسنہ دو اور سود نہ لو اور تقاضے کے وقت سختی اور تلخی نہ کرو اور تمہارے حق سے کچھ کم کر دیں یا فی الحال کے بجائے دیر سے دیں تو قبول کر و اور مقروض پر بار بار احسان نہ رکھو اور یہی وہ قرض ہے جس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں نے شب معراج جنت کے دروازے پر لکھا دیکھا کہ جو شخص راہِ خدا میں ایک درہم خیرات کرے' دس درہموں کا ثواب لکھا جاتا ہے اور جو رضائے خداوندی کے لیے ایک درہم قرض دے اس کے لیے اٹھارہ درہم کا ثواب لکھتے ہیں۔ میں نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ قرض دینے کے ثواب کی زیادتی کی وجہ کیا ہے؟ جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ جو شخص راہِ خدا میں دیتا ہے کبھی ضرورت مند کو پہنچتا ہے اور کبھی ایسے کو پہنچتا ہے جو کہ ضرورت مند نہیں جبکہ آدمی قرض اسی وقت لیتا ہے جب اسے

ضرورت ہوتی ہے اس وجہ سے قرض دینے کا ثواب صدقہ دینے کے ثواب سے زیادہ ہوا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ اس طرح قرض دینا نفس پر بہت بھاری اور ناگوار ہے اور عظیم مجاہدہ چاہتا ہے اس لیے نفس انسانی کی جبلت ہے کہ اپنا مال کسی منفعت کی امید کے بغیر خرچ نہیں کرتا خواہ وہ منفعت دنیوی ہو یا اخروی اور ایسا قرض دینے میں اس شخص کے وہم میں کوئی منفعت نہیں آتی اس لیے کہ صدقہ بھی نہیں ہے کہ صدقے کا ثواب پائے اور معاوضہ بھی نہیں ہے تا کہ مال کے بدلے اس کے برابر یا اس سے زیادہ کوئی چیز اس سے حاصل کرے بلکہ اپنے مال کو بلاوجہ قید میں ڈالنا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا ثواب صدقے کے ثواب سے دوگنا رکھا گیا ہے۔ دوگنا دینے کی توجیہ یہ ہے کہ جب صدقہ میں ایک درہم دس درہم کے برابر ہوتا ہے اور یہاں ایک درہم اس جہت سے کہ قرض ہے اس شخص کی طرف لوٹے گا کہ اس کا مطالبہ باقی ہے۔ پس گویا ایک درہم قرض میں دیئے میں نو درہم صدقہ میں دیئے اور نو کو جب دوگنا کریں تو اٹھارہ ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے افعال کے اسرار کو زیادہ جانتا ہے۔

وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ اور جو کچھ تم اپنی ذات کے لیے آگے بھیجتے ہو تا کہ آخرت کا ذخیرہ ہو۔ مِنْ خَيْرٍ کوئی نیکی خواہ نفلی نماز ہو یا نفلی روزہ یا نفلی خیرات یا شب بے داری یا دوسری بدنی' مالی اور ساز و سامان سے متعلق عبادات۔

تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ تم اس کا اثر خدا تعالیٰ کے نزدیک پاؤ گے۔ هُوَ خَيْرًا کہ تمہاری دنیوی نیکی سے وہ اثر بہتر ہوگا اس لیے کہ تمہیں قرب کی حلاوت بخشے گا۔ وَّاَعْظَمَ اَجْرًا اور آخرت میں از روئے ثواب بہت بڑا ہوگا' کمیت میں بھی اور کیفیت میں بھی اور بقاء اور عدم فنا میں بھی۔

پس تمہارے پاس مجاہدے اور ریاضت کے لیے نوافل اور تطوعات کا ایک وسیع میدان ہے اور اگر اس کے باوجود تمہیں اپنے گناہوں کا خوف ہے تو ہم اس کے علاج کا بھی پتہ دیتے ہیں۔

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اور اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگو۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تحقیق اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے' طاعتوں میں تمہاری کوتاہیوں کو بخش دے گا اور ان طاعات کا ثواب انہیں کامل کر کے تمہیں عطا فرمائے گا اور تم سے گناہوں کی تاریکی بالکل مٹا دے گا۔ پس استغفار بمنزلہ دائمی تنقیہ کے ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے صحت کی حفاظت اور مرض دُور کرنے میں ریاضت اور ورزش کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔

سورۃ مدثر

مکی ہے اور اس سورۃ کا ابتدائیہ بعثت اور نزولِ قرآن کے اوائل میں نازل ہوا۔ کہتے ہیں کہ سورۂ اقرء کے ابتدائیہ کے بعد اسی سورۃ کے ابتدائی کلمات نازل ہوئے ہیں اور بعض نے ن والقلم کو نزول میں اس سورۃ سے پہلے قرار دیا ہے۔

سببِ نزول

اور اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ اقرء کے نزول کے بعد نزولِ قرآن کا شوق دل میں جاگزیں ہو گیا اور ایک مدت گزر گئی کہ کچھ بھی نازل نہ ہوا اور اس مدت کو فترۃ الوحی کی مدت کہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی نہ ہونے کی وجہ سے اس مدت میں بہت قلق اور کوفت ہوئی یہاں تک کہ چند مرتبہ اس قصد سے گھر سے باہر تشریف لائے کہ خود کو کسی پہاڑ سے نیچے گرا کر واصل بحق ہو جائیں۔ بار بار کوہِ حرا پر جاتے جو کہ آپ کی جائے عبادت اور مقامِ اعتکاف تھا اور خلوت اختیار کرتے۔ ایک دن اس پہاڑ سے ہو کر آستانہ پاک کی طرف آ رہے تھے کہ راستے میں آسمان کی طرف سے آپ کو ایک آواز سنائی دی جب آپ نے آسمان کی طرف نگاہ اُٹھائی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو کہ غارِ حرا میں آیا تھا' آسمان اور زمین کے درمیان ایک زریں چمک دار کرسی پر بیٹھا ہے اس کا بہت بڑا جسم ہے جس نے آسمان کا سارا کنارہ پُر کر رکھا ہے اور چھ سو پر ہیں جن میں مروارید اور یاقوت لٹکتے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپ پر غشی طاری ہو گئی اور زمین پر آ رہے اور افاقہ کے بعد گھر تشریف لائے' اپنی اہلیہ جو کہ حضرت خدیجہ علیہا السلام تھیں' فرمایا کہ مجھے لحاف اوڑھاؤ کہ جسم پر لرزہ ہے۔ آپ کی اہلیہ

نے آپ کو کپڑے اوڑھائے اسی اثنا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آسمان سے اُتر کر آپ کے سامنے حاضر ہوئے اور یہ آیت لائے یَآاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ سے وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ تک بعدازاں وحی کا سلسلہ جاری ہو گیا اور پے در پے وحی آنے لگی۔

سورۂ مزمل کے ساتھ رابطہ کی وجہ

اور اس سورۃ کی چھپن (۵۶) آیات ہیں اور سورۂ مزمل کے ساتھ اس سورۃ کے مربوط ہونے کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ فرق یہ ہے کہ اس سورۃ کی ابتدا میں حضور علیہ السلام کو راہِ خدا کے سلوک کے لوازمات' مجاہدۂ نفس اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے جبکہ اس سورۃ کے اوائل میں ارشاد اور مخلوقِ خدا کی ہدایت کے لوازمات کا حکم ہے اور کامل ہونے کا مرتبہ کامل کرنے کے مرتبے سے پہلے ہے۔ اسی بناء پر دُور بیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُس سورۃ کو اِس سورۃ سے پہلے لکھا ہے اور دونوں سورتوں کے کلام کی روش' مستعمل الفاظ اور مختلف مضامین بھی کامل ہونے کے ساتھ نزدیکی اور مناسبت رکھتے ہیں۔ اس سورۃ کے ابتدا میں حضور علیہ السلام کو مزمل کا خطاب دیا گیا ہے جبکہ اس کی ابتدا میں مدثر کا خطاب ہے اور دونوں خطاب معنی میں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ وہاں فرمایا گیا ہے قُمِ اللَّیْلَ جبکہ یہاں قُمْ فَاَنْذِرْ لیکن اُس سورۃ میں اُٹھنا اپنی ذات کا کمال حاصل کرنے کے لیے ہے جبکہ یہاں مخلوقِ خدا کی تکمیل کے لیے ہے اور وہاں فرمایا گیا ہے وَاصْبِرْ عَلٰی مَایَقُوْلُوْنَ وَاھْجُرْھُمْ ھَجْرًا جَمِیْلًا جبکہ اس سورۃ میں وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ۔ اُس سورۃ میں روزِ قیامت کے اوصاف میں یوں ارشاد ہوا یَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ یَوْمًا یَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِیْبًا جبکہ اس سورۃ میں اسی دن کے اوصاف یوں بیان فرمائے گئے ہیں فَذٰلِكَ یَوْمَئِذٍ یَّوْمٌ عَسِیْرٌ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ

سورۂ مدثر کی وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۂ مدثر اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس کے ابتدا میں حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو مدثر کے ساتھ خطاب فرمایا گیا ہے اور لغتِ عرب میں مدثر اسے کہتے ہیں جو کہ دوسرے کپڑوں کے اوپر سے ایک وسیع کپڑا اوڑھے تا کہ سردی اور کپکپی کو دُور کرے۔ پس یہ خطاب دلالت کرتا ہے کہ وحی الٰہی کا نزول اس قدر عظمت رکھتا ہے کہ مخلوقات میں سے سب سے قوی شخصیت جو کسی سے نہیں ڈرتے تھے اور ان کی شجاعت اور حوصلے کی وسعت زمانے بھر میں ضرب المثل تھی' انہیں احساسِ ذمہ داری کی وجہ سے اس سے اس قدر خوف ہوا کہ لرزہ براندام ہو گئے اور خود کو ضبط نہ کر سکے۔ پس جو لوگ اپنے اوپر نزولِ وحی کی فرمائش کریں اور کہیں کہ اگر حق تعالیٰ کو ہماری ہدایت منظور ہے تو ہم میں سے ہر ایک کو جدا جدا وحی کیوں نہیں فرماتا کہ یوں کرو اور یوں نہ کرو' وہ وحی کے خوف اور عظمت سے واقف نہیں ہیں اور وہ اپنی دِلی کمزوری اور بے حوصلگی کو دیدہ دانستہ چھپاتے ہیں جیسا کہ اس سورۃ کے آخر میں ان کی اس بے ہودہ گفتگو کی طرف اشارہ آئے گا کہ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً

نیز اس بات کا اشارہ ہو کہ جو شخص کسی منصب کا لباس پہنے جیسے شیخ ہونے کا خرقہ' قاضی اور مفتی ہونے کا ٹپکا' محتسب اور دوسری خدماتِ شرعیہ کی خلعت اسے اس منصب کے لوازم کو اپنائے بغیر چارہ نہیں اور جب تک اس منصب کا حق پورے طور پر ادا نہ کرے جھوٹا' دغاباز اور خائن ہے۔ اعاذنا اللہ من ذلك اس لیے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب وحی کے فرشتے کو دیکھنے کی وجہ سے مرعوب ہو کر دولت خانہ پر تشریف لائے اور اپنے اوپر بالاپوش اوڑھ لیا اور پہلے بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ پس گویا آپ کا بالاپوش اوڑھنا آپ کے اہلِ بیت کی نظر میں نزولِ وحی کی علامت ہو گیا جب بھی حضور علیہ السلام بالاپوش طلب فرمائیں تو سمجھا جا سکتا تھا کہ آپ پر وحی آئی لہٰذا آپ سے فرمایا گیا کہ جب آپ اس علامت کے ساتھ مشہور ہو گئے کہ آپ پر بار بار وحی آتی ہے اور آپ بالاپوش اوڑھتے ہیں۔ پس اس خدمت کا حق بجالائیں اور اُٹھیں اور مصروفِ عمل ہو جائیں۔

نیز تا کہ اپنے پروردگار کے دربار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا تذکرہ مخلوق کی زبان پر عام ہو اور جو بھی یہ سورۃ پڑھے یا سنے' وہ آپ کی محبوبیت کے درجۂ کمال

کا سراغ لگائے اس لیے کہ محبوب کے لباس کے انداز اور ادا کو بہت پسند کرنے کی وجہ سے بار بار یاد کیا جاتا ہے اور اس محبوب کو اسی انداز و ادا کے ساتھ خطاب کیا جاتا ہے جیسا کہ عاشق اپنے معشوق سے کہتا ہے کہ اے سرخ دستار والے اور اے زلف دراز والے!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ اے بالا پوش اوڑھنے والے! فرشتۂ وحی کے آنے سے پہلے آپ کے لیے کوئی خوف کا مقام نہیں ہے بلکہ آپ کا حق یہ ہے کہ دوسروں کو ڈرائیں اور انہیں خوفِ خدا میں ڈالیں۔

قُمْ فَاَنْذِرْ اٹھیے اور لوگوں کو عذابِ خداوندی سے ڈرایئے اور اگرچہ منصب نبوت دونوں چیزوں کا تقاضا کرتا ہے' ڈرانا بھی اور بشارت دینا بھی لیکن جب افرادِ انسانی میں سے کوئی بھی کوتاہی سے خالی نہیں ہوتا تو ڈرانا عام ہے۔ بخلاف بشارت کے کہ صلاح و تقویٰ والوں کے ساتھ خاص ہے اور جس کام کا فائدہ عام ہو' وہ اس کام کی نسبت اہم اور زیادہ راجح ہوتا ہے جس کا فائدہ خاص ہو۔ نیز جب حضور علیہ السلام ڈرتے تھے' انہیں ڈرانے کا حکم دینا مناسب ہوا۔ نیز جس وقت یہ سورۃ نازل ہوئی سارا جہان کفر اور فجور سے بھرا پڑا تھا اور کوئی بھی بشارت کے قابل نظر نہیں آتا تھا جو بھی تھا' ڈرانے کے لائق تھا۔ ان امور کی بناء پر یہاں صرف ڈرانے پر اکتفا فرمایا گیا اور چونکہ لوگوں کو عذابِ خداوندی سے ڈرانا اس عذاب کی عظمت اور اس بات کو بیان کیے بغیر نہیں ہوتا ہے کہ اس کی برداشت اور تدارک ممکن نہیں ہے اور عذاب کی عظمت اور اس کی لاعلاجی اس ذات کی عظمت کے بیان کے بغیر جو کہ عذاب دے گا اور یہ بیان کیے بغیر کہ اس کی قدرت کے برابر کسی کی قدرت نہیں ہے اور اس کے علم کے برابر کسی کا علم محیط نہیں اور اس کے ہاتھ سے نکل جانے' چھپ جانے اور اس کی دانست سے غائب ہو جانے کا تصور نہیں ہے' پورے طور پر بیان نہیں ہوتی۔ پس آپ کو ایک اور کام بھی کرنا چاہیے۔

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ اور اپنے پروردگار کو پس بزرگی اور عظمت کے ساتھ یاد کریں اور ان کے ذہن نشین کر دیں کہ احاطہ علم اور عموم قدرت میں کوئی بھی اس کی برابری نہیں کر سکتا

اور چھوٹی بڑی کوئی شے اس کے علم سے غائب نہیں اور آسان اور دشوار کوئی چیز اس کی قدرت پر گراں نہیں۔

اہل اسلام کے عرف میں تکبیر خوشی اور شادی کی علامت ہے

اور بعض نے کہا ہے تکبیر سے مراد نماز کی تکبیر ہے کہ تحریمہ کی ابتدا سے لے کر نماز کے آخر تک ہر انتقال میں اللہ اکبر اللہ اکبر کہا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اہلِ اسلام کے عرف میں تکبیر خوشی اور شادی کی علامت تھی۔ پس گویا یوں فرمایا گیا کہ آپ خوش رہیں' خوش وقت رہیں' اپنے تک کسی خوف کو راہ نہ دیں کہ ہم نے یہ عظیم منصب آپ کو عطا فرمایا اور آپ کو رسالت کی خلعت پہنائی اور اس تفسیر کی تائید اس سے ہوتی ہے جو کہ بعض روایات میں وارد ہوا کہ جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے یہ آیت سُن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے فرمایا اللہ اکبر اور یہ سُن کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی تکبیر کہی اور سب اہلِ خانہ نے بھی آپ کی پیروی کرتے ہوئے تکبیر کہی اور خوش ہوئے کہ یہ لرزہ اور ڈر نزولِ وحی کی وجہ سے تھا اور کوئی خطرے والی بات نہ تھی' اس کے بعد اہلِ اسلام کے عرف میں تکبیر خوشی اور شادی کی علامت ہوگئی۔

عیدین' ایام حج وتشریف میں تکبیر واجب ہونے کا راز

اسی لیے عیدین اور حج وتشریق کے ایام میں واجب ہے کہ ہر نماز فرض کے بعد بلند آواز سے تکبیر ادا کریں۔ اور پنج گانہ نماز کی ابتدا میں بھی۔ اور نمازِ عیدین' ایام تشریق ومنیٰ میں بھی تسبیح اور تحمید کے بجائے جو کہ کہیں واجب نہیں ہیں' تکبیر کو واجب کرنے کا راز یہ ہے کہ یہ ذکر اہلِ اسلام وتوحید کا خاص ذکر ہے اس لیے کہ اس چیز کا اعتقاد کہ کسی صفت کمال میں کوئی بھی خداتعالیٰ کے برابر نہیں ہے' اسی کے ساتھ مخصوص ہے۔ بخلاف تسبیح و تحمید کے مضمون کے کہ بنی آدم کے تمام گروہ اس کے معتقد ہیں۔

تاریخ اسلام میں تکبیر کے مواقع اور برکات

اور جو شخص کتب حدیث پاک اور سیر صحابہ کا مطالعہ کرتا یہاں تک یقین کر لیتا ہے

کہ ان کی کوئی مجلس تکبیر سے خالی نہیں ہوتی تھی؛ ہر نعمت پر تکبیر کہتے تھے اور ہر خوشی میں یہ نغمہ بلند کرتے تھے اور جنگ اور لڑائی کے وقت اسی کلمے کے ساتھ اپنے مالک کی عظمت اور اپنے مدمقابل کی حقارت کو یاد کرتے تھے اور خوف آفات جیسے آگ لگنے اور جنات وغیرہ کے ظاہر ہونے کے وقت اسی ذکر کی برکت سے امداد ڈھونڈتے تھے اور انہوں نے اذان واقامت میں اسی کلمے کو تروتازہ پھول اور نغمہ ساز بنایا ہے۔ پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اس اُمتِ مرحومہ میں اس امر الٰہی کے مضمون پر عمل اس قدر رائج ہوا تھا جیسا کہ ہونا چاہیے۔ چنگیزیوں اور ترکوں کے تسلط کے وقت سے اس امر کا رواج اور تمام رسوم اسلام کم ہونا شروع ہو گئے یہاں تک کہ اب اس کا کوئی نام ونشان بھی موجود نہیں۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ امام مہدی علیہ السلام کے وقت مسلمانوں کا ایک گروہ قسطنطنیہ کے قلعہ کو اسی کلمہ کے زور سے فتح کریں گے اور اس قلعہ کی سنگین دیواران کی تکبیر کی آواز کے صدمے سے گر جائے گی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فتوحات کے حالات میں ذکر کرتے ہیں کہ قلعہ اصطخر کی دیوار تکبیر عمری اور دیگر اہلِ اسلام کی تکبیر کی آواز سے پیوند زمین ہوگئی اور اس کلمہ نے اس قدر اثر کیا کہ وہ جب بھی اس دیوار کو اونچا کرتے تھے غیب سے آوازِ تکبیر سنائی دیتی تھی اور وہ دیوار پھر گر پڑتی تھی۔ المختصر اس کلمے کے مضمون کو نصب العین بنانا وجودِ شرک سے بھی نجات بخشتا ہے کہ کوئی چیز خدا تعالیٰ کے برابر نظر میں نہیں آتی اور مصیبتوں، آفتوں کو ہلکا کرنے اور خطرناک امور کا خوف دل سے دُور کرنے میں بھی کارگر ہوتا ہے لیکن اس کلمے کا مضمون اس وقت نصب العین ہوتا ہے کہ انسان کو ظاہر و باطن کی پاکیزگی نصیب ہو اس لیے کہ پاک چیز کی عظمت ناپاک قلب و خیال میں جگہ نہیں پکڑتی۔ پس اس کلمے کا فائدہ حاصل کرنے کے لیے ظاہر و باطن کی طہارت بھی ضروری ہوئی۔ چنانچہ فرمایا:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ اپنے کپڑوں کو پس خوب پاک کیجیے اسی لیے یہاں طہارت بدنی کا حکم نہیں دیا گیا اس لیے کہ بدن کو پاک کرنا بطریق اولیٰ سمجھا جاتا ہے اور جب کپڑے کی پاکیزگی کا حکم ہوا جو کہ بدن کے ساتھ متصل ہونے کا تعلق رکھتا ہے تو بدن کو جو کہ مقصود

بالذات ہے' کیوں پاک نہ رکھا جائے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ عرب کے استعمال میں کپڑے کی دو قسمیں ہیں' جامۂ ظاہر اور جامۂ باطن اور طہارت کی بھی دو قسمیں ہیں' طہارت صوری اور طہارت معنوی۔ پس اس کلمے کی تفسیر میں چار احتمال حاصل ہوئے اور ان تمام احتمالات کو ایک ساتھ مراد لینا چاہیے۔ اگرچہ عموم مجاز کے طریقے سے ہی ہو۔ پہلا احتمال یہ ہے کہ اپنے ظاہری کپڑوں کو نجاستوں اور پلیدیوں سے پاک رکھیں اس لیے کہ فرض اور نفل نمازوں اور ذکر الٰہی میں مشغول ہونا مردِ مومن کے ہمیشہ پیش نظر رہتا ہے اور ملائکہ اور پاکیزہ ارواح کے ساتھ مناسبت مقصود اور یہ مقصد اپنے ظاہر کو پاک رکھے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ انتہائی فرق یہ ہے کہ نماز میں پاک رکھنا فرض ہے اور حالتِ نماز کے علاوہ فرض نہیں اور جن چیزوں سے کپڑوں کو پاک رکھنا چاہیے' بول و براز' منی' مذی' ودی' قے' خون اور پیپ ہے اگر ان چیزوں میں سے کپڑے کو ہاتھ کی ہتھیلی کے برابر لگ جائے' وہ کپڑا نماز کے قابل نہیں رہتا مگر تین بار دھونے اور نچوڑنے کے بعد۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ظاہری کپڑے کو معنوی نجاست سے پاک رکھیں اور کپڑے کی معنوی نجاست یہ ہے کہ کسی سے چھینا نہ ہو اور چوری' خیانت اور دوسرے حرام طریقوں سے کمایا نہ ہو۔ اور وہ جس کا استعمال حرام ہے جیسے مرد کے لیے ریشمی کپڑا استعمال میں نہیں لاتے اور اس کے کاٹنے سینے میں اسراف اور غیر شرعی امور کے مرتکب نہ ہوں جیسے دامن کو ٹخنے سے لمبا کرنا۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ کپڑے سے مراد صفات اور اخلاق ہوں اس لیے عرب کبھی جامہ کہتے ہیں اور شخص کی ذات مراد لیتے ہیں اور کبھی اس کی آبرو' کبھی اس کا نام اور مرتبہ۔ چنانچہ کہتے ہیں الکرم فی بردیہ نیز کہتے ہیں کہ فلاں طاہر الذیل یعنی پاک دامن ہے اور فلاں نقی الثوب ونقی الجیب اور مناسبت کی وجہ یہ ہے کہ جب کسی شخص کا کپڑا اس کے بدن پر محیط ہوتا ہے اور دُور سے وہی محسوس ہوتا ہے اور کپڑے کی وجہ سے ایک شخص دوسرے سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ گویا وہ اس کی ذات اور صفات خاصہ کا حکم رکھتا ہے۔ پس

آیت کا معنی یوں ہو کہ اپنی ذات اور آبرو کو بُری صفات' مذموم اخلاق اور قبیح تہمتوں سے محفوظ رکھیں۔

چوتھا احتمال یہ ہے جامہ سے مراد بدن ہو جو کہ استنجاء کا مقام اور دوسرے ستر کے اعضاء ہیں اور تطہیر سے مراد پانی کے ساتھ استنجاء کرنا اور بول و براز کو پوری کوشش کے ساتھ دُور کرنا اور پورے بدن کو پلیدیوں اور نجاستوں سے پاک صاف رکھنا۔

بہر حال ظاہری تطہیر کو باطنی تطہیر میں پورا اثر ہے اور کپڑوں کی صفائی دل کی صفائی کا عنوان ہوتا ہے۔ خصوصاً جس کی عظمت اور بزرگی دِلوں میں بٹھانا اور اس کے کہے ہوئے کو واجب القبول سمجھنا منظور اور مقصود ہو' اسے جامہ بدن کو پاک کرنے میں زیادہ تر کوشش کرنا چاہیے تا کہ لوگوں کی نظر میں حقیر معلوم نہ ہو اور اس کے کہے ہوئے سے لوگ محروم نہ رہیں لیکن یہاں کپڑا پاک کرنے کا بیان ہے جو کہ اس مقصد اور اس مقصد کے لیے ایمان والوں کو ضروری ہے نہ کہ نفیس پوشی اور مہنگی قیمت والا کرنا کہ وہ ایمان کے منافی ہے مگر اپنے اوپر نعمتِ الٰہی کے اظہار اور اس کا شکر ادا کرنے کے قصد کے مقام میں کہ اس نیت سے مستحب ہو جاتا ہے۔

اور جب ظاہری طہارت کے بیان سے جو کہ مقدم تھا' فراغت ہوئی' باطنی طہارت کا بیان فرمایا جا رہا ہے جو کہ مقصود بالذات ہے۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ اور نجاست کی تمام اقسام کو پس چھوڑ دو جیسے خراب اعتقادات' مذموم اخلاق' جھوٹی گفتگو' افعالِ قبیحہ اور دوسری معنوی نجاستیں جو کہ لذتوں کے ساتھ دل کے متعلق ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں اور آدمی کی روح کو ملوث کر دیتی ہیں۔

اور اگر وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ میں اس کے بعض احتمالات کی بناء پر ان امور سے باطنی طہارت کو بھی شامل قرار دیا جائے جیسا کہ گزرا پس اس آیت اور اس آیت کے مضمون میں فرق یہ ہے کہ وہاں ان حاصل ہونے والے امور سے باطن کو پاک کرنے کا حکم ہو گا جبکہ یہاں ان امور کے وقوع و حصول سے پہلے ان سے روکنا ہے جیسا کہ فاہجر کا لفظ اس پر صریح دلیل ہے۔ نیز رجز سخت پلیدی کو کہتے ہیں۔ پس اس آیت میں ان امور سے

پرہیز اور انہیں زائل کرنا منظور ہے جو کہ حال کے طریقے سے کبھی کبھی صادر ہوتے ہیں جبکہ یہاں انہیں امور سے روکا گیا جبکہ وہ ملکہ اور مقام راسخ کے کے طریقے سے ہو جائیں یا راسخ ہونے کے قریب ہو جائیں۔ ہر تقدیر پر ظاہر و باطن کی تطہیر آدمی کو مقدس عالم بالا کے مناسب کر دیتی ہے۔ پس اس عالم کے فیض کو حاصل کرنا ان کی کامل مناسبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ فیض مخلوق کو عطا کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔ اور چونکہ روح کو ملوث کرنے والی چیزوں میں سے معتمد چیز جو کہ باطن کو بہت خراب کرتی ہے' دنیوی طمع ہے لہٰذا اسے خصوصیت کے ساتھ بیان فرمایا۔

وَلَا تَمْنُنْ اور کسی پر احسان نہ رکھیں۔ تبلیغ قرآن' تبلیغ احکامِ الٰہی' مالی احسان' کارکشائی اور حاجت روائی کی وجہ سے تَسْتَكْثِرُ اس غرض سے شاگردوں' مریدوں اور طالبان رشد کی کثرت حاصل کریں اور اس وجہ سے زیادہ عزت حاصل ہو اور زیادہ مال حاصل ہو بلکہ اس نیت کے ساتھ کسی کو کچھ نہ دو کہ اس کا عوض زیادہ کر کے تمہیں دے اس لیے کہ یہ بھی طمع کی ایک قسم ہے جو کہ باطن کو ملوث کرنے میں نجاست کا حکم رکھتی ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت کا معنی یوں ہے کہ نیکی کرنے کے وقت کسی پر احسان نہ رکھو اور اس احسان کو بہت جان کر یوں مت کہو کہ میں نے فلاں کے بارے میں ایسا ایسا کیا اس لیے کہ احسان جتلانا احسان کے اجر کو ختم کر دیتا ہے بلکہ اس احسان کو حقیر سمجھے اور احسان لینے والے کا اپنے اوپر احسان شمار کر جس نے یہ حقیر چیز تجھ سے قبول کر لی' تجھے اجر و ثواب کا مستحق کر دیا جیسا کہ حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ جب کوئی منگتا آپ کے پاس آتا تو آپ فرماتے مرحبا بمن تحمل زادنا بلا اجر یعنی خوش آمدید تا کہ آپ ہمارا توشۂ آخرت مزدوری کے بغیر اُٹھائیں۔ پس یہ آپ کا ہم پر احسان ہے۔

اور جب کسی شخص کو یہ سب امور یعنی عظمتِ الٰہی کا بیان' باطن و ظاہر کی تطہیر اور دنیا میں بے طمعی حاصل ہو گئی تو وہ پیر اور مرشد ہونے کے مرتبے کے لائق ہو گیا لیکن اسے ان سب کے باوجود حوصلے کی فراخی' جفائے خلق کی برداشت' ان کی ایذاء کو گوارا کرنا اور

ان سے ظاہر ہونے والی اپنی گوئی کو سننا ضروری ہوتا ہے ورنہ ان کی صحبت ترک کر کے بھاگ جائے گا اور راہبوں اور خلوت نشینوں کی طرح ارشاد و مشیخت کا کام سرانجام نہیں دے گا لہٰذا اسے اس امر کا بھی حکم دیا جا رہا ہے۔

وَلِرَبِّكَ اور اپنے پروردگار کی رضامندی کے لیے نہ کہ مخلوق کی دلجوئی کے لیے فَاصْبِرْ صبر کیجیے اور ان کی جفا برداشت کریں اور دُکھ تکلیف اُٹھانے کے باوجود ان کی صحبت سے کنارہ کشی نہ کریں تاکہ آپ ارشاد کی ذمہ داری پوری کر سکیں۔

خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے اور مخلوق کی دلجوئی کے لیے صبر کرنے میں فرق

اور رضائے خداوندی کے لیے صبر اور مخلوق کی دلجوئی کے لیے صبر کے درمیان فرق کرنے والی علامت یہ ہے کہ اگر اس سے کمزوروں، غریبوں اور گداؤں کی جفا کی برداشت اسی طرح ہو جس طرح اہلِ ثروت اور امیروں کی جفا برداشت کرتا ہے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ صبر صرف حکمِ خداوندی کے لیے ہے اور اگر کمزوروں، غریبوں اور گداؤں کی جفا کی برداشت امیروں اور دولت مندوں کی جفا کی برداشت سے کم ہے تو سمجھنا چاہیے کہ یہ صبر مخلوق کی خاطر ہے۔

اور اگر دل میں خیال گزرے کہ جب مجھے صبر کا پابند کر دیا گیا اور کافروں کی جفا برداشت کرنے کا حکم دیا گیا تو مجھے تو بہت دشواری پیش آ گئی کہ نہ بدلہ لینے کا حکم دیا گیا نہ وہاں سے جانے کی اجازت جبکہ کفار کو مجھ پر حوصلہ اور دلیری دے دی گئی، میری مخالفت میں بھی ان پر آسانی ہے اور مجھے ستانے میں بھی۔ ہم کہتے ہیں کہ آپ کی یہ تمام دشواری اور ان کی آسانی دنیا کی چندروزہ زندگی سے زیادہ نہیں ہے۔

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ تو جب نقارہ پیٹا جائے اور سفر اور کوچ کرنے کا اعلان کر دیں اور آخرت کا سفر درپیش آئے فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ تو یہ نقارہ پیٹنا اور رحلت اور کوچ کا اعلان اس دن کے واقعات سے گویا

يَوْمٌ عَسِيْرٌ ایک مستقل دن ہے کہ نہایت دشوار اور سخت ہے اور اگرچہ ایک آواز سے زیادہ نہیں ہے لیکن سختی اور شدت میں پورے دن کا حکم رکھتا ہے کہ اس کا اثر دیر تک

رہے گا اور اس دن کے واقعات میں سے کوئی واقعہ اس سے زیادہ سخت نہ ہوگا۔

اور بعض مفسرین نے ناقور کو تشبیہ بعید کی بناء پر صور پر محمول کیا ہے اس لیے کہ صور اور دَم کشی کے دوسرے آلات جیسے بانسری وغیرہ میں پھونک مارنے کی وجہ سے آواز پیدا ہوتی ہے اور چمڑے والے آلات میں جیسے دَف، طبل اور ڈھول اور تاروں والے آلات جیسے ستار، طنبور اور قانون بجانے اور کوٹنے سے آواز پیدا ہوتی ہے، پہلے نقر کو نفخ یعنی پھونک مارنے سے تشبیہ دی اس کے بعد صور کو ناقور کے ساتھ جس کا معنی ہے وہ شے جس میں پھونک ماری جائے تو نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ کا معنی یہ ہوا کہ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ لیکن کافر پر شدت اور دشواری کی ابتدا اس کی موت کے وقت سے شروع ہو جاتی ہے نہ کہ نفخ صور کی ابتدا سے۔ پس اس عبارت کو موت آنے پر موت کو جنگ اور لڑائی کی تیاری کے ساتھ لشکر کے کوچ کرنے کی مثل قرار دینے کے طریقے سے زیادہ مناسبت معلوم ہوتا ہے۔

اور حلیمی نے کتاب المنہاج میں ذکر کیا ہے کہ نقر، نفخ کے علاوہ کوئی اور چیز ہے اس لیے کہ اخبار میں آیا ہے کہ صور میں ارواح کی گنتی کے برابر سوراخ ہیں تو جب نفخ صور بے ہوش کرنے اور مارنے کے لیے ہوگا تو نقر اور نفخ دونوں عمل میں لائے جائیں گے تاکہ آواز میں شدت پیدا ہو اور جہان کی ہلاکت اور خرابی کا موجب ہو اور جب زندہ کرنے اور ہوش میں لانے کے لیے ہوگا تو نفخ پر اکتفا کریں گے کیونکہ اس نفخ کا مقصد ارواح کو ابدان کی طرف بھیجنا ہے اور وہ صرف نفخ سے حاصل ہوسکتا ہے لیکن اس کلام میں یہی خدشہ ہے کہ جب نقر پہلے نفخہ کے ساتھ ملا ہوا ہے تو کفار پر شدت کا سبب کیونکر ہوگا اس لیے کہ وہ تو موت کو راحت سمجھیں گے اور اس کی آرزو کریں گے کہ يَالَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ اور اگر کفار کے بارے میں کوئی شدت اور سختی ہوگی تو دوسرے نفخہ کی ابتدا میں ہوگی کہ انہیں زور کے ساتھ محشر میں کھینچ لائیں گے اور حساب کے بندھنوں میں گرفتار کریں گے۔

مگر یہ کہا جائے کہ اس شدت کی ابتدا وہی شدت ہے جو کہ پہلے نفخہ میں تھی تو گویا

شدت اور سختی کی ابتدا اسی وقت سے شروع ہو جائے گی۔ بہر حال خواہ موت اور اس کے بعد کی شدت اور سختی مراد ہو اور خواہ قیامت کی ہولنا کیوں کی سختی اور شدت اللہ تعالیٰ کے کرم سے ایمان والوں میں اثر نہیں کرے گی بلکہ اس روز کی سختی اور شدت

عَلَى الْكَافِرِيْنَ فقط کافروں پر ہے اس لیے کہ اگرچہ پہلی دفعہ ایمان والے اور نیک لوگ بھی شدت اور سختی میں گرفتار ہوں گے لیکن ایمان کی تاثیر اور انبیاء علیہم السلام اور قرآن پاک کی شفاعت کی وجہ سے وہ سختی آسانی میں بدل جائے گی۔ بخلاف کفار کے کہ اس روز ان پر دم بدم شدت بڑھے گی۔

غَيْرُ يَسِيْرٍ آسان ہونے والی ہرگز نہیں جیسا کہ دنیا میں ان پر سختی اور شدت آسان ہو جاتی تھی یا جس طرح کہ اس روز کی شدت اور سختی ایمان والوں پر آسان ہو جائے گی اور صحیح حدیث میں واقع ہے کہ قبر آخرت کے سفر کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے جس نے اس منزل میں شدت دیکھی اور تکلیف اٹھائی' اسے آئندہ دوسری منزلوں میں شدت اور سختی زیادہ تیز لاحق ہوگی اور جس نے اس کی شدت اور سختی سے نجات پائی' اسے آئندہ دوسری منزلوں میں زیادہ تر آسانی اور راحت نصیب ہوگی۔

اور جب آپ نے معلوم کر لیا کہ کفار پر شدت اور سختی اور ان کے بارے میں میرے قہر و انتقام کے ظہور کا وقت موت اور اس جہان سے گزر جانے کے بعد ہے' نہ کہ دنیا اور اس جہان کی زندگی اس لیے کہ اگر اس جہان میں انہیں شدت اور سختی میں گرفتار کر دیا جائے تو انہیں برے عمل اور کفر کی فرصت اور مال اور نفع لینے کے دوسرے اسباب پر قدرت اور طاقت حاصل نہ ہوگی اور امتحان اور آزمائش کے معنی کی صورت نہیں بنے گی۔ پس ان سے انتقام لینے اور انہیں کفر کی سزا دینے کی طلب میں جلدی نہ کریں۔

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا مجھے چھوڑ دیں اور اسے جسے میں نے پیدا کیا ہے' تن تنہا نہ اس کی فوج تھی نہ لشکر' عورت تھی نہ اولاد' کوئی روزی تھی نہ کپڑا' مال تھا نہ متاع

وَجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا اور ہم نے اس کے لیے مال فراواں کیا جس کی مدد پے در پے پہنچ رہی ہے۔

علماء نے فرمایا ہے کہ جس مال کی مدد پے در پے پہنچتی ہے' تین قسم کا ہے۔ پہلی قسم مالِ زراعت' دوسری قسم مویشی اور تیسری قسم مالِ تجارت کہ ان تینوں قسموں میں سے جو نفع حاصل ہوتا ہے' خرچ سے زیادہ ہے۔ بخلاف دوسرے اموال کے اور ان آیات میں اس کافر کے حال کی طرف اشارہ ہے جو کہ قریش میں مال داری اور دولت میں مشہور تھا جس کا نام ولید بن مغیرہ تھا' اسے ان تینوں قسم سے مال عطا کیا گیا تھا۔ طائف میں اس کے بے شمار باغات اور کھیتیاں تھیں' اس کے باغات میں موسمِ سرما اور موسمِ گرما کے پھل بافراغت ہوتے تھے' اس کے کھیتوں میں ہر قسم کی فصل پیدا ہوتی تھی اور اس کے بے شمار مویشی تھے جن کی اون' دودھ' گھی اور نسل سے بڑی آمدنی حاصل کرتا تھا اور کپڑے سے لے کر مردار ید بیچنے تک مختلف قسم کی تجارت کرتا تھا' اس کے بے شمار نوکر اور غلام تھے جو کہ ان کاموں پر مقرر تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کے گھر میں نقد ایک لاکھ سرخ دینار اور دس لاکھ سفید درم موجود تھے اور چونکہ مال کی اس قدر فراوانی' اولاد کے بغیر زندگی کو بے مزہ کر دیتی ہے اور وہ نعمت نہیں رہتی بلکہ غم و حسرت کا موجب ہوتی ہے' ہم نے نعمت پوری کرنے کے لیے اسے بیٹے بھی عطا فرمائے۔

وَبَنِيْنَ شُهُوْدًا اور ہم نے اسے بیٹے عطا فرمائے جو کہ بہترین اولاد ہیں اور بیٹے ہمیشہ اس کے پاس حاضر رہتے ہیں' کبھی غائب نہیں ہوتے اور اس کے غنی اور مال دار ہونے کی وجہ سے وہ روزی کی تلاش میں سفر نہیں کرتے کہ ان کی جدائی کے درد کی وجہ سے اس کی زندگی تلخ ہو جائے بلکہ وہ ان کی ملاقات کی وجہ سے ہمیشہ خوش رہتا ہے اور لذت اُٹھاتا ہے اور انہیں کھیتی اور تجارت کی دیکھ بھال کے لیے بھی اپنے سے جدا نہیں کرتا اس لیے کہ قابلِ اعتماد غلام اور دیانت دار نوکر کام کرنے والے موجود ہیں اور اس کے بیٹے اس کے ہمراہ ہر مجلس اور محفل میں حاضر ہوتے ہیں اور اس کی سیر اور عیش میں شریک ہوتے ہیں اور اس کے رفیق اور ہمدم ہوتے ہیں اور مجالس و محافل کی زیب و زینت ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ شہوداً کا لفظ شہادت سے مشتق ہے جس کا معنی ہے گواہی۔ یعنی اس کے بیٹے اس کی بات کی صداقت پر گواہی دیتے ہیں اور اس کی مرضی کے خلاف نہیں ہیں

بلکہ اس کے ہر ڈینگ مارنے پر آمنا وصدقنا کرتے تھے اور اس وجہ سے ہر مقام پر اس کی بات قابلِ احترام اور معتبر ہوتی ہے اس لیے کہ بیٹا جب باپ کی مرضی کے مطابق نہ ہو اس کے ہمراہ سیر اور دورہ کرنے میں رفاقت نہیں کرتا' اس کی بات کی تصدیق نہیں کرتا' سوہانِ روح بن جاتا ہے اور بیٹا نہیں رہتا۔ ولید بن مغیرہ کے کئی بیٹے تھے جن میں سے سات مشہور ہیں۔ ولید بن ولید' خالد بن ولید' عمارۃ بن ولید' ہشام ابن ولید' عاص بن ولید' قیس بن ولید اور عبد شمس بن ولید۔ ان سات میں سے چار بیٹے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ولید' خالد' عمارۃ اور ہشام اور تین کفر میں مر گئے اور مشرف بہ اسلام ہونے والوں میں سے خالد بن ولید نے جہاد کرنے اور کفار کو قتل کرنے میں اتنی ترقی کی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امیر الامراء کے منصب پر پہنچ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفۂ اوّل کے عہد خلافت میں بھی اسی عہدے پر فائز رہے اور سرکار علیہ السلام نے آپ کو سیف اللہ کا خطاب عطا فرمایا اور شام اور عراق آپ کے ہاتھوں فتح ہوئے۔ آپ نے مرتدین کی بیشتر مہمات سر کیں اور ولید بن ولید کو ان کے باپ اور بھائیوں نے مکہ معظّمہ میں بند کر دیا تھا تا کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں نہ پہنچے اور ہجرت نہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خلاصی کے لیے نمازِ صبح میں قنوت فرماتے اور بلند آواز کے ساتھ کہتے تھے

اللھم انج الوید بن الولید وعباس بن ابی ربیعه وسلمة بن هشام والمستضعفین من المومنین یہاں تک کہ ان ظالموں کے ہاتھوں سے خلاصی پا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت صحبت میں پہنچ گئے اور آپ ہی کے قدموں میں واصل بحق ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنی قمیض مبارک کا کفن دیا اور ان کی وفات پر حضرت اُم سلمہ اُم المومنین رضی اللہ عنہا نے ان کا ان لفظوں میں ذکر کیا:

ابکی الولید بن الولید بن المغیرۃ

ابکی الولید بن الولید فتی العشیرۃ

ولید بن ولید کا اظہار اسلام میں خلوص

اور ان کے عجیب معاملات میں سے یہ ہے کہ آپ جنگِ بدر میں مجبوراً کفار کے

ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کے مقابل کھڑے تھے جب کفار کو شکست ہوئی تو مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہو گئے اور فدیہ دے کر چھٹکارا پایا۔ فدیہ کے بعد اسلام کا اظہار کر دیا' لوگوں نے اسے کہا کہ تو نے فدیہ سے پہلے اسلام ظاہر نہ کیا کہ تجھے یہ مال برداشت نہ کرنا پڑتا؟ آپ نے کہا کہ میں نے سوچا کہ اگر فدیہ ادا کرنے سے پہلے اظہارِ اسلام کرتا ہوں تو لوگ سمجھیں گے کہ فدیہ معاف کرانے کے لیے مسلمان ہوا ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کی رضا کے لیے جب میں نے فدیہ ادا کر دیا' یہ گمان زائل ہو گیا' میں نے کسی اندیشے کے بغیر اسلام کا اظہار کر دیا۔

مختصر یہ کہ ولید کے بیٹے سب کے سب قابل' کام آنے والے اور خوب صورت اور خوش نما جوان تھے کہ قریش کے پورے قبیلے میں ان کی مثال دی جاتی تھی اور چونکہ وافر مال اور کام آنے والی اولاد سرداری اور مرتبے کے بغیر پُر رونق نہیں ہوتے اس لیے میں نے اسے مرتبہ' سرداری اور عزت بھی کامل بخشی۔

وَمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا اور میں نے سرداری اور مرتبے کی مسند کو اس کے لیے ہموار اور مضبوط کیا کہ تمام قریشی لوگ ہر عقدہ اور مشکل میں اس کی طرف رجوع کرتے تھے اور اسے اپنا حاکم سمجھتے تھے یہاں تک کہ اس قبیلے کے درمیان اسے دو لقب دیئے جاتے تھے' اسے وحید بھی کہتے تھے اس لیے کہ اپنے اوصاف میں یگانہ تھا اور شعر و سخن کی مختلف صلاحیتیں رکھتا تھا اور اسے اس کی خوب صورتی اور خوش اخلاقی کی وجہ سے ریحانہ قریش یعنی قریش کا پھول بھی کہتے تھے اور ان تمام خوبیوں کے باوجود اپنے پروردگار کی نعمتوں کا اس قدر ناشکر تھا کہ کبھی زبان پر شکر خداوندی کا لفظ تک نہیں آتا تھا اور بت پرستی اور لات وعزیٰ کی پوجا کے سوا کوئی اور چیز جانتا ہی نہ تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ ہر وقت اپنے مال کی زیادتی کی فکر میں رہتا اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کے سامنے جنتِ نعیم کا ذکر فرماتے تو کہتا کہ اگر یہ شخص جنت کے اوصاف بیان کرنے میں سچا ہے تو یقین ہے کہ حق تعالیٰ نے وہ گھر میرے لیے بنایا ہوگا اس لیے کہ میرے سوا اس نعمت کا مستحق کوئی نہیں اور اس کی اسی ناشکری اور حرص کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ:

ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ پھر ان نعمتوں کے باوجود کہ اس کے پاس ہیں اور ان کا شکر ادا نہیں کرتا' طمع کرتا ہے کہ اس کی دنیا و آخرت کی نعمتیں زیادہ کروں۔

کَلَّا اسے یہ طمع نہیں رکھنا چاہیے اس لیے کہ اِنَّهٗ کَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا تحقیق وہ ہماری قرآنی آیات سے عناد رکھنے والا ہے اور ہمارے کلام کا عناد' ہمارا عناد ہے جبکہ اپنے منعم کے ساتھ عناد رکھنا گزشتہ نعمتوں کے ازالہ کا تقاضا کرتا ہے چہ جائیکہ دوسری نعمت کی زیادتی کی توقع کی جائے۔

مؤرخین اور سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد ولید کو مال اور مرتبے میں پے درپے نقصان لاحق ہونا شروع ہو گیا یہاں تک کہ فقیر ہو کر مرا۔

اور کفر میں عناد کا معنی یہ ہے کہ دیدہ دانستہ حق کو باطل قرار دے اور اسے دگرگوں کرنے کے درپے ہو اور یہ کفر کی سب سے شدید قسم ہے۔

کفر کی چار قسموں کا بیان

اور کفر کی چار قسمیں ہیں: کفر شک جیسا کہ حضور علیہ السلام کے اکثر معاصرین کو تھا اور ان کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا بَلْ هُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِیْ' کفر جہل کہ حق کو حق نہ جانے اور غیر حق کو حق سمجھے جیسا کہ اکثر مشرکینِ مکہ کو تھا کہ ان کے حق میں اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ وَاَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ اور بَلْ هُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ وارد ہوا' کفر جحود کہ جان بوجھ کر زبان سے اقرار نہ کرے اور گرویدہ نہ ہو جیسا کہ اہلِ کتاب اور بعض دوسرے کفار کے بارے میں ارشاد ہوا اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ اور فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں بھی ارشاد ہوا وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا اور کفر عناد کہ حق پہچاننے کے باوجود اس کا انکار اختیار کرے اور اسے باطل کرنے کے درپے ہو اور اپنے فضول شبہات کے ساتھ حق کے دلائل کو پامال کرے اور اس کا متقابل اور فریق بن جائے۔

ولید بن مغیرہ کے عناد کا بیان

اور ولید کے عناد کا بیان یہ ہے کہ وہ ایک دن مسجد مکہ میں بیٹھا تھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اسی مسجد مبارک میں جلوہ افروز تھے کہ وحی نازل ہوئی اور سورۃ حم السجدۃ نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سورۃ بلند آواز سے پڑھنا شروع کر دی جیسا کہ آپ کی عادت شریف تھی کہ جبرئیل علیہ السلام سے قرآن پاک سننے کے بعد اسے دہراتے' آپ نے دیکھا کہ ولید پلید نے بھی اس سورۃ کو سننے میں اپنے کانوں کو متوجہ کیا ہے' آپ نے اس پر یہ سورۃ تلاوت فرمائی اور بعض روایات میں وارد ہے کہ آپ نے حم المومن کی ابتدا سے لے کر اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ تک تلاوت فرمائی اور اس نے پوری توجہ سے سنی' اس کے بعد اپنی قوم بنی مخزوم سے کہنے لگا کہ انصاف یہ ہے کہ میں نے آج جو کچھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے' آدمی کا کلام ہرگز نہیں اور نہ ہی جنات کا کلام ہے اس لیے کہ اس کلام میں ایسی حلاوت ہے کہ کسی کلام میں نہیں اور اس کلام پر انوار چمکتے ہیں اس کلام کا اعلیٰ حصہ پُر میوہ ہے اور نچلا حصہ ایک مضبوط تنا ہے' یہ کلام ہر کلام پر غالب ہے' مغلوب ہرگز نہیں ہو سکتا۔

پھر جب اس مجلس سے اُٹھ کر چلا گیا' یہ خبر ابوجہل کو پہنچی اور لوگوں نے کہا کہ آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ولید کو اپنے کلام سے فریفتہ کر لیا اور وہ اس کے دین کی طرف قدرے مائل ہو گیا ہے۔ ابوجہل قریش کے دوسرے سرداروں کو ساتھ لے کر اس کے گھر پہنچ گیا اور کہنے لگا کہ میں نے تیرے بارے میں سخت عجیب بات سنی ہے کہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دین کی طرف مائل ہو گیا ہے۔ شاید ابوقحافہ کا بیٹا جو روٹی شوربا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے خدام کے لیے پکا کر لاتا ہے اور وہ سب مل کر اسے کھاتے ہیں' تجھے اس کی رغبت دل میں پیدا ہو گئی ہے۔ ولید یہ باتیں سُن کر بہت پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ میری دولت مندی' عیش اور ناز و نعمت کو تو تو جانتا ہے اور محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اور اس کا وہ دوسرا دوست جو کہ ابوقحافہ کا بیٹا ہے (معاذ اللہ) ابھی میرے دروازے کے منگتے کی برابری نہیں کر سکتے' مجھے ان کے کھانے کی کیا پرواہ ہے؟ ابوجہل بولا کہ اگر

صورت فی الواقع یوں ہی ہے تو تجھے چاہیے کہ تو پھر مسجد میں قدم رنجہ فرمائے اور ہم تمام قبائل قریش کو جمع کرتے ہیں اور محمد (علیٰ الصلوٰۃ والسلام) کے بارے میں مشورہ کرتے ہیں۔ ولید' ابوجہل کے ہمراہ روانہ ہوا اور وہ مسجد مبارک میں پہنچے اور قریش کے تمام قبائل اور ان کے سردار جمع ہو گئے۔ ابوجہل' ابولہب' ابوسفیان' نضر بن الحارث' امیہ بن خلف اور عاص بن وائل سب کے سب ولید کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں سخت مشکل درپیش ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبوت کا دعویٰ کرتا ہے اور ایک کلام پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ کلام مجھ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اب موسمِ حج قریب پہنچ چکا' لوگ ہجوم در ہجوم اس شہر میں وارد ہوں گے اور وہ اس کلام اور اس مدعی نبوت کے بارے میں ہم سے پوچھیں گے' ہم میں بعض کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے اور یہ کلام شعر ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ شخص مجنون ہے اور یہ کلام بے ہودہ ہے' ان دونوں باتوں میں آسمان اور زمین کا فرق ہے اور یہ باتیں سُن کر لوگ اسے ہماری بے سمجھی اور بے عقلی قرار دیں گے۔ ایک چیز مقرر کر لینا چاہیے تا کہ اس شہر کا ہر آدمی اس شہر میں وارد ہونے والوں سے وہی بات کہے اور وہ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلام سُن کر فریفتہ نہ ہوں اور اس کے گرویدہ نہ ہوں اور چونکہ حق تعالیٰ نے تجھے بہمہ وجوہ عقل و دانائی' تجربہ اور بے شمار ملکوں کی سیر و سیاحت کا ہم پر فخر اور امتیاز بخشا ہے' ہم اس مسئلہ میں تیری طرف رجوع لائے ہیں تا کہ جو کچھ تو مقرر کرے اسی کے مطابق ہم شہر مکہ میں منادی کرا دیں' اس کے سوا کوئی بھی کسی قسم کا لفظ اپنی زبان پر نہ لائے اور سب یک زبان اور یک کلام ہو کر وہی بات کہیں۔ ولید تھوڑی دیر کے لیے سرنگوں ہو کر سوچتا رہا' ازاں بعد اس نے کہا کہ اگر تم اس کلام کو شعر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شاعر کہو تو فی الفور قصوروار قرار پاؤ گے اس لیے کہ میں نے عبید بن الابرص' اُمیہ بن ابی الصلت اور دوسرے پہلے شعراء کے شعر سنے ہیں اور بار بار سنے ہیں' یہ کلام شعر ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو شعر کہنے کا سلیقہ ہے اور اس کے اس کلام کو کہانت کہو اور محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو کاہن قرار دو تب بھی قصوروار ٹھہرو گے اس لیے کہ کاہن کبھی سچ بولتا اور کبھی جھوٹ جبکہ محمد (علیہ الصلوٰۃ

والسلام) کے کلام میں جھوٹ واقع ہوا نہ ہوتا ہے اور اگر اس کلام کو بے ہودہ کہو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مجنون تو تب بھی صراحتاً بے وقعت ہوتے ہیں اس لیے کہ مجنون کا بے ہودہ کلام حکمتوں اور نصیحتوں پر مشتمل نہیں ہوتا اور مجنون موقع' بے موقع خبطیاں مارتا ہے' تم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں جنون کی کونسی علامت دریافت کی ہے؟ اور اس کا یہ کلام سراسر حکمت و نصیحت ہے اور اگر تم اس کلام کو جادو قرار دو اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جادوگر کہو تب بھی درست نہیں اس لیے کہ جادو میں مہمل اور بے معنی کلمات ہوتے ہیں اور جادوگر اپنے جادو کے ساتھ ہمیشہ مال کمانے اور دنیوی منفعتوں کو حاصل کرنے کی فکر میں رہتا ہے جبکہ یہ کلام پُرمعنی ہے اور محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو مال کمانے اور دنیوی منفعتیں حاصل کرنے کی قطعاً پرواہ نہیں۔ یہ شقیں اور ان کا باطل ہونا بیان کرنے کے بعد اس نے بہت کچھ سوچا' دائیں بائیں دیکھا اور انتہائی غم واندوہ کے ساتھ ترش رو ہو کر خاموش بیٹھ گیا۔

جب سردارانِ قریش نے اس کی یہ باتیں سنیں تو کہنے لگے اب کیا تدبیر ہے' کیا کہنا چاہیے؟ ولید کمال ناز اور نخرے کے ساتھ بولا کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ بابل کا جادو ہے جو کہ کسی طرف سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس صحیح سند کے ساتھ پہنچا ہے اور بابل کا جادو' جادو کی اقسام سے جدا ہے اور اس کے جادو ہونے پر قوی دلیل یہ ہے کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا گرویدہ ہوتا ہے' اپنے ماں باپ' بیوی اور اولاد سے بے زار ہو جاتا ہے اور جادو کی خاصیت یہی ہے کہ میاں بیوی' باپ بیٹے اور ماں بیٹی میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ تمام سردارانِ قریش یہ باتیں سن کر اس پلید سے بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ تیری فراست اور عقل پر آفریں کہ تو نے خوب تدبیر سوچی اور پھر اسی وقت شہر مکہ میں منادی کرا دی کہ آئندہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو (معاذ اللہ) ساحر کہا جائے اور کوئی شخص اسے شاعر' مجنون اور کاہن وغیرہ نہ کہے۔

پس اس کے اس قصے سے معلوم ہوا کہ اس نے قرآن اور اس اعجاز پر مبنی کلام کے نزول کی حقیقت کو پا لیا تھا اور وہ اس سمجھ کے باوجود اس کے برحق ہونے کو باطل قرار

دینے میں پوری کوشش کرتا تھا اور لوگ اس سے اس مکروہ کام کی تدبیریں چاہتے تھے۔ اور وہ انہیں کفر کی تلقین کرتا تھا۔ پس اپنے منعم کے کلام اور اس کے رسول کے ساتھ اس عناد کے ہوتے ہوئے وہ اس کی نعمت وبخشش کی زیادتی کی توقع کس طرح رکھتا ہے۔ ہاں جس طرح کہ وہ اپنے کفر میں ترقی کر کے کفر کے اعلیٰ مرتبے پر جو کہ کفر عناد اور ابلیس کا مرتبہ ہے' پہنچ گیا۔

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا نزدیک ہے کہ میں اسے دوزخ میں صعود کے اوپر چڑھنے کی سزادوں اور صعود دوزخ میں ایک پہاڑ کا نام ہے جو کہ بھڑکتی آگ سے بنایا گیا ہے اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ اس کی بلندی کی مسافت پچاس (۵۰) سال کی راہ ہے۔ دوزخ کے مؤکل فرشتے معاند کافر کو اس پہاڑ کے اوپر چڑھنے کی سزادیں گے اس پہاڑ کی سورش کی یہ حالت ہے کہ جب بھی وہ اس پر اپنا ہاتھ رکھے گا' اس کا ہاتھ پگھل جائے گا پھر اسی لمحے درست ہو جائے گا اور جب وہ اس پر اپنا پاؤں رکھے گا تو وہ بھی پگھل جائے گا پھر درست ہو جائے گا اور اسی تکلیف میں فرشتے اسے زنجیروں کے ساتھ کھینچیں گے جب وہ اس پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ جائے گا تو اسے پھر لڑھکا دیں گے تا کہ اس کے نیچے پہنچ جائے پھر اسے اس کے اوپر آنے کی تکلیف دیں گے اور وہ ابدالآباد تک اسی عذاب میں رہے گا اور اسے اس طرح کے عذاب کے ساتھ اس لیے خاص کریں گے کہ وہ بھی درجہ وار اپنی فکری حرکت میں مطالب سے مبادی پر چڑھتا تھا اور پھر حق کے قریب پہنچ کر خود کو نیچے گرا دیتا تھا اور اپنے پرانے جہل مرکب میں غوطے لگاتا تھا اور حق پر قرار نہیں پکڑتا تھا۔ پس اس قسم کا عذاب اس کی موزوں جزا ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

اِنَّهٗ فَكَّرَ تحقیق اس نے قرآن کے متعلق سوچنا شروع کیا کہ آیا یہ کلامِ الٰہی ہے یا کلامِ بشر۔ وَقَدَّرَ اور اپنے ذہن میں تمام احتمالات اور شقوں کا اندازہ لگایا۔ مثلاً کہنے لگا کہ قرآن کا حال ان احتمالات سے خالی نہیں ہے کہ کلام شاعر ہے یا کلامِ ساحر یا کلام کاہن یا کلامِ مجنون اور ان احتمالات کے حصر کی وجہ یہ ہے کہ یہ کلام آدمیوں کے صاحب فکر وخیال کا کلام ہے۔ پس پہلی شق ہے یا آدمیوں کے بے عقل اور فاسد الخیال آدمی کا

کلام ہے۔ پس چوتھی شق ہے یا جن کا کلام ہے' آدمی کا نہیں۔ تو اگر القائے علمی کے لیے ہے اور آدمی کی زبان بر آئندہ واقعات کی اطلاع ہے تو تیسری شق ہے جسے کہانت کہتے ہیں اور اگر جہان میں کسی تاثیر کو پیدا کرنے کے لیے ہے تو جادو ہے۔

فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ تو اس پر لعنت اس نے کہا بے ربط احتمالات کا اندازہ لگایا ہے اس لئے کہ شق واقعی کو احتمال کے طور پر بھی دل میں نہ لایا۔ اور وہ شق یہ ہے کہ کلام الٰہی ہو نہ کہ آدمی اور جن کا کلام۔ پس اس شق کو ترک کرنا اس شخص کے کامل عناد پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس ترک کی وجہ سے وہ لعنت کا مستحق ہوا۔ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ۔ پھر اسے لعنت کی جائے کہ اس نے کیا بعید اندازہ لگایا اس لیے کہ شقیں مقرر کرنے اور احتمال ظاہر کرنے کے مقام میں ظاہر الفساد احتمال کو ذکر کرنا فکر و نظر کی حقیقت سے خارج ہے اور یہ تمام احتمالات کھلے طور پر فاسد ہیں۔ اس لیے کہ اس میں شعری علامات میں سے قافیہ کا التزام پایا جاتا ہے اور کوئی وزن موجود نہیں۔ خیالی مقدمات سے مرکب نہیں بلکہ اس میں قافیہ کا التزام بھی شعری قافیوں کے خلاف ہے جیسا کہ تحقیق و تجسس کے بعد معلوم ہوتا ہے۔ اور ایک علامت کے ہونے اور دوسرے علامات کے نہ ہونے کے باوجود اس احتمال کی طرف جانا بے حد غفلت یا انتہائی عناد ہے۔ اور جادو کی علامات میں سے اس میں تاثیر بلیغ پائی جاتی ہے جبکہ دوسری علامات شیطانوں کے نام اور ان سے استعانت خود اس کے میدانِ عزت سے منزلوں دور ہیں۔ اور اس میں کوئی لفظ مہمل اور بے ربط نہیں ہے۔ پس اس احتمال کی طرف جانا اسی طرح ہے کہ ہر سفید چیز روئی اور ہر گول شے طشت ہے' یہ سارا کلام شیاطین کی ملامت اور جادو کی اور شیطانوں سے مدد لینے کی مذمت اور شیاطین کی اور ان کے افعال کی پیروی سے ڈرانے میں ہے۔

اور کہانت کی علامت میں سے اس میں غیب کی خبریں پائی جاتی ہیں لیکن کاہن جزئیہ کونیہ سفلیہ معارف کی خبر دیتا ہے جبکہ یہ کلام معارف کلیہ الٰہیہ علویہ کا پتہ دیتا ہے اور گزشتہ امتوں کے واقعات اور آخرت' حشر اور نشر کے واقعات بیان کرتا ہے' اسے کہانت سے متہم کرنا وہی زرباف اور بوریا باف والی حکایت ہے اور مجنون کے ہذیان کی علامات

میں سے اس میں عقل سے بعید امور کا بیان پایا جاتا ہے لیکن ان بعید از عقل امور کو اس کلام میں واضح دلائل اور قوی براہین سے بھی ثابت فرمایا گیا ہے اور مثال اور وضاحت کے ساتھ اس بعید ہونے کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکا گیا ہے' اسے مجنون کا کلام کہنا پھول کو کانٹا اور یار کو اغیار گمان کرنا ہے۔ پس ان صریح طور پر باطل احتمالات کو ذکر کر کے وہ بار دگر لعنت کا مستحق ہوا اور اس نے اسی قدر پر اکتفا نہ کی بلکہ

ثُمَّ نَظَرَ پھر اس نے نظر کی حضرت پیغمبر علیہ السلام کے حالات پر کہ ان میں ان شقوں کے لوازمات پائے جاتے ہیں؟ مثلاً اگر یہ کلام شعر ہے تو چاہیے کہ اس پیغمبر نے شعر کے عروض' قافیہ اور نظم کو اختیار کیا ہو اور مدت دراز تک شعر گوئی کی مشق کی ہو اور اس فن کے ماہروں کے پاس سالہا سال آمدورفت رکھ کر شاگردی کی ہو اور اگر جادو ہے تو اس پیغمبر نے جادوگروں کے ساتھ نشست و برخاست کی ہو اور جنوں اور شیطانوں کی تسخیر کے اعمال اختیار کیے ہوں اور اگر کہانت ہے تو وہ پیغمبر چاہیے جس نے بت خانوں اور دوسرے شیطانی مقامات پر سالہا سال گزارے ہوں اور عوام و خواص کے سوالات کے ہمیشہ جوابات دیئے ہوں اور اس کی خبر کبھی سچی اور کبھی جھوٹی ثابت ہوئی ہو جیسا کہ کاہنوں کی عادت ہے اور اگر جنون کا ہذیان ہے تو چاہیے کہ اس میں خلط سوداء کے آثار کا غلبہ اور اس کے کلام میں بے عقلی' بے تمیزی' خبط و اختلاط پائی جاتی ہو۔

ثُمَّ عَبَسَ پھر اس نے ترش روئی کی اس لیے کہ اس نے ان لوازمات میں سے کچھ بھی ذاتِ پیغمبر میں نہ پایا تاکہ وہ ایک احتمال کو متعین کر سکے اور اسے ترجیح دے۔

وَبَسَرَ اور چین بجبیں ہوا کہ اب مجھے ترک کی گئی شق کو کہ یہ کلام' کلامِ الٰہی ہے' فرشتے کے واسطے سے پہنچا ہے' کو اختیار کرنا لازم آیا اور وہ میرے اور میری قوم کے مذہب کے خلاف ہے اور چونکہ قابلِ احتمال شقوں کے لوازمات کو ثابت کرنے سے ناامیدی اور متروک شق کو اختیار کرنے کی فکر اور غم بیک وقت تھے اس لیے عبس اور بسر کے درمیان ثم کا کلمہ نہیں لایا گیا تاکہ ان کے جمع ہونے پر دلالت ہو۔

ثُمَّ اَدْبَرَ پھر اس نے پشت کی اس واقعی شق کو جو کہ برحق تھی اور اپنی چڑھتی ...

حرکت سے نزول کیا اور ان احتمالات میں سے کہ جنہیں پہلی نظر میں اپنے ذہن میں باطل قرار دے چکا تھا' ایک بدگوئی اور عناد کے طریقے سے اختیار کرلیا اور پچھلے پاؤں لوٹا۔

وَاسْتَكْبَرَ اور اس نے تکبر کیا اس سے کہ کوئی مجھے اس شق کی طرف رجوع سے جسے میں نے خود باطل قرار دیا ہے اور فکر و مناظرہ والوں کے عرف میں نہایت قبیح امر ہے' طعن کرے اس لیے کہ مجھے کسی کی پراوہ نہیں یا مراد یہ ہے کہ اس نے حق پر مبنی شق کو اس کے متعین ہونے کے باوجود اختیار کرنے سے تکبر کیا۔ گویا اس کے نفس نے تکبر کی وجہ سے گوارا نہ کیا کہ اس شق کو اختیار کرے اور خود کو اس مدتِ دراز میں غلطی پر قرار دے بلکہ اس نے اتنے پر ہی اکتفا نہ کیا کہ اس باطل احتمال کو پھر تردد کے مقام پر ذکر کرے اور کہے کہ اس تشویش کو باطل کرنے میں ابھی یہ احتمال اور یہ شق پورے طور پر میرے دل سے زائل نہیں ہوئی یہاں تک کہ اس نے اس باطل احتمال میں حصر کا دعویٰ کیا اور مبنی برحق احتمال کی گنجائش کا تصور بھی نہ چھوڑا۔

فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ پس اس نے کہا کہ نہیں ہے یہ کلام مگر ایسا جادو جو کہ نقل کیا گیا ہے بابل سے یا عجم سے یا گزشتہ جادوگروں سے اور یہ قید اس لیے زیادہ کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حال کو دیکھ کر جو کہ جادوگروں کے حال سے جدا ہے' پہلی نظر میں اس کی تکذیب نہ کریں پھر اس نے نتیجہ نکالتے وقت بھی احتمال حق کی مطلق نفی کی اور کہا کہ:

اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ نہیں ہے یہ کلام مگر آدمی کی گفتگو۔ اے کاش! اس طرح کہتا کہ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ اور کلامِ الٰہی کہ اس کے افہام و تفہیم کی کچھ راہ کھلی رہتی اور اسے دوسری مرتبہ نظر ثانی میں شق برحق کی ترجیح ممکن ہوتی اور چونکہ اس نے اس پانچویں شق سے جو کہ برحق اور واقعی تھی اس درجہ روگردانی اور انکار کیا' ناچار اس روگردانی اور انکار کی جزا کے مقام میں۔

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ عنقریب میں اسے سقر میں ڈالوں گا جو کہ جہنم کے پانچویں طبقے کا نام ہے اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کا مظہر اتم ہے اور جس غضب نے اس میں ظہور کیا اس

کے آثار کی عظمت کسی انسان کو معلوم نہیں۔

وَمَآ اَدْرٰكَ اور آپ جو کہ اللہ تعالیٰ کے جمالی اور جلالی مظاہر کو مخلوق میں سب سے زیادہ جانتے ہیں' کیا جانیں؟ مَا سَقَرُ کہ سقر کیا ہے؟ اس کی تعریف اور توصیف میں جو انتہائی بات کہی جا سکتی ہے اسی قدر ہے کہ لَا تُبْقِيْ جو بھی اس میں ڈالا جائے' کسی کو باقی نہیں چھوڑتی یہاں تک کہ بالکل جلا دیتی ہے۔

وَلَا تَذَرُ اور جل جانے کے بعد بھی نہیں چھوڑتی بلکہ اسے دوبارہ درست کر کے ابدالآباد تک جلاتی ہے جس طرح کہ یہ معاندشق باطل کو ثابت کر سکتا تھا نہ اسے چھوڑتا تھا اور اس سقر کی ایک اور صفت بھی ہے کہ:

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ وہ صرف آدمیوں کو جلانے والی اور ان کے درپے ہونے والی ہے۔ دوزخ کے مؤکل فرشتوں' سانپوں' زقوم کے درختوں' مکھی اور پسو کو کچھ نہیں کہتی اور ان کے درپے نہیں ہوتی۔ اگر ان چیزوں کو بھی جلا دیتی تو آدمی کبھی ان چیزوں کے عذاب سے اس دوزخ میں نجات پا لیتے اور بکی ہوتی اور لواحۃ عرب کے اس قول سے ماخوذ ہے لاحہ العطش جب پیاس اس کے باطن کو جلا دے اور اس کے چہرے کو بدل کر سیاہ کر دے اور بعض مفسرین نے بشر کو یہاں بشرہ کی جمع قرار دیا ہے جس کا معنی جسم کا ظاہری چمڑا ہے لیکن اس تفسیر میں جلانے اور کھال کو سیاہ کرنے کا ذکر لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ کے ذکر کے بعد مناسب معلوم نہیں ہوتا اس لیے تاثیر قوی کے بیان کے بعد تاثیر ضعیف کو ذکر کرنا بلاغت کے قانون سے دُور ہے۔ نیز اس سورۃ اور قرآن مجید کی دوسری سورتوں میں لفظ بشر جمع بشرہ کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا اس لفظ کو غریب بنانا اچھا نہیں ہے۔

اس عذاب سقر کے علاوہ وہاں ایک اور عذاب ہے اور وہ زبانیہ اور دوزخ کے موکلوں کا تسلط ہے جو کہ آتشیں گرزوں کی ضربوں' آتشیں زنجیروں کے ساتھ کھینچنے' آتشیں طوق ڈالنے' دردناک کھینچا تانی اور اپنی خوف ناک شکلیں ظاہر کرنے کے ساتھ ہر لمحہ و لحظہ جان لیتے ہیں اور موت کا ذائقہ چکھاتے ہیں اس لیے کہ:

عَلَيْهَا اس دوزخ پر داروغے ہیں تِسْعَةَ عَشَرَ انیس فرشتے

زبانیہ کی خوف ناک شکل کا بیان

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ ان کی آنکھیں اُچکنے والی برق کی طرح' ان کی آواز تیز گرجنے والی بجلی کی طرح' ان کے دانت بارہ سنگھے کے سینگوں کی طرح اور ان کے بال اس قدر لمبے کہ گویا دامن کھینچے جا رہے ہیں اور فوارے کی طرح آگ کے شعلے ان کے منہ سے جوش مارتے ہیں' ان میں سے ہر ایک کے دونوں کندھوں کے درمیان ایک سال کی راہ کا فاصلہ ہے اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ کی ہتھیلی لاکھوں کی گنجائش رکھتی ہے۔ مہربانی اور نرمی ان کے دل سے بالکل دُور کر دی گئی ہے' ان میں سے ہر ایک ستر ستر ہزار کو اپنے ہاتھ کی ہتھیلی پر رکھ کر جہاں چاہے' لے جاتا ہے۔

زبانیہ یعنی داروغۂ جہنم کے انیس (۱۹) ہونے کی وجہ کا بیان

اور ان کے انیس (۱۹) ہونے کی وجہ یہ ہے کہ دوزخ غضب الٰہی کے ظہور کا محل ہے اور جس طرح کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کسی کام کو سرانجام دینے کی طرف متوجہ ہوتی ہے' تمام مخلوقات کی روحانیات اس رحمت کے کارخانہ کی خدمت کرتی ہے تا کہ اس کے تقاضا کی صورت رونما ہو اور اسی لیے کہتے ہیں ؎ (بیت)

ابروبادو مہ و خورشید و فلک درکار اند
تاتونانے بکف آری و بغفلت نخوری

یعنی بادل' ہوا' چاند' سورج اور آسمان کام میں لگے ہوئے ہیں تا کہ تو روٹی حاصل کرے اور غفلت کے ساتھ نہ کھائے اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر کسی مہم کو جاری کرنے کی طرف توجہ فرماتا ہے تو مخلوقات کی روحانیات کو خدمت سے چارہ نہیں۔ پس کارخانۂ غضب جو کہ دوزخ ہے' سرانجام دینے کے لیے ایسا فرشتہ ضروری ہوا جو کہ عرش مجید کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور اس کا نام مالک ہے اور وہ اپنی عمر میں کبھی ہنسا نہیں اور اس کا چہرہ کبھی کسی نے کشادہ نہیں دیکھا۔ اور وہ اس مکان کے بمنزلہ بادشاہ کے ہے کہ باقی سب فرشتے اس کے تابع فرمان ہیں اور حکم کرنا اور کام کرانا اس کی ڈیوٹی

ہے۔

اور دوسرا فرشتہ بھی ضروری ہے جس کا کرسی کی روحانیت کے ساتھ تعلق ہے اور طبقات پر جہنمیوں کی تقسیم اور ہر کسی کے عذاب کا اندازہ مقرر کرنا اس کا منصب ہے اور وہ مالک کا دیوان اور دفتر دار ہے۔

اور تیسرا فرشتہ بھی ضروری ہے جو ساتویں آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ زحل کا مسکن ہے اور دوزخیوں کے جسموں کو اس سے بچانا کہ آگ اور عذاب کی دوسری قسموں کی وجہ سے بالکل ختم ہو جائیں اور ان جسموں کو ہمیشہ رہنے کے قابل بنانا اور لحہ بہ لحہ تازہ کھال اُگانا اور جلے ہوئے اور مضروب اعضاء کو درست کرنا اس کی ڈیوٹی ہے اور وہ مالک کی آبادی کے میسّر کے مقام پر ہے۔

اور چوتھا فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ چھٹے آسمان کی روحانیت سے تعلق رکھے جو کہ مقامِ مشتری ہے اور دوزخیوں کے درمیان جھگڑے ڈالنا تا کہ پیروی کرنے والے اور راہبر ایک دوسرے کے ساتھ لڑائی جھگڑا کریں اور ایک شخص دوسرے پر لعنت اور نفرت کا اظہار کرے جیسا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کے باہمی جھگڑوں کا ذکر ہے' اس کا کام ہے اور وہ بمنزلۂ قاضی مالک ہے۔

اور پانچواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ پانچویں آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ مریخ کا مسکن ہے اور جہنمیوں کو پکڑنا' باندھنا' کھینچنا اور پٹائی کرنا اس کے ذمے ہے اور وہ مالک کا کوتوال' جلاد اور میر عذاب ہے۔

اور چھٹا فرشتہ بھی ضروری ہے جس کا چوتھے آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق ہو جو کہ سورج کا مقام ہے اور اعتقادات کے باطل ہونے اور اعمال کے قبیح ہونے کا اظہار کرنا اور دوزخیوں پر رسوائی اور ندامت ڈالنا کہ روحانی عذاب میں گرفتار رہیں' اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے معلم اور استاذ کے منصب پر ہے۔

اور ساتواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ تیسرے آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ زہرہ کا محل ہے اور دوزخیوں کو غیر موزوں صدائیں' بُری آوازیں' نوحہ' بین'

زفیر اور شہیق یاد دِلانا اس کا کام ہے اور اس جہان کے گویے کے منصب پر ہے۔

اور آٹھواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ دوسرے آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ عطارد کی جائے قرار ہے اور ایک گروہ کی خبریں دوسرے گروہ کو پہنچانا اور دوزخیوں کے عذاب کی کیفیت ایک دوسرے پاس نقل کرنا تا کہ اسے سُن کر ان کے قریبیوں اور دوستوں کے دل جلیں اور شدید حسرت دامن گیر ہو اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے بمنزلہ جاسوس' ہرکارے اور قاصد کے ہے۔

اور نواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ پہلے آسمان کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جو کہ چاند کی سیرگاہ ہے اور زخموں کو متعفن کرنا' بدبوؤں کو پیدا کرنا اور ان کے جسموں سے پیپ اور خون کو چشموں کی طرح جاری کرنا اس کا کام ہے اور وہ وہاں کے جراح کے منصب پر ہے۔

اور دسواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ کرۂ آتش کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور آگ جلانا' شعلے نکالنا اور دوزخیوں کے جسموں کو پکا کرنا اس کا شیوہ ہے اور وہ اس عالم کے باورچی کے منصب پر ہے۔

اور گیارہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ کرۂ ہوا کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور دُھواں اُٹھانا اور اسے دوزخیوں کے جسموں کے سوراخوں اور مساموں میں داخل کرنا اور زہریلی ہوا کو حرکت میں لانا اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے فراش کے منصب پر ہے۔

اور بارہواں فرشتہ بھی ضروری ہے کہ جو پانی کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور طبقۂ زمہریر کو سنوارنا اور دوزخیوں کے جسموں میں بے انتہا ٹھنڈک پیدا کرنا اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کے امیر البحر کے مقام پر ہے۔

اور تیرہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ خاک کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور دوزخیوں کے جسموں میں زبردست بوجھ پیدا کرنا اور ان کا ہر دانت بہت بڑے پہاڑ کی مانند ہو جائے اور ان کی ہر ران دوسرے پہاڑ کی طرح تا کہ ان پر ہلنا اور چلنا دشوار ہو

جائے اور اپنے اعضاء کو اُٹھا نہ سکیں اور گالیاں بکنے والوں وغیرہم کو گرم راکھ کا سفوف بنا کر کھلانا اور اس قسم کے کام اس کے ذمے ہیں اور وہ اس جہان کے بمنزلہ پہلوان کے ہے۔

اور چودھواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ معدنیات کی روحانیت کے ساتھ متعلق رکھے اور زنجیر اور طوق درست کرنا اور لوہے کے دوسرے آلات کو آگ میں ڈال کر گرم کرنا اور سونے اور چاندی کی تختیاں بنانا تا کہ ان کے ساتھ دوزخیوں کی پیشانیوں، پشتوں اور پہلوؤں کو داغا جائے اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے لوہار کے منصب پر ہے۔

اور پندرھواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ نباتات اور درختوں کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے اور زقوم کا درخت اُگانا اور دوسرے خاردار زہر آلود درختوں کو پالنا تا کہ وہ دوزخیوں کی خوراک میں صرف ہوں، اس کا ذمہ ہے اور وہ اس جہان کے بمنزلہ کسان کے ہے۔

اور سولہواں فرشتہ بھی ضروری ہے جس کا تعلق حیوان کی روحانیت کے ساتھ ہو اور سانپ، بچھو، مکھی اور پسو کو دوزخیوں پر مسلط کرنا اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے بمنزلہ میر شکار کے ہے۔

اور سترھواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ لطیفۂ طبع کے ساتھ تعلق رکھے جس کا مقام جگر ہے اور دوزخیوں کو بے انتہا بھوک اور پیاس دینا تا کہ الجوع الجوع اور العطش العطش کے عذاب میں گرفتار ہوں اور زقوم و حمیم کو کھا پی سکیں، اس کا کام ہے اور وہ اس عالم کے بمنزلہ طبیب کے ہے۔

اور اٹھارھواں فرشتہ بھی ضروری ہے جو کہ لطیفۂ قلب کی روحانیت کے ساتھ تعلق رکھے جس کا محل مضغۂ صنوبری ہے اور دل کو دوزخیوں پر ستانے والی کیفیات جیسے بے انتہا خوف، بے حد گھبراہٹ اور بے پناہ شرمساری ڈالنا اس کا کام ہے اور وہ اس جہان کے بمنزلہ مرشد اور شیخ کے ہے۔

اور انیسواں فرشتہ بھی ضروری ہے جس کا تعلق لطیفۂ عقل سے ہو جس کا محل دماغ

ہے اور دوزخیوں کو اپنی ان غلطیوں پر تنبیہہ جو کہ انہوں نے علم وعمل میں کی تھیں' امورِ حقیہ واقعیہ اور ان کے دلائل کی قوت اور اپنے شبہات کی خرابی کو دریافت کرنا' اس چیز کی عظمت کا ظہور کہ جسے حقیر سمجھتے تھے اور اس چیز کی حقارت کا ظہور جسے عظیم سمجھتے تھے' اس کی تعلیم سے حاصل ہوگا اور وہ اس جہان کے بمنزلہ حکیم اور فیلسوف کے ہے۔

اور چونکہ کارخانۂ عذاب ظاہری اور باطنی طور پر ان روحانیات کے اجتماع کے بغیر پورا نہیں ہوتا اس لیے ان کا اجتماع ضروری ہوا لیکن یہ انیس (۱۹) افراد اس جہان کے بمنزلہ سرداروں کے ہیں جس طرح کہ دنیا میں بھی یہی انیس (۱۹) افراد کارخانۂ رحمت کو سرانجام دیتے تھے اور ان کے خادموں' مددگاروں اور پیروکاروں کا کون ہے جو شمار کرے جیسا کہ دنیا میں ان انیس (۱۹) روحانیتوں کے لشکروں کو کوئی شمار نہیں کر سکتا تھا۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ

اور بعض محققین نے کہا ہے کہ چونکہ دوزخ نحوستوں اور دُکھوں کے جمع ہونے کی جگہ ہے تو وہاں ہر چیز کی نحوست کا ایک ظہور لازمی ہوگا اور جہان میں نحوست کے اسباب انیس (۱۹) چیزوں میں منحصر ہیں۔ سات ستارے اور بارہ برج' ان انیس (۱۹) میں سے ہر ایک کی نحوست پہنچانے کے لیے ایک فرشتہ معین ہوگا جس طرح کہ جنت کے موکل فرشتے ان انیس (۱۹) چیزوں کو تمام سعادتیں اور برکتیں جنتیوں کے لیے جنت میں لے جائیں گے لیکن چونکہ جنتیوں کی سعادت کے اسباب ان انیس (۱۹) چیزوں میں منحصر نہیں ہوں گے بلکہ ان سعادتوں کے علاوہ دیگر سعادتیں ان کے لیے رحمتِ الٰہی کے مخفی خزانوں سے ظاہر کی جائیں گی اس وجہ سے جنت کے موکلوں کی تعداد اس میں منحصر نہ ہوئی۔

اور حکماء نے کہا ہے کہ دوزخ نفس انسانی کے فساد کی سزا ہے اور نفس انسانی کا فساد اس کی دو قوتوں میں جو کہ نظری اور عملی ہیں' لاحق ہوتا ہے اور وہ اس فساد کی وجہ سے حیوانی اور طبعی قوتوں کو اپنے موقع محل میں استعمال نہیں کرتا بلکہ ان قوتوں کو اس مقصد کے خلاف استعمال کرتا ہے جس کے لیے وہ پیدا کی گئی ہیں تو ہر ضائع کی گئی قوت کے مقابلے میں لازماً ایک فرشتہ پیدا ہوگا جو کہ اس قوت کو ضائع کرنے پر عذاب دے گا اور حیوانی قوتیں

بارہ (۱۲) ہیں: پانچ ظاہری حواس' پانچ باطنی حواس' قوتِ شہویہ اور قوتِ غضبیہ اور طبعی قوتیں سات ہیں: جذب کرنے والی' روکنے والی' ہضم کرنے والی' دُور کرنے والی' غذا کو جزوبدن بنانے والی' نشوونما کرنے والی اور پیدا کرنے والی۔

اور حساب والے کہتے ہیں کہ عدد کی دو قسمیں ہیں: قلیل اور ایک سے نو تک ہے اور کثیر اور وہ دس سے بے انتہا تک۔ پس اس عدد میں قلیل کی انتہا کو کثیر کی ابتدا کو جمع فرمایا گیا ہے۔

اور علمائے کلام نے کہا ہے کہ جہنم کے سات دروازے ہیں' ان میں سے ایک ایمان والے فاسقوں کے لیے ہے اس دروازے پر ایک محافظ مقرر ہے اس لیے کہ فاسقوں کو صرف ترکِ عمل کی وجہ سے عذاب ہے اور بس اور باقی چھ دروازوں میں سے ہر ایک پر تین محافظ مقرر ہیں اس لیے کہ کفار کو تین چیزوں کی وجہ سے عذاب دیں گے' ترکِ اعتقاد' ترکِ اقرار اور ترکِ عمل

اور واعظوں نے کہا ہے کہ دن اور رات کے چوبیس (۲۴) گھنٹے ہیں' پانچ گھنٹوں کی پانچ وقتہ نماز کے احترام کی وجہ سے معافی ہوگئی اور ہر گھنٹے کے عوض کہ جسے مرضی الٰہی کی مخالفت میں صرف کر کے ضائع کیا ہے' ایک فرشتہ ہوگا جو کہ عذاب دے گا اور یہ کلام معتبر تفاسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔

اور فقہاء نے کہا ہے کہ اس عدد کا راز بشری عقل دریافت نہیں کر سکتی جس طرح کہ تمام شرعی اعداد توقیفی کو جیسے آسمانوں' طبقاتِ زمین' ستاروں' ہفتہ کے دِنوں' نصابِ زکوٰۃ اور کفارات کے عدد' نماز کی رکعات کے عدد بلکہ پانچ وقتہ نماز کا عدد بھی اسی باب سے ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

اور معتبر تفاسیر میں مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی' ابوجہل لعین نے تمام قریشی مردوں کو دارالندوہ میں جمع کیا اور کہا کہ تم نے کچھ سنا کہ تمہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا قیامت سے ڈرانا سب کا سب انیس (۱۹) پہرے داروں کے اعتماد پر ہے اور بس اور تم اتنی کثیر جماعت ہو اور اپنی بہادری کے برابر کسی کو کچھ نہیں سمجھتے ہو۔ آیا تم سے

یہ نہیں ہوسکتا کہ تم میں سے دس دس آدمی ایک ایک پہرے دار کو چمٹ جائیں اور اسے مغلوب کر دیں۔ ایک مشہور پہلوان ابوالاسد نامی اُٹھا اور کہنے لگا کہ سترہ (۱۷) پہرے داروں کو تو میں اکیلا کافی ہوسکتا ہوں' دو پہرے دار تمہارے ذمہ رہے۔ حق تعالیٰ نے ان کے اس مذاق کے جواب میں یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا جَعَلْنَا اَصْحٰبَ النَّارِ اور ہم نے صاحبانِ دوزخ نہیں کیے کہ جن کے حوالے جہنم ہے اور لوگوں کو اندر لانا اور باہر نکالنا ان کے ذمے ہے اور جس طرح صاحب ہم نشیں کو کہتے ہیں اسی طرح مالک اور متصرف کو بھی کہتے ہیں جیسا کہ مشہور ہے صاحبِ خانہ' صاحبِ مجلس یہاں صاحب اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اِلَّا مَلٰٓئِكَةً مگر فرشتے اور فرشتے کی طاقت تمہیں معلوم ہے کہ ان میں سے ایک ملک الموت ہے جو کہ ہزاروں کی جان ایک لمحے میں کھینچتا ہے اور اس کے مقابلے کی طاقت کوئی لشکر یا ہجوم نہیں کر سکتا۔ نیز اس جماعت کو فرشتے اس لیے بھی کہا ہے کہ ہم جنس ہونے کی وجہ سے آدمی اور جن پر مہربان نہ ہوں اور رقت اختیار نہ کریں جیسا کہ بادشاہ جب کسی شہر یا گروہ سے انتقام لینا اور ان پر قہر کرنا چاہیں تو اس شہر اور اس گروہ کی جنس کے علاوہ کوئی حاکم اور عامل مسلط کرتے ہیں تاکہ ہم جنس اور مناسب ہونے کی وجہ سے مائل نہ ہو۔ نیز فرشتہ طبعی طور پر معصوم ہے' گناہ نہیں رکھتا۔ پس گناہ گاروں کو سزا دینے پر مقرر ہے۔ اس لیے کہ آدمی اور جنات کی جنس سے اگر گناہ گاروں کو' دوزخیوں کو عذاب دینے پر مقرر کیا جاتا تو اُن گناہ گاروں کی سزا انہیں نہ ملتی۔ اور اگر انہیں بھی دوزخ میں عذاب میں رکھتے تو انہیں عذاب دینے کے لیے کوئی اور گروہ درکار ہوتا اسی طرح سلسلہ چلتا تو تسلسل لازم آتا اور اگر اس کام پر نیکوں کو مقرر کیا جاتا تو بے گناہی اور معافی کے باوجود انہیں عذاب دینا لازم آتا اس لیے آدمی اور جن کا جسم آگ کی دائمی نزدیکی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ نیز اپنے ہم جنسوں' قریبیوں اور دوستوں کا عذاب دیکھنے کی وجہ سے ایک روحانی تکلیف اُٹھاتے جو کہ عذابِ جسمانی سے بالاتر ہے بلکہ ان سے ممکن نہ ہوتا کہ اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو اس سختی کا عذاب دیں اور ان پر تکلیف مالایطاق لازم ہو

جاتی۔ بخلاف فرشتوں کے کہ ان رکاوٹوں میں سے انہیں ایک رکاوٹ بھی نہیں۔ اور اگر کسی کے خیال میں یہ بات آئے کہ جب دوزخ کی مہم پر فرشتوں کی ڈیوٹی لگا دی گئی اور فرشتوں کی طاقت اس قدر ہے کہ ان میں سے ایک فرشتہ جہان کو ہلاک کرسکتا ہے۔ پس انیس (۱۹) فرشتوں کی کیا ضرورت ہوئی؟ ہم کہتے ہیں

وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اور ہم نے دوزخ کے موکلوں کی گنتی انیس (۱۹) نہیں کی ہے۔

اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مگر ان لوگوں کو مختلف قسموں کا عذاب دینے کے لیے جو کہ کفر میں مر گئے تا کہ وہ عذاب کی تمام اقسام میں گرفتار ہوں اور اگر ہم ایک یا دو یا تین افراد کو دوزخ پر مقرر کرتے تو وہ ایک یا دو یا تین قسم کا عذاب دے سکتے اور بس جب انیس (۱۹) افراد اس کام پر مقرر ہو گئے تو وہ انیس (۱۹) قسم کے عذاب کی ڈیوٹی سرانجام دیں گے اور عذاب کی اقسام انہیں انیس (۱۹) قسموں میں منحصر ہیں۔ پس ان کے حق میں ان اقسام کو پورا کرنا متحقق ہو جائے گا جیسا کہ انیس (۱۹) اقسام کو پورا کرنے اور ان کے حصر کی وجہ گزر چکی اور قوتِ ملکی کمیت کے اعتبار سے اعمال کی کثرت کو اور کیفیت کے اعتبار سے اعمال کی شدت کو پورا کرتی ہے اور ان میں سے ایک فرشتہ لاکھوں کام سرانجام دے سکتا ہے لیکن عمل کی مختلف اقسام پر پورا نہیں اُترتا' ان میں سے ایک فرد سے یہ نہیں ہو سکتا کہ دو قسم یا تین قسم کے کام سرانجام دے سکے۔ مثلاً ملک الموت بچے میں روح نہیں پھونک سکتا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام بارش نہیں برسا سکتے اور حضرت میکائیل علیہ السلام وحی نازل نہیں کر سکتے جیسا کہ کان دیکھ نہیں سکتا اور آنکھ سُن نہیں سکتی اگر چہ اپنے کام کی قسم میں ہزاروں مشکل کام سرانجام دیں۔ مثلاً کان کے لیے ممکن ہے کہ ہزاروں آوازیں سنے اور نہ تھکے اور آنکھ کے لیے ممکن ہے کہ ہزاروں رنگ دیکھے اور عاجز نہ ہو۔ پس اگر ایک فرشتے کو ہم دوزخیوں کے عذاب پر مقرر کرتے تو اس سے سب دوزخیوں کو ایک قسم کا عذاب ممکن ہوتا اور دیتا لیکن عذاب کی دوسری اقسام جو اس سے متعلق نہ ہوں نہ اس سے ممکن ہیں اور نہ وہ ان قسموں کا عذاب کرے گا اور اس طرح کفار کے حق میں

عذاب کی اقسام کو پورا کرنا اور ہر نوع اور ہر قسم کے لیے جدا فرشتہ مقرر کرنا۔

لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ اس لیے ہے کہ جنہیں کتاب دی گئی ہے' وہ پورا یقین حاصل کرلیں اور انہیں معاملاتِ الٰہیہ کے اسرار کو سمجھنے کی مشق' فرشتوں کے احوال و افعال پر اور اس بات پر کہ ان کی قوت کس چیز میں کمال رکھتی ہے اور کس چیز میں کمال نہیں رکھتی اور اس پر کہ کامل علی الاطلاق اور قوی حقیقی باری تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں' اطلاع حاصل ہے۔ نیز اگر انہوں نے اپنی کتابوں میں اس عدد کی بابت سنا ہے اور وہ اس عدد کی وجہ نہیں سمجھتے تو اس نکتے کی وجہ سے کہ اس عدد سے عذاب کی اقسام کو پورے طور پر حاصل کرنا منظور ہے' ان کی تسلی ہو جائے اور انہیں اس عقیدے پر پورا اطمینان حاصل ہو اور اس رسول علیہ السلام اور اس تازہ نازل شدہ کلام کا اپنی جان پر احسان مانیں۔ پس لِيَسْتَيْقِنَ اور اس کے معطوفات میں لام تعلیل اس کلام کے ساتھ متعلق ہے جو کہ سابقہ استثناء کی نفی کے ما سے ذہن میں حاصل ہوئی یعنی وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِيْمَانًا تا کہ جو لوگ پہلے سے آپ پر ایمان رکھتے ہیں' اپنے ایمان میں زیادہ ہو جائیں اور جان لیں کہ کفر نہایت مضر ہے اور ہر قسم کا عذاب چکھنے کا موجب ہوتا ہے۔ پس ایمان میں پورے طور پر داخل ہو جانا چاہیے اور کفر سے مکمل دُوری چاہیے۔

وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اور شک نہ کریں وہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی اور ایمان والے انیس (۱۹) کے عدد کے تعین میں اور یہ نہ کہیں کہ اگر بے شمار دوزخیوں کو عذاب دینے کے لیے قوتِ ملکی پورا اُترتی ہے تو ایک فرشتہ بھی کافی تھا اور پورا نہیں اُترتی تو انیس (۱۹) افراد لاکھوں کے مقابلے میں کیا کر سکیں گے اس لیے کہ وہ اس بیان سے معلوم کرلیں گے کہ انیس (۱۹) کو مقرر کرنا اقسامِ عذاب کو پورے طور پر جمع کرنے کے لیے ہے نہ کہ عذاب پانے والوں کے مقابلے کے لیے

وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اور تا کہ وہ لوگ کہیں جن کے دِلوں میں جہالت کی بیماری ہے اور اس جہالت کی وجہ سے ان کا ایمان ضعیف اور کمزور ہے

وَالْكٰفِرُوْنَ اور کفار بھی جو کہ بالکل ایمان نہیں رکھتے اور ان میں جہل مرکب راسخ ہو چکا ہے۔ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا کہ خدا تعالیٰ نے اس عدد کے ساتھ کس چیز کا ارادہ فرمایا ہے جو کہ کافروں کو عذاب دینے کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ مثلث مثلاً اس لیے کہ اگر دوزخیوں کا مقابلہ اور انہیں مغلوب کرنا مراد ہے تو انیس (۱۹) سے بھی نہیں ہو سکتا اور اگر عذاب دینے کے اسباب سرانجام دینا اور آگ جلانے کے لیے ایندھن اور موٹی لکڑیاں فراہم کرنا مراد ہے تو بھی اس تھوڑی تعداد سے نہیں ہو سکتا اور اگر ارادہ فرمایا ہے کہ میں اپنی قدرتِ کاملہ کے ساتھ ان کے ہاتھوں عذاب دوں گا تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اگر اسبابِ ظاہری کی رعایت کی بناء پر انہیں مقرر فرمایا جاتا تو ایک فرشتہ اور دو فرشتے بھی کافی تھے اور بالفرض اگر کوئی عدد ہی مقرر کیا تھا تو اعتبار کے ساتھ مشہور اعداد میں سے مقرر کیا ہوتا جیسے دس (۱۰) اور بیس (۲۰) جو کہ اعداد کی گرہیں ہیں یا پندرہ' سترہ' بارہ مقرر فرمائے جاتے۔ یہ عدد جو کسی جگہ اور کسی فرقے کے ہاں معتبر نہیں' کیوں مقرر کیا گیا؟

اور احتمال ہے کہ نسبت ایقاعیہ سے لفظ مثلاً تمیز ہو یعنی اس عدد سے کیا مثال دینے کا ارادہ فرمایا ہے۔ گویا وہ کہتے ہیں کہ اس عدد کا ظاہر تو یقیناً مراد نہیں ہے تو اس عدد کا ذکر کسی اور چیز کی مثال دینے کے لیے ہوگا۔ وہ چیز کیا ہے؟ بیان کیجیے تا کہ ہمارے دل میں بیٹھ جائے۔

لیکن پہلی توجیہہ میں کہ مثلاً کو فعل محذوف مثلث کا مفعول قرار دیا جائے اس بات کا ایک لطیف اشارہ حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام معاملات اور اس کے عجیب واقعات میں یہ ضعیف الایمان لوگ اور کافر اسی قسم کے شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں اور اعتراض اور بحث کرتے ہیں۔

اور جب اس واقعہ میں دو گروہوں' اہلِ کتاب اور ایمان والوں کے لیے ہدایت پر ہدایت نصیب ہوئی اور دو گروہوں' ضعیف الایمانوں اور کافروں کو گمراہی پر گمراہی ملی' اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی عبرت کے لیے ارشاد فرمایا:

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ یونہی ہر واقعہ میں اللہ تعالیٰ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے

اس طرح کہ اس واقعہ کے بھید اور باطن سے اس کی نظر بند کر دیتا ہے اور واقعہ کی ظاہری صورت پر اس کے فہم کو قاصر کر دیتا ہے تو ناچار شک و تردد یا انکار و استہزاء میں پڑ کر گمراہ ہو جاتا ہے۔

وَيَهْدِیْ مَنْ يَّشَآءُ اور جسے چاہے ہدایت فرماتا ہے اس طرح کہ اس کی نظر کو اس واقعہ کے بھید اور باطن میں جاری کر دیتا ہے اور وہ اس کام کی حقیقت کا سراغ لیتا ہے اور اس کا سکون و اطمینان زیادہ ہو جاتا ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ اور آپ کے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور اس کے لشکروں میں سے بعض جیسے ملک الموت علیہ السلام اکیلے ہی حملہ آور ہیں کہ لاکھوں کو تن تنہا کافی ہیں جیسا کہ دنیا میں سورج اور چاند بعض دو دو مل کر کام کرتے ہیں جیسے کراماً کاتبین دو آنکھیں اور دو کان بعض تین تین اور بعض چار چار موالید ثلاثہ یعنی حیوانات، نباتات اور جمادات اور عناصر اربعہ یعنی آگ، پانی، ہوا اور خاک بعض پانچ پانچ جیسے حواسِ خمسہ یعنی دیکھنا، سننا، سونگھنا، ٹٹولنا اور چکھنا، خمسہ متحیرہ یعنی پانچ ستارے زہرہ، عطارد، مریخ، مشتری اور زحل بعض چھ چھ جیسے چھ سمتیں، بعض سات سات جیسے سات آسمان اور سات ستارے اور بعض آٹھ آٹھ جیسے مزاج اور آٹھ جنتیں علیٰ ہذا القیاس

پس ایمان والوں کو اجمالی طور پر اتنا عقیدہ رکھنا چاہیے کہ دوزخ کا کارخانہ انیس (۱۹) ملائکہ کو جمع کیے بغیر پورا نہیں ہوتا کہ حق تعالیٰ نے اس عدد کو اس کے کارکنوں کے لیے مقرر فرمایا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کی تفصیل جن کی اس کے ہر قول اور ہر قرارداد میں رعایت کی گئی ہے، اکثر عوام کی سمجھ سے بالاتر ہے، بیان کرنے کے لائق نہیں اور نہ ہی وہ غرض جو قرآن پاک اور انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں دوزخ کا ذکر کرنے میں پیش نظر ہے، ان حکمتوں کے بیان پر موقوف ہے۔

وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ اور وہ دوزخ نہیں ہے مگر آدمیوں کے لیے ایک نصیحت و عبرت کہ اس کے حالات سن کر اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر سے ڈریں اور اس کی

نافرمانی نہ کریں اور اگر کفار کہیں کہ اگر چہ اس عدد کی حکمت ہمارے فہم کے ادراک میں نہیں لیکن اس کا خلافِ حکمت ہونا ظاہر ہے اس لیے کہ یہ عدد بہت قلیل ہے اور عدد قلیل عبرت اور خوف کا موجب نہیں ہوسکتا۔ ہم کہتے ہیں:

کَلَّا وہ اس عدد کو قلیل نہ سمجھیں **وَالْقَمَرِ** مجھے چاند کی قسم کہ پورے مہینے میں انیس (۱۹) راتیں اس کا نور محسوس ہوتا ہے اس لیے کہ سورج کے ساتھ جمع ہونے کے وقت اس کا نور اصلاً محسوس نہیں ہوتا اور اجتماع سے پہلے بھی چار روز نور کمزور ہو جاتا ہے کہ اسے دوسرے ستاروں سے اتنا امتیاز حاصل نہیں ہوتا اور اجتماع کے بعد ہلال ہونے کے دنوں میں بھی تین دن اور ایک کسر اسی طرح کا ہوتا ہے اور یہی انیس (۱۹) راتیں اس کے نور کی تاثیر میں کفایت کرتی ہیں اور جہاں اس نور کی کیفیت سے لبریز ہوتا ہے اور ہزاروں پھل نشوونما پاتے ہیں اور کھیتی کے ہزاروں دانے موٹے اور پُرمغز ہوتے ہیں اور دریا' نباتات' حیوانات کے اجسام' ان کے اخلاط' دماغ' چربی اور گوشت میں رطوبتوں کی زیادتی اسی سے حاصل ہوتی ہے۔ پس اس انیس (۱۹) کے عدد نے اتنی عظیم تاثیر پیدا کی کہ ایک جہان آباد کر دیا اور یہ عمدہ کام سرانجام دیا۔

وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ اور رات کی قسم جبکہ پیٹھ پھیر کر بھاگے سورج کے غالب نور کے قریب پہنچنے کی وجہ سے حالانکہ ابھی سورج اُفق کے نیچے ہوتا ہے اور زمین کے مخروطی سائے اور سورج کی ٹکیہ کے درمیان انیس (۱۹) درجے کا فاصلہ ہوتا ہے۔ پس سورج کے نور نے ان انیس (۱۹) درجوں کے ضمن میں اس قدر قوی تاثیر دکھائی کہ زمین کے مخروطی سائے کو جس نے آدھے جہان کو طاقت اور غلبہ اختیار کر کے قبضہ میں لے رکھا تھا' اپنی ایک ٹھوکر سے شکست دے دی اور بھگا دیا اور جہان کو تاریکی سے روشنی میں لا کھڑا کیا اور ایک عمدہ کام سرانجام دیا اور مرنے کے بعد زندگی کی صورت ظاہر ہوگئی۔

وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ اور صبح کی قسم جبکہ روشن ہوتی ہے جو ابھی اُفق سے انیس (۱۹) درجے نیچے واقع ہے۔ پس میں ان تین عمدہ کاموں کے ساتھ جو کہ زمان و مکان میں انیس (۱۹) کے عدد کی تاثیر سے سرانجام پاتے ہیں اس بات پر استدلال کرتا ہوں کہ:

اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ تحقیق وہ دوزخ بھی خداتعالیٰ کے عمدہ کارخانوں میں سے ایک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شانِ عدالت وانتقام نے اس کارخانے میں ظہور فرمایا ہے اگر انیس (۱۹) فرشتوں کے عدد سے سرانجام پائے تو کیا بعید ہے کہ اس کی قدرت کے عمدہ کارخانے اسی عدد سے پورے ہوئے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ دوزخ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ آدمیوں کے لیے ڈرانے والی ہوئی ہے کہ جو چیز اس کے اوصاف سے ہوتی ہے' ان کے ڈرنے کا سبب ہوتی ہے جبکہ دوسرے کارخانے جیسے چاند کے نور کی تاثیر' رات کا جانا اور صبح کا آنا' ان کے ڈرنے کا موجب نہیں ہوتا ہے۔ پس اس کارخانے سے ڈرنے کی وجہ سے اس کے حال میں غور وفکر نہیں کرتے اور اس کی حقیقت کا سراغ نہیں لگاتے اور انکار کے ساتھ پیش آتے ہیں جبکہ دوسرے کارخانوں میں منفعتوں کی امید اور ان میں رغبت کی وجہ سے گہری نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے اسباب کو سمجھتے ہیں اور حکمت اور ہیئت کی کتابوں میں لکھتے ہیں اس وجہ سے ان کارخانوں میں کوئی بعید سمجھنا اور انکار کرنا پیش نہیں آتا اور اگر ان کارخانوں سے کچھ خطرہ بھی ہوتا ہے تو افراد بشر میں سے بعض کے ساتھ خاص ہوتا ہے جیسے کہ چور چاند کی روشنی' رات کے جانے اور صبح کے آنے سے ڈرتے ہیں نہ کہ ان کا غیر اور دوزخ کا ڈر عام ہے۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ تم میں سے ہر اس شخص کے لیے جو کہ خیر اور شر کے کاموں میں آگے جانا چاہے۔

اَوْ يَتَاَخَّرَ یا کہ ان میں پیچھے رہنا چاہے اس لیے کہ شر کے کام میں آگے بڑھنے کی وجہ سے بھی دوزخ کا خطرہ لاحق ہوتا ہے اور کارِ خیر میں تاخیر کرنے کی وجہ سے بھی اس کا ڈر رہتا ہے اور جو شخص ہر کارِ خیر میں آگے بڑھے اور ہر شر کے کام سے پیچھے رہے گا' نادر اور کامیاب ہے اور نادر معدوم کی طرح ہے۔ بیشتر انسانی افراد اگر شر کے کام سے تاخیر کرتے ہیں' کسی دوسرے شر کے کام میں آگے بڑھتے ہیں اور اگر کارِ خیر میں آگے بڑھتے ہیں تو دوسرے کارِ خیر میں پیچھے بھی رہ جاتے ہیں۔ پس اس کا خطرہ ہر کسی کو لاحق ہوتا ہے اسی لیے اس دوزخ کی گرفت اور پکڑ قیامت کے روز بھی عام ہوگی اس لیے کہ:

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ہر نفس اس کے عوض جو اس نے کمائی کی ہے' برا کام کرنے یا نیکی میں کوتاہی کرنے سے رَهِيْنَةٌ دوزخ اور اس کے موکلوں کی قید میں ہوں گے اور چونکہ ہر نفس میں کمائی کے آلات انیس (۱۹) چیزیں ہیں: دو ہاتھ' دو پاؤں' زبان' دل' اعضائے تناسل' پیٹ' پشت' حواسِ خمسہ' عقل' وہم' خیال' شہوت اور غضب تو دوزخ کے انیس (۱۹) موکل اسے ضرور عذاب اور ملامت کریں گے اور کوئی شخص کسی کوتاہی کے بغیر ان آلات کے استعمال میں نہیں رہا ہے یا اس نے ان آلات کو ان کے موزوں مقام کے غیر میں صرف کیا یا موزوں مقام میں صرف نہیں کیا۔ پس کسی کے لیے بھی دوزخ اور اس کے موکلوں کی قید سے رہائی کی صورت نہیں بنتی۔

اِلَّا اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ مگر دائیں طرف والے جو کہ میثاق کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی پشت کی دائیں طرف سے نکلے تھے اور دنیا میں بھی ان کی علامت سچائی تھی اور محشر میں بھی عرش کے دائیں جانب کھڑے ہوئے اور انہوں نے اعمال نامے اپنے دائیں ہاتھوں میں پائے اور محشر کی دائیں جانب جو کہ جنت کی سمت ہے' روانہ ہوئے اس لیے کہ انہوں نے حق واجب ادا کر کے قید سے خلاصی پائی اور اپنا ذمہ پاک کر کے دوزخ کے موکلوں سے رہائی پائی اور داخل ہوئے۔

فِيْ جَنّٰتٍ باغات میں اس وجہ سے کہ ان کی روحانیت کی سمت غالب آئی اور انہیں دوزخ کے موکلوں کے ہاتھوں سے کھینچ لے گئی اور وہ ان باغات میں اس قدر مطمئن اور فارغ البال ہوں گے کہ ایک دوسرے سے

يَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ پوچھتے ہیں گناہ گاروں کے متعلق کہ وہ کہاں گئے؟ اور انہیں کیا ہوا؟ گویا ان کے حال کی کوئی خبر نہیں رکھتے کہ وہ کس روسیاہی میں گرفتار ہیں اور جب وہ سن لیں گے کہ گناہ گاروں کو سقر میں لے گئے اور انہیں اس میں داخل کر دیا گیا تو ان گناہ گاروں کی طرف متوجہ ہو کر جھڑکی کے طریقے سے یا ازرہ تعجب خطاب کریں گے اور پوچھیں گے کہ:

مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ تمہیں سقر میں کونسی چیز لے آئی؟ اور عقل و دانش کے کامل

ہونے کے باوجود تم سے ممکن نہ ہوا کہ تم سقر کی طرف کھینچنے والے اسباب کا جو کہ حیوانی اور طبعی قوتیں ہیں' مقابلہ اور دفاع کرتے تا کہ تمہیں دوزخ کے موکل جو کہ ان قوتوں کی صورت میں یہاں نہ کھینچ لاتے اور حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ اس آیت میں اصحاب یمین سے مراد ایمان والوں کے بچے ہیں جو کہ بے گناہ گئے ہیں اور وہ سقر اور اس کے موکلوں کی قید میں نہیں پڑیں گے اور بعض مفسرین نے اس قول کی تائید میں کہا ہے کہ یہ سوال بھی ان کے طفل ہونے پر دلالت کرتا ہے کہ ابھی دوزخ میں داخل ہونے کا سبب نہیں پہچانتے۔ نیز حضرت امیر کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ وہ بچے جب کافروں کا جواب سنیں گے کہ ہم اس وجہ سے دوزخ میں آئے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے' مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے' بُروں کی صحبت میں بیٹھتے تھے' لایعنی کاموں میں وقت گزارتے تھے اور قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے۔ کہیں گے کہ ہم بھی یہی کام کرتے تھے لیکن قیامت کے دن کا انکار نہیں کرتے تھے تو معلوم ہوا کہ تم روزِ قیامت کا انکار کر کے اس مصیبت میں گرفتار ہوئے۔

حاصلِ کلام یہ کہ اگر اصحابِ یمین سے مراد نیک بخت ہوں جیسا کہ قرآن مجید کا عرف ہے تو یہ سوال ازرہ تعجب یا جھڑکی کے طور پر ہوگا اور اس سوال کے جواب میں گناہ گار قالوا کہیں گے کہ ہم سے عملی اور علمی قوتوں کو عالم بالا کی طرف جذب کرنا اور کھینچنا ممکن نہ ہوا اس لیے کہ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ہم نماز گزاروں میں سے نہ تھے حالانکہ فرض نماز سب کی سب انیس (۱۹) رکعت تھیں۔ دو فجر سے' چار ظہر سے' چار عصر سے' تین مغرب سے' چار عشا سے اور دو صلوٰۃ اللیل سے کہ ان پر ایک رکعت کو طاق عدد کے لیے بڑھا کر وتر نام رکھا گیا ہے اس جہت سے بیس رکعت ہوئیں اور اگر ہم نماز پڑھنے والوں میں سے ہوتے' آج یہ انیس (۱۹) رکعت ہمارے کام آتیں تا کہ موکلوں کے انیس (۱۹) افراد سے رہائی دِلاتیں۔ نیز دن رات کے چوبیس (۲۴) گھنٹے ہیں اور ان میں سے پانچ نماز کے لیے مقرر ہیں تا کہ باقی انیس (۱۹) گھنٹوں کا کفارہ ہو جائیں جب ہم سے نماز ادا نہ ہوئی' ان انیس (۱۹) گھنٹوں کا کفارہ ہمارے ہاتھ نہ آیا۔ ناچار غفلت کے ہر

گھنٹے کے مقابلے میں ایک ایک موکل ہم پر مسلط ہو گیا۔

نماز کے ارکان اور شرائط کا بیان انیس ہیں

نیز نماز کے ارکان اور شرائط سب کے سب انیس (۱۹) چیزیں ہیں۔ جسم پاک ہونا' کپڑوں کا پاک ہونا' حدث اصغر اور حدث اکبر سے پاک ہونا' قبلہ رُخ ہونا' فرض ستر کو ڈھانپنا' قیام' رکوع' سجود' قعود' تکبیر تحریمہ ہاتھ اُٹھا کر' قرأت' تسبیح و تکبیر کے اذکار' تشہد' درود و دعا' حضور دل' نیت سلام' ارکان میں اطمینان' نماز کے منافی قول اور عمل کا ترک کرنا اور دائیں بائیں جھانکنے کو ترک کرنا اور جب ہم نے نماز کو چھوڑ دیا' ان انیس (۱۹) چیزوں کے عوض ہمیں انیس (۱۹) موکل گرفتار کر کے لے گئے۔

وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ اور ہم گدائے محتاج کو کھانا نہیں کھلاتے تھے اس لیے کہ اگر ہم اسے ایک وقت بھی پیٹ بھر کر کھانا دے دیتے تو وہ کھانے کے وقت سے انیس (۱۹) گھنٹوں تک فراغت کے ساتھ وقت گزارتا اور اس کی انیس (۱۹) قوتیں جو کہ حیوانی اور طبعی ہیں' زندہ اور تازہ ہو جاتیں اور اگر وہ ان انیس (۱۹) گھنٹوں میں ان انیس قوتوں کے ساتھ کوئی نیکی اور کارِ خیر بجالاتا تو ہمارے اعمال نامے میں درج ہوتی کیونکہ اس کا باعث ہم ہوتے۔

اس کھانے کی شرائط کا بیان جو کہ موجب اجر ہوتا ہے

نیز اسے کھانا پکا کر کھلانا جو کہ کامل اجر کا باعث ہو' انیس (۱۹) اعمال پر موقوف ہے۔ ہل چلانا' بیج ڈالنا' پانی دینا' جانوروں سے کھیتی کی حفاظت کرنا' اسے کاٹنا' گاہنا اور بھس جدا کرنا' کھلیان کی حفاظت کرنا' کھیت سے آبادی تک غلے کی نقل و حمل' آٹا پیسنا' چھاننا' گوندھنا' روٹی پکارنا' نمک ڈالنا' سالن مہیا کرنا' احترام اور عزت کے ساتھ منگتے تک کھانے کی نقل و حمل' منگتے کے سیر ہونے کا انتظار کرنا اور جلدی نہ کرنا' اسے عزت و حرمت کے ساتھ رخصت کرنا' اس نیکی کا اس منگتے پر احسان نہ رکھنا اور اسے بار بار یاد نہ کرانا اگر ہم ایک منگتے کو اس طرح کھانا کھلاتے یہ انیس (۱۹) اعمال انیس موکلوں کے

مقابلے میں ہمارے کام آتے۔

وَكُنَّا نَخُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ اور ہم بری صحبتوں میں بے ہودہ گفتگو کرنے والوں کے ساتھ بے ہودہ گفتگو کرتے تھے۔

ان امور کا بیان جن سے پرہیز ضروری ہے

اور ان صحبتوں میں انیس (۱۹) آفات تھیں' پہلی آفت بے ہودہ گفتگو کرنا جیسے عورتوں کے حسن' دولت مندوں کی عیش وعشرت' بادشاہوں کے تکبر' ان کے اقتدار کے اسباب' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی جنگ کے واقعات کا ذکر کرنا' مذاہب باطلہ کو نقل کرنا اور فاسقوں کا فسق وفجور یاد کرنا۔ دوسری آفت ایک دوسرے کے کلام میں عیب گری اور طعن کرنا اور اس کلام کا خلل بیان کرنا۔ تیسری آفت مذاہب واقوال میں ازرہ تعصب وسخن پروری' جھگڑنا اور اپنے حقوق پورے لینے کے لیے جائز حد سے زیادہ جھگڑا کرنا۔ چوتھی آفت بات کو وزن' قافیہ' استعارہ اور اچھی تقریر کر کے سنوارنا اور مذمت وتعریف کے شعر پڑھنا اور ان شعروں کے مضامین سے لذت حاصل کرنا۔ پانچویں آفت جماع' بول وبراز اور پردہ نشیں خواتین کے ذکر پر مبنی فحش گفتگو کرنا۔ نویں آفت کشادہ روئی کی حد سے زیادہ بلکہ ہم نشیں کے رنج وملال کا موجب مزاح اور خوش طبعی کرنا۔ دسویں آفت بے گناہوں کو قبیح امور کے ساتھ تہمت اور بہتان لگانا۔ گیارہویں آفت مذاق کرنا اور مسلمانوں کی حرکات اور کیفیات پر ہنسنا اور مسلمانوں کے عیب نقل کر کے دوسرے لوگوں کو ہنسانا۔ بارہویں آفت وعدہ خلاف ہونا۔ تیرہویں آفت جھوٹ بولنا اور مبالغہ کرنا۔ چودھویں آفت لوگوں کے راز ظاہر کرنا اور ان کے گھریلو چھپے ہوئے امور کو برملا ظاہر کرنا۔ پندرہویں آفت بددعا کرنا' سولہویں آفت غیبت کرنا' سترہویں آفت عیب جوئی اور طعنہ زنی' اٹھارہویں آفت ایک دوسرے کے سامنے اس کی تعریف کرنا' انیسویں آفت اپنا' اپنی قوم اور اپنے بزرگوں کا فخر کروفکر کے ساتھ بیان کرنا۔ ان آفات میں سے ہر آفت نے ہمیں دوزخ کے موکلوں میں سے ایک ایک کی مصیبت میں گرفتار کیا۔

وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّينِ اور ہم روزِ جزا کا انکار کیا کرتے تھے۔

روزِ جزا کے واقعات کا بیان

اور روزِ جزا میں انیس (۱۹) دشوار واقعات ہیں اور ان میں سے جو واقعات پہلے نفخہ کے بعد رونما ہوں گے' ان کی تعداد چھ (۶) ہے۔ پہلا واقعہ آسمان کا پھٹنا ہے' دوسرا زمین کا زلزلہ ہے' تیسرا ستاروں کا جھڑنا' چوتھا سورج اور چاند کا بے نور ہونا' پانچواں پہاڑوں کی حرکت اور چھٹا دریاؤں کا بھڑکایا جانا اور ان میں سے جو دوسرے نفخہ کے بعد رونما ہوں گے' وہ تیرہ (۱۳) واقعات ہیں۔ مُردوں کا زندہ ہونا' میدانِ حشر میں لانے کے وقت انہیں گروہ گروہ کرنا' دھوئیں کا آنا اور اس کا محشر والوں کو گھیرے میں لینا' دوزخ اور سورج کی گرمی کی وجہ سے لوگوں کے جسموں سے پسینہ بہنا' میدانِ حشر میں کھڑے رہنے تک سایہ نہ پانا' قہرالٰہی کی تجلی کا ظہور' سوال' حساب' وزنِ اعمال' اعمال نامے دِکھانا اور دائیں یا بائیں ہاتھوں میں اعمال نامے پکڑانا' محشر سے جنت یا دوزخ کی طرف روانہ ہونا' پلِ صراط سے گزرنا' جنت یا جہنم میں داخل ہونا۔

جب ہم نے روزِ جزا کی تکذیب کی' ہم نے ان تمام انیس (۱۹) واقعات کا انکار کیا' ہر واقعہ کے انکار کی جزا میں ایک ایک موکل ہمارے پیچھے پڑ گیا اور اس نے ہمیں گرفتار کر لیا۔ اے کاش! ہم نے اپنی عمر کی ابتدا میں یہ بُرے اعمال کیے ہوتے اور آخر میں توبہ کر لیتے تاکہ ہمیں ان اعمال پر مواخذہ نہ ہوتا لیکن ہم اپنی بدشگونی کی وجہ سے ان اعمال پر بضد رہے۔

حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی اور موت کے بعد متنبہ اور بیدار ہونے کا کوئی فائدہ نہ ہوا کہ عمل اور توبہ کا وقت نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے نہ خود اپنے چھٹکارے کی فکر کی اور نہ ہی انہیں کسی اور طرف سے امداد و اعانت کی امید رہی۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ پس انہیں شفاعت کرنے والوں کی شفاعت نفع نہ دے گی۔

شفاعت کرنے والوں کا ذکر

اس لیے کہ اس دن شفاعت کرنے والے یا اعمال بدنیہ ہیں جن کا سردار نماز ہے یا اعمالِ مالیہ ہیں جن کا سردار مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اور جب ان دونوں اعمال کی ان سے دشمنی ہوگی تو دوسرے بدنی اور مالی اعمال کی کیا طاقت کہ ان کے مقدمے میں دَم ماریں۔

یا شفاعت کرنے والے انبیاء علیہم السلام اور قرآنِ کریم ہیں اور یومِ جزا کی تکذیب کی وجہ سے جو کہ رسول علیہ السلام اور قرآنِ کریم کے ارشادات میں عمدہ ہے' رسول علیہ السلام اور قرآنِ کریم ان کی شکل سے بے زار ہوں گے۔ چہ جائیکہ ان کی شفاعت فرمائیں۔

یا اولیائے اللہ' علمائے کرام اور شہداء ہیں جبکہ ان کے بُری صحبتوں میں بیٹھنے' بے ہودہ گوئی میں تباہ ہونے' حرام چیزوں اور طعن و ملامت کو اپنانے اور اولیاء' علماء اور شہداء کے طور طریقے کی مخالفت کرنے کی وجہ سے وہ بھی ان سے بے زار اور متنفر ہوں گے کہ ان لوگوں نے دنیا میں ان کی صحبت اور وعظ کی طرف ہرگز توجہ نہ کی اور وہ ان کے طور طریقے کے خلاف زندگی بسر کرتے تھے۔

اور جب انہیں اس قسم کا روزِ سیاہ درپیش ہے اور انہیں اس دن کی سختیوں میں کسی سے امداد و اعانت کی امید بھی نہیں تو انہیں چاہیے کہ اس روز کی سختیوں کے علاج کے متعلق پوچھ گچھ کریں اور جو بھی انہیں ان سختیوں کے علاج سے آگاہ کرے' اس کا احسان برداشت کریں اور وعظ و نصیحت کی تلاش میں خود پوری کوشش کریں۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ پس انہیں کیا ہے کہ قرآن پاک کی وعظ و نصیحت سے منہ پھیرے رہتے ہیں اور اس سے ان کی روگردانی انتہا کو پہنچ چکی اس لیے کہ کارِ خیر سے روگردانی کبھی بے سمجھی اور بے وقوفی کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ بچے کی علم حاصل کرنے سے روگردانی اور کبھی مصلحت سمجھنے کے باوجود طبعی نفرت کی وجہ سے ہوتی ہے جیسا کہ نفع دینے والی دوا سے مریض کی روگردانی اور کبھی کسی مرہوم ضرر کے ڈر کی وجہ سے ہوتی ہے کہ عقل تو اس کا یقین نہیں کرتی لیکن وہم سے مغلوب ہو جاتا ہے اور اس کام

سے بھاگتا ہے جیسا کہ فصد اور پچھنے لگوانے سے مریض کی روگردانی ہلاکت کے اس خوف کی وجہ سے جو کہ اسے قوتِ واہمہ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور انہوں نے نصیحت سے روگردانی کی' ان تینوں اقسام کو جمع کر رکھا ہے۔

كَاَنَّهُمْ گویا کہ وہ لوگ بے سمجھی' بے وقوفی اور قرآن پاک کی نصیحت سے نفرت طبعی اور خوفِ وہمی میں

حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ بھڑکے ہوئے گدھے ہیں جو کہ غضب ناک قوی ہیکل دھاڑتے ہوئے شیر کو دیکھ کر بھاگے ہوں کہ بالکل پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے اور حالات کی تحقیق نہیں کرتے اور بھاگے ہی جاتے ہیں اور اپنے اس سب بھڑکنے اور روگردانی کرنے کو اس سمت متوجہ کرتے ہیں کہ ان کا غرور و تکبر گوارا نہیں کرتا کہ اپنے غیر پر نازل شدہ نصیحت سے نفع حاصل کریں اور نصیحت حاصل کریں۔

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ بلکہ ان میں سے ہر ہر شخص چاہتا ہے کہ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً اسے خدا تعالیٰ کی طرف کھلے صحیفے عطا کیے جائیں' بادشاہوں کے فرامین کی طرح نہ کہ لپٹی ہوئی اور پیچیدہ شقوں کی طرح کہ وہ اتنی عزت و اعتبار کا موجب نہیں ہوتیں۔ بخلاف کھلے احکام کے کہ جس کے نام صادر ہوتے ہیں' آدمی کی شان اور قدر بڑھتی ہے اور مرتبہ بلند ہوتا ہے اور ان کی یہ درخواست بالکل دیہات کے مزارعین اور کسانوں کی درخواست کی مانند ہے کہ ہر ایک اپنے نام بادشاہ کا حکم صوبے دار اور فوج دار کے واسطے کے بغیر چاہے اور کہے کہ جب تک ہم میں سے ہر ایک کے نام معتبر ایلچیوں کے ذریعے فرمانِ شاہی صادر نہ ہو' ہم اس صوبے دار اور فوج دار کی اطاعت نہیں کرتے اور ہم اس کے پاس حاضر نہیں ہوتے اور نہ ہی اس کی بات سنتے ہیں۔

مفسرین نے روایت کی ہے کہ کفارِ مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ ہم آپ کی پیروی ہرگز نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم میں سے ہر ایک کے نام آسمان سے ایک فرمان آپ کے واسطے کے بغیر نازل ہو اور صبح کے وقت ہمارے سرہانے پر پڑا ہو کہ اس حکم نامہ کے اوپر عنوان کے طور پر لکھا ہوا ہو۔ من رب العالمین الی فلان ابن

فلاں اور اس حکم نامے میں ہمیں آپ کی پیروی کا حکم دیا جائے۔ حق تعالیٰ ان کی اس باطل فرمائش کے رد میں فرماتا ہے کہ:

کَلَّا وہ یہ خواہش نہ کریں اور یہ مقصد طلب نہ کریں اس لیے کہ آفات و بلیات سے بچنے اور جان بچانے کی فکر کے مقام میں غرور اور تکبر نہیں ہوتا' قریب المرگ مریض نہیں کہتا کہ میرا غرور اور تکبر گوارا نہیں کرتا کہ میں طبیب سے دوا پوچھوں اور اس کے کہے پر عمل کروں۔

بَلْ لَّا یَخَافُوْنَ الْاٰخِرَۃَ بلکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے اور انہیں یقین نہیں کہ اس جہان میں ہمارے بُرے اعمال کی ہمیں سزا دی جائے گی تاکہ اس سزا سے بچنے کا کسی سے طریقہ پوچھیں اور کسی کی نصیحت پر عمل کریں پھر فرمایا کہ ان کی اس بات میں ایک اور خلل ہے۔

کَلَّا وہ یوں نہ سمجھیں کہ یہ نصیحت ہمارے غیر پر اُتری ہوئی ہے بلکہ اِنَّہٗ تَذْکِرَۃٌ تحقیق یہ قرآن پاک کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں ہے کہ اس کی جاگیر ہو' نصیحت ہر کسی کا حقِ عام ہے جو ڈرے اسی کے لیے ہے اس لیے کہ بشری تصنیف نہیں ہے بلکہ کلامِ الٰہی ہے جو کہ اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے اُتارا ہے۔ حضرت رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جبرئیل علیہ السلام' قاری حضرات اور اساتذہ ایک واسطہ ہیں۔ پس وہ حق کی ایک یادداشت ہے جو ایک شہر کے مقرر جج کو لکھ کر دی گئی تاکہ حال اور مستقبل کے جس جج کے پاس پہنچے اس پر عمل کرے۔

فَمَنْ شَآءَ ذَکَرَہٗ' پس جو چاہے اس قرآن کو یاد کرے اور اس میں غور و فکر کرے اور اس پر عمل کرے۔ وَمَا یَذْکُرُوْنَ اور وہ اس قدر گنجائش دینے اور واضح فہمائش کے باوجود اس قرآن کو یاد نہیں کرتے۔

اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ مگر تاوقتیکہ خدا تعالیٰ چاہے گا۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ ان میں سے بعض لوگ بہت سی جنگوں اور لڑائیوں' بے شمار جھگڑوں' قرآن پاک کے اوامر و نواہی کی مخالفت میں رسوائی اور ذلت لاحق ہونے' قبیلوں اور قریبیوں کے ہلاک ہونے اور اس

نعمتِ عظمیٰ اور عطیہَ کبریٰ کی ناشکری کی نحوست کی وجہ سے مال اور مرتبے کے نقصان کے بعد اسے سمجھ لیں گے اور اسے یاد کریں گے اور اس کی نصیحت سے فائدہ اُٹھائیں گے لیکن اللہ تعالیٰ ان سے اس وقت بھی یہ نصیحت حاصل کرنا اور قرآن پاک یاد کرنا قبول فرمالے گا اور انہیں ہدایت اور معافی عطا فرمائے گا اس لیے کہ:

هُوَ اَهْلُ التَّقْوٰى وَاَهْلُ الْمَغْفِرَةِ وہی لائقِ تقویٰ ہے کہ اس سے ڈرنا چاہیے اور وہی ہے بخشش اور کرم کے لائق کہ اگرچہ آدمی بے شمار گناہوں اور بے پناہ مخالفتوں کے بعد تقویٰ کی راہ اختیار کرتا ہے' وہ اس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور معافی عطا فرماتا ہے اور یہ اس کے لطف و رحمت کے کمال کی وجہ سے ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے جناب حضرت رب العزت تعالیٰ شانہ وجل سلطانہ سے یہاں اختتامی حاشیے کے طور پر ایک عبارت نقل فرمائی ہے اس نقل کے الفاظ یہ ہیں کہ اس آیت کی تلاوت کے بعد آپ نے فرمایا قال ربکم عزوجل انا اهل ان اتقى فلا يشرك بي شيء فاذا اتقانی العبد فانا اهل ان اغفر له یعنی تمہارے رب عزوجل نے ارشاد فرمایا کہ میری شان کے لائق ہے کہ بندہ مجھ سے ڈرے اور میرے ساتھ کسی کو کسی کام میں شریک قرار نہ دے اور جب بندہ مجھ سے ڈر گیا اور شرک سے پاک ہوا تو میری شان کے شایان ہے کہ اس کے گناہ معاف کردوں اور بخش دوں۔

اور اس اختتامی گفتگو کا مقصد دو محذوف اعتراضات کو دُور کرنا ہے جو کہ یہاں سننے والے کے خیال میں آتے ہیں۔ پہلا سوال یہ ہے کہ تقویٰ کے قابل وہ ہے جس کا غضب اور دبدبہ غالب ہو جبکہ مغفرت اس کے شایان ہے جس کی رحمت اور لطف غالب ہو۔ پس ان دونوں صفات کو جمع کرنا اگر ہر ہر بندے کی نسبت سے ہے تو اجتماعِ ضدین لازم آتا ہے اور اگر بندوں کے مجموعے کی نسبت سے ہے کہ ایک جماعت سے تقویٰ طلب کیا جاتا ہے اور اپنا دبدبہ اور غضب ظاہر کیا جاتا ہے جبکہ دوسری جماعت کے ساتھ معاف کرنے

اور بخشنے کا معاملہ کیا جاتا ہے اور ان کی نافرمانیوں اور گناہوں سے درگزر کی جاتی ہے تو خلافِ حکمت یا خلافِ عدل لازم آتا ہے اور جزا کا معاملہ اٹکل پر مبنی ہو جاتا ہے اور ایک قانون نہیں بنتا۔

مندرجہ عبارتِ مبارکہ سے اس اعتراض کا جواب یوں سمجھایا گیا ہے کہ ہر بندے کی نسبت سے ایک معاملہ ہے کہ پہلے تو اس سے تقویٰ طلب کیا جاتا ہے اور جب وہ تقویٰ کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور بہت بڑے گناہ سے جو کہ شرک ہے' باز آ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تعمیل اور اس کے نواہی سے پرہیز کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرمایا جاتا ہے اور اس کی کوتاہیوں سے درگزر کی جاتی ہے اور اس کے گناہ معاف فرما دیئے جاتے ہیں اور مغفرت کے مستحق ہونے یا نہ ہونے میں بندوں کا خلاف مغفرت کی شرط حاصل کرنے میں ان کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی تقویٰ اختیار کرنے اور شرک سے پرہیز کرنے کا عزم۔ پس یہ معاملہ اٹکل سے نہیں اور حکمت و عدالت کے خلاف نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جب ایک شخص نے تقویٰ اختیار کیا پھر اسے مغفرت کی کیا ضرورت ہے؟ اس لیے کہ تقویٰ کا معنی گناہ سے پرہیز کرنا اور امر کا بجا لانا ہے اور اگر اس نے تقویٰ اختیار نہ کیا تو مغفرت اسے گناہ پر دلیر کرنا ہے اور وہ مغفرت کے لائق نہیں ہے؟ اس اعتراض کا جواب بھی اسی عبارت سے یوں سمجھا گیا کہ تقویٰ کے مختلف درجات ہیں اور اصل تقویٰ جو کہ مغفرت کا مدار اور شرط ہے' اسی قدر ہے کہ شرک اور کفر سے پاک ہو جائے اور تعمیل اور پرہیز کا پختہ ارادہ کر لے جبکہ ابھی بے شمار کوتاہیوں میں بخشش کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ

سورۃ القیامۃ

مکی ہے اس کی چالیس (۴۰) آیات ہیں۔

سورۃ القیامۃ کے سورۃ المدثر سے رابطے کی وجہ

اور اس سورۃ کے سورۃ مدثر کے ساتھ مربوط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ مدثر میں واقعہ قیامت کی ظاہری ابتدا کا ذکر ہے جو کہ نفخ صور ہے کہ فرمایا: فَاِذَا نُقِرَ فِی النَّاقُوْرِ اور اس کی انتہا بھی مذکور ہے کہ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ اِلَّا اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ فِیْ جَنّٰتٍ یَتَسَآءَلُوْنَ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ جبکہ اس سورۃ میں واقعہ قیامت کی باطنی ابتدا کا ذکر ہے جو کہ عقل اور روح کو حیرت میں ڈال دے گا کہ فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ وَخَسَفَ الْقَمَرُ اور اس کی انتہا کا بھی ذکر ہے۔ وُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ وَوُجُوْهٌ یَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ پس اُس سورۃ میں قیامت کے ظاہر کا بیان ہے جبکہ یہاں اس کے باطن کا ذکر ہے۔ نیز اس سورۃ میں قیامت کے واقعات میں سے پہلی چیز جو ذکر کی گئی ہے نقر ناقور ہے جو کہ کان سے ٹکرائے گی اور کان کے راستے دل کو دُکھ پہنچائے گی اور متحیر کر دے گی جبکہ یہاں اس سورۃ میں قیامت کے واقعات میں سے پہلی چیز جو ذکر کی گئی برقِ بصر ہے یعنی نگاہ کا خیرہ ہونا ہے جو کہ آنکھ کو متاثر کرے گی اور اس راہ سے دل کو حیرت کے بھنور میں ڈال دے گی اور ظاہر کو باطن پر اور کان کو آنکھ پر مقدم رکھنے کی اس معجز کلام میں جگہ جگہ رعایت کی گئی ہے۔

نیز قیامت کے دن پہلے صور پھونکنے کی شدید آواز جہان کو زیر و زبر کر دے گی اس

کے بعد نورِ الٰہی کی قہری تجلی نافرمانوں سے بدلہ لینے اور نیکوں پر انعام کرنے کے لیے ظہور فرمائے گی۔ پس واقع ہونے کے اعتبار سے بھی اس سورۃ کے مضمون کو اس سورۃ کے مضمون پر پہل حاصل ہے۔ اور اس کے علاوہ اندازِ کلام اور دونوں سورتوں میں مستعمل الفاظ بھی ایک دوسرے کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ وہاں کافر کے بارے میں دنیا میں فرمایا ہے کہ عبس و بسر جبکہ یہاں کفار کے بارے میں قیامت میں فرمایا ہے کہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ گویا اُس جہان کی ترش روئی اس جہان کی ترش روئی کی جزا ہے جو کہ آیاتِ قرآنی کے بارے میں کرتا تھا۔

اور وہاں فرمایا ہے بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً جبکہ یہاں فرمایا ہے بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ نیز اس سورۃ میں ایمان اور نیک اعمال نماز اور صدقات کو چھوڑنے پر قیامت کے دن کفار کی حسرت ان الفاظ میں مذکور ہوئی ہے۔ لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ جبکہ اس سورۃ میں ایمان اور نیک اعمال کو چھوڑنے کی وجہ سے موت کے بعد کافر کا نقصان اُٹھانا اس عبارت کے ساتھ ہے کہ فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى اور اس سورۃ میں کافر پر لعنت اس تکرار اور اس عبارت کے ساتھ مذکور ہے۔ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ جبکہ اس سورۃ میں اسی معنی کو اس تکرار اور اس عبارت کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى اور اس سورۃ میں لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ فرمایا ہے جبکہ اس سورۃ میں يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ۔ اس کے علاوہ دیگر لفظی اور معنوی موزونیتیں اور مناسبتیں ہیں جو کہ گہرے غور و فکر کے بعد ظاہر ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حضور ہی صحابہ کرام علیہم الرضوان کی خوبی ہے کہ انہوں نے ترتیب کے وقت پہلی نظر میں ان تمام حقائق کو پا لیا تو ان کا علم کتنا وسیع اور فہم کتنا تیز ہے۔

وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۃ قیامت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں قیامت کا آنا واضح

ترین دلیل کے ساتھ ثابت فرمایا گیا ہے جسے سمجھنا بہت آسان ہے اور اپنے وجدان کی طرف رجوع کرنے کے بعد ہر کسی کو میسر ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہر آدمی اس کے بعد کہ پورے شوق' ارادہ اور سچی رغبت کے ساتھ کسی کام کو بہمہ وجوہ اچھا اور نیک سمجھ کر عمل میں لاتا ہے اور اس وقت اسے جتنا بھی سمجھایا جائے کہ اس کام کا نتیجہ اچھا نہیں ہے' بہت بڑی قباحت لائے گا' ہرگز نہیں سمجھتا اور انکار کے شوق میں اس قدر غرق ہو جاتا ہے کہ اس کام کے دائیں بائیں نہیں دیکھتا اور آگے پیچھے کو ملاحظہ نہیں کرتا اور اچانک اس کام کی قباحت اور اس کے نقصان پر آگاہ ہوتا ہے اور اسے ہر سمت اس کام کی بُرائی نظر آتی ہے اور اس طرح دُکھ اور درد محسوس کرتا ہے کہ اس پر روحانی قیامت قائم ہو جاتی ہے اور اپنے آپ کی خود ہی ملامت اور مذمت شروع کر دیتا ہے اور اپنے اعضاء اور آلات کو جنہوں نے اس کام میں اس کے حکم کے تابع ہو کر اسے سرانجام دیا تھا' چاہتا ہے کہ سزا دے اور کہتا ہے کہ میں اس کو پھوڑ دوں اور اس ہاتھ کو کاٹ دوں' کیا کروں؟ وہ وقت ہاتھ نہیں آتا ورنہ میں بدلہ لیتا اور میں نہیں جانتا کہ اپنے دل کو کس طرح سزا دوں جس نے مجھ سے اس قسم کی حرکت کرائی۔

تو معلوم ہوا کہ آدمی کے کام اسے دھوکہ دیتے ہیں اور بعض اوقات اپنے آپ کو اچھی صورت میں ظاہر کر کے حکم چلاتے ہیں اور بعض اوقات نہایت قبیح شکل میں نمودار ہو کر اسے تباہ کرتے ہیں اور قیامت کا مفہوم اس سے جدا نہیں ہے کہ آدمی کے اچھے اور بُرے اعمال اپنی حقیقی شکلوں میں ظاہر ہوں اور جزا کا تقاضا کریں اور جزا کے لیے آلات اور اعضاء کو لوٹانا ضروری ہے۔ پس جسم کو لوٹانا اور روح کو پھر اس کے ساتھ متعلق کرنا ضروری ہوا۔ فرق یہ ہے کہ یہ ملامت' ندامت اور مذمت جو کہ اس دنیا میں آدمی اپنے حواسِ باطن میں پاتا ہے' ایک ایک عمل پر ہوتی ہے جبکہ موت کے بعد اپنی عمر کے سارے اعمال پر ملامت اور مذمت درپیش ہوگی اسی لیے اسے قیامتِ صغریٰ کہتے ہیں اور حشر و نشر کے روز نوعِ انسانی کے تمام اعمال پر ہوگی اور تمام اگلوں پچھلوں سے ہوگی اور ملامت کے اسباب اور اس نوع کے تمام افراد کی جزا کے اسباب اس دن ضروری ہوں گے اور

اسی لیے اسے قیامتِ کبریٰ کہتے ہیں۔

پس آدمی قیامت کے انکار میں اس قدر غفلت کا شکار ہے کہ باطنی حواس سے بالکل غافل ہو جاتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ ہر لحہ اور ہر وقت قیامت کا نمونہ مجھ میں موجود ہے اور اس کا سبب دو چیزیں ہیں۔ بعض اوقات حق اور واقعیت کے ادراک کے لیے مستعد ہونا اور بعض اوقات اس کے ادراک میں غلطی کرنا اور یہ دونوں چیزیں میرا خاصہ اور میری ذاتی ہیں۔ بخلاف دوسری مخلوقات کے کہ یا تو ان میں ادراک کی استعداد نہیں جیسے حیوانات اور جمادات یا وہ ادراک میں غلطی نہیں کرتے جسے ملائکہ تو مجھے قیامت کا قیام لازمی ہے ورنہ میں اپنی ذاتی خصوصیتوں سے نکل جاؤں اور انسان نہ رہوں۔ نیز اس سورۃ میں قیامت کی دونوں قسمیں صغریٰ اور کبریٰ بیان ہوئیں۔ قیامتِ کبریٰ کا بیان سورۃ کی ابتداء سے لے کر کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التراقی تک ہوگا جبکہ قیامتِ صغریٰ کا بیان کَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ سے لے کر اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًی تک ہے۔ پس اس سورۃ کو سورۃ قیامت کا نام دینا زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ قیامت کی اقسام کا احاطہ کرنے والی ہے اور اسے واضح ترین دلائل کے ساتھ ثابت کرنے والی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ میں قیامت کے دن کی قسم نہیں اُٹھاتا آدمی کے لیے اپنی کوتاہی پر حسرت واقع ہونے پر اس لیے کہ یہ حسرت اسے دنیا میں ہمیشہ لاحق رہتی ہے اور وہ متحیر رہتا ہے۔

وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ اور میں آدمی کے ملامت کرنے والے نفس کی قسم نہیں اُٹھاتا جو کہ قیامت قائم ہونے کا سبب ہے وقوعِ قیامت پر۔ اس لیے کہ وہ اپنے نفس کی حقیقت سے بے خبر اور غافل ہے اور نہیں سمجھتا کہ یہ نفس تجھے قیامت کو گرفتار کرائے گا اور بُرے کاموں کی جزا چکھنے کا باعث ہوگا اور قسم اس چیز کی اُٹھانی چاہیے جس کی حقیقت اپنے تمام لوازمات اور نتائج کے ساتھ مخاطب کی نظر میں نمایاں ہوتا کہ وہ اس سے استدلال کر کے اس کے مضمون کی صداقت کا سراغ لگائے جس پر قسم اُٹھائی گئی۔

نفس کی قسموں کا بیان

اور نفس لوامہ کے معنوں میں اہلِ تفسیر کا اختلاف ہے' ان کے محققین نے کہا ہے کہ آدمی کا نفس ایک چیز ہے جس کی تین حالتیں ہیں اگر عالمِ بالا کی طرف مائل ہو اور نیکیوں اور عبادتوں میں خوش دِلی پیدا کرے اور شریعت کی پیروی میں سکون پائے' اسے نفس مطمئنہ کہتے ہیں اور اگر سفلی دنیا شہوتوں' لذتوں' عار' عیب' انتقام اور دشمنی کی طرف مائل ہو اور شریعت کی اتباع سے بھاگے' اسے نفسِ امارہ کہتے ہیں کہ روح کو بُرائی کا حکم دیتا ہے اور اگر کبھی سفلی دنیا کی طرف رغبت کرے اور شہوت اور غضب سے آلودہ ہو جائے اور کبھی عالمِ بالا کی طرف مائل ہو اور شہوت و غضب سے نفرت کرے اور اس پر نادم ہو اور اپنی خود ملامت شروع کر دے' اسے نفسِ لوامہ کہتے ہیں۔

اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ ہر آدمی کے جسم میں تین نفس ہیں: نفسِ مقدس کہ اسے ارواحِ الٰہی بولتے ہیں۔ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ اس کی شان میں ہے اور قل الروح من امر ربی اس کا بیان اور وہ ہمیشہ خدا تعالیٰ کے ذکر اور محبت میں مطمئن اور اس کے تابع فرمان ہے' اسے مطمئنہ کہتے ہیں۔ دوسرا نفسِ منطبعہ جو کہ جسم کی تدبیر میں نیچے چلا گیا ہے اور شہوت اور غضب کے تقاضوں کو طبعی طور پر چاہنے اور ڈھونڈنے والا ہوتا ہے اور روح کو بار بار ان تقاضوں کو پورا کرنے کا حکم دیتا ہے اس وجہ سے اسے امارہ کہتے ہیں اور تیسرا نفس ناطقہ کہ ظاہری اور باطنی حواس سے علم و ادراک جمع کرنا' مہیا کرنا اور اسے روح کے حضور پیش کرنا اس کا کام ہے' اسے لوامہ کہتے ہیں کہ نفسِ امارہ سے نامناسب کام واقع ہونے کے بعد اسے ملامت کرتا ہے اور اسے کاموں کے اچھے اور بُرے ہونے کا پتہ دیتا ہے اور اس نفس کو ملہمہ بھی کہتے ہیں کہ روح کی وساطت سے اس پر حق و صداقت پر مبنی امور کا الہام ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ ہر نفس قیامت کے دن لوامہ ہوگا اور اپنے آپ کو ملامت کرے گا اس لیے کہ اگر نیک ہوگا تو اس بات پر ملامت کرے گا کہ میں نے نیکی زیادہ کیوں نہ کی اور میں نے اپنے بعض وقتوں کو بے مقصد کیوں صرف

کیا اور اگر بُرا ہوگا تو اس پر ملامت کرے گا کہ میں نے بُرا کیوں کیا؟ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اہلِ جنت کو کسی چیز پر حسرت نہیں ہوگی سوائے اس گھڑی کے جو کہ دنیا میں یادِ حق کے بغیر گزاری تھی اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا میں بھی مردِ مومن کی یہی شان ہے کہ ہمیشہ اپنی ملامت میں ہوتا ہے اس لیے کہ ہر آدمی کسی کوتاہی سے خالی نہیں ہوتا خواہ وہ کوتاہی معرفت اور اس کے مبادیات میں ہو اور خواہ عبادت، تقویٰ اور اس کی شرائط و آداب میں ہو۔

اور بعض نے کہا ہے کہ نفسِ مطمئنہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین کا نفس ہے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر اور محبت سے مطمئن اور خطرات و وساوس کی کھینچا تانی سے رہائی پائے ہوئے ہے۔

اور نفسِ ملہمہ صالح ایمان والوں اور ابرار کا نفس ہے اور نفسِ لوامہ توبہ کرنے والے گناہ گاروں اور نادم ہونے والے قصورواروں کا نفس ہے جبکہ نفسِ امارہ کافر اور فسق پر اصرار کرنے والے فاسق کا نفس ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ نفسِ لوامہ پرہیزگاروں کا نفس ہے جو کہ نافرمان نفسوں کو دنیا میں بھی ملامت کرتے ہیں اور آخرت میں بھی کریں گے اور حق یہ ہے کہ انسان کا نفس اپنی جبلت میں ملامت اور ندامت کے ساتھ موصوف ہے جیسا بھی ہو جیسا کہ تفسیر میں گزرا ہے۔

اور جب ثابت ہوگیا کہ قیامت آنے پر قیامت کے دن کی قسم اُٹھانا کفار کی غفلت کی وجہ سے بھی مفید نہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم ان دونوں قسموں سے جو کہ مطلب ثابت کرنے میں ایک عمدہ دلیل تھیں پھر کر قیامت کے بارے میں کفار کے شبہ کو زائل کرتے ہیں اور ہم پوچھتے ہیں کہ

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ کیا آدمی گمان کرتا باوجودیکہ وہ عقل اور فہم کے ساتھ ساری مخلوقات سے ممتاز ہے اور غور فکر اور ایک چیز کو دوسری چیز پر قیاس کرنا اپنی خصوصیتوں میں سے شمار کرتا ہے اور اس پر نازاں ہے اور اس سب عقل و شعور کے باوجود عقیدہ یہ رکھتا

ہے اَنْ لَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ کہ ہم اس کی وسیدہ منتشر ہڈیوں کو دوبارہ زندگی کے لیے قیامت کے دن جمع نہیں کریں گے۔

مفسرین نے کہا ہے کہ اس سورۃ کے نزول کا سبب یہ تھا کہ اخنس بن شریق کا داماد عدی ابن ابی ربیعہ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمسایہ تھا اور آپ نے اس کے اور اس کے سسر اخنس بن شریق کے بارے میں یہ دعا فرمائی ہے کہ اللھم اکفنی جاء السوء بارِ خدایا! مجھے میرے بُرے ہمسائے کے شر سے کفایت فرما کہ وہ آپ کو بہت تکلیف دیتے تھے۔ ایک دن حضور علیہ السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ ہمیں قیامت آنے سے ڈراتے ہیں اس دن کی کچھ کیفیت میرے سامنے بیان کیجیے' میں دیکھوں کہ عقل میں آتی ہے یا نہیں آتی۔ آپ نے اسے روزِ قیامت کی کیفیت' مُردوں کے زندہ ہونے اور باز پرس اور مواخذہ کے دوسرے واقعات کی خبر دی اس نے کہا کہ اگر مجھے اس دن کا معائنہ بھی حاصل ہو جائے پھر بھی یقین نہ کروں اور تصدیق نہ کروں اور کہوں کہ میں نے جو کچھ دیکھا' نظر بندی اور تصرف خیال کے عالم سے ہے' واقعی اور حقیقی ہرگز نہیں اس لیے کہ میری عقل اس بات کو قطعاً جائز قرار نہیں دیتی کہ خدا تعالیٰ مُردوں کی ان سب ہڈیوں کو جو کہ زمین کی مختلف اطراف میں بکھر چکی ہیں' جمع کرے اور پھر انہیں زندہ کرے۔ یہ سورۃ اس کے بعید سمجھنے کے رد میں نازل ہوئی' فرمایا:

بلٰی کیوں نہیں البتہ ہم آدمی کی ہڈیوں کو جمع کریں گے' ہڈیوں کو جمع کرنا ہماری قدرت کے سامنے کیا چیز ہے بلکہ ہم اس سے بھی زیادہ کریں گے کہ اس کے تمام اعضاء اور اجزاء گوشت' پوست اور چھوٹی اور ریزہ ریزہ ہڈیاں درست کریں گے۔ قَادِرِیْنَ عَلٰٓی اَنْ نُّسَوِّیَ بَنَانَهٗ اس بات پر قدرت رکھتے ہوئے کہ ہم اس کی انگلی کے سرے کی کھال کو ہموار اور درست کر دیں کہ حکیموں اور طبیبوں نے اسے اعضائے انسان میں سب سے زیادہ معتدل قرار دیا ہے اور اسے درست کرنا اس حقیقی اعتدال کو لوٹائے بغیر جو کہ اس میں تھا' ممکن نہیں۔ نیز فرمایا ہے کہ آخری چیز جس کے ساتھ خلقت انسانی پوری ہوتی ہے' یہی کھال ہے اور سب سے زیادہ نازک ہے اور اس کی قوتِ حس بہت تیز ہے اور اسی لیے

خالق کے اذن کے مطابق طبیعت سے ٹھنڈک' گرمی' رطوبت اور خشکی کی کیفیت کے احساس میں حاکم کر دیتی ہے اور اس کے مطابق کام کرتی ہے۔ نیز انسانی بدن کے طبقات کی انتہا کھال ہے اور ہڈیوں سے چند درجہ اوپر واقع ہے اس لیے کہ اس کے اندر گوشت اور چربی ہے اور اس میں نسیں' جنبش کرنے والی رگیں اور گردن کی رگیں' اس کے بعد پٹھے' رباطات' عضلات اور جوڑ اور اس کے بعد ہڈیاں تو جب ہماری قدرت کام میں مصروف ہونے پر متوجہ ہو گی تو ہڈیوں کو جمع کرنا کیا بعید ہے کہ ہڈیاں جمع کرنے سے زیادہ سخت اور بڑے کام سرانجام دے گی اس کی دلیل بالکل ظاہر ہے اس لیے کہ جس نے ایک بار کام سرانجام دیا ہو' بار دگر وہ کام سرانجام دینا اسے کیا مشکل ہے تو معلوم ہوا کہ آدمی قیامت آنے کے انکار اور خدا تعالیٰ کی قدرت پر مُردے زندہ کرنے کی دشواری کے فیصلے میں اس مسئلے کی دقت' اس کے ماخذ کے مشکل ہونے اور اس کے راستے اور دلیل کے مخفی ہونے کی وجہ سے نہیں پڑا۔

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ بلکہ آدمی چاہتا ہے کہ بے باک ہو کر اس زندگی میں فسق و فجور کرے جو کہ اسے پیش آ رہی ہے اور باقی ہے اس لیے کہ اگر وہ روزِ جزا اور اعمال کی باز پرس کو اپنے دل میں جگہ دے تو فسق و فجور میں اس قدر بے باکی اس سے نہیں ہو سکتی۔ پس فسق و فجور کی محبت کی وجہ سے وہ نہیں چاہتا کہ قیامت کے متعلق گفتگو پر کان دھرے یا اس کی دلیل اور ماخذ میں غور و فکر کرے۔ اس وجہ سے اس سے صرف نظر کرتا ہے اور سرسری طور پر بے سوچے سمجھے اسے دُور خیال کرتے ہوئے اس بات کو اپنے دل سے مٹا دیتا ہے تا کہ اس کی زندگی تلخ اور لذت بے مزہ نہ ہو۔ اسی لیے عیب جوئی کے طریقے سے يَسْئَلُ پیغمبروں علیہم السلام' واعظوں اور نصیحت کرنے والوں سے پوچھتا ہے جو کہ اسے قیامت کے آنے سے ڈراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس دلیل میں غور و فکر کر اور اس دلیل کو دیکھ تا کہ تجھے قیامت کے آنے کی تصدیق حاصل ہو۔

اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ کہ قیامت کا دن کب ہو گا جب تک وہ تاریخ کی قید کے ساتھ بیان نہ کریں' میں یقین نہیں کروں گا اور اس کی کسی دلیل میں غور و فکر نہیں کروں گا اور اس

کا یہ سوال عیب جوئی اور تنگ کرنے کے لیے بھی ہے کہ کہتا ہے کہ جب تک اس کے وقت کو بیان نہیں کریں گے' میں اس کی تصدیق حاصل کرنے پر توجہ نہیں کروں گا۔ حالانکہ خوف والی چیز کا علم حاصل کرنا اس کے وقت کے علم پر موقوف نہیں ہے اور غلط فہمی کے طریقے سے بھی ہے۔ اس لیے کہ فوج اور بادشاہ کی خبریں جب تاریخ کی قید کے بغیر بیان کی جائیں' اتنی قابلِ اعتماد نہیں ہوتیں اور جب تاریخ اور وقت کے ساتھ بیان ہوں تو اکثر لوگ اعتبار کر لیتے ہیں۔ اس خبر کو بھی ان خبروں پر قیاس کر کے تاریخ اور وقت کی قید کا سوال کرتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ تاریخ اور وقت کی قید ان امور واقعہ میں جو کہ ہو چکے ہیں' خبر دینے والے کے علم کے اس واقعہ کے احاطہ کرنے پر دلالت نہیں کرتی اور اس مخبر کے سوا سچ جھوٹ کی تحقیق آسان ہوتی ہے لیکن مستقبل کے متوقع امور میں تو چونکہ ابھی معرضِ وجود میں نہیں آئے ہیں' ان کی تاریخ اور وقت کے تعین کی تکلیف کرنا محض بے مقصد ہے۔ ان امور کے سچے جھوٹے ہونے کی تحقیق میں مخبر کے علم کی دلیل اور ماخذ کی قوت پر اعتماد کرنا چاہیے جس طرح کہ طبیبوں اور نجومیوں کے اندازوں میں اسی طرح تحقیق کرتے ہیں۔

اور ہر تقدیر پر خواہ ان کا سوال عیب جوئی کے طریقے سے ہو یا غلط فہمی اور بے تمیزی کے طور پر' قیامت کے دن اس کا نتیجہ ظاہر ہوگا کہ یہ سوال کرنے والا متحیر ہو کر اس کے برعکس دوسرے بے جا اور بے موقع سوال شروع کر دے گا اور اس دن کی سختیوں سے چھٹکارا پانے کے طریقے اور مقامات کے متعلق سوال کرے گا۔ چنانچہ فرمایا: فاذا برق البصر تو جب آدمی کی بینائی خیرہ ہو جائے جس طرح کہ بجلی کی شدید چمک دیکھنے سے اس کی بینائی خیرہ ہو جاتی ہے۔ اور یہ خیرگی اس دن قہر الٰہی کی تجلی کے نور کی شعاعوں کی شدت کی وجہ سے ہوگی جو کہ کافر و فاسق کی بینائی کی قوت کو متحیر اور مغلوب کر دے گی جیسا کہ سورۂ زمر میں فرمایا گیا ہے۔ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا

وَخَسَفَ الْقَمَرُ اور مطلقاً چاند کو بے نور کر دیا جائے اور وہ پنیر کے تھال کی طرح ہو جائے اس نور کی شعاعوں کی شدت کی وجہ سے نہ کہ زمین یا کسی اور چیز کے اس کے اور

سورج کے درمیان حائل ہونے کی وجہ سے جیسا کہ دنیا میں ہوتا تھا اس لیے کہ یہ خسوف اسے لاحق ہوگا۔

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اس حالت میں کہ آفتاب اور ماہتاب کو ایک جگہ جمع کیا گیا ہے اور درمیان میں کوئی حائل ہونے والی چیز نہیں ہے تا کہ آفتاب کی شعاع کا عکس ماہتاب پر پڑنے سے مانع ہو۔ پس اس حالت میں چاند کا گہنا جانا اس بات کی صریح دلیل ہے کہ سورج بھی مطلقاً پنیر کے تھال کی طرح بے نور ہو گیا ورنہ اس کا نور چاند میں جو کہ ایک صیقل شدہ جسم ہے اور درمیان میں کوئی چیز حائل بھی نہیں' ضرور عکس ڈالتا اور دنیا میں جبکہ سورج اور چاند ایک برج اور ایک درجہ میں جمع ہوتے ہیں' چاند گرہن محال ہو جاتا ہے ہاں اسے گھٹنا طاری ہو جاتا ہے کہ اس کا چمکنے والا چہرہ سورج کی طرف ہوتا ہے اور اس کا تاریک چہرہ زمین کی طرف' مطلقاً نور زائل نہیں ہوتا۔

پس روشنی کے سارے اسباب جو کہ دنیا میں تھے' سب دگرگوں ہو جائیں گے اور تجلی قاہر کے نور کو آدمی اپنے اعمال کی نحوست کی وجہ سے بینائی کے خیرہ ہونے کی بناء پر نہ دیکھ سکے گا' ناچار اسے زبردست حیرت لاحق ہوگی اور اس وقت

يَقُوْلُ الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ انسان کہے گا جب اس متحیر کرنے والے قاہر نور کو ہر مکان میں پھیلا ہوا دیکھے گا۔

اَيْنَ الْمَفَرُّ کدھر جائے فرار ہے کہ میں اس حیرت اور دہشت سے بچ جاؤں اور اس وقت اس کا سوال جو کہ دنیا میں تھا کہ کہتا تھا اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ بدل جائے گا اور اس دن سے چھٹکارا پانے کی راہ پوچھنے لگے گا۔ اور جس طرح دنیا میں کمال سرکشی اور عناد کی وجہ سے وقتِ قیامت کے متعلق ایان کے لفظ کے ساتھ سوال کرتا تھا کہ اس لفظ کے ساتھ ان امور کے متعلق سوال ہوتا ہے جو بعید از امکان اور غیر متوقع ہوں جبکہ اس روز اپنے گریز کی جگہ کے متعلق اَيْنَ کے لفظ کے ساتھ پوچھتا ہے کہ اس لفظ کے ساتھ ان امور کا سوال ہوتا ہے جن کا حصول آسان اور واقع ہونا متوقع ہو۔ حالانکہ قیامت متوقع اور اس کا وقوع یقینی تھا اور اس دن گریز کی جگہ کا حاصل ہونا ناممکن۔ یعنی حیرت و دہشت

کی وجہ سے اس کی گفتگو میں دیوانہ پن واقع ہو جائے گا جیسا کہ دنیا میں کمال سرکشی اور عناد کی وجہ سے خبطیاں مارتا تھا۔ نیز دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور واعظوں سے انہیں الزام دینے کے لیے سوال اور اعتراض کے طور پر قیامت کے وقت کا سوال کرتا تھا اور اس روز نگاہ کے خیرہ ہونے اور عقل کے حیران ہونے کی وجہ سے جب کسی کو نہیں دیکھتا کہ فرار کی جگہ کا پتہ دے' خود بخود بے ہودہ گوئی کے طور پر کہنا شروع کر دیتا ہے کہ اَیْنَ الْمَفَرُّ اَیْنَ الْمَفَرُّ اور جب انسان کی حالت حیرت' بے قراری' بے ہودہ گوئی اور خبطیاں مارنے کی اس حد تک پہنچ جائے تو اسے کہا جائے گا۔

كَلَّا ایسا بے جا سوال مت کر اور یہ لایعنی گفتگو مت کر۔ لَا وَزَرَ کہیں کوئی جائے پناہ نہیں ہے بلکہ جس چیز سے تو بھاگتا ہے' وہیں جانا چاہیے۔ اِلٰی رَبِّكَ تیرے پروردگار کی قہری تجلی کی طرف ہے۔ يَوْمَئِذِ ن الْمُسْتَقَرُّ اس دن جائے قرار اور کسی کو بھی اس تجلی کے قریب حاضر ہونے سے پیچھے رہنے کا چارہ نہیں یا خوشی کے ساتھ جاتا ہے یا اسے بالوں سے پکڑ کر کھینچ کر لے جاتے ہیں اور اس کے بعد کہ آدمی چاروناچار وہاں قرار پکڑے گا' اسے ایک اور حیرت اور دہشت لاحق ہوگی۔

يُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ اس دن آدمی کو خبردار کیا جائے گا۔ بِمَا قَدَّمَ اپنے ان اعمال وافعال سے جو اس نے پہلے کیے تھے۔ خواہ وہ اعمال وافعال پہلے کرنے کے لائق تھے جیسے نماز سے پہلے وضو' تلاشِ معاش سے پہلے نماز' مال پر سال گزارنے سے پہلے زکوٰۃ دینا' حج سے پہلے عمرہ' فرض سے پہلے سنت' فقیروں کو خیرات دینے سے پہلے اپنے اہل وعیال اور قریبیوں کا حق ادا کرنا' دعا سے پہلے درود شریف اور وصیت جاری کرنے سے پہلے قرض ادا کرنا یا پہلے کرنے کے لائق نہ تھے جیسے وقت سے پہلے نماز' رمضان سے پہلے یومِ شک کا روزہ' نمازِ عیدالاضحیٰ سے پہلے قربانی' عشا سے پہلے نمازِ وتر' قرض ادا کرنے اور اپنے اہل وعیال کے ضروری حقوق ادا کرنے سے پہلے صدقہ دینا' والدین کی خدمت اور اپنے اہل وعیال کی خبرگیری سے پہلے جہاد' نفلی حج اور نفلی علم کی طلب میں سفر کرنا اور عدت گزارنے سے پہلے نکاح کرنا۔ علیٰ ہذا القیاس

وَاَخَّرَ اور اپنے ان اعمال وافعال سے جو اس نے پیچھے کر دیئے' خواہ تاخیر کے لائق تھے جیسے اللہ تعالیٰ کے فرائض کی ادائیگی کے بعد والدین کی خدمت' اپنی ضروری حاجات کو پورا کرنے کے بعد صدقہ دینا اور اپنے قریبیوں کے ساتھ احسان کرنے کے بعد اجنبیوں کے ساتھ احسان کرنا یا تاخیر کے لائق نہ تھے جیسے وقت گزرنے کے بعد نماز' مال پر سال گزرنے کے بعد بڑی تاخیر کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرنا اور توبہ کے ممکن ہونے کے وقت کے گزرنے کے بعد توبہ کرنا۔

اور جب آدمی کو اعمال کی اس تقدیم و تاخیر سے اعمال نامے پیش کرنے اور زمین و آسمان اور روز وشب کے گواہ لانے کے ساتھ خبردار کریں گے تو حیرت زدہ ہوگا اور جان لے گا کہ جب جزا دینے کے لیے کارکنانِ قدرت نے اس ترتیب کو لکھ چھوڑا ہے اور اس کے متعلق پوچھتے ہیں اور اس پر جزا دیتے ہیں تو میرے نیکی اور بدی کے اصل اعمال کو کیوں نہ لکھا ہوگا اور ان کے متعلق کیوں نہ پوچھیں گے اور ان پر جزا کیوں نہ دیں گے اور اس پر بہت دہشت غالب ہوگی کہ بہت غور وفکر کا وقت ہے۔

اور بعض مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ ماقدم سے مراد وہ عمل ہے جو کیا۔ نیک ہو یا بُرا اور ماخر سے مراد وہ عمل ہے جو نہیں کیا اچھا ہے یا بُرا اور بعض نے کہا ہے کہ ماقدم سے مراد وہ مال ہے جو کہ آخرت کے ذخیرے کے لیے آگے بھیجا ہوگا اور ماخر سے مراد وہ مال ہے جو وارثوں کے لیے چھوڑ گیا اور بعض نے کہا ہے کہ ماقدم وہ اچھے بُرے اعمال ہیں جو کر گیا ہے اور ماخر اچھی بُری رسم اور طریقہ ہے جو پیچھے چھوڑ گیا ہے اور لوگ اس رسم اور طریقے کے مطابق کام کرتے ہیں خواہ وہ رسم نیک ہو اور اس شخص کے لیے اجر وثواب کا باعث ہو' خواہ بُری ہو اور قیامت تک اس شخص کے لیے بوجھ اور عذاب کا سبب ہو۔

اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ جو شخص لوگوں میں نیک طریقہ اور رسم جاری کرتا ہے' اسے اس رسم اور اس طریقے پر عمل کرنے والوں کا ثواب ہوتا ہے اس کے بغیر کہ ان عمل کرنے والوں کا ثواب کم ہو اور جس نے لوگوں میں بُری رسم اور بُرا طریقہ جاری کیا' اسے اس بُری رسم اور طریقے پر عمل کرنے والے سب لوگوں کا وبال ہوتا ہے اس کے بغیر

کہ ان عمل کرنے والوں کے وبال سے کچھ کم ہو۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ لوگوں میں سے جو بھی ناحق خون کرتا ہے اس کا بوجھ اور وبال حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل پر لکھا جاتا ہے کہ سب سے پہلے اس بُرے کام کی بنیاد اسی نے رکھی۔ امام مجاہد نے کہا ہے کہ ماقدم سے مراد وہ اعمال ہیں جو کہ اس نے جوانی اور اوّل عمر میں کیے ہیں جبکہ مااخر سے مراد وہ اعمال ہیں جو کہ بڑھاپے اور پچھلی عمر میں کیے۔

ہر تقدیر پر اسے ہر حرکت و سکون اور قول و فعل سے آگاہ کریں گے تاکہ اسے اس کے مطابق جزا دیں اگرچہ اس کے بارے میں اس آگاہ کرنے' نامۂ اعمال ظاہر کرنے اور گواہوں کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

بَلِ الْاِنْسَانُ بلکہ آدمی خود بخود اپنے اعمال پر مطلع ہوگا اس لیے کہ وہ عَلٰی نَفْسِہٖ بَصِیْرَۃٌ اپنے نفس پر حجت کامل اور گواہ عادل ہے اس لیے کہ اس کے کسب کیے اعمال کی صورتیں اس کے نفس میں راسخ اور ثابت ہیں اس وقت کہ اس کے حواس باطنی قوی اور صاف ہو جائیں گے' ان صورتوں کو دریافت کرلے گا بلکہ حواسِ باطنی کی طرف رجوع کی حالت بھی نہیں ہوگی اس لیے کہ وہ صورتیں عالمِ روحانیت کے رائج ہونے کی وجہ سے ظاہر ہوں گی اور اعضاء کی صفات اور صورتیں بن جائیں گی۔ کچھ تو چہرے کے رنگ کی تاریکی اور روسیاہی پیدا کریں گی اور کچھ چہرے کے رنگ کی رونق اور سرخ روئی پیدا کریں گی۔ اسی قیاس پر تمام اجزا اور اعضاء میں ظہور کریں گی' وضو کرنے والوں کے چہرے' دونوں ہاتھ اور پاؤں روشن اور چمک دار ہوں گے اور زیور پہنے آئیں گے جبکہ خیانت کرنے والوں کو خیانت کردہ چیز گردن اور کندھے پر سوار کر کے اور شہیدوں کو رنگین خون کے ساتھ لائیں گے اور زانیوں کو پیپ اور بدبودار شرم گاہ کے ساتھ لائیں گے یہاں تک کہ آدمی کا ہر عضو ان اعمال کی گواہی دے گا جن کا اس سے ارتکاب کیا گیا اور بولے گا اور آدمی کو اقرار و اعتراف کے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

وَلَوْ اَلْقٰی مَعَاذِیْرَہٗ اگرچہ آدمی ترکش کے تیروں کی طرح اپنے تمام عذر ڈالے گا۔

قیامت کے دن لوگوں کو اپنے اعمال پر اطلاع کے تین مرتبے ہوں گے

حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن آدمیوں کو اپنے اعمال پر اطلاع میں تین مرتبے حاصل ہوں گے' پہلے یہ کہ فرشتے ان کے سامنے ان کے اعمال نامے کھول کر پڑھیں گے اور پھر ان کے ہاتھ میں دے کر کہیں گے اِقْرَءْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا اس وقت لوگ اپنے غیر موزوں کاموں کا انکار کریں گے اور کہیں گے یہ ہم نے یہ کام نہیں کیے ہیں' ہم پر جھوٹ لکھا گیا ہے۔ دوسرا یہ کہ آسمان و زمین' روز و شب اور اعضاء و آلات ان کاموں پر گواہی دیں گے اور ان کے ذمے ثابت کریں گے کہ تم سے یہ کام صادر ہوئے۔ اس وقت وہ اقرار اور اعتراف کریں گے لیکن عذر بیان کرنا شروع کر دیں گے کہ فلاں کام ہم سے اس وجہ سے ہوا اور فلاں کام اس سبب سے اور ان کے عذر زیادہ تر اپنی جہالت اور نادانی ہوگی اور یہ کہ ہمارے رہنما ہمارے لیے ایک دین' آئین' رسم اور طریقہ مقرر کر گئے تھے اور ہم ان کی پیروی کی وجہ سے اس گرداب میں گرفتار ہوئے جیسا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ ان کی زبان سے اسی قسم کے ناقابلِ قبول عذروں کی حکایت کی گئی ہے۔ اور جب اس دن ان عذروں کو بھی باطل اور ناقابلِ قبول قرار دے دیا جائے گا۔ تیسری بار حکم ہوگا کہ ہر کسی کو اس کا اعمال نامہ دائیں یا بائیں ہاتھ میں دے کر اس کے مقام اور ٹھکانے پر پہنچا دیں۔ فرشتے نیکوں کو دائیں ہاتھ میں دیں گے اور انہیں محشر کی دائیں جانب جو کہ جنت کی راہ ہے' روانہ کریں گے اور بُروں کو بائیں ہاتھ میں دے کر بائیں طرف جو کہ دوزخ کی راہ ہے' شدت اور سختی کے ساتھ ہانکیں گے اور بعض کو زنجیر اور طوق میں جکڑ کر لے جائیں گے اور بعض کو منہ کے بل گھسیٹیں گے۔

اور جب قیامت کے آنے سے آدمی کی غفلت' کمزور اور نامعقول شبہات کے ساتھ اس کا انکار' تجلی الٰہی کے نور قاہر کے اس دن ظہور کے وقت آدمی کی حسرت اور دہشت' اس کی بے چینی اور بے قراری اور اس کے بیان سے کہ اسے تقدیم ماحقہ التاخیر اور تاخیر ماحقہ التقدیم کی خبر دے کر باز پرس کی جائے گی' سے فراغت ہوئی اب اپنے

رسول علیہ السلام کو بات میں بات کے طریقے سے فرمایا جارہا ہے کہ آپ کو اس ماجرا سے معلوم ہو چکا کہ تقدیم ماحقہ التاخیر اور تاخیر ماحقہ التقدیم قابلِ مذمت اور ناپسندیدہ ہے گرچہ امور خیر میں ہو۔ پس چاہیے کہ آپ ان دونوں کاموں سے خود کو محفوظ رکھیں خصوصاً قرآن اور اس کی تفسیر حاصل کرنے میں کہ اس علم پر کمال شوق اور حرص کی وجہ سے اس کا ارتکاب نہ ہو اور آپ سمجھتے ہیں کہ اس علم کے حاصل کرنے میں جتنی جلدی واقع ہو' بہتر ہے کہ کہیں نسیان واقع نہ ہو۔ پس

لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے کے وقت آپ اس قرآن کو پڑھنے کے ساتھ اپنی زبانِ مبارک کو حرکت نہ دیں۔

لِتَعْجَلَ بِهٖ تاکہ لفظ قرآن کو یاد کرنے میں جلدی کریں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سبق کی ابتدا میں سے بعض الفاظ سبق کے آخری الفاظ سننے تک ذہن سے نکل جائیں اور جبرئیل ایک دفعہ پڑھ کر چلے جائیں اور بعض الفاظ فراموش ہو جائیں اس لیے کہ یہ جلدی اور شتابی پورا سبق سننے سے مانع ہے اس لیے کہ دل پڑھنے کے کام میں لگ جاتا ہے اور سننے کا کام رہ جاتا ہے اور آپ کو اس جلدی میں قرآن کے بعض الفاظ کے فراموش ہونے کا خوف ہے تو آپ مطمئن رہیں اس لیے کہ

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ تحقیق آپ کے سینے اور آپ کے حافظے میں پورے سبق کو جمع کرنا اور آپ کی زبان سے اس کی پوری تلاوت ہمارے ذمے ہے۔ فَاِذَا قَرَءْنَاهُ تو جب ہم وہ سبق آپ کی تعلیم اور آپ کو سنانے کے لیے جبرئیل کی زبان پر پڑھیں جو کہ ہمارا بھیجا ہوا اور قاصد ہے اور اس کا پڑھنا گویا ہمارا پڑھنا ہے۔

فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ تو اس کے پڑھنے کی پیروی کریں یعنی پہلے خاموش بیٹھ کر اس کے پڑھنے پر کان رکھیں اور اس کے بعد وہ پڑھ کر فارغ ہو جائے تو آپ انہیں مخارج' شد اور مد کے ساتھ پڑھیں تاکہ جبرئیل علیہ السلام کی موجودگی میں آپ کے پڑھنے اور جبرئیل کا آپ کا سبق سن لینے کی وجہ سے بعض الفاظ کے رہ جانے یا مخارج' شد' مد' وصل اور وقف ادا کرنے کا طریقہ بھول جانے کا خطرہ بالکل زائل ہو جائے اور آپ مطمئن ہو جائیں۔

پس جبرئیل کے پڑھنے کے دوران قرآن پڑھنا ایسی چیز ہے جو کہ واجب التاخیر ہے اور جبرئیل کے پڑھنے کو سننا اور اس پر توجہ کرنا ایسی چیز ہے جو کہ واجب التقدیم ہے۔ نیز جبرئیل کے پڑھنے کے دوران قرآن کے مشکل معنی کے متعلق سوال کرتے ہیں اور تحقیق کرتے ہیں اور آپ سمجھتے ہیں کہ اگر جبرئیل علیہ السلام قرآن پڑھنے کے بعد اُٹھ کر چلے جائیں اور مجھے تفسیر معلوم نہ ہو تو تبلیغ کے وقت اگر مجھ سے اس کے معنوں کا سوال کیا گیا تو کیا جواب دوں گا حالانکہ چاہیے کہ آپ اس معاملے میں مطمئن رہیں اس لیے کہ

ثُمَّ الفاظ قرآن کی تعلیم اور اس کے مخارج' شد' مد' فصل اور وصل کی تصحیح کے بعد اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ تحقیق اس کے معنوں کو بیان کرنا بھی ہمارے ذمے ہے۔ پس سبق پڑھنے کے دوران قرآن کے معنوں کے متعلق سوال کرنا ایسی چیز ہے جو کہ واجب التاخیر ہے اور اس کے الفاظ کو صحیح کرنے پر توجہ کرنا ایسی چیز ہے جو کہ واجب التقدیم ہے۔

كَلَّا ایسا مت کریں کہ جس کی تاخیر واجب ہے' پہلے لانا اور جسے پہلے لانا واجب اس کی تاخیر کرنا قرآن پاک پڑھنے' پڑھانے اور دوسرے امور خیر میں بھی پسندیدہ نہیں اس لیے کہ اصل علم قرآن حاصل کرنے میں نقصان ہوتا ہے۔

لہٰذا اس آیت سے استنباط کیا گیا ہے کہ علم پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ عبارت پڑھنے کے دوران صاحب کتاب بمنزلہ استاذ ہے' سننے والے سننے کے سوا کسی اور کام میں مشغول نہ ہوں اور قاری کے ہمراہ نہ پڑھیں اور اگر چاہیں تو سننے کے بعد لوٹائیں پھر جب استاذ صاحب یا قاری تحت اللفظ ترجمہ بیان کریں اس وقت اس کے ہر پہلو کی تحقیق سامنے نہ لائیں جب الفاظ کی تصحیح اور ترجمہ تحت اللفظ کا بیان پورا ہو جائے تو پھر تحقیق کریں اور اسی طرح بحث کے دوران اعتراض کے درپے نہ ہوں بلکہ اس کے پورا ہونے کے بعد اگر وہ شبہ باقی رہ جائے تو تحقیق کریں اور یہ سب کچھ آدمی کی طبعی جلد بازی کی وجہ سے ہے جو کہ اس کی جبلت ہے جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ

بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ بلکہ اے لوگو! تم سب دنیوی منفعت کو پسند کرتے ہو کہ جلد ہاتھ لگے اور فوراً مل جائے اور یہ جبلت انسانی کا تقاضا ہے کہ اس میں سب آدمی برابر

ہیں۔ اتنا ہے کہ نیک لوگ اچھی منفعت دنیوی کو زیادہ پسند کرتے ہیں جبکہ بُرے لوگ بُری منفعت کو چاہتے ہیں۔

حضرت ابن عباس اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزولِ وحی کی وجہ سے بہت مشقت اُٹھاتے تھے اس طرح کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آتے تھے اور قرآن پاک کی آیات کی تلاوت کرتے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے کے دوران اپنی زبان اور لب ہائے مبارک کو آہستہ آہستہ حرکت دیتے تاکہ آواز بلند نہ ہو اور حضرت جبرئیل سے قرآن سننے سے مانع نہ ہو۔ نیز ہر ہر لفظ آپ کی زبان سے قرأت جبرئیل کے مطابق نکلے اور محفوظ نکلے۔ پس آپ کو ایک وقت میں دو کام بہت دشوار ہوتے تھے' حق تعالیٰ نے اس تکلیف کو رفع کرنے کے لیے آپ کو اس کام سے روک دیا اور آپ کو تسلی دِلائی کہ یہ مشقت برداشت کیے بغیر قرآن پاک آپ کے ذہن میں محفوظ اور آپ کی زبان پر پختہ ہو جائے گا۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت رب العزت جل جلالہ کے فرمان کے مطابق حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تلاوت پر کان دھرے خاموش رہے اور جب حضرت جبرئیل قرأت سے فارغ ہو جاتے' آپ اسی انداز میں کسی فرق کے بغیر تلاوت فرماتے۔ پس آیت لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ میں اسی امر اور نہی کو امور خیر میں تقدیم وتاخیر کی رعایت پر فرع بناتے ہوئے دنیوی منافع کے مطابق انتقال فرمایا ہے اور مدعا یہ ہے کہ اگرچہ نیک کام درپیش ہو لیکن اس کی طلب میں جلدی نہیں کرنا چاہیے' ہو سکتا ہے کہ اس جلدی کی وجہ سے اس سے بہتر کوئی کام رہ جائے جیسا کہ لوگ دنیا کی محبت اور آخرت سے غفلت عمل میں لاتے ہیں اور اسی لیے عبارت میں تمام لوگوں سے خطاب فرمایا گیا ہے کہ تم سب دنیوی منافع کی محبت میں گرفتار ہو۔

وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو اور اس کی فکر نہیں کرتے ہو اس لیے کہ اسے دُور شمار کرتے ہو اور دنیوی منفعتوں کی محبت اور اُخروی منفعتوں سے غفلت بہت بڑی خرابی کا باعث ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ حب الدنیا راس

کل خطیئة

دنیا کی محبت ہر خطا کا سر ہے

اور زیادہ مشکل یہ ہے کہ دونوں کی محبت جمع نہیں ہو سکتی' ان میں سے ایک کی محبت دوسرے سے بغض کا موجب ہے جیسا کہ حدیث شریف میں یہ بھی وارد ہے کہ من احب دنیاہ اضر باخرتہ ومن احب آخرتہ اضر بدنیاہ فاثروا مایبقی علی مایفنی یعنی جس نے دنیا چاہی' آخرت کا نقصان کیا اور جس نے آخرت چاہی' دنیا کا نقصان کیا تو تم باقی نعمت کو فانی پر ترجیح دو۔ اور حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ الدنیا والاخرۃ ضرتان ان رضیت احدا ھما سخطت الاخری یعنی دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں اگر ایک راضی ہو تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے اور اسی اشارے کے لیے وتذرون الآخرۃ کا تحبون العاجلۃ پر عطف ملازمت فرمایا گیا ہے اور یوں نہ فرمایا کہ وَلَاتُحِبُّوْنَ الْآخِرَۃَ گویا فرمایا گیا ہے کہ اس کی محبت اس دوسری کو ترک کرنے کا سبب ہے حالانکہ اس کا نفع ونقصان اس کے نفع ونقصان سے ہزاروں مرتبہ زیادہ بڑا ہے یہاں تک کہ ان دونوں کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے اس لیے کہ:

وُجُوْہٌ چند چہرے یَوْمَئِذٍ نَّاظِرَۃٌ اس دن تروتازہ' روشن اور چمک دار ہوں گے اس وجہ سے کہ صحیح اعتقادات اور اچھے اعمال کے انوار ان کے چہروں پر ظاہر اور ان کے باطن کا نور ان کے ظاہر پر نمودار ہوگا اور اسی نور کی قوت کی وجہ سے جس نے ان کی آنکھوں کی بینائی کی امداد کی۔ اِلٰی رَبِّهَا اپنے پروردگار کی تجلی کے نور کی طرف

نَاظِرَۃٌ دیکھنے والے اور عظیم لذت پانے والے ہیں اور ان کی آنکھیں اس نور کو دیکھنے میں بالکل خیرہ نہیں ہوتیں اور انہیں کوئی حیرت اور دہشت نہیں ہوتی۔

وَوُجُوْہٌ جبکہ چند چہرے یَوْمَئِذٍ اس روز حیرت اور دہشت میں پڑے گرچہ اس تجلی کے حضور کھڑے ہیں لیکن دیکھ نہیں سکتے۔ چہ جائیکہ اسے دیکھنے سے لذت پائیں۔ اس لیے کہ وہ چہرے اپنے حال میں گرفتار ہیں۔ بَاسِرَۃٌ ترش رو' بے کس اور گریاں

صورت ہیں تو ان کا ظاہر اتنا خراب ہے اور ان کے باطن میں ایسا غم اور پریشانی غالب ہے۔

تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ وہ گمان غالب رکھتے ہیں کہ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جائے گا جو کمر توڑ دے اور اس وجہ سے ان کے حواس بحال نہیں ہیں تا کہ تجلی الٰہی کے نور کی زیارت سے بہرہ ور ہوں۔

آخرت میں حق تعالیٰ کی زیارت نیکوں کو نصیب ہوگی

اور حدیث شریف صحیح متواتر میں واقع ہے جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر جماعت نے روایت کیا ہے۔ انکم سترون ربکم کما ترون القمر لیلۃ البدر لیس دونہ حجاب یعنی تم اپنے پروردگار کو یوں دیکھو گے جس طرح کہ تم چودھویں رات کے چاند کو ایسی حالت میں دیکھتے ہو کہ کوئی بادل یا دُھواں تمہارے اور چاند کے درمیان حائل نہ ہو اور تم حق تعالیٰ کو دیکھنے میں ایک دوسرے سے مزاحمت نہیں کرو گے جس طرح کہ چاند کو دیکھنے میں مزاحمت واقع نہیں ہوتی۔

نیز حدیث صحیح میں وارد ہے کہ تم قیامت کے دن دیدار سے مشرف ہو گے لیکن اگر تم سے ہو سکے کہ نمازِ فجر اور نمازِ عصر کو احتیاط کے ساتھ وقت پر بجالاؤ تو ضرور ایسا کرو اور اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ ان دونوں نمازوں کا نور دیدار میں مدد کرے گا اور یہاں جاننا چاہیے کہ یہ آیت اس مسئلے میں نص صریح ہے کہ حق تعالیٰ کا دیدار آخرت میں نیکوں کے نصیب ہوگا اور حدیث متواتر جو کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی کثیر جماعت سے صحیح سندوں سے مروی ہوئی' اس نص کی تاکید کرنے والی ہوئی۔ پس اس امر کا اعتقاد ہر مسلمان کو فرض اور لازم ہے۔

اور آخرت میں حق تعالیٰ کی زیارت کے منکرین اس آیت کے معنوں میں اُلجھ کر عجیب وغریب باتیں بناتے ہیں چونکہ وہ اکثر باتیں کتاب اللہ کی تحریف کی حد تک پہنچی ہوئی ہیں اور مفسر کے لیے تحریف کا رد واجب ہے' ناچار انہیں یہاں ذکر کرنا ضروری ہوا ورنہ اس قسم کی گفتگو اس تفسیر کے دستور کے خلاف ہے۔

تفسیر، تاویل اور تحریف کی تعریف پر مبنی مقدمہ

اور اس سے پہلے کہ وہ چیزیں ذکر کی جائیں' ایک مقدمہ پر توجہ کرنی چاہیے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کلام اللہ کی تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تین چیزوں کی رعایت کی جائے۔ پہلی چیز یہ کہ اس کے کلمات میں سے ہر کلمہ کو اپنے حقیقی معنی یا اپنے مجاز متعارف پر محمول کیا جائے' دوسری چیز اس کلمے کے سیاق وسباق کا لحاظ کرنا اور نظم کلام اوّل سے آخر تک بے ربط اور مختل نہ ہو اور تیسری چیز یہ کہ نزولِ وحی کے گواہوں کا فہم جو کہ حضرت رسولِ پاک علیہ السلام اور صحابہ کرام علیہم الرضوان ہیں' اس کے خلاف واقع نہ ہوا ہو اور جب بھی ان تینوں امور میں سے ایک فوت ہو جائے اور دو دوسرے باقی رہیں' اسے تاویل کہتے ہیں۔ پس اگر پہلا امر فوت ہو گیا اور دوسرا اور تیسرا برقرار ہیں تو تاویل قریب ہے اور اگر دوسرا فوت ہو گیا اور پہلا اور تیسرا برقرار ہیں یا تیسرا فوت ہوا اور پہلا اور دوسرا برقرار ہیں تو اسے تاویلِ بعید کہتے ہیں اور جب بھی مجموعی طور پر یہ تینوں امور فوت ہو جائیں تو اسے تحریف اور مسخ کہتے ہیں۔ معاذاللہ من ذٰلك

جب یہ مقدمہ بطورِ تمہید بیان ہو چکا تو جاننا چاہیے کہ منکرینِ رؤیت کی سب سے وزنی بات جسے اس گروہ کے چوٹی کے مفسرین نے اگلا اور اس پر فخر کیا' یہ ہے کہ لفظ ناظرۃ بمعنی منتظرہ واقع ہوا ہے جیسا کہ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ - وَانْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ میں واقع ہے۔ اور الی حرف جر نہیں ہے بلکہ بمعنی نعمت ہے جو کہ آلاء کا مفرد ہے۔ اصل میں الاً تنوین کے ساتھ تھا جب اسے ربھا کی طرف مضاف کیا گیا تو تنوین ساقط ہو گئی اور حرف جر کی صورت میں مشتبہ ہو گیا۔ پس آیت کا معنی یوں ہوا کہ اپنے پروردگار کی نعمت کا انتظار کرتے ہیں اور رؤیت پر کوئی دلالت نہیں۔

مذکورہ زیارت کے منکروں کا رد

اب اس معنی میں تاویل کرنی چاہیے کیونکہ یہ رسول علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بلکہ تمام گزشتہ زمانوں کے فہم کے بھی مخالف ہے۔ اس بات کے قائل کے زمانے

تک کہ کسی نے اس کا کھوج نہیں لگایا اور قرآن مجید میں اس لفظ کے استعمال کے بھی مخالف ہے اس لیے کہ اسی سورۃ میں دو جگہ یہ لفظ واقع ہوا ہے۔ اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ن الْمُسْتَقَرُّ اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذِ ن الْمَسَاقُ اور اگر پورے قرآن میں تجسس کیا جائے تو شاید ہزار سے زیادہ مقامات پر یہ لفظ استعمال ہوا ہوگا۔ اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهَاهَا - اِرْجِعِيْ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً-اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ - اِلٰی رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ - اِلٰی رَبِّهِمْ يُرْجَعُوْنَ - وَاَنَّهُمْ مُلَاقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ- اور کہیں بھی اس ترکیب میں لفظ الیٰ کو نعمت کے معنوں میں استعمال نہیں فرمایا گیا بلکہ قرآن میں لفظ الیٰ بمعنی نعمت ہرگز واقع نہیں ہوا اور عربوں کے کلام میں بھی یہ لفظ اس معنی میں مستعمل نہیں ہے۔

ہاں اس کی جمع جو کہ آلاء ہے' مستعمل ہے اور اکثر اہلِ عربیت نے تحقیق کی ہے کہ آلاء کا مفرد اَلٰی ہمزہ کی فتح کے ساتھ ہے قَفا کے وزن پر نہ کہ اِلٰی بروزن معٰی۔ اور وہ جو کہتے ہیں کہ اعشٰی نے اپنے شعر میں اس لفظ کو اس معنی میں اسی وزن کے ساتھ استعمال کیا ہے' جہاں کہ اس نے کہا ہے

ابیض لا یرھب الھزال ولا
یقطع رحما ولا یخون الیٰ

تو یہ کس دلیل سے ثابت ہو سکتا ہے کہ اس شعر میں الیٰ کا لفظ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے تا کہ دلیل درست ہو۔ نیز ایک شاعر کا اپنے شعر میں نادر کلمے کو استعمال کرنا وحشت اور غرابت سے نہیں نکالتا۔ ورنہ الا جرشی اور مسرج بھی وحشی اور غریب الفاظ نہ ہوں گے اور کلام اللہ کو جو کہ بلاغت و فصاحت کے انتہائی اونچے درجے پر واقع ہے' کسی غریب اور وحشی کلمہ پر ایسے مقام پر جہاں رائج متعارف اور مشہور ترکیب کے استعمال کا گمان غالب بلکہ یقینی ہے' مشتمل سمجھنا اس پر فصاحت و بلاغت کے نقصان اور دھوکہ اور پہیلی کی تہمت لگاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام اس سے پاک ہے۔ قرآن پاک کا نزول تلبیس اور اشتباہ کو دُور کرنے کے لیے ہے نہ کہ دھوکہ دینے اور غلطی میں ڈالنے کے لیے۔ پس الیٰ کا یہ حقیقی معنی جو کہ حرف ہونے سے اسم ہونے کی طرف نکلنے کا موجب ہوا' مجاز اور

کنایہ سے ہزار مرتبہ زیادہ بعید ہے اور جس طرح غیر حقیقی اور غیر متعارف معنوں پر کلمہ کو محمول کرنا تاویل کے مرتکب ہونے کا موجب ہوتا ہے اسی طرح کلمہ کو ایسے معنوں پر محمول کرنا جو کہ اس کے حرفیت یا اسمیت یا فعلیت سے جو کہ مشہور اور رائج ہے' غیر متعارف اور غیر مشہور معنی کی طرف نکلنے کا موجب ہے' تاویل کے ارتکاب کا موجب ہوتا ہے بلکہ تحریف ہے جیسے زید و جاویہ من بطن عصفور وغیرہ

اور ان سب مخالفتوں کے باوجود اس کلام کی ابتدا سے جو کہ بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ہے اس کے آخر تک جو کہ یہ آیت ہے' کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس معنی کو رد نہیں کرتا اور جس مقصد کے لیے یہ کلام واقع ہوا ہے اس معنی کے سراسر منافی اور مخالف ہے اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ آیت بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تم ناکارہ چیز کو پسند کرتے ہو اور عمدہ چیز کو ترک کرتے ہو۔ پس اگر آئندہ کلام میں آخرت کی عمدگی کے لیے کوئی ایسی چیز بیان نہ کریں جو کہ آخرت کے ساتھ مخصوص ہے اور دنیا میں پائی نہیں جاتی' یہ دعویٰ درست نہیں بیٹھتا اور جب یہ بیان فرمایا گیا کہ آدمیوں میں سے چند لوگوں کو اس روز دیدارِ خداوندی نصیب ہوگا کہ اس کے برابر کوئی نعمت اور ترقی کسی کے وہم وخیال میں بھی نہیں' آخرت کا عمدہ ہونا ثابت ہوگیا اور اگر نعمتِ الٰہی کے انتظار کو بیان کریں تو اس مقصد کے منافی اور مخالف ہوتا ہے اس لیے کہ نعمتِ الٰہی کا انتظار تو دنیا میں بھی حاصل ہے بلکہ بُروں کو نیکوں سے بھی زیادہ اس لیے کہ الدنیا سجن المؤمن وجنة للکافر اور ہنسی مکھی اور چہرے کے رنگ کی رونق اور چمک جس قدر کفار کو حاصل ہے' دنیا میں نیکوں کو میسر نہیں تو آخرت کی دنیا پر فضیلت کیا ہوگی کہ دنیا کی محبت کی مذمت فرمائی جارہی ہے اور ترکِ آخرت پر ملامت کی جارہی ہے بلکہ بُروں کو یہ بات کرنے کی جگہ ہے کہ ہم دنیا کو اس لیے پسند کرتے ہیں اور فکرِ آخرت میں مصروف نہیں ہوتے کہ ہمیں دنیا میں ہنسی مکھی اور قسم قسم کی نعمتوں کی انتظار حاصل ہوتی ہے۔ اور نقد ہے اور قریب ہے۔ اور معلوم نہیں کہ آخرت میں ہاتھ لگے نہ لگے اور اس کے باوجود وعدہ کیا گیا ہے اور اُدھار ہے۔

پھر لفظ وجوہ کا اندازہ کرنا چاہیے کہ اگرچہ یہاں وجوہ سے مراد ذوات اور اشخاص ہیں لیکن بلغاء کا قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کی کسی لفظ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں تو صفات اور کاموں میں سے جو اس لفظ کے مناسب ہو' وہی لاتے ہیں جیسا کہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ اور قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ میں واقع ہے اور ظاہر ہے کہ چہروں کا کام دیکھنا اور نظر کرنا ہے' نعمتوں کا انتظار کرنا نہیں کہ وہ دل کا کام ہے تو یوں کہنا چاہیے تھا کہ قُلُوْبٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْرورة نعمة ربها منتظرة

پھر یومئذ کے لفظ میں غور کرنا چاہیے کہ ایسی چیز کا تقاضا کرتا ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہے اور اگر ناظرہ بمعنی منتظرہ ہو اور الی بمعنی نعمت تو اس دن کے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں رکھتا اس لیے کہ دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انتظار حاصل ہے اور چہرے کی تازگی تو یقیناً دنیا و آخرت میں مشترک ہے اگر کوئی اور چیز بھی جو کہ اس دن کے ساتھ مخصوص ہے' بیان میں نہ آئے تو یومئذ کا لفظ بالکل بے فائدہ رہ جاتا ہے۔

پھر ناضرۃ کے لفظ میں غور کرنا چاہیے کہ چہرے کی تروتازگی' روشنی اور چمک کس چیز سے ہوتی ہے' حصولِ لذت کے ساتھ یا اس کے حصول کے انتظار کے ساتھ۔ حصولِ لذت کا انتظار تو خود ایک عذاب ہے جو کہ سوہانِ روح ہے' چہرے کی رونق اور روشن ہونے کا موجب کیسے ہوگی اور کیا ہی اچھا کہا گیا ہے بیت

تیغ ہندی و خنجر رومی
نکند آنچہ انتظار کند

یعنی ہندی تلوار اور رومی خنجر سے اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی انتظار سے ہوتی ہے۔

پھر وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ کے اس کے مقابلے میں لانے پر غور کرنا چاہیے جو کہ ان دنوں گروہوں کے بالکل مختلف ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ پس یہ لوگ بھی اگر نعمت کے انتظار کے درد میں گرفتار ہوں گے تو درد میں بُروں کے شریک ہوں گو انہیں انتظار ملا ہے اور انہیں انتظار عطا ہے اس لیے کہ عطا کا انتظار بھی درد کا موجب ہے جیسا کہ انتظار بلا۔ اور اس امر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اور وہ جو رؤیت کے دوسرے منکرین نے کہا ہے' یہ ہے کہ نظر' آنکھ کو کسی کی طرف متوجہ کرنے کے معنوں میں ہے خواہ وہ شخص نظر آئے یا نہ آئے جیسا کہ کہتے ہیں نظرت الی الھلال فلم ارہ یعنی میں نے ہلال کی طرف دیکھا' مجھے نظر نہیں آیا۔ قرآن مجید میں ہے تَرَاهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَايُبْصِرُوْنَ پس آیت کا معنی یوں ہوگا کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف نظر کو متوجہ کریں گے اگرچہ اسے نہ دیکھیں اور وہ دیکھا نہ جائے۔ اس کلام میں عقل مند کے لیے غور وفکر ضروری ہے کہ رؤیت کا انکار سب اس بناء پر کرتے ہیں کہ رؤیت کے لیے سمت' مقابلہ' دیکھی گئی چیز کا مکان' اس کی طرف آنکھ کا اشارہ اور اس تک شعاع کا پہنچنا ضروری ہے اور یہ چیزیں خدا تعالیٰ کے بارے میں محال ہیں تو جب انہوں نے پروردگار کی طرف نظر کو متوجہ کرنا جو کہ آخرت میں نیکوں سے وقوع پذیر ہوگا' جائز قرار دے دیا تو ان سب چیزوں کو خدا تعالیٰ کے بارے میں ثابت کر دیا اور ان پر عرب کی وہی مثال درست آئی کہ فر من المطر ووقف تحت المیزاب کہ بارش سے بھاگا اور پرنالے کے نیچے رُک گیا۔

علاوہ ازیں یہ ہوا کہ اس بے فائدہ تصرف کی وجہ سے کلامِ الٰہی میں کمزوری پیدا ہوگئی ہے اس لیے کہ کسی مطلوب چیز کی تلاش کرنا اور اسے نہ پانا کمال غم واندوہ اور بدحزگی کا باعث ہوتا ہے' اسے نیکوں کی تعریف کے مقام پر لانا کیا مناسبت رکھتا ہے اور اس کے علاوہ اس محرومی اور جستجو اور تلاش میں ناکامی کے باوجود ان کے چہرے روشن اور چمک دار کیوں ہو گئے ہیں۔ یہ بات تو سراسر کشیدگی اور اور ترش روئی کا موجب ہے۔

اور وہ جو رؤیت کے دوسرے منکرین نے کہا ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے یعنی الی ثواب ربھا ناظرہ تو نری بے ہودہ اور بے معنی بات ہے اس لیے کہ نعمت کو دیکھنا فرح وسرور اور چہرے کے پُر رونق ہونے کا موجب نہیں ہوتا بلکہ نعمت کا حصول۔ پس ان کے چہروں کے پُر رونق ہونے کی وجہ کے بیان میں اسے ذکر کرنا اور اُس سے خاموشی اختیار کرنا بلاغت کے منافی ہوگا۔

اور اسی طرح وہ ہے جو اس فرقے کے بعض اور لوگ کہتے ہیں کہ نظرت الی

فلاں طمع اور توقع کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں کے ہاتھ کو دیکھتا ہے یعنی اس سے انعام کی توقع رکھتا ہے اس لیے کہ طمع اور توقع تشویش اور تردد کا موجب ہوتا ہے نہ کہ خوشی اور سرور کا سبب۔ اور زیادہ تر اس لفظ کو طمع کے مقام پر وہاں استعمال کرتے ہیں جہاں اس طمع کے حاصل ہونے کا یقین نہیں ہوتا جیسا کہ کسی کہنے والے نے کہا ہے

انی الیك لما وعدت لناظر نظیر الفقیر الی الغنی الموسر

یعنی جب سے تو نے وعدہ کیا ہے میں تیری طرف اس طرح دیکھتا ہوں جیسے منگتا غنی اور مال دار کو دیکھتا ہے۔ اور کسی دوسرے کہنے والے نے کہا ہے

وجوہ ناظرات یوم بدر الی الرحمن یاتی بالفلاح کہ بدر کے دن چہرے حضرت رحمٰن کی طرف دیکھنے والے ہیں کہ کامیابی عطا فرمائے اور عرب لوگ جب کسی تنگی اور پریشانی میں گرفتار ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ عینی ممدودۃ الی اللہ وانا شاخص الطرف الی فلاں اور ان مقامات میں سے ہر ایک میں خوف اور رجا دونوں کا باہمی ہجوم کرنا پیش نظر ہوتا ہے۔ پس آیت کے معنوں میں ایک اور خلل واقع ہو گیا کہ ابھی ان لوگوں کو اپنے حال پر یقین حاصل نہیں ہے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا اور اس بے یقینی کے ہوتے ہوئے کیفیت سرور ونشاط کے ساتھ کہاں سے لبریز ہو گئے ہیں کہ انہیں چہروں کی تازگی اور چمک حاصل ہو گئی۔

مختصر یہ کہ اس قسم کی باتیں گھڑنا بلاشبہ کتاب اللہ کی تحریف کرنا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِكَ اور جب اس کلام میں بیان فرمایا گیا کہ لوگ اس وجہ سے دنیا کی محبت میں مشغول اور فکر آخرت سے غافل ہیں کہ دنیا کو قریب سمجھتے ہیں اور آخرت کو دور شمار کرتے ہیں اور نقد کو اُدھار سے بہتر سمجھتے ہیں اب اس غلط اعتقاد پر ڈانٹ ڈپٹ کی جا رہی ہے۔

كَلَّا تم آخرت کو دور خیال کرتے ہو اس لیے کہ آخرت ایک سفر کا نام ہے جو کہ روح کو اپنے پروردگار کی طرف پیش آتا ہے اور اس سفر کی ابتدا موت کے وقت سے ہے کہ گویا روح اس وقت گھر سے نکلتی ہے اور راستہ طے کرنے میں مشغول ہوتی ہے۔

اور اس سفر کی انتہا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی تجلی قہری کے نزدیک حاضر ہونے کے بعد ہے جیسا کہ اسی سورۃ میں اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ کی تفسیر میں ذکر کیا گیا اور سفر کے نزدیک یا دُور ہونے کو اس کی ابتدا سے شمار کرنا چاہیے نہ کہ اس کی انتہا سے اور اس سفر کی ابتدا بالکل نزدیک ہے' دنیا کی زندگی کے ساتھ بالکل متصل ہے یہی کہ یہاں سے قدم اُٹھایا اور وہاں قدم رکھا۔ پس آخرت کا آغاز۔

اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ وہ وقت ہے کہ آدمی کی جان اس کے سینے کی ہڈیوں میں جو کہ گردن کے سانس والے حصے کے ساتھ متصل ہے' پہنچ جاتی ہے اور اسے انزہاق اور احتضار یعنی روح نکلنے کا وقت کہتے ہیں اور اس وقت روح حیوانی جس کا ٹھکانہ دل ہے' وہاں سے باہر آتی ہے گرچہ ابھی پورے وجود سے باہر نہیں آئی ہے اس مسافر کی طرح جو کہ اپنے گھر سے باہر نکلا ہو اور ابھی شہر کے گلی کوچوں اور دروازوں سے باہر نہیں نکلا ہے اور روح حیوانی وہی ہے جو کہ سانس سے متعلق ہے اور جسم میں اس کے اپنے مقام میں ہونے کی وجہ سے دنیوی زندگی حاصل ہے اور جب اپنے مقام سے جدا ہوئی' زندگی منقطع ہوگئی۔ چنانچہ اس وقت اپنے بے گانے سب مایوس ہو جاتے ہیں اور سمجھ لیتے ہیں کہ اس کی روح نے آخرت کا سفر اختیار کرلیا۔

وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ اور اس وقت کہا جاتا ہے کہ کون ہے دَم کرنے والا تا کہ اس بے گھر شدہ روح کو پھر اس کے مقام پر کردے۔ اور طبیبوں کی تدبیر اور علاج سے ہاتھ کھینچ لیتے ہیں اس گمان سے کہ چونکہ یہ واقعہ غیب سے ہے' شاید منتر پڑھنے سے ارواح غیبیہ کا واسطہ حاصل ہو جائے اور اسے دُور کرنے میں کارگر ہو۔

- قبض روح کے وقت ملک الموت علیہ السلام کے ہمراہ رحمت اور عذاب کے دوسرے فرشتے بھی آتے ہیں

اور بعض مفسرین جیسے حضرت ابن عباس اور کلبی وغیرہا نے کہا ہے کہ یہ فرشتوں کا کلام ہے کہ نزع کے وقت ملک الموت کے ہمراہ سات اعضاء کی گنتی کے مطابق سات یا اس سے زیادہ دوسرے فرشتے حاضر ہوتے ہیں تا کہ ملک الموت روح قبض کر کے ان

کے حوالے کر دیں۔ پس وہ فرشتے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اس میت کی روح کو کون لے جائے گا' ملائکہ رحمت یا ملائکہ عذاب۔ اس سورۃ میں راق رقی سے ہے' بمعنی اوپر لانا نہ کہ رقیہ سے بمعنی منتر۔

وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ اور اس روح والہ بھی گمان کرتا ہے کہ گھر بار' اہل وعیال اور مال و متاع سے جدائی کا وقت ہے اور یہاں ظن کا لفظ استعمال کرنے میں جو کہ گمان کے معنی میں ہے' ایک لطیف استہزاء ہے۔ گویا اس بات کا اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ آدمی دنیوی زندگی اور اس کی لذتیں پورے طور پر حاصل کرنے میں اپنی شدید حرص کی وجہ اس حالت میں بھی موت آنے کا یقین نہیں کرتا' اس کی انتہا یہ ہے کہ گمان غالب کرتا ہے۔

وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اور ایک پنڈلی دوسری پنڈلی کے ساتھ لپٹ جاتی ہے اس لیے کہ روح کا اثر جسم کے نچلے حصے سے بالکل منقطع ہو گیا' دونوں پنڈلیوں کو حرکت دینا اور ایک کو دوسری سے جدا رکھنا اس کے لیے ممکن نہ رہا۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ساق اصطلاح میں مصیبت کی شدت سے کنایہ ہے۔ پس آیت کے معنی یوں ہوئے کہ ایک شدت دوسری شدت کے ساتھ باہم متصل ہو جائے اس لیے کہ اس وقت اسے دو شدتیں ایک ساتھ پیش آتی ہیں۔ پہلی شدت دنیا کی جدائی' اہل وعیال اور مال اسباب کو چھوڑنا' دشمنوں کی خوشی اور دوستوں کا غمگین ہونا۔ دوسری شدت آخرت کی ہولنا کیوں' ڈانٹ ڈپٹ' منکر نکیر کا سوال اور قبر کی تاریکی اور تنگی۔

اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمَسَاقُ تیرے پروردگار کی طرف اس دن کھینچ کر لے جایا جاتا ہے جس طرح کہ بھاگے ہوئے غلام کو مالک کے نوکر گھسیٹ کر لے جاتے ہیں۔ پس آخرت کی ابتدا اسی دن سے شروع ہو جاتی ہے۔ گرچہ اس کی انتہا اس دن واقع ہوتی ہے جس کا بیان اِلٰی رَبِّكَ يَوْمَئِذِ نِ الْمُسْتَقَرُّ میں گزرا لیکن آدمی آخرت کی اس نزدیکی کو سمجھتا نہیں اور اس کے خرچ کے فکر سے جو کہ اسے دوران سفر کام آئے اور سوغات اور تحفہ حاصل کرنے سے جو کہ اسے مالک کی خدمت میں پہنچنے کے بعد سرخ روئی کا موجب ہے' غافل گزر جاتا ہے۔

فَلَا صَدَّقَ پس اس نے نہ تو اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام کی آیات کی تصدیق کی تا کہ صحیح عقیدہ ہمراہ لے جاتا اور قرآن اور انبیاء علیہم السلام اس کی شفاعت کرنے والے ہوئے۔

اوّلیں پرسش نماز بود

وَلَا صَلّٰی اور نہ ہی نماز پڑھی کہ رب العالمین کے دربار میں پہلی باز پرس اسی عبادت کے متعلق ہوگی جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ اول مایحاسب به العبد من اعماله الصلٰوة تا کہ فی الفور سوال کی ابتدا میں ہی نادم اور شرمندہ ہو۔ نیز یہ عبادت مومن اور کافر کے درمیان فرق کرنے والی ہے اگر اسے بجالاتا تو وہ خود بخود ایمان والوں کے گروہ میں شمار ہوتا۔

نیز یہ عبادت توجہ الی اللہ کی شکل ہے اسے بجالانا گویا بھاگنے کے بعد لوٹنا ہے جیسے کہ کوئی غلام جو اپنے مالک سے بھاگا ہوا ہو لیکن کبھی کبھی اپنے مالک کے گھر کی طرف سلام اور تعظیم کرتا ہے کہ مالک کے غصے کی شدت میں کچھ کمی کرتا ہے اور اس شخص نے صرف یہ کام ترک کرنے پر ہی اکتفا نہیں کی۔

وَلٰکِنْ کَذَّبَ لیکن اس نے تصدیق کے بجائے قرآنی آیات اور انبیاء علیہم السلام کی خبروں کا انکار کیا وَتَوَلّٰی اور اس نے نماز اور توجہ الی اللہ کے بجائے پیٹھ پھیری اور روگردانی کی ثُمَّ پھر ان کوتاہیوں کے باوجود نادم نہیں ہوا بلکہ ذَهَبَ اِلٰی اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰی اپنے گھر کی طرف اکڑتے ہوئے چلا۔ گویا کہ تصدیق اور نماز کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کے ساتھ جنگ کر کے غالب آیا اور اپنی قوتِ بازو پر ناز کیا۔ ایسے بد بخت کو اس کی موت کے بعد ضرور کہا جائے گا کہ

اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی تیرے لیے پھٹکار ہو۔ پس تیرے لیے پھٹکار ہو اور ان دونوں پھٹکاروں کا اس کے لئے عالم قبر میں وعدہ ہے ایک تصدیق اور نماز چھوڑنے کی وجہ سے اور دوسری تکذیب اور روگردانی کی بنا پر۔ ثُمَّ اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی۔ پھر قیامت کے دن تجھے پھٹکار ہو۔ پس تجھے پھٹکار ہو۔ اور ان دونوں پھٹکاروں کا انہیں دو وجہوں کے ساتھ حشر

کے دن وعدہ ہے اور چونکہ یہاں تک بیان کیا گیا کہ آدمی قیامت اور موت سے اس طرح غفلت میں گرفتار ہے کہ تنبیہ اور نصیحت کے باوجود بالکل آگاہ نہیں ہوتا اب جھڑکنے کے انداز میں اس سے پوچھا جا رہا ہے کہ تیری یہ ساری غفلت کون سے شبہ کی وجہ سے ہے جس نے تیرے دل میں گھر کر رکھا ہے۔

اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَنۡ یُّتۡرَکَ سُدًی کیا آدمی گمان کرتا ہے کہ وہ جانوروں کی طرح فضول چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ جو چاہیں کریں اور ان سے اعمال کی باز پرس نہیں ہوتی' موت کے بعد نہ قیامت کے دن اور آدمی کا یہ گمان صراحتاً غلط ہے اگر وہ اپنی پیدائش میں غور کرے تو معلوم کر سکتا ہے کہ جب میں ذمہ دار ہوں' مجھے اعمال کی جزا چکھنے اور ان کی پرسش کے بغیر چارہ نہیں زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اعمال کی پرسش اور جزا مردوں کو موت کے بعد زندہ کرنے اور مدت دراز گزرنے پر موقوف ہے اور وہ بھی اتنی شک اور انکار کی جگہ نہیں ہے' معمولی غور و فکر سے اس کا صحیح ہونا معلوم ہو سکتا ہے۔

اَلَمۡ یَكُ کیا آدمی باپ کی پشت میں نہیں تھا۔ نُطۡفَةً ایک معمولی قطرہ مِّنۡ مَّنِیٍّ منی سے جو کہ چوتھے ہضم کا فضلہ ہے اور طبیعت کو اس کی ضرورت نہیں رہی اور حیوانی فضلے زندگی قبول کرنے سے بہت دور ہو جاتے ہیں۔ بخلاف اخلاط کے کہ انہیں طبیعت جزو بدن بناتی ہے اور زندگی کی خلعت پہناتی ہے خصوصاً وہ منی کہ جس سے انسان پیدا ہوتا ہے' حیوان کے بدن میں بھی نہیں رہتی کہ اس سے قبولیت حیات کی توقع کی جا سکے بلکہ

یُّمۡنٰی گرائی جاتی ہے جماع کی حرکت کے ساتھ دونوں خصیوں اور آلہ کے راستے سے اور حکمت کا قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کو اس کے مقام سے جدا کر دے تو پھر اس مقام کی طبیعت اس کی تدبیر اور پرورش سے دست بردار ہو جاتی ہے جیسا کہ کٹی ہوئی شاخ درخت سے نشو و نما قبول نہیں کرتی اسی لیے حدیث پاک میں وارد ہے کہ ما ابین عن الحی فھو میت یعنی جو چیز زندہ سے جدا کر دی جائے' وہ مردار کا حکم رکھتی ہے اور اس کا کھانا حرام ہے جیسے دُنبے کی چکی' اونٹ کی کوہان کا گوشت جو کہ زندہ اونٹ سے کاٹ کر

کھائیں اور دودھ اس وجہ سے حلال قرار دیا گیا ہے کہ اسے طبیعت بچے کو غذا دینے کے لیے مہیا کرتی ہے۔ پس نہ تو وہ دودھ والے جانور کا جزو ہے اور نہ اس کا فضلہ' درخت کے میوے کی طرح ہے جو کہ ایک حیوان کے بدن میں دوسرے حیوان کو غذا دینے کے لیے پیدا ہوا۔

ثُمَّ کَانَ عَلَقَةً پھر گرانے کے بعد وہ پانی منجمد خون ہو گیا کہ وہ بھی حیات کے قابل نہیں۔ بخلاف رقیق بہنے والے خون کے کہ جسے دم مسفوح کہتے ہیں جو کہ رگوں میں جاری ہوتا ہے جو کہ حیوان کی غذا میں کام آتا ہے اور اس کے جسم کا جزو بنتا ہے۔

فَخَلَقَ پس اسے خداتعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اسے زندگی کی اتنی سی استعداد کے باوجود زندہ کیا۔

فَسَوّٰی پس اسے یہاں تک معتدل المزاج کیا کہ تمام حیوانات کی نسبت اعتدال حقیقی کے زیادہ قریب ہو گیا اسی لیے وہ نفس ناطقہ کے تعلق کے لائق ہوا اور احتمال ہے کہ اعضاء کو ان مقاصد کے لیے درست کرنا مراد ہو جن کے لیے وہ اعضاء بنائے گئے یا ایک طرح کے اعضاء کی مقدار کو درست کرنا ہاتھ کو ہاتھ' پاؤں کو پاؤں' آنکھ کو آنکھ' کان کو کان اور دانتوں کو دانتوں کے ساتھ برابر کیا تاکہ بدنما نہ ہوں اور صورت و شکل بنانے کی باریکیوں کی اس کی پیدائش میں رعایت فرمائی۔ پس ایک نطفے سے وہ تمام مختلف چیزیں جدا جدا مقاصد پر مبنی ظاہر فرمائیں اور اس ایک نطفے سے انتہائی مختلف کام لیے۔ سننا دیکھنے سے کس قدر مختلف ہے۔ علیٰ ہذا القیاس ہر عضو کا کام دوسرے عضو سے حاصل کرنا ممکن نہیں' جوتا ٹوپی کیسے بن سکتا ہے' پاؤں سر کیسے ہو سکتا ہے؟ بلکہ آدمی کی اصل پیدائش میں بھی عظیم اختلاف ہے۔

فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ پس آدمی کی جنس سے دو قسمیں بنائیں۔ الذَّکَرَ وَالْاُنْثٰی یعنی نر اور مادہ کہ ہر ایک کی شکل جدا اور صفات جدا' مردوں کا کام عورتوں سے دشوار اور عورتوں کے کام مردوں سے مشکل اور دونوں کے درمیان اس طرح تفریق اور امتیاز رکھا کہ ایک دوسرے کے ساتھ بالکل مشتبہ نہیں ہوتے اور اگر چاہیں کہ تکلف کے ساتھ اپنے

آپ کو دوسری قسم سے کرلیں تو پیش نہیں جاتی۔

عورتوں اور مردوں کے امتیازی امور کا بیان

اور یہ سب عجیب و غریب تدبیریں دنیا کو آباد کرنے کے لیے بنائیں تاکہ عورت جزوی کاموں اور کاری گریوں کو سرانجام دے جیسے کھانا پکانا' سینا' سوت کاتنا' بچے کی پرورش کرنا' گھر میں جھاڑو دینا' بستر درست کرنا اور گھر کے سامان اور اسباب کو جگہ بجگہ سنبھالنا وغیرہ جبکہ مرد معاش کی تلاش اور مرکزی کاموں میں مشغول ہو جیسے کانیں کھودنا' کاشت کاری' شجرکاری' کنویں اور نہریں کھودنا' جنگ کرنا' علوم حاصل کرنا اور انہیں لکھ کر محفوظ کرنا' دشمنوں اور مخالفوں پر غلبہ اور چوروں اور لٹیروں کو دور کرنا وغیرہ۔ پس

اَلَيْسَ ذٰلِكَ کیا یہ طاقت ور خالق کہ جس نے آدمی کو دنیا آباد کرنے کے لیے اس طرح پیدا کیا۔ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى اس بات پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو زندہ فرمائے' آخرت کی تعمیر اور اس جہان کو آباد کرنے کے لیے اور اس زندگی میں بھی اسے مختلف فرمائے۔ بعض کو کامل اور بعض کو ناقص' بعض کو جہنم بھرنے کے لیے اور بعض کو جنت کی نعمتوں سے لذت حاصل کرنے کے لیے۔

اور حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو پڑھتے تو یوں فرماتے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ بَلٰى یعنی بارِخدایا تیری ذات اس کمزوری سے پاک ہے کہ اس کام کی قدرت نہ رکھے۔ کیوں نہیں تو اس کام کی قدرت رکھتا ہے اور اسی لیے ہر تلاوت کرنے والے کے لیے سنت ہے کہ اس آیت کے بعد یہ دعا کہے خواہ نماز میں ہو یا نماز سے باہر البتہ یہ چاہیے کہ لہجہ بدل دے اور نماز میں آہستہ کہے تاکہ عوام کے نزدیک قرآن پاک کی آیت کے مشتبہ نہ ہو۔

سورۃ الدھر

اس کی اکتیس (۳۱) آیات ہیں اور اسے سورۃ انساں کہتے ہیں اور سورۃ دہر بھی کہتے ہیں اور سورۃ ابرار بھی

سورۃ قیامت کے ساتھ رابطے کی وجہ

اور سورۃ قیامت کے ساتھ اس سورۃ کے رابطے کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ قیامت میں علاماتِ قیامت اور اس کے واقعات کا بیان یہاں تک پہنچا کہ لوگوں کی دو قسمیں ہوں گی۔ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ اور وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اُس سورۃ میں پہلی قسم کے کچھ حالات کی تفصیل بیان ہوئی جبکہ دوسری قسم کے حالات باقی رہ گئے اس سورۃ میں ان کی تفصیل اور وضاحت فرمائی گئی۔ اور دونوں سورتوں کے مختلف مضامین میں بھی مناسبت اور یکجہتی کی رعایت کی گئی ہے۔ اُس سورۃ میں انسانی خلقت اس عبارت کے ساتھ مذکور ہے کہ اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى جبکہ یہاں اس عبارت کے ساتھ کہ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا اور وہاں ارشاد ہوا کہ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ جبکہ یہاں فرمایا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا وہاں فرمایا ہے وجوه يومئذ ناضرة جبکہ یہاں فرمایا ولقاهم نضرة وسرورا۔ وہاں اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ واقع ہے جبکہ یہاں اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا وَغَيْرَ ذَالِكَ۔

اور مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ یہ سورۃ مکی ہے یا مدنی۔ واضح یہ ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيْلًا سے لے کر سورۃ کے آخر تک بلاشبہ مکی ہے اور باقی میں احتمال ہے کہ مدنی ہو اور يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ کے سبب نزول کی روایت سے جو کہ حضرات اہلِ بیت کا واقعہ ہے' معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیاتِ مدنی ہیں۔ واللہ اعلم

سورۃ انسان کی وجہ تسمیہ

اور اسے سورۃ انسان اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ اس کی ابتدا میں خلقت انسانی کا جو مقصد پروردگار کی بارگاہ میں منظور ہے' ذکر کیا گیا ہے۔ پس ہر انسانی فرد کو چاہیے کہ اگر اپنے آپ سے اس مقصد کا حصول دیکھے تو خود کو انسان سمجھے اور انسان کہے ورنہ قالین کے شیر اور لکڑی کے گھوڑے کی طرح صرف نام ہے' باقی کچھ نہیں۔

نیز چاہیے کہ انسان اپنی پیدائش کی ابتدا سے جنت میں اپنی آسائش تک اپنی ترقیوں کا ملاحظہ کرے اور جانے کہ درحقیقت انسان وہی لوگ ہیں جو کہ اس آسائش تک پہنچے ہیں ورنہ دنیا میں جو کہ تکالیف اور دکھوں کا مجمع اور غموں اور بیماریوں کا گھر ہے' گدھے کی طرح بوجھ اُٹھانے اور مصیبتیں جھیلنے کا کیا لطف اور اگر اس تگ و دو کے ساتھ ہزار کدورتوں میں ملوث ایک فانی لذت حاصل ہو بھی گئی تب بھی دوسرے حیوانات سے کوئی امتیاز حاصل نہ ہوا کہ وہ بھی اس قسم کی لذتیں اُٹھاتے ہیں اور اس سے باز پُرس کا کھٹکا نہیں رکھتے۔

سورۃ دہر کی وجہ تسمیہ

اور اسے سورۃ دہر اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس کی ابتدا میں دہریت کے عقیدہ کو باطل فرمایا گیا ہے اس لیے کہ اس عقیدے کا خلاصہ اسی قدر ہے کہ جہان میں جو کچھ انقلابات اور جدتیں رونما ہوتی ہیں سب کی سب زمانے' فلک کے اطوار اور ستاروں کی گردش کی وجہ سے ہیں جو کہ عالم سفلی میں اثر کرتے ہیں' ان اطوار میں سے بعض ہر دن اور رات میں اور بعض ہر ماہ اور ہر برج میں اور بعض ہر فصل میں اور بعض ہر سال میں اور

بعض چھوٹے بڑے اور درمیانی اور عظیم قرانات میں بدل جاتے ہیں اور گوناگوں انقلابات اور قسم قسم کی تبدیلیاں بروئے کار لاتے ہیں اور ان میں سے کچھ اطوار بہت طویل زمانوں میں بدلتے ہیں کہ انہیں اکوار اور ادوار کہتے ہیں اور عظیم انقلابات اور عجیب وغریب اقسام کے ظاہر ہونے کا موجب ہوتے ہیں اور دریا خشکی میں بدل جاتے ہیں اور خشکی دریا بن جاتی ہے' آبادیاں برباد اور کھنڈرات آبادیاں' پہاڑ' صحرا اور صحرا پہاڑ بن جاتے ہیں اور بنی نوع انسان اور دوسرے حیوانات خود بخود پیدا ہوتے ہیں اور بعض اقسام ختم اور فنا ہو جاتی ہیں۔

اور جب ثابت ہو گیا کہ نوعِ انسانی کبھی نہ تھی اور اس کا کوئی ذکر تک نہ کرتا تھا' معلوم ہوا کہ اس نوع کا پیدا ہونا زمانے کی کسی وضع کا تقاضا نہ تھا ورنہ وہ وضع جس وقت اس نوع کے تقاضے کے اوقات میں سے ہوتی ہے' لوگ اس نوع کے منقطع ہونے کے اور دوسری دفعہ اس کے پیدا ہونے کے بعد اسے یاد کرتے کہ فلاں دور میں یہ نوع وجود میں آ کر منقطع ہو گئی تھی اور کم از کم جنات اور ملائکہ خود اس نوع کو نام ونشان کے ساتھ پہچانتے۔

دہریوں کا اعتراض اور اس کا جواب

اور اگر دہریے کہیں کہ وہ وضع جو اس نوع کے پیدا ہونے کا تقاضا کرتی تھی شاید اس سے پہلے زمانے کی گردش میں واقع نہ ہوئی ہوگی۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ تمہارے مذہب کے خلاف ہے اس لیے کہ تمہارے نزدیک ہر نوع ان معنوں میں قدیم ہے کہ سابقہ گردش کے اطوار واوضاع نے بھی ان کا تقاضا کیا تھا گرچہ درمیان میں منقطع ہو گیا ہو۔ نیز تمہارے نزدیک جب گردش زمانہ کے اوضاع کی ازل کی جانب سے کوئی حد نہیں تو ہر وضع کا آنا لاتناہی دفعہ واقع ہوا ہوگا اور اپنے آثار کا تقاضا کیا ہوگا۔ وضع جدید کا ظاہر ہونا جس کی مثل کبھی واقع نہ ہوئی ہو' تمہارے نزدیک محال ہے۔

نیز یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ گردشِ زمانہ کے اوضاع اس قسم کے انقلابات کے وقوع' انواع کے پیدا ہونے اور کثیر جماعت کے ہلاک ہونے کے وقت زیج اور تقویم

کے مطابق اتنے عجیب وغریب نہیں تھے کہ کسی وقت وہی وضع یا اس کی مانند یا اس سے زیادہ قوی واقع نہ ہوئی ہوتا کہ دوبارہ نہ ہو بلکہ اس کا واقع ہونا اور ثابت ہونا کثرت کے ساتھ ہے تو معلوم ہوا کہ یہ فاعل مختار کا ارادہ ہے کہ رنگارنگ حادثے اور قسم قسم کے انقلابات اسی کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اور سورۂ ابرار کی وجہ تسمیہ بالکل ظاہر ہے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ کیا انسان پر کوئی وقت ایسا گزرا ہے کہ

لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا وہ ایسی چیز نہ تھا جس کا ذکر کیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ نوعِ انسان جہان میں موجود نہ تھی بلکہ فرشتوں اور جنوں کی زبانوں اور ذہنوں میں ان کا نام و نشان بھی جاری و ساری نہ تھا وہاں تو ذہنی اور لفظی وجود نہ تھا' وجود خارجی کا کیا کام۔ اصل میں شئی موجود کی طرح ایک ثابت چیز کو کہتے ہیں اور اطلاق کے وقت اس سے خارجی ثبوت اور تحقیق ذہن میں آتی ہے جو کہ آثار کا مبداء ہے اور کبھی مقید کرنے کے ساتھ ذہنی اور لفظی وجود کو بھی شامل ہوتا ہے جس طرح کہ اس آیتِ کریمہ میں مذکور کی صفت کی قید لگانے سے سمجھا گیا اور نفی قید کی طرف لوٹی اور مطلق شے ہونے کا سلب جو کہ خارجی ہے' بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔ گویا یوں ارشاد ہوا کہ اوقات میں سے کسی وقت ذہنی اور لفظی وجود بھی نہیں رکھتا تھا' وجودِ خارجی کا کیا مقام۔ اور علم الٰہی میں انسان کا ثابت ہونا اس سلب مطلق کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ علم الٰہی ذہن کے ظرف سے بالاتر ہے اور اسی طرح اس کا اللہ تعالیٰ کی شیون ذاتیہ کے مرتبہ اور اعیان ثابتہ کے مرتبہ میں ثابت ہونا بھی اس سلب مطلق کے منافی نہیں ہے اس لیے کہ یہاں جدا ہونے والے وجود کی نفی ہے جبکہ اس مرتبہ میں وجود اتحادی رکھتا تھا اور اسی لیے حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت کے ساتھ مروی ہے کہ آپ جب یہ آیت قاری سے سنتے تو فرماتے یالیتھا تمت اے کاش! یہ حالت پوری ہو جائے اور جہاں سے ہم نے سفر کیا ہے' وہیں

پھر پہنچ جائیں اور کثرت وحدت میں لاشی ہو جائے اور ہم بلبلے کی طرح ازل کے بحر بے کراں میں نیست و نابود ہو جائیں۔

اور علمائے ظاہر اس روایت کو ایک دوسرے معنی پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مراد یہ تھی کہ کاش یہی حالت ہمیشہ رہتی اور انسان پیدا نہ ہوتا تا کہ خوف و رجاء کے گرداب میں نہ پھنستا اور اس کے کندھوں پر تکلیف کا بوجھ نہ ڈالا جاتا لیکن عقل مند پر مخفی نہیں ہے کہ انسان کی پیدائش میں خدائی حکمتیں ایسے عارفین کاملین کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں' ان سے اس آرزو کا تصور ہرگز نہیں ہو سکتا۔

چونکہ مخاطبین کو اس سوال کا جواب عقل کے معمولی غور و فکر سے معلوم ہو سکتا ہے اس کے جواب سے صرف نظر فرما کر مقصد کی طرف توجہ فرمائی جا رہی ہے کہ انسان کو عدم کے پردے سے میدانِ ظہور میں جلوہ گر کرنے والے ہم ہیں اور اسے ہماری قدرت کے ہاتھ نے صاف شفاف آئینہ بنایا کہ اس میں غیب کی شعاعیں منعکس ہو کر وہ خلافتِ کبریٰ کے لائق ہوا اور موجودات کی آنکھوں کا نور اور غایات کی انتہا ہوا اور اگر اس نوع کی خلقت کی ابتدا سے باخبر نہیں ہیں کہ ہم کون کون سے جہان کی تسخیر کے ساتھ اسے بروئے کار لائے اور ہم نے اس میں کون کون سی باریکی چھپا رکھی البتہ اس قدر تو خود ظاہر اور روشن ہے۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ تحقیق ہم نے اس انسان کو پیدا کیا جس کی پیدائش کو دیکھتا ہے اور اس کی کیفیت کو پہچانتا ہے۔

مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ماں باپ کے نطفہ سے جو کہ تمام موالید سے مرکب ہے اس لیے کہ ماں باپ کی غذا غلہ' گوشت' دودھ' گھی' نمک' زمینی پہاڑی اور باغات کے مصالحے سب جمع ہوتے ہیں اور ہضم کے تمام مرتبوں سے گزر کر تمام اعضاء میں پہنچتے ہیں اور وہاں سے کارخانہ ولادت کے موکلین اس کا نچوڑ نکال کر نطفہ بناتے ہیں۔ پس معدنیات' نباتات اور مختلف طبیعتوں کے جانور اپنے جدا جدا اجزا کے ساتھ سب کے سب اس معجون کے مفردات اور اس مرکب کے اجزا ہیں اور جب غذا کا نچوڑ تمام اعضاء میں سیر کرتا ہے'

ہر عضو کی روح اس میں اثر کرتی ہے اور وہ روح اس قوت کی حامل ہے جو کہ اس عضو کے ساتھ مخصوص ہے جیسے سمجھنا' خیال کرنا' وہم کرنا' دیکھنے' سننے' سونگھنے' چکھنے اور ٹٹولنے کا احساس اور یہ قوتیں تمام جہانوں ملک' ملکوت اور ماوراء کو گھیرنے والی ہیں۔ نیز وہ روح مختلف حالاتِ شہوت وغضب' حیاوحلم' غصہ ومحبت' خوف' وارفتگی اور عشق سے کسی حالت کی حامل ہے۔ پس وہ ان تمام امور کی استعداد کا خلاصہ پیدا کرتی ہے اور یہ امور اس خلاصے میں اس طرح لپٹے ہوتے ہیں جس طرح کہ درخت کے تمام اجزا اور اس کے عجیب خواص گٹھلی اور بیج میں لپٹے ہوتے ہیں اور اس طرح اس کی وحدت ایسی کثرت پر مشتمل ہوتی ہے کہ اس کے بھید کی کیفیت ظاہر نہیں ہے۔ بخلاف دوسرے حیوانات کے نطفہ کے کہ نہ تو ان کی غذا میں تمام موالید کا احاطہ کیا گیا ہے اور نہ ہی ان کی ارواح اور قوتیں کثیر جہانوں پر محیط ہیں اور یہی وجہ ہے کہ علماء کی اولاد سے علم کی استعداد کی توقع زیادہ ہوتی ہے اور مشائخ واولیاء کی اولاد سے راہِ خدا کا سلوک اور درجات سلوک کو طے کرنا زیادہ متوقع ہوتا جبکہ بہادروں اور دلیروں کی اولاد زیادہ جنگجو ہوتی ہے اور باحوصلہ غیور سے حوصلہ مند غیور ہی پیدا ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ ہم نے اس مخلوق کو جو کہ پیدا کی گئی تمام چیزوں میں سے زیادہ نفیس اور جامع ہے' بے فائدہ پیدا نہیں کیا ہے بلکہ اس کی تخلیق میں ایک عمدہ مقصد پیش نظر ہے اور وہ یہ ہے کہ

نَبْتَلِيْهِ ہم اسے آزماتے ہیں اور ابتلاء وآزمائش کی حقیقت یہ ہے کہ کسی چیز کو شعور اور اختیار دے کر ہم اسے نیک کام کا حکم دیں اور بُرے کام سے روکیں تا کہ دوسری مخلوق دیکھے کہ یہ شخص اپنے اختیار کے ساتھ کیا کام کرتا ہے اگر فرمان کے مطابق بجالایا تو ثواب' انعام اور بخشش کا مستحق ہوا اور اگر اس کی خلاف ورزی کی تو ذلت' رسوائی اور عذاب کا مستحق ٹھہرا۔ ورنہ غیب وشہادت جاننے والے کے حق میں آزمائش وامتحان کا کوئی معنی نہیں اور جب اس مخلوق کے پیدا کرنے سے یہ مقصد ہمارے پیش نظر تھا' اسے سمجھنے دیکھنے کے اسباب عطا کرنا ضروری ہوا۔

فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا تو ہم نے اسے سنتا دیکھتا بنایا۔ خلاصہ یہ کہ ہم نے اس

کے سننے اور دیکھنے میں اس قدر فراخی فرمائی کہ اس کے سننے اور دیکھنے کے مقابلے میں دوسرے حیوانات بہرے اور اندھے ہیں۔ گویا کان اور آنکھ رکھتے ہی نہیں۔ اس لیے کہ یہ مخلوق آواز کے ساتھ حروف کے مخارج اور الفاظ کو بھی سنتی ہے اور لہجہ کی تمیز کرتی ہے اور ان الفاظ کے معنوں اور اس لہجہ کے خواص کا سراغ بھی لگاتی ہے اور ہر لفظ کے مختلف اطوار کو سمجھتی ہے اور اس وجہ سے اس کا کام یہاں تک پہنچ جاتا ہے کہ جناب حضرت رب العالمین کی مخاطب بن جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہم کلام ہوتی ہے جبکہ دوسرے حیوانات نری آواز کے سوا کچھ بھی نہیں سمجھتے۔

اور اسی طرح انسان نظر میں آنے والی روشنی اور رنگ کے ساتھ صنعتوں اور شکلوں کی باریکیوں اور نور اور رنگ کے مرتبوں کو غور وفکر کے ساتھ دریافت کرتا ہے اور خطی نقوش کو سمجھتا ہے اور اس وجہ سے واصل بحق ہونے والوں سے ان کے علوم کا استفادہ کرتا ہے اور گزشتہ اُمتوں کے حالات پر مطلع ہوتا ہے جو کہ اس سے ہزاروں سال پہلے ہو گزری ہیں اور عجیب تحقیقات کرتا ہے۔

اور یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ دلیل لازم کرنے اور نعمتیں پوری کرنے کے مقام پر خصوصیت کے ساتھ ان دونوں حواس سننے اور دیکھنے کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ عالم امکان کے حقائق کو اپنے غیر سے دریافت کرنے اور اس دریافت کو اپنے غیر پر ڈالنے کا راستہ یا ان حقائق کا وجود لفظی ہے یا وجود خطی جو کہ الفاظ کے مقابلے میں رکھے گئے ہیں اور ان دونوں راستوں پر انہیں دونوں حواس کے ساتھ چلا جا سکتا ہے۔

نیز عبادت اور معرفت کا طریقہ یا انبیاء علیہم السلام' اولیاء' عرفاء اور علمائے کرام کا کلام سننے حاصل ہوتا ہے یا حالتِ حیات ظاہری میں ان کے عادات و اطوار دیکھنے اور حدیث' ملفوظات مشائخ' علماء کے جمع کیے ہوئے فنون کی کتابیں اور وصال کے بعد عارفین کے حقائق و معارف پر مبنی وسائل دیکھنے سے۔ اور یہ دونوں کام انہیں دو حواس کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ بخلاف دوسرے حواس کے جن کا معرفت اور عبادت میں کہ

آزمائش کا مقصد یہی دو چیزیں ہیں' کوئی دخل نہیں ہے۔ ان سے زیادہ تر نفع معاش کے ضروری امور کی دریافت میں لیا جاتا ہے کہ دوسرے حیوانات بھی اس دریافت میں غالب طور پر شریک ہیں۔

اور اسی لیے علماء نے فرمایا ہے کہ دلیل نقلی ہے یا عقلی۔ نقلی دلیل آمنے سامنے دریافت نہیں ہو سکتی مگر قوتِ سماعت کے ساتھ اور دلیل عقلی جو کہ معرفت وعبادت کی راہ چلنے میں زیادہ تر مددگار ہے' انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات دیکھنا ہے اور دونوں قوتِ بصری کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔ عجیب مصنوعات اور آثار قدرتِ الٰہی کو دیکھنا بھی اسی قوت کے ساتھ متعلق ہے اور دلائل عقلیہ جو کہ سلف کی کتابوں اور رسائل میں جمع کیے گئے ہیں' پر اطلاع بھی اسی قوت سے حاصل ہوتی ہے۔ پس ان دو قوتوں کے کمال کے بعد آدمی کی معرفت دین اور سلوک راہِ خدا میں کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی سوائے فہم وعقل کے جو کہ دل کا کام ہے' جوارح اور اعضاء کا نہیں اور جب امر میں زیادہ تر دلائل نقلیہ کی ضرورت ہے اور اس کام میں اللہ تعالیٰ کا کلام اور رسولِ کریم علیہ السلام کا کلام' نصیحت کرنے والوں کی نصیحت' علماء کی تقاریر' خطباء کا وعظ' اولیاء اللہ کے اشارات و رموز اور عارفین کے حقائق ومعارف سننے کو بہت دخل ہے اور یہ تمام چیزیں قوتِ سماعت سے وابستہ ہیں اسی قوت کو نعمت ہدایت وارشاد کے بیان میں جگہ جگہ قوتِ بصر سے پہلے لایا جاتا ہے جیسا کہ اس آیتِ کریمہ میں اسی دستور کو اپنایا گیا ہے۔

نیز قوتِ سماعت کی ایک ایسی خصوصیت ہے جو کسی قوت میں پائی نہیں جاتی اور وہ یہ ہے کہ دیکھنے' سونگھنے' چکھنے اور ٹٹولنے میں سے ہر قوت سے پائی جانے والی چیزیں اسی کے واسطے سے دریافت ہوتی ہیں۔ پس حواسِ خمسہ میں اس کا حکم عناصر اربعہ میں ہوا کے حکم کی مانند ہے اور سات سیاروں میں عطارد کے حکم کی طرح ہے کہ اپنے غیر کی حکایت بھی ہے اور کارآمد بھی ہے' زمان اور مکان کے اعتبار سے دور افتادہ لوگوں تک بصر کے مدرکات کو یہی قوت پہنچاتی ہے۔ پس بصر کا کام بھی اس کے بغیر پورا نہیں ہے اور وہ مدرکات بصری کا وسیلہ ہے اور وسائل مقاصد سے پہلے ہی ہوتے ہیں۔

جب آزمائش کے لیے پیدا کی جانے والی اس مخلوق کو جاننے اور دیکھنے کے اسباب اس حد تک حاصل ہو گئے کہ اگر ان اسباب کے ساتھ اپنے پروردگار کی معرفت اور عبادت کی راہ اور اپنے منعم کا شکر ادا کرنے کا راستہ تلاش کیا جاتا تو اس کا پایا جانا ممکن تھا لیکن اس کے حق میں صرف اسی قدر پر اکتفا نہ فرمایا بلکہ

اِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيْلَ تحقیق ہم نے اسے اپنی معرفت کی راہ اور شکر ادا کرنے کے طریقے کی ہدایت فرمائی' ہم نے اس راہ کی طلب اور تلاش اس کے ذمہ نہیں چھوڑی تا کہ اپنی کوتاہی میں بہانہ جوئی نہ کرے۔ پس ہم نے پے در پے رسل علیہم السلام کو بھیجا' اسے ان کے ہاتھوں معجزات دِکھائے' واضح طور پر دلالت کرنے والی کتابیں نازل فرمائیں اور ان کتابوں کے مجمل اور متشابہہ کی مراد بیان کرنا' رسل علیہم السلام اور پھر ان کے سعادت مند شاگردوں' علماء و مجتہدین کے ذمے لگایا جو کہ ہر دور میں ہوتے ہیں تا کہ اس کا سننا اور دیکھنا کسی اُلجھن اور تکلیف کے بغیر ہماری معرفت اور عبادت کے کام میں مصروف ہو اور ہماری تخلیق اور ہدایت کی نعمت کا شکر ادا کرے لیکن یہ مخلوق اس ب عنایت کے باوجود ایک راہ نہ چلی بلکہ دو قسمیں ہو گئی۔

اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا یا شکر گزار کہ ہماری تخلیق اور ہدایت کی نعمت کا شکر ادا کرتی ہے اور اس نعمت کو قبول کرتی ہے یا ناشکری' ناحق شناسی اور کفرانِ نعمت کرتی ہے اور بالکل راہ پر نہیں آتی بلکہ اس راہ کو قبول نہیں کرتی' اسے باطل کرنے میں شبہات وہمیہ اور خیالاتِ شیطانیہ لاتی ہے اور اپنی شنوائی اور بینائی کو ہماری دشمنی اور مخالفت میں خرچ کرتی ہے اور جب ہم نے اس کے ساتھ امتحان اور آزمائش کا معاملہ کیا ہے تو اگر اسے اس دشمنی اور مخالفت پر سزا نہ دیں تو دوسری مخلوقات کی نظر میں امتحان اور آزمائش کا نتیجہ ثابت نہیں ہوتا اور ہماری حکمت اور عدالت مجروح ہوتی ہے۔ ناچار

اِنَّا اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ تحقیق ہم نے نعمت ہدایت کی ناشکری کرنے والوں کے لیے تیار کی ہیں۔ سَلٰسِلَ دنیوی تعلقات کی زنجیریں کہ جب دنیا میں زندہ رہیں' ان زنجیروں میں جکڑے رہیں اور معرفت و ہدایت کی راہ ہرگز نہ چل سکیں' کسی کو مال کی محبت

کی کڑی میں، کسی کو عورتوں اور بیٹوں کے عشق کی زنجیر میں، کسی کو باغ لگانے، کاشت کاری کرنے اور عمارت بنانے کے خیال کی زنجیریں، کسی کو فوج اور لشکر جمع کرنے، ملک فتح کرنے اور اپنا حکم چلانے میں، کسی کو خیالی اور موہوم منافع فوت ہونے کے غم و فکر میں اور کسی کو نادر صنعتیں نکالنے اور ریاضت و طبیعت کے عجیب و غریب آلات ایجاد کرنے میں گرفتار اور مقید کر دیا اور یہ تمام زنجیریں قیامت کے دن آتشیں زنجیروں کی شکل میں ہو کر ان ناشکروں کے تمام جسموں کو پکڑ لیں گی اور وہ لوگ ان زنجیروں میں جکڑے جائیں گے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ثُمَّ فِيْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ

اور جب ناشکروں میں سے کسی کو یہ چیزیں جن کی محبت کی زنجیر میں وہ گرفتار ہیں، اپنی نوع والوں کے عمدہ لوگوں جن کے پاس یہ چیزیں موجود ہیں، کے وسیلہ کے بغیر میسر نہیں ہوتیں، ناچار ناشکروں کے لیے ہم نے ایک اور چیز مہیا کر رکھی ہے۔

وَاَغْلٰلًا اور وزنی طوق جو کہ ان کی گردن میں ہوتے ہیں تاکہ سر نہ اُٹھا سکیں اور معرفت و عبادت کی راہ کی طرف توجہ نہ کر سکیں اور اس راہ کے دائیں بائیں نہ جھانک سکیں۔ پس کسی کی گردن میں ہم نے بادشاہوں اور امیروں کی نوکری کا طوق ڈال دیا، کسی کو ساہوکاروں کی قرض خواہی اور ان کی چاپلوسی کرنے کا طوق، کسی کو قاضیوں، مفتیوں اور حیلہ سازوں کے احسان کا طوق، کسی کو دفتری کارپردازوں، حاکموں اور ٹیکس کے افسروں کے ہاں پیشی کا طوق۔ علیٰ ہذا القیاس یہاں تک کہ کسی کو چکلہ نشیں عورتوں کی غلامی کا طوق، کسی کو گائے، اونٹ، گھوڑے اور خچر کی خدمت کا طوق ڈالا اور یہ سب طوق قیامت کے دن آتشیں طوق ہوں گے اور ان کی گردنوں کو بوجھل کر دیں گے اور جلائیں گے۔

اور جب اکثر ناشکروں کو یہ طوق پہننے اور ان تعلقات میں گرفتار ہونے کے باوجود اپنا مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ اگر کچھ مطلب ہاتھ آ جاتے ہیں لیکن اس طرح کہ جیسے ان کی حرص اور آرزو کا تقاضا تھا، حاصل نہیں ہوتے ناچار ہم نے ان کے لیے ایک اور چیز

مہیا کی ہے۔

وَسَعِيْرًا اور سینے کی جلن اپنا مطلب جلد حاصل نہ ہونے کی وجہ سے کہ جب تک دنیا میں زندہ رہتے ہیں' وہ جلن محسوس کرتے ہیں جیسے کیمیا کی ہوس رکھنے والے اور اگر ایک طرف سے جلن کم ہوتی ہے' دوسری طرف سے بھڑک اُٹھتی ہے۔ پس ہم ان کی اس سب انسانی خلقت لطیف کو دگرگوں کر دیتے ہیں۔ بدن کا نچلا حصہ زنجیر میں گرفتار۔ اس کا اوپر کا حصہ طوقوں سے گرانبار اور اس کا درمیانی حصہ جو کہ سینہ اور دل ہے' جلن میں بے قرار اور وہی سوزش ہے جو کہ قیامت کے دن جہنم کی آگ کی صورت میں ان اندر باہر کو جلائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور ہدایت کی نعمت کی ناشکری کی سزا چکھیں گے۔

ایک جواب طلب سوال

اگر یہاں کسی کے دل میں شبہ گزرے کہ ان تعلقات میں گرفتاری' ان طوقوں کا پہننا اور مطالب دینا نہ پانے کے درد کی وجہ سے سینے کی جلن دنیوی زندگی کے لوازمات میں سے ہے جبکہ نعمتِ خداوندی کا شکر ادا کرنے والوں کو بھی اسی دنیا میں زندگی بسر کرنا ہے' وہ ان تعلقات میں گرفتاری' ان طوقوں کو پہنے اور ان جلنوں کو چکھے بغیر نہیں رہ سکتے تو پھر ان چیزوں کی ناشکروں کے ساتھ کیا تخصیص ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ شکرگزاروں کو ان تعلقات میں گرفتاری کے اسباب اور یہ طوق پہننے اور ان سوزشوں کو چکھنے کے اسباب دنیوی زندگی کے تقاضے کے مطابق پیش آتے ہیں لیکن انہیں زنجیروں میں گرفتاری طوق پہننے اور جلن محسوس کرنے کی صورت پیش نہیں آتی۔

شکرگزاروں کے تین گروہ

اس لیے کہ شکرگزاروں کے تین گروہ ہیں' ابرار جن کا لقب اصحاب الیمین بھی ہے اعمال کے مقربین جن کا لقب عباداللہ اور عبادالرحمٰن بھی ہے احوال کے مقربین جنہیں مقربین مطلق بھی کہتے ہیں اور سابقین بھی ان کا لقب ہے۔ پہلے ہم ابرار کا حال بیان کرتے ہیں جو کہ مقربین اعمال کا تبرک اور پس خوردہ حاصل کرنے والے ہیں اس کے

بعد ہم مقربین اعمال کے احوال بیان کرنے کی طرف منتقل ہوں گے تاکہ اس پر قیاس کر کے مقربین احوال کا حال بطریق اولیٰ ظاہر کیا جائے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ تحقیق نیکوکار لوگ جو کہ اپنی بساط بھر کسی کا حق ضائع نہیں کرتے اور اپنے اور اپنی نوع کے دوسرے لوگوں کے بارے میں احسان کو پیش نظر رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی کی اطاعت کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں جب تک دنیا میں زندہ ہیں۔

یَشْرَبُوْنَ ایک دو گھونٹ پیتے ہیں۔ مِنْ كَاْسٍ محبتِ الٰہی اور اس بارگاہِ عالی تک پہنچنے کے شوق کی شراب سے مالامال پیالے سے مقربین کے ہاتھوں اور وہ ایک دو گھونٹ پینے کی وجہ سے انہیں بے خودی حاصل ہو جاتی ہے اور دنیوی تعلقات کے طرف توجہ نہیں رہتی۔ لیکن چونکہ ایک دو گھونٹ ان میں اس قدر تاثیر نہیں کرتے کہ یہ حالت دائمی رہے' قوت دینے اور اس کے اثر کو ہمیشہ رکھنے کے لیے۔

كَانَ مِزَاجُهَا اس پیالے کی آمیزش ہوتی ہے۔ کہ جسے بطورِ عنوان اس پر چھڑکا گیا ہے۔ كَافُوْرًا کافور جو کہ مقوی روح بھی ہے' مفرح دل بھی۔ اس کی بو بھی اچھی ہے اور رنگ بھی نورانی' دل کو مطلب نہ پانے کی جلن اور دنیوی تعلقات کی طرف جھانکنے سے سرد بھی کر دیتا ہے اور فاسد ارادوں اور باطل وسوسوں کی تکلیف کی اصلاح بھی کرتا ہے۔ شیخ ابوعلی سینا نے مفردات قانون میں کہا ہے کہ آدمی کے جسم اور اس کی روح میں کافور کی تاثیر بعینہٖ جہان میں پروا ہوا کے اثر کی طرح ہے کہ ہر چیز کے جوش کو کم کرتا ہے اور بدبو کو بالکل دُور کر دیتا ہے کسی دوائی کو جو کہ اعضاء میں سے کسی خاص عضو کو نفع دیتی ہے' چاہیں کہ اس عضو تک جلد پہنچائیں تاکہ جگر اور معدہ کے ہضم میں دیر نہ لگے اور اس کی قوت کمزور نہ ہو جائے' شربت میں ملا کر دیتے ہیں کہ یہ عمل جلد اثر کرنے اور گزرگاہوں کو کھولنے میں بے مثال ہے۔ جب انہیں شربت میں کافور ملا کر دیا گیا تو پوری تیزی سے ان کے رگ وریشے میں سرایت کر گیا اور اس کا اثر پوری قوت کے ساتھ روح اور قلب میں پہنچ گیا اور علائق دنیوی سے پاک ہونے' دل کی خواہشات سرد پڑنے اور انہیں نہ پانے کی سوزش قبول نہ کرنے کی حالت مستحکم اور پختہ ہوگئی لیکن یہ کافور دنیوی کافور نہیں

ہے جس کی تاثیر صرف ظاہری جسم' اعضاء' اخلاط اور ارواح کے ساتھ مخصوص ہے بلکہ کافور سے ہماری مراد

عَیْنًا عالم روحانی کا ایک چشمہ ہے کہ انہیں کیفیتوں اور خواص کے ساتھ اس کا شربت آدمی کے باطن میں جو کہ لطائفِ نفس اور نفسانی قوتیں ہیں' اثر کرتا ہے۔

یَشْرَبُ بِهَا نوش کرتے ہیں اپنے ہر پیالے کو جس میں کہ اس چشمے کا پانی ملا ہوا ہے۔ عِبَادُاللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے جو کہ کسی کی بندگی کا طوق گردن میں بالکل نہیں رکھتے اور اپنے حرکت و سکون میں خدا تعالیٰ پر نظر رکھتے ہیں اور اسی کی رضا طلب کرتے ہیں اور ثواب و جزا کی طرف بھی دھیان نہیں کرتے اور اپنے اعمال پر بھی اعتماد نہیں رکھتے۔

یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا اس چشمے کو اپنے ہر عمل میں جاری کرتے ہیں جاری کرنا گویا وہ چشمہ خاص انہیں کی ملک اور انہیں کے تصرف میں ہے۔ عضو کے ہر عمل اور ہر قوت کے خلق میں اس چشمے کے پانی کے اثر کو کھینچ لے جاتے ہیں اور وہ علائق دنیوی اور ماسوی اللہ کی طرف توجہ کرنے سے اس قدر دل کو سرد کیے ہوئے ہیں کہ اپنے اعمال پر اور اچھی صلاحیتوں پر اعتماد انہیں بالکل مطمئن نہیں کرتا بلکہ بارگاہِ خداوندی سے ان اعمال و اخلاق کے قبول نہ ہونے کا کھٹکا اور خطرہ انہیں ہمیشہ لازم رہتا ہے۔ چنانچہ اس حال کا گواہ یہ ہے کہ

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ نذر پوری کرتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے نوافل' وظائف' اوراد' صدقات اور خیرات سے جو کچھ بھی اپنے اوپر لازم کیا ہے' اسے عمر کے آخری وقت تک پورے طور پر ادا کرتے ہیں اور جب انہوں نے ان چیزوں کو جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر واجب نہ تھیں بلکہ انہوں نے اپنی طرف سے ہی انہیں لازم کرلیا تھا' پورے طور پر ادا کیا ہوگا تو جو واجبات خدا تعالیٰ کی طرف سے ان پر واجب ہوئے' انہوں نے انہیں بطریق اولیٰ پورے طور پر ادا کیا ہے۔ اور اس استقامت اور تمام واجبات اصلی اور التزامی کی ادائیگی کے باوجود اس پر وہ اعتماد بالکل نہیں کرتے اور ہمیشہ ڈرتے رہتے

ہیں۔

وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر اس آگ کی طرح منتشر اور بکھرا ہوا ہوگا جو کہ ہوا کے طوفان کے دن بھڑک اُٹھے اور ہر گھر کو جلنے کا خطرہ لاحق ہو جائے اور ان کا یہ خوف اس وجہ سے ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ واجبات کی ادائیگی میں ہم سے کوئی سستی اور کاہلی واقع ہو اور اس وجہ سے طبعی ظلمت نیکی کے ساتھ مخلوط ہوگئی ہو اور قیامت کے دن کہ اس کا شر گناہ گاروں کی نحوست کی وجہ سے بے گناہوں کو بھی پہنچے گا جیسے آسمان' زمین' پہاڑ' دریا' ستارہ' سورج اور چاند وہ طبعی ظلمت کے ساتھ مخلوط نیکی نامنظور ہو اور عتاب اور عذاب کا موجب ہو اور اپنے اعمال پر ان کی اس قدر بے اعتمادی اس بات کی صریح دلیل ہے کہ ان پر خوف بہت زیادہ غالب ہے اور خوف کا غلبہ دل کی سردی کی دلیل ہے کیونکہ حرارت کے وقت دل بہت زیادہ جرأت اور بے باکی کرتا ہے۔ پس یہ اسی کافور کا اثر ہے جسے انہوں نے شرابِ محبتِ الٰہی کے ساتھ ملا کر نوش کیا ہے۔ بیت اس افیون کی وجہ سے جسے ساقی نے شراب میں ڈالا حریفوں کا سر رہا نہ دستار۔

نیز اس بات کی صریح دلیل ہے کہ جب انہیں ان اعمال کے ساتھ تعلق نہ رہا جو انہوں نے اپنے مطلوب کے شوق میں کیے ہیں اور ان سے ان کا دل سرد ہے تو یقیناً علائق دنیوی سے بھی پورے طور پر منقطع ہو گئے ہیں جو کہ ان کے مطلوب کے منافی تھے اور یہ بے خودی کا اثر ہے جسے انہوں نے محبتِ الٰہی کی شراب پی کر حاصل کیا ہے اور اس حالت پر ایک اور گواہ یہ ہے۔

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ اور کھانا کھلاتے ہیں باوجودیکہ پکا ہوا تیار رکھا کھانا کھلانا نقدی اور جنس دینے سے زیادہ ناگوار ہوتا ہے اس لیے کہ جس چیز کا نفع قریب اور منفعت حاضر ہو اس میں آدمی اس چیز کے مقابلے میں بہت زیادہ بخل کرتا ہے جو کہ مطلوبہ منفعت سے دور ہو اور اسی لیے اکثر لوگوں کے نزدیک گندم دینا' آٹا دینے سے زیادہ آسان ہے اور آٹا دینا روٹی دینے سے زیادہ سہل ہے اور بعض اوقات جب انسان کھانا دینے کی سخاوت

کرتا ہے اور نقدی اور جنس دینے سے جی چراتا ہے اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اسے اس کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی اور طعام پکنے کے بعد کھانے کے علاوہ کسی اور کام نہیں آتا اور جلد بدبودار ہو جاتا ہے اور جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ بخلاف نقدی اور جنس کے کہ کارآمد بھی ہے اور جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے کے قابل بھی لیکن یہ لوگ کھانا کھلاتے ہیں۔

عَلٰی حُبِّهٖ اس کھانے کو پسند کرنے کے باوجود شدید ضرورت اور خوراک نہ ملنے کی وجہ سے کہ اس وقت پکا ہوا شلغم کچی چاندی سے بہتر ہے' کا مصداق ہو جاتا ہے یا اس کی نفاست اور خوش ذائقہ ہونے کی وجہ سے بے احتیاجی کے باوجود بھی بے فائدہ بدل نہیں کرتے بلکہ یا تو کچھ وقت کے بعد خود کھا لیتے ہیں یا کسی ایسے کو کھلاتے ہیں جس سے بڑی منفعت کی توقع ہو اور یہ لوگ اس حالت میں کھانا کھلاتے ہیں۔

مِسْكِيْنًا گدا کو جو کہ اپنی غذا حاصل کرنے سے عاجز ہے اور اس سے کسی منفعت کی کوئی توقع نہیں۔ بلکہ ایک بار کھلانے کی وجہ سے عادت بنا کر ہر روز قرض خواہ کی طرح پیچھے پڑ جاتا ہے اور غیر موزوں اور تلخ صدائیں لگا کر تشویش میں ڈالتا ہے۔

وَّيَتِيْمًا اور یتیم کو کہ وہ گدا سے بھی زیادہ عاجز ہے اس لیے کہ گدا کی قوت بدن بھی وافر ہے اور عقل بھی کامل اگر ایک وقت اسے کھانا میسر نہ ہو تو دوسرے وقت کوشش اور تلاش کے ساتھ گلی کوچوں میں پھر کر کچھ نہ کچھ حاصل کر کے لے آئے گا جبکہ یتیم کی نہ عقل کامل ہے نہ جسم قوی' نہ اسے گداگری کا طریقہ آتا ہے نہ اس سے کسی منفعت کی توقع۔

وَّاَسِيْرًا اور قیدی کو جو کہ کسی کی قید میں پڑا ہے' کمائی بالکل نہیں کر سکتا اور اس سے اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ گدا اور یتیم کی طرح خود کو کسی کی نظر میں ظاہر کرے تاکہ وہ اس کے حال پر رحم کر کے اس کی مدد کرے اور کھانے میں رغبت کے باوجود اس قسم کے لوگوں کو کھانا کھلانا اس کے باوجود کہ ایک عظیم احسان ہے اور ریا کی آلائش سے پاک عبادت ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے خاص بندے اس عمل پر اعتماد نہیں کرتے اور ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا

نہ ہو کہ گدا' یتیم اور قیدی کھانا کھانے کے بعد ہمارے متعلق تعظیم' سلام' تعریف اور توصیف بجالائیں اور ہمارا نفس خوش ہو اور طبعی ظلمت اس کام میں بھی مخلوط ہو جائے اسی لیے عین کھانا کھلانے کے دوران انہیں صراحت کے ساتھ کہہ دیتے ہیں کہ

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ تحقیق ہم تمہیں نہیں کھلاتے مگر صرف رضائے خداوندی کے لیے۔ لَانُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتے کہ یہ کھانا کھانے کے بعد سلام یا تعظیم بجالاؤ یا ہمارے حق میں ترقی کی دعا کرو۔ حضرت اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ جب کسی گھر والوں کی خیرات بھیجتیں تو اپنی خادمہ سے پوچھتیں کہ انہوں نے خیرات لینے کے بعد کیا کہا اگر خادمہ عرض کرتی کہ انہوں نے آپ کے حق میں یہ دعا کی تو حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا بھی ان گھر والوں کے حق میں اسی دعا میں مصروف ہو جاتیں اور فرماتیں کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی دعا میرے صدقہ کے عوض میں گنی جائے اور میرے صدقے کا ثواب کم ہو جائے اور میں نے دعا کا بدلہ دعا کے ساتھ دے دیا تا کہ صدقہ کا ثواب برقرار رہے۔

وَلَاشُكُوْرًا اور ہم تم سے شکر گزاری نہیں چاہتے کہ لوگوں کے سامنے ہماری تعریف کرو کہ فلاں نے ہم پر یوں احساس کیا اور یوں کھانا کھلایا اس لیے کہ اگر ان کاموں سے ہم ان چیزوں کا قصد کریں تو طبعی ظلمت سرایت کر جاتی ہے پھر مذکورہ دن کا خوف لوٹ آتا ہے۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا تحقیق ہم اپنے پروردگار سے خوف کرتے ہیں۔ يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ترش رو اور انتہائی چیں بجبیں دن کا اور یہ اللہ تعالیٰ کی قہری تجلی سے کنایہ ہے جو اس دن ہوگی۔ از رہ ادب دن کو عبوس و قمطریر کی صفت لگا دی جس طرح ترش رو اور چیں بجبیں آدمی غصے میں آ جاتا ہے اور ہلکے سے لفظ سے ہی بگڑ کر خشمگیں ہو جاتا ہے اس طرح وہ دن کہ جس میں ہر چھوٹی بڑی شے کا مواخذہ ہوگا' ہولناک اور ڈرانے والا ہے اور خوف شدید کے امتزاج کے ساتھ یہ عمل دونوں چیزوں کی صریح دلیل ہے۔ علائق دنیوی کے منقطع ہونے کی بھی اور دل سردی اور بے اعتمادی کی بھی۔

تفسیر واحدی اور دوسری تفاسیر میں مذکور ہے کہ حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما بیمار ہو گئے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تیمارداری کے لیے تشریف لائے اور آپ کے ہمراہ کثیر تعداد میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی حاضر آئے' ان میں سے ایک شخص نے حضرت امیر المومنین مرتضیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے کہا کہ صاحب زادوں کو تکلیف زیادہ ہے' آپ کوئی نذر مانیں۔ آپ نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تین روزوں کی نذر کی۔ حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا نے بھی یہی نذر مانی اور آپ کی لونڈی نے بھی جس کا نام فضہ تھا' یہی نذر مانی۔ حق تعالیٰ نے اپنا فضل وکرم فرمایا کہ حضرت ؟؟ رضی اللہ عنہما شفایاب ہو گئے اور نذر کے مطابق تینوں نے روزہ رکھا اس دن کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ غلہ فروش خیبری یہودی کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے قرض مانگا اس نے اسلام دشمنی کی بناء پر قرض دینے میں پس وپیش کی۔ آخر بہت لیت ولعل کے بعد آپ کو بارہ آثار (ایک پیمانہ ہے) جو دیئے۔ آپ گھر تشریف لائے' حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا نے چار آثار جو چکی میں ڈال کر پیسے اور آپ کی لونڈی نے گھر والوں کی تعداد کے مطابق پانچ روٹیاں پکائیں جب افطاری کا وقت ہوا' وہ پانچ روٹیاں لا کر حضرات کی خدمت میں پیش کر دیں۔ چاہتے ہی تھے کہ ان روٹیوں سے تناول فرمائیں کہ اچانک دروازے پر ایک منگتا آ کھڑا ہوا اور اس نے کہا اے اہلِ بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ پر سلام ہو' ایک مسلمان منگتا آپ کے دروازے پر حاضر آیا ہے' کچھ کھانے کو مل جائے اور اس کے گھر کے پانچ افراد ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ جنتی دسترخوانوں سے کھانا دے گا۔ ان بزرگوں نے پانچوں روٹیاں اس منگتے کے حوالے کر دیں اور رات کو پانی کے سوا کچھ نوش نہ فرمایا۔ صبح روزے سے اُٹھے جب شام ہوئی' افطاری کے وقت مذکورہ کھانا تیار کر کے دسترخوان پر رکھا گیا۔ اچانک ایک یتیم آ پہنچا اس روز کا کھانا یتیم کو دے دیا گیا اور تیسرے دن ایک قیدی آ گیا اس روز کا کھانا قیدی کو دے دیا جب چوتھے دن اُٹھے تو جانور کے چوزے کی طرح کانپ رہے تھے اور بھوک کی شدت کی وجہ سے بالکل حرکت کی طاقت نہ رہی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس روز حضرات امامین رضی اللہ عنہما کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے اور یہ حالت دیکھ کر بے تاب ہوگئے۔ فرمایا کہ میری بیٹی کہاں ہے؟ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے عرض کی کہ یارسول اللہ! وہ اپنی محراب میں نماز میں مشغول ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے' دیکھا کہ ان کا بطن مبارک پشت کے ساتھ لگا ہوا ہے اور دونوں آنکھیں اُتری ہوئی۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں اسی اثنا میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ! یہ سورۃ لیجیے' آپ کو اور آپ کے اہلِ بیت کو مبارک ہو اور یہ آیات پڑھیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ظاہری فتوح فرمائیں اور پھر اس قسم کی شدت فقر میں مبتلا نہ ہوئے۔ کہتے ہیں کہ ان تینوں راتوں میں گدا' یتیم اور قیدی کی صورت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام اہلِ بیت کے صبر کے امتحان کے لیے تشریف لائے تھے اور اسی موقع پر کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے ملک دنیا اپنے نیزے کے ساتھ لیا ہے اور ملک عقبیٰ کو تین روٹیوں کے ساتھ خریدا ہے۔

نذر کے احکام کا بیان

جاننا چاہیے کہ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نذر کو پورا کرنا واجب ہے لیکن ایسی نذر کو جو ناجائز نہ ہو اور ناجائز نذر کو پورا کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ صحیح حدیث پاک میں وارد ہے کہ **من نذران يطيع الله فليطعه ومن نذران يعصي الله فلا يعصه** یعنی جو شخص اطاعتِ خداوندی کی نذر مانے' اسے چاہیے کہ وہ طاعت بجا لائے اور جس نے معصیتِ خداوندی کی نذر مانی تو اسے چاہیے کہ اس معصیت کو چھوڑ دے۔ اس لیے نذر کی حقیقت ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کرنا ہے جو کہ واجب نہیں ہے اور جب وہ چیز معصیت ہوگی اور اسے یہ شخص اپنے اوپر واجب کرلے تو اس نے حکم الٰہی کی مخالفت کی ہوگی اور اگر بالفرض کسی کی زبان سے کبھی مقام نذر میں معصیت کا لفظ نکل جائے تو چاہیے کہ فی الفور توبہ اور استغفار کرے اور اس نذر کو ہرگز پورا نہ کرے۔

نیز نذر اس چیز میں ہے جو کہ نیکی کی جنس سے ہو جیسے نفل نماز' نفلی روزہ' ذکر' تسبیح'

تلاوتِ قرآن پاک' درود شریف' حج' نیکوں کی زیارت' علم دین کی طلب' جہاد' صدقات' خیرات' نیکیاں اور وقف لیکن جو چیز نیکی کی جنس سے نہیں ہے جیسے فلاں کھانا کھانا' دھوپ میں بیٹھنا' کھڑے رہنا' بات نہ کرنا اور سایہ کے نیچے نہ آنا۔ پس ایسی چیز میں نذر منعقد نہیں ہوتی اور اگر مبہم نذر مانی ہے اور کہا ہے کہ مجھ پر نذر ہے کہ یہ کام کروں۔ اگر وہ کام کیا ہے تو اس پر قسم کا کفارہ واجب ہوتا ہے اور اسی طرح اگر ایک ایسی نذر مانی جو کہ اس شخص کی طاقت سے باہر ہے تب بھی قسم کا کفارہ واجب ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ' نذر اور کفارات کافر کو دینا درست نہیں ہے

نیز جاننا چاہیے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسکین' یتیم اور قیدیوں کو کھانا کھلانا عبادت ہے خواہ وہ مسکین' یتیم اور قیدی اہلِ اسلام سے ہوں یا اہلِ کفر سے لیکن کافر کو زکوٰۃ' نذر اور کفارہ دینا درست نہیں ہے اور اگر قیدی کافر واجب القتل ہوا سے کھلانا بھی باعثِ ثواب ہے اس لیے کہ واجب القتل کو بھوک اور پیاس کے ساتھ قتل کرنا جائز نہیں اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں کفار کو قیدی کر کے لایا جاتا اور آپ انہیں مال دار مسلمانوں کے حوالے کر دیتے اور ارشاد فرماتے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ مسلمان آپ کے حکم کے مطابق قیدیوں کو اپنے اہل و عیال سے بہتر طور پر رکھتے اور کھانا کھلاتے یہاں تک کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے بارے میں قتل کرنے یا چھوڑنے یا مال لینے یا انہیں غلام بنا کر رکھنے کا حکم فرماتے۔

اور اسی طرح جس کے ذمے قصاص واجب ہو چکا ہو اور قتل کرنے کا مستحق ہو چکا ہو' اسے بھوک اور پیاس کے ساتھ قتل کرنا جائز نہیں ہے اور جب ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے قیامت کے دن شر کے پھیلنے اور اس دن کی ترش روئی سے ہمیشہ ڈرتے ہیں اور ریا سے پاک اس قسم کے عمدہ اعمال کے باوجود ہراساں رہتے ہیں تو لازم ہوا کہ وہ اس خوف کا پھل جو کہ آخرت میں ضرور دیکھیں گے' بیان کیا جائے اور اس کے بعد ان کے اعمال کی جزا بیان کرنے پر توجہ دی جائے۔ چنانچہ ان کے خوف کے نتیجے کو بیان فرمایا گیا ہے۔

فَوَقَاهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ پس اللہ تعالیٰ ان کی اس دن کے شر سے نگہداشت فرمائے گا جو کہ منتشر اور عام ہوگا اور یہ نگہداشت یوں ہوگی کہ ان پر اپنی صفت رضا کی تجلی فرمائے گا اور انہیں اس تجلی کے مشاہدہ میں مستغرق فرما دے گا جیسا کہ گزشتہ سورۃ میں صراحت کی گئی ہے کہ وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ اور ملائکہ رحمت گروہ در گروہ ان سے ملاقات کریں گے اور بشارت دیں گے جیسا کہ سورۃ انبیاء علیہم السلام میں مذکور ہے کہ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔

اور حدیث قدسی میں ہے کہ المتحابون في جلالي لهم منابر من نور يغبطهم النبيون والشهداء یعنی جو لوگ دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ میری راہ میں دوستی کرتے تھے ان کے لیے نور کے منبر ہوں گے اور ان کے حال پر انبیاء علیہم السلام اور شہداء رشک کریں گے اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام اور شہداء کو اُمت پر گواہی دینے اور انہیں اس دن کے مواقف اور خطرات سے چھڑانے کی فکر ہوگی اور وہ تشویش میں ہوں گے جبکہ ان لوگوں کو جنہیں کسی کے ساتھ تعلق نہ تھا' پوری فراغت نصیب ہوگی اور یہ سب کچھ علائق دنیوی سے منقطع ہونے کی وجہ سے ہے جو کہ انہیں دنیا میں حاصل تھی۔

وَلَقّٰهُمْ اور ان کے سامنے لائے گا اس کے عوض جو اس دن کی ترش روئی اور چیں بجبیں ہونے کی وجہ سے ڈرتے تھے۔ نَضْرَةً تازگی اور ہنس مکھی جو کہ ان کے ظاہری جسم پر نمودار ہوگی۔ وَّسُرُوْرًا اور دل کی خوشی جس سے ان کا باطن لبریز ہوگا۔ اور فکر اور غم کے عوض جو کہ انہیں اپنے دین کے بارے میں تھا اور وہ ہمیشہ آخرت کی فکر میں وقت گزارتے تھے اور ان کے حق میں اسی قدر نعمت پر کہ خوف و غم کا زوال اور امن اور خوشی کا حصول ہے' اکتفا نہ ہوگا اس لیے کہ اس قدر تو خود ان کے ڈر اور خوف کا نتیجہ تھا بلکہ ان کے اعمال پر بھی نظر رحمت ہوگی اور دیکھیں گے کہ ان کے اعمال کا دارومدار صبر پر تھا کہ علائق دنیوی اور لذات جسمانی کو فنا کر دیا۔ نیز طاعتوں کی مشقت برداشت کی اور تکلیفیں اور مصیبتیں اُٹھائیں۔ پس ان کے صبر کا بدلہ پیش نظر ہوگا۔

وَجَزٰهُمْ بِمَا صَبَرُوْا اور انہیں پر فضا مکانات' دل کشا باغات اور مسرت افزاء عمارات کے تعلق سے ان کے صبر کے بدلے جزا دے گا۔

جَنَّةً وسیع جنت کی جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور اس کے محلات ہمیشہ منقش اور رنگین۔ وَحَرِيْرًا اور ریشم سے بنا ہوا کپڑا جو کہ ان کے لباس میں لگایا گیا ہے اور ان کے فرش میں بھی مستعمل ہے اور درو دیوار کی پوشش' پردہ' سقف بند اور سامان' آلات اور برتنوں پر لٹکنے والے کپڑوں میں کام میں لایا گیا ہے اور یہ ان کے صبر کی جزا دی جائے گی جو انہوں نے دنیا میں چیتھڑے اور پیوند لگے کپڑے پہنے' آستینیں چھوٹی' دامن کوتاہ رکھنے اور ریشم پہننے سے پرہیز کیا اور روایات میں آیا ہے کہ جنتیوں میں سب سے کم مرتبے والے آدمی کے پاس ہر روز اور ہر شام خدام ستر ریشمی جوڑے جن میں سے ہر ایک کا رنگ جدا جدا' نقش عجیب وغریب اور انداز جداگانہ ہوگا' پیش کریں گے تاکہ اسے جو مرغوب ہو' پہن لے۔ ہر کپڑے کی باریکی برگ گل کی باریکی کی طرح ہوگی۔

مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ اس جنت اور بستر میں مزین اور سایہ دار تختوں پر دنیوی بادشاہوں کی طرح تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور یہ ان کے صبر کا بدلہ ہے جو انہوں نے بوریا نشینی' تنگ حجروں اور تاریک خانقاہوں اور مدرسوں میں رہائش اور علوم دینیہ کے درس کی مجلس اور ذکر و توجہ کے حلقوں کی جوتوں والی صف میں جگہ پانے پر کیا۔

لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا اس جنت میں سورج کی گرمی اور موسم سرما کی ٹھٹھر نہیں دیکھیں گے اس لیے اس کی ہوا معتدل ہے' گرمی اور سردی نہیں رکھتی اور وہاں سورج نہیں ہے تاکہ اس کے نزدیک آنے کی وجہ سے شدید گرمی ہو جائے اور اس کے دور ہٹنے سے نقصان دہ سردی ہو بلکہ عرش کا نور اس جہان کو ہمیشہ روشن رکھتا ہے اور جب بھی پردے اٹھائیں گے اور سیر گاہوں میں نکل آئیں گے اور بازار قائم ہو جائیں گے اور ایک دوسرے سے ملاقات کریں گے اور خدمت کے لیے بچے اور غلمان حاضر ہو جائیں گے اس سے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ دن ہو گیا اور جب پردے گرا دیئے جائیں گے اور محلات میں داخل ہو جائیں گے اور حورعین حصول لذت اور ہم نشینی کے لیے حاضر ہو

جائیں گی تو جان لیں گے کہ رات آ گئی اور ان کے اس صبر کی جزا ہے جو انہوں نے جمعۃ المبارک کی دوپہر میں جامع مسجد کو جانے کے وقت روزے کی گرمی پر اور حج' جہاد' طلب علم' بزرگوں اور نیکوں کی زیارت اور ان کی صحبت سے ظاہری اور باطنی فیض لینے کے لیے سفر میں کیا تھا اور موسم سرما کے غسل اور وضو' وقت تہجد اور فجر و عشا کی نماز کی جماعت کی سردی پر اور موسم سرما میں حج' عمرہ' جہاد' طلب علم اور بزرگوں کی زیارت کے سفر میں کیا تھا۔

اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ ھواء الجنۃ سجسج لاحر ولاقر یعنی جنت کی ہوا انتہائی معتدل ہے' گرم نہ سرد۔ اور لغت میں زمہریر حد سے زیادہ سردی کو کہتے ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ اس کی میم اور ہا اصلی ہیں اس لیے کہ اگر ان میں سے ایک زائد ہو تو کلام عرب میں اس لفظ کی مثال نہیں ہوگی جبکہ فَعْلَ لِیْل بہت زیادہ موجود ہے جیسا کہ قمطریر گزرا۔ اور جنت کی ہوا اس لیے معتدل ہے کہ وہاں کے رہنے والوں نے اپنے اعمال اور اخلاق کو دنیا میں معتدل کیا تھا اور جنت انہیں معتدل اعمال اور اخلاق کی شکل ہے' وہاں کی بیشی کا تصور کیسے ہو سکتا ہے۔

وَدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلَالُهَا اور ان پر اس جنت کے درختوں کے سائے قریب ہو چکے ہوں گے اور یہ ان کے اس صبر کی جزا ہے جو انہوں نے پردیسیوں' مسافروں' مظلوموں اور یتیموں کو سایہ دینے پر کیا یا اپنی عمارت کے سایہ میں یا اپنے عدل و رحمت کی حمایت کے سایہ میں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں مفسرین کا ایک مشہور اشکال ہے کہ جب جنت میں سورج نہ ہوگا تو سایہ کا تصور کیسے ہوگا اس لیے کہ حقیقت میں سایہ بالذات یا بالعرض روشنی دینے والے کی دوسری روشنی ہے جو کہ روشن کرنے والے اور اس کے مقابل کے درمیان جسم کثیف کے حائل ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سورج کا نہ ہونا اس بات کو لازم نہیں کرتا کہ دوسرا نور موجود نہ ہو اور سایہ پیدا ہونے کا موجب نہ ہو۔ ہاں وہ نور اس

جنس سے نہیں ہے کہ تکلیف دے تا کہ اس سے سایوں کی طرف بھاگیں۔ لیکن کبھی درختوں کے سائے میں بیٹھنا لذت اور چین حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے نہ کہ گرمی کی تکلیف سے بچنے کے لیے۔ جنتی درختوں کے سایہ میں جنتیوں کا بیٹھنا اسی قبیلے سے ہوگا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ جنتی درخت اس طرح ان کی طرف جھکیں گے اور ان درختوں کی شاخیں' پتے اور پھل ان کے نزدیک پہنچ جائیں گے کہ اگر بالفرض وہاں سورج ہوتا' ان درختوں کا سایہ بالکل نزدیک ہو جاتا اور مفسرین میں سے کسی نے جنتی درختوں کے سایہ کے نزدیک ہونے کا معنی ذکر نہیں کیا۔ اور ظاہر ہے کہ اگر سایہ کسی کو محیط ہو تو نزدیک اور دُور برابر ہے اور اگر محیط نہ ہو تو سایہ دُور ہے نہ نزدیک۔ پس تحقیق یہ ہے کہ جنتی درخت شعور اور ارادہ رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جنتیوں کو جو کہ اپنے مزین تختوں پر بیٹھے ہیں یا اپنی محافل اور محلات میں آرام فرما ہیں' اپنے پتوں اور پھلوں سے نفع دیں اس قصد کے ساتھ حرکت ارادی کر کے ان کے نزدیک آ جاتے ہیں اور ان کے سامنے اپنے پھول اور شگوفے ظاہر کرتے ہیں تا کہ انہیں کچھ رغبت پیدا ہو اور وہ دیکھیں اور اپنے میوے اور پھل پیش کرتے ہیں تا کہ وہ اس سے چُن لیں اور کھائیں اور وہاں درختوں کے سائے کے قریب ہونے کا بھی معنی ہے جیسا کہ اس آیت کا بقیہ اس کا پتہ دیتا ہے۔

وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا اور اس جنت کے میوے جنتیوں کے لیے مطیع کر دیئے گئے ہیں مطیع کرنا۔ کہ جانور کی طرح اپنی مانوس چیز کو بار بار اپنے مالک تک پہنچاتا ہے اور سواری' کھیل اور دوسرا نفع جو کہ اس جانور سے مقصود ہے' کا تقاضا پورا کرتا ہے۔

حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنتی پھل کو اگر چاہیں کھڑے ہو کر چُن کر کھائیں اور اگر چاہیں بیٹھ کر اور پہلو پر لیٹ کر کھائیں کہ وہ پھل خود بخود جنتی کے منہ میں پہنچتا ہے اور یہ ان کے صبر کا صلہ ہے جو کہ وہ تورع اور احتیاط کی وجہ سے دنیا کے میووں سے کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو لوگ یہ میوے کھاتے تھے' ان کے مال میں حرام اور شبہ کی آمیزش ہو اور گاجر اور شلغم پر قناعت اختیار کرتے تھے اور یہاں تک جنتیوں کی ان نعمتوں کا ذکر ہے جو کہ کل کی روح نباتی کی تسخیر اور اس نفس سے

خدمت لینے کی وجہ سے ان کے کام میں پیدا ہوں گی۔ اور جس طرح دنیا میں انہیں خلافت کبریٰ عطا فرمائی گئی تھی کہ جہان کے تمام اجزا اور ارکان میں تصرف کرتے تھے اور ان سے نفع لیتے تھے' جنت میں بھی ان اجزا اور ارکان کی ارواح کو ان کے لیے مسخر کر دیا جائے گا اور وہ ان کی خدمت گزار ہوں گی لیکن جنتی کی تسخیر میں فرق یہ ہے کہ دنیا میں جبری اور قہری تھی' کوشش اور مشقت پر موقوف تھی جبکہ جنتی کی تسخیر جنتیوں کی تکلیف اور کوشش کے بغیر ارادی اور اختیاری ہوگی۔ نیز دنیا کی تسخیر مومن اور کافر' نیک اور ظالم کو عام تھی جبکہ جنتی تسخیر چونکہ جزا اور امتیاز کے مقام میں ہے' ایمان اور صلاح والوں کو خاص ہوگی جیسا کہ سورۂ اعراف کی ایک اور آیت میں اس معنی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ۔

اور ریشم اگرچہ ظاہری طور پر حیوانی معلوم ہوتا ہے کہ ریشم کے کیڑے کے لعاب کے نتیجے سے بنتا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ ریشم کا پیدا ہونا درختوں کے پتوں کے رس سے ہے جو کہ ریشم کا کیڑا اپنے لیے لکڑی کے جالے کی طرح بنتا ہے اور ریشم کے کیڑے کے سوائے بننے کے اس میں کوئی دخل نہیں ہے اور وہ اس کے اجزا میں سے نہیں ہے تا کہ حیوانات میں شمار ہو جیسے گوشت' کھال' اون' پشم' دودھ اور گھی اور اگرچہ شہد کا حکم بھی یہی ہے لیکن شہد کی مکھی اسے غذا کے لیے مہیا کرتی ہے تو اس کا حیوانی ہونا نباتی ہونے سے غالب ہے اور یہاں سے جنتیوں کی وہ نعمتیں ذکر ہو رہی ہیں کہ جن میں معدن کا نفس کلیہ خادم اور مسخر ہو کر مہیا کرے گا۔

وَيُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ اور ان کی خدمت میں بار بار لائے جاتے ہیں برتن۔ مِنْ فِضَّةٍ چاندی سے۔ ان کے وضو' استنجا اور غسل کے پانی کے برتن نکالنے پر صبر کرنے کے بدلے کہ دنیا میں ہمیشہ پاک رہنے اور نجاستوں میں ملوث ہونے سے دور رہنے کے لیے کرتے تھے اور اگر وضو اور غسل کا برتن کچھ مستعمل ہو جاتا تو احتیاط کے طور پر اس کی تجدید

اور تبدیلی کرتے اور اس مناسبت سے انہیں گلی کوچوں میں گھومنا پھرنا لازم آتا۔

وَاَکْوَابٍ اور ٹونٹی اور دستے کے بغیر آبخورے ان کے مٹی کے بازاری آبخوروں پر صبر کرنے کے عوض جو کہ گرمیوں کے روزوں کے افطار کا پانی اور شربت ٹھنڈا کرنے کے لیے باربار استعمال کرتے تھے لیکن انہیں جنت میں ایسے آبخورے دیئے جائیں گے جو کہ ہلکے پن' نزاکت اور صاف شفاف ہونے میں

کَانَتْ قَوَارِیْرًا شیشہ ہو چکے ہوں گے کہ ان کے باہر سے ان کے اندر کی چیز نظر آتی ہے لیکن وہ اصل میں شیشہ نہیں ہیں بلکہ قَوَارِیْرَ مِنْ فِضَّةٍ مصنوعی شیشے ہیں جو کہ چاندی سے بنائے گئے ہیں تا کہ سفیدی اور چمک دَمک چاندی کی ہو اور صفائی اور ہلکا پن شیشے کا اور ان کے برتن چاندی سے اس لیے بنائے گئے کہ انہیں وضو کے برتنوں کے عوض دیئے جاتے ہیں اور وضو کا پانی ان کے اعضاء میں سفیدی' چمک اور نورانیت پیدا کرے گا جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ ان امتی یاتون یوم القیامة غرالمحجلین من آثار الوضوء یعنی میرے اُمتی قیامت کے دن اس صورت میں آئیں گے کہ ان کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے تو جو برتن انہیں وضو کے برتنوں کے عوض دیئے جائیں گے وہ بھی سفید اور روشن ہوں گے' چاندی سے نہ کہ سونے سے۔ نیز پانی اور شربت پینا جس قدر سفید برتن میں پُر رونق ہوتا ہے اس قدر سونے کے برتن میں رونق پذیر نہیں ہوتا اور سونے کا رنگ زرد ہے اور چاندی کا رنگ سفید اور زرد روئی شرمندگی کا نشان اور سفید روئی بامراد ہونے کی علامت ہے اور دنیا میں چاندی کی بہ نسبت سونا اس لیے نفیس ہے کہ دنیا میں سونے کی کانیں کم پائی جاتی ہیں اور چاندی کی کانیں زیادہ ہیں اور نزاکت کمیابی کی جنس نہیں ہے تا کہ اس وجہ سے سونے کی قیمت بڑھ جائے اور نفیس ہو جائے۔ اور ان کے آبخوروں کو بھی وہاں چاندی سے بیان فرمایا ہے اس لیے کہ ان آبخوروں میں انہیں قوی نشے والی شراب پلانا منظور ہے جیسا کہ آگے آتا ہے اور جامع بغدادی میں لکھا ہے کہ چاندی کا عمل قوت اور فرحت دینے میں یاقوت کے عمل کے قریب ہوتا ہے اور جب شراب چاندی کے برتن میں ڈالی جائے' بہت جلد نشہ دیتی ہے اور اس کا نشہ انتہائی لذیذ

ہوتا ہے اور جہاں شراب پلانا منظور نہیں ہے' وہاں سونے کے آبخورے بیان فرمائے گئے ہیں جیسا کہ سورۂ زخرف میں فرمایا ہے یُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ اور چونکہ جو آبخورے خدام تیار کر کے لاتے ہیں' ان میں ایک عیب ہوتا ہے کہ کبھی ضرورت اور رغبت کی مقدار سے کم ہوتے ہیں اور کبھی زیادہ اس عیب کو دُور کرنے کے لیے فرمایا جارہا ہے۔

قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ان آبخوروں کو ارواح معاون کے کاری گروں نے اندازہ کر کے بنایا ہے' اچھی طرح احتیاط کے ساتھ اندازہ کرنے کے ساتھ اس لیے کہ یہ آبخورے انہیں افطاری کے پانی اور شربت کے آبخوروں کے عوض عطا ہوئے اور اس وقت شدید رغبت کے باوجود اسراف سے احتیاط کرتے تھے اور اعتدال کی راہ چلتے تھے۔ پس ان کے ساتھ بھی اعتدال کا معاملہ واقع ہوگا بلکہ وہ وضو کے برتنوں میں بھی اعتدال کی رعایت کرتے تھے اور اچھی طرح وضو کرنے کی مد میں کمی بیشی نہیں کرتے تھے۔ پس ان برتنوں میں بھی اعتدال کی رعایت کی جائے گی۔

وَيُسْقَوْنَ فِيْهَا اور انہیں ان شیشہ صفت چاندی کے برتنوں میں پلائی جائے گی۔ کأسا ایک شراب اور عرب کے استعمال میں کاس بمعنی شراب کثرت سے آتا ہے اگرچہ اصل میں پیالے کا نام ہے۔

كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی جو کہ شراب کے خوش ذائقہ ہونے کا موجب ہوتی ہے اور اس کے اثر سے شراب کا ذائقہ اور بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور یہ نشے کی نزاکت اور تقویت کا باعث ہوتا ہے اور بدن میں ایک حرارت پیدا کرتا ہے اور یہ آمیزش اس لیے ہے کہ ان پر شوقِ دیدار کا غلبہ ہو اور غلبۂ شوق کی وجہ اس نعمت کی پیاس بڑھے اور جب انہیں وہ نعمت نصیب ہو تو پوری لذت حاصل کرے کہ جو چیز شوق اور طلب کے بعد ہاتھ آئے' زیادہ لذیذ ہوتی ہے لیکن زنجبیل یہ دنیا کی زنجبیل نہیں ہے جس کی تاثیر آدمی کے صرف ظاہری بدن میں ہوتی ہے بلکہ زنجبیل سے ہماری مراد ہے۔

عَيْنًا فِيْهَا جنت میں ایک چشمہ ہے کہ تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا جس کا نام سلسبیل ہے اور اس کا یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کہ اصل میں وہ چشمہ مقربین احوال کے لیے ہے جبکہ مقربین اعمال کے لیے اس سے آمیزش کے اندازے کے مطابق دیا جاتا ہے اور مقربین احوال پر شوق ہمیشہ غالب ہوتا ہے اور کسی حال یا مقام پر ٹھہرنا ہرگز گوارا نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ ترقی کے طالب ہوتے ہیں اور ان کی زبان حال ہمیشہ اس ترانے سے معمور ہے کہ سَلْ سَبِيْلًا کہ اپنے معشوق کا راستہ پوچھ۔ پس اس چشمے کو اسی نام کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا تاکہ اس بات کا اشارہ ہو کہ جس نے اس چشمے کا پانی ایک بار پیا' اسے ہمیشہ راستہ ڈھونڈنے کی طلب نصیب ہو جاتی ہے جس طرح کہ کوہِ شیراز کو اللہ اکبر کہتے ہیں کہ اس کے اوپر جو بھی چڑھے اس کی بلندی دیکھ کر یہ کلمہ زبان پر لاتا ہے۔

اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ سلسبیل' سلامت سے مشتق ہے۔ کہا جاتا ہے ماء سلس وسلسل وسلسال وسلسبیل یعنی وہ پانی جو کہ حلق اور حلقوم سے آسانی سے اُتر جائے۔ پس اس صورت میں مبالغہ کے لیے با اور یا زائد ہوں گے اور اس زیادتی کی وجہ سے کلمہ خماسی ہو گیا لیکن اس وجہ میں ایک خدشہ ہے اس لیے ان کے نزدیک با حروف زیارت میں سے نہیں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ اس تفسیر پر تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا کا لفظ ایک وہم دُور کرنے کے لیے ہے جو کہ زنجبیل کے ذکر کرنے سے پیدا ہوتا ہے یعنی یہ کہ جب شراب میں زنجبیل کی آمیزش ہو تو گلے میں سوزش کرتا ہے اور سہولت سے حلق سے نیچے نہیں اُترتا اس وہم کو دُور کرنے کے لیے فرمایا کہ وہ زنجبیل اس زنجبیل کے فائدے رکھتا ہے' سوزش نہیں رکھتا بلکہ اس کے چشمے کا نام ہی ایسا ہے جو کہ جلن اور سوزش کے منافی ہے۔

اور جب معدن کی روح اور معدنیات کے موکل فرشتوں کی خدمت کے بیان سے جو کہ معدنیات کے موکل ہیں' کے بیان سے جو کہ وہ جنتیوں کی کریں گے' فراغت ہوئی اب ان نعمتوں کا بیان شروع ہو رہا ہے جو کہ ارواح کو کبیہ فلکیہ کی تسخیر اور ان سے خدمت لینے کی وجہ سے جنتیوں کو نصیب ہوں گی اور اس تسخیر کی صورت یہ ہے کہ جب ستاروں کی

ارواح ان کے جسموں سے جدا ہوں گی' قوی تاثیر رکھنے والے ستاروں کی ارواح جو کہ وسیع نفوس اور محیط و وافر خیالی قوتیں رکھتی ہیں' جنتیوں کی ارواح سے مل کر ان کی عقل' خیال' حرکات اور اعمال میں امداد کریں گی جبکہ کمزور تاثیر رکھنے والے ستاروں کی ارواح ان جنتیوں کی خدمت کے لیے وہ جو کہ انسانی جسموں سے نشوونما کی عمر کے اوائل میں ہوتا ہے اور حرکات کی تیزی' کپڑوں کی دلکشی' دلفریبی' سادگی' حسن و جمال اور رنگ کی تازگی جو کہ اس عمر میں زیادہ ہوتی ہے' پہن کر حاضر ہوں گی تاکہ جنسی طور پر ہم شکل ہونے کی وجہ سے ان کی خدمت کے ساتھ ایک خاص انس پیدا کریں۔

وَيَطُوْفُ عَلَيْهِمْ اور ان کے پاس گردش اور آمدورفت کرتے ہیں' خدمت کے لیے اور پانی کے برتن اور شراب کے جام لانے اور لے جانے کے لیے وِلْدَانٌ خوبصورت بچے مُّخَلَّدُوْنَ جو کہ ہمیشہ بچپنے کی حالت میں رہنے والے ہیں۔ جوان اور بوڑھے نہیں ہوتے۔ اور ان کا حسن و جمال جوانی کی سختی اور بڑھاپے کی کمزوری کی وجہ سے بدلتا نہیں اور ان سے دربار کے کاموں میں بھاگنا' جلد واپس آنا اور خوش دلی کے ساتھ خدمت میں مصروف رہنا ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ اس لیے کہ ان کے جسموں کی مدبر کواکب کی ارواح ہیں جنہیں بدن میں نور و ضیاء کی کثرت' فہم و فراست اور بے انتہا گردش کی قوت' کھانے پینے کی بے احتیاجی' بول و براز اور دوسرے حیوانی فضلات سے پاکیزگی' جسم کی پھٹنے' چرنے اور اجزا کے ضائع ہونے' پرانا ہونے اور عنصریہ خصوصاً حیوانیہ مزاجوں کی دوسری آفات سے حفاظت کرنے کے ساتھ ایک حالت کو قائم رکھنے کی مہارت ہے۔

اِذَا رَاَيْتَهُمْ جب تو ان نوعمر بچوں کو دیکھے کہ اس حسن و جمال اور اس نزاکت نیز صفائی اور رنگ کی چمک دمک کے باوجود ایک جاتا ہے اور دوسرا آتا ہے' ایک کسی خدمت کے لیے ایک طرف کھڑا ہے اور دوسرا کسی اور خدمت کے لیے دوسری طرف کھڑا ہے اور ہر ایک کی شعاع دوسرے کے چہرے میں منعکس ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے سامنے رکھے ہوئے شیشوں کا تماشہ معلوم ہوتا ہے۔

حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنْثُوْرًا تو ان بچوں کو گمان کرے مروارید کے بکھرے ہوئے دانے کہ بعض کی شعاع بعض میں منعکس ہونے کی وجہ سے ان کی چمک کی کیفیت دوبالا ہوگئی اور نظر نے ہر طرف سے لذت اُٹھائی۔ بخلاف مروارید کے ان دانوں کے جو کہ دھاگے میں پروئے گئے ہوں کہ ان کی کیفیت یوں نہیں ہوتی اور حکمت کا قاعدہ ہے کہ جب لذت کی تجدید منظور ہو تو ہر قوت کے مدرکات کو منتشر اور متفرق کرنا چاہیے تاکہ بار بار حس مشترک پر وارد ہوں اور اس کے واسطے سے نفس ہر لحظہ نیا ادراک حاصل کرے اور لذت اُٹھائے اور جب لذت کی ہمیشگی مقصود ہو تو ہر قوت کے لذیذ مدرکات کو مجتمع اور منظم کرنا چاہیے تاکہ ان کی صورت اور معنی کو قوتِ خیال اور حافظہ اپنے اندر جگہ دے کر بار بار نفس پر پیش کر دیں اور اسے وہ لذت یاد کرائیں اور یہاں تجدید لذت پیش نظر ہے نہ کہ اس کی ہمیشگی۔

وَإِذَا رَأَيْتَ ثَمَّ اور اگر تو اس جگہ کو دیکھے کہ وہاں چشمہ سلسبیل ہے اور اس کے مالک جو کہ مقربین احوال ہیں، درجہ بدرجہ بیٹھے ہیں۔ رَأَيْتَ نَعِيْمًا تو ایسی نعمت دیکھے جو کہ بیان میں نہیں آتی اور مقربین اعمال کی سب نعمتوں سے بالاتر ہے کہ اس کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے۔

وَّمُلْكًا كَبِيْرًا اور عمدہ بادشاہی کو دیکھے اس لیے کہ وہ لوگ ابرار اور مقربین اعمال پر حاکم بھی ہیں اور اپنے چشمے سے بلاواسطہ یا بالواسطہ انہیں آمیزش عطا کرتے ہیں حالانکہ مقربین اعمال اور ابرار بھی استحقاقی طور پر حکومت مطلقہ اور خلافتِ کبریٰ رکھتے ہیں کہ معدنیات، نباتات، کواکب اور فرشتوں کی کئی اقسام سب کے سب ان کے خدام اور فرماں بردار ہیں۔ پس ابرار اور مقربین اعمال کا حکم مختلف ریاستوں کے بادشاہوں کی طرح ہے جبکہ مقربین احوال کا حکم ہفت اقلیم کے شہنشاہوں کی طرح ہے اور انہیں یہ مرتبہ اسمائے الٰہی کے تخلق اور ان کے ساتھ تحقق کی وجہ سے حاصل ہوا کہ اسمائے الٰہیہ ان کی صفات بن گئے بلکہ لباس کی صورت میں ان پر ظاہر ہوئے کہ

عٰلِيَهُمْ ان کے اوپر کہ دوسرے کپڑوں پر دو باری خلعت کی طرح پہنے ہوں گے۔

ثِیَابُ سُنْدُسٍ چمکتے دَمکتے نازک ریشمی کپڑے ہیں کہ لَطیفۃ الظھور اسماء ان خلعتوں کی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔ خُضْرٌ سبز رنگ تا کہ ان کی زندگی کے سرسبز ہونے پر دلالت کریں۔ وَاِسْتَبْرَقٌ اور چمکتے دَمکتے ریشمی کپڑے ہیں کہ مکمل ظہور والے اسماء نے ان خلعتوں کی صورت میں جلوہ گری فرمائی۔

وَحُلُّوْٓا اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ اور انہیں جنتی چاندی سے کنگنوں کا زیور پہنایا جائے گا کہ وہاں تمام معدنیات سے افضل ہے تا کہ ان کی خداتعالیٰ سے دوستی کی طبیعت کے تقاضوں، وہم اور دوسری کدورتوں کے امتزاج سے صاف ہونے پر دلالت کرے۔

وَسَقَاھُمْ رَبُّھُمْ اور انہیں حق تعالیٰ بذات پاک خود بچوں، غلمان اور فرشتوں کے واسطے کے بغیر اپنے دستِ قدرت سے پلائے گا۔ شَرَابًا طَھُوْرًا ایسی شراب جو کہ ظاہر و باطن کو اس طرح پاک کرنے والی ہے کہ نفس کا کوئی اثر باقی نہیں رہنے دیتی کہ کسی طرف سے ظاہر ہو جائے۔

اور حدیث پاک میں ہے کہ جنتیوں میں سے سب سے کم مرتبے والے کو ایک ہزار سال کی راہ کی بادشاہی عطا فرمائیں گے اور وہ اپنی ساری مملکت میں جو کچھ لشکر، خدام اور ناز و نعمت کے اسباب و آلات سے ہے سب کو اپنی جگہ سے دیکھے گا اور وہ اپنی مملکت کی آخری حد کو یوں دیکھے گا جیسے پہلے حصے کو دیکھ رہا ہے اور فرشتوں اور دوسری مخلوقات میں سے کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر اس کی حدود مملکت میں داخل نہیں ہو سکے گا، وہ دل میں جو سوچے گا، وہی واقع ہوگا۔

نیز حدیث شریف میں واقع ہے کہ جب جنتی کھانے پینے، قسم قسم کے میووں اور مختلف قسم کی شراب سے فارغ ہوگا، اسے دربار حضرت رب العالمین سے آخری جام عطا فرمایا جائے گا کہ وہ شراب طہور ہے اور اس کے استعمال کے ساتھ ہی تمام کھائی پی گئی چیزیں پسینہ ہو کر باہر آ جائیں گی اور اس پسینے کی خوشبو تیز کستوری کی خوشبو ہوگی اور اس کا پیٹ پھر لاغر ہو جائے گا اور کھانے پینے کی خواہش پیدا ہوگی اور ان قسم قسم کی نعمتوں کے باوجود ان سب کے علاوہ ایک اور نعمت ہے کہ جنتیوں کو حق تعالیٰ کی طرف سے پیغام

پہنچائیں گے کہ

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً تحقیق یہ تمام انعامات تمہارے اعمال کی جزا کے لیے ہوئے ہیں کہ تم اس کے مستحق ہوئے ہو اس قبیل سے نہیں ہے کہ استحقاق کے بغیر صرف فضل کرتے ہوئے بے حساب عطا کی گئی ہو۔

وَكَانَ سَعْيُكُمْ اور تمہاری کوشش محبتِ الٰہی' اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ تخلق' علائق دنیوی سے صبر اور اس کی راہ کے احوال اور مقامات میں مَشْكُوْرًا مقبول ہوئی کہ تم سے ایک کو ہزار کے ساتھ لیا گیا اور عظیم قبولیت حاصل ہوئی۔ تو یہ پیغام سنتے ہی ان کی مسرتیں اور زیادہ ہوں گی اور ان نعمتوں کی لذتیں کئی گنا بڑھ جائیں گی' اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم سے عطا فرمائے۔

جنتی مشروبات کی تفصیل

یہاں جاننا چاہیے کہ جنت کی پینے کی چیزیں قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ذکر کے مطابق اس تفصیل کے ساتھ ہیں کہ نہر کوثر جنت میں خاص رسالت پناہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیمات کے لیے ہے اور اس کا ذکر سورۂ کوثر میں آئے گا اور چار اور نہریں متقین کے لیے ہیں۔ پانی' شہد' دودھ اور شراب کی نہریں جن کا سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں ذکر ہے اور دو چشمے مقربین میں سے خوف والوں پر جاری ہیں جن کا ذکر سورۃ رحمٰن میں ہے فِيْهِمَا عَيْنٰنِ تَجْرِيٰنِ اور دو اور چشمے اصحاب یمین میں سے خوف والوں کے لیے جاری ہیں' ان کا ذکر بھی مذکورہ سورۃ میں ہے کہ فِيْهِمَا عَيْنٰنِ نَضَّاخَتٰنِ اور رحیق مختوم کی شراب ہے جس کا سورۃ المطففین میں ابرار کے لیے وعدہ فرمایا گیا ہے اور تسنیم کا چشمہ جس کی ابرار کے رحیق مختوم میں آمیزش ہوگی' مقربین کے لیے ہے اس کا ذکر بھی اسی سورۃ میں ہے اور کافور کا چشمہ جو کہ اس سورۃ میں عباد اللہ کے لیے مقرر ہے اور ابرار کو اس کی آمیزش سے ہلاتے ہیں اور اکثر مفسرین کے نزدیک جنت میں ہے اگرچہ دنیا میں بھی اہل کمال کو اس سے معنوی حصہ عطا فرمایا جاتا ہے اور زنجبیل کا بھی جسے سلسبیل کہتے ہیں' آمیزش عباد اللہ کے لیے وعدہ کیا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس چشمے کی

اصل اہلِ بیت نبوی علیہم السلام اور ان کے متوسلین کے لئے ہے جو کہ مقربین احوال ہیں اور شراب طہور کا بھی ان کے لیے وعدہ ہے۔

اور محققین نے کہا ہے کہ وہ محض شہود کا شربت ہے جسے پینے کے بعد غیریت اور امکان کی آلودگیاں بالکل نہیں رہتیں اور اس کے بدن کے وجود کی آلائشوں کو بالکل پاک کر کے وجودِ قدسی کی سرحد تک پہنچاتا ہے اور حق یہ ہے کہ اس شراب کو چکھے بغیر اس کی حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی۔ مصرع

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نہ چشی

مطالب سورۃ کا خلاصہ

فائدہ: سورۃ کی ابتدا سے لے کر یہاں تک عمدہ مطالب بیان کیے گئے۔ اس وجہ سے کہ ان مطالب سے غفلت واقع نہ ہو' اجمالی طور پر ان کا پتہ پھر دیا جاتا ہے۔ پہلا مطلب یہ ہے کہ انسان کو عدم محض کے بعد پیدا فرمایا گیا ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ انسانی افراد کو موالید ثلاثہ (حیوانات' نباتات' جمادات) کے نچوڑے مخلوط نطفہ سے پیدا کیا گیا ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ دوسری مخلوقات کے خلاف آدمی کی پیدائش ذمہ داری' امتحان اور آزمائش کا بوجھ برداشت کرنے کے لیے ہے۔ چوتھا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ذمہ داری' امتحان اور آزمائش کے مسئلہ میں جو کچھ ضروری تھا' اسے عطا فرمایا گیا ہے بلکہ سلوک کی راہ کا پتہ اور بیان اس طرح فرمایا گیا کہ اس کا کوئی عذر باقی نہ رہا۔ پانچواں مطلب یہ ہے کہ انسان کے کام کا انجام دو حالتیں ہیں۔ شکر یا ناشکری۔ چھٹا مطلب یہ ہے کہ شکر ادا کرنے والے شکر کی ادائیگی کے درجات میں مختلف اور جدا جدا ہیں اور قسم قسم کے کمالات رکھتے ہیں اور ان درجات والوں میں سے ہر ایک کی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب و مقام میں ایک حد ہے جو کہ اس کی جزا کے اندازے سے ظاہر ہے اور اللہ تعالیٰ کو انسانی پیدائش اور اس کے امتحان و آزمائش کے معاملہ سے منظور کمالات کا ظہور اور بیان ہے۔ ان ساتوں مطالب کو مدنظر رکھنا چاہیے کیونکہ قرآن پاک کا اکثر حصہ انہیں مطالب کی شرح اور تفصیل ہے۔

اور جب مطالب میں گہری غور وفکر کی جائے تو مبدء و معاد اور ان کے درمیان کا مقام جو کہ شریعت اور دین سے عبارت ہے کے مسائل منکشف اور ظاہر ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

مفسرین نے ذکر کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان جنتی نعمتوں کا ذکر فرماتے جو قرآن مجید میں نازل ہوتیں اور وہ آیات لوگوں کے سامنے تلاوت فرماتے۔ کفار سُن کر ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس شخص کو ناز و نعمت اور عیش پرستی کی رغبت پیدا ہوگئی ہے کہ بار بار ان لذیذ چیزوں کا ذکر کرتا ہے اور لوگوں کو ان وعدہ شدہ لذیذ چیزوں کی امید دِلا کر (معاذ اللہ) فریب دیتا ہے اور انہیں ان کے دین و آئین سے برگشتہ کر دیتا ہے۔ آیئے تا کہ ہم اسے ان لذیذ چیزوں کی طمع دیں۔ ہوسکتا ہے کہ وہ ہمارے دین اور آئین کو دگرگوں کرنے سے باز آئے اور اپنا مقصد پالے۔ قریشی سرداروں میں سے دو آدمی عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس اور ولید بن مغیرہ مخزومی اس کام کے لئے منتخب ہو کر بارگاہِ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر آئے اور کہنے لگے کہ ہماری آپ سے قریبی رشتہ داری ہے اور ہمارا اور آپ کا گوشت پوست اس طرح متحد ہے کہ جدائی نہیں اگر آپ کو خوبرو عورتوں دنیوی نعمتوں یعنی لذیذ کھانوں' قیمتی لباسوں' مروارید' چاندی اور خدمت کے لیے نوعمر خوبصورت بچوں کا شوق' دل میں جاگزیں ہے جن کا آپ بار بار ذکر کرتے ہیں تو خدارا آپ بلا تکلف اشارہ فرمائیں۔

عتبہ نے کہا کہ میری ایک لڑکی ہے جس کے حسن و جمال کی اس شہر میں کوئی عورت نہ ہوگی' میں اسے بے پناہ جہیز اور بے شمار سامان کے ساتھ آپ کے نکاح میں دیتا ہوں اور ولید نے کہا کہ آپ کو میری مال داری معلوم ہے کہ مکہ سے طائف تک تمام باغات' کھیتیاں اور مویشی میرے ہیں اور تازہ بات یہ ہے کہ میں نے مروارید کی تجارت شروع کی ہے اور غوطہ خوروں کو نوکر رکھ لیا ہے جو کہ سمندر سے قیمتی مروارید نکالتے ہیں اور میں شام اور مصر بھیجتا ہوں اور اس سے بے تحاشہ نفع کماتا ہوں' میں اپنا نصف مال اور مروارید آپ کی ملک کرتا ہوں بشرطیکہ آپ بت پرستی سے نہ روکیں اور ہر محفل میں ہمارے بتوں

اور ہمارے بزرگوں کی مذمت نہ فرمائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیران ہو گئے کہ انہوں نے آیاتِ قرآنی کی تبلیغ کو کس چیز پر محمول کر کے مجھ سے کیا سوال کیا ہے؟ اگر میں انہیں جھڑکتا ہوں تو رشتے داری کا تعلق درمیان میں ہے اور اس قسم کا بڑا آدمی جو بالمشافہ اپنی لڑکی مجھے دے اگر میں قبول نہیں کرتا تو اپنا قبیلہ طعن و تشنیع کرتا ہے اور اگر قبول کرتا ہوں تو یہ شرط فاسد اور یہ جھوٹی تہمت اس کے ہمراہ ہے اسی حالت میں حضرت جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے اور یہ آیتِ کریمہ لائے کہ

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا تحقیق یہ قرآن خود ہم نے آپ پر آہستہ آہستہ درجہ وار اُتارا ہے تا کہ آپ کو تسلسل اور آہستگی کے ساتھ ملک و ملکوت کے حقائق پر عبور اور ذات و صفات کے حقائق' آخرت کے احوال' کاملین کے درجات اور ان کی اچھی صفات پر اطلاع حاصل ہو اور آپ خود کو ان صفات کے ساتھ متحقق کریں اور وہاں جنتیوں کی لذیذ نعمتوں میں سے جو کچھ مذکور ہے' ہم نے جان بوجھ کر انہیں ذکر فرمایا ہے' آپ کو اس کی تبلیغ میں کوئی عار نہیں کیونکہ آپ اپنے پروردگار کا کلام پہنچا رہے ہیں اور اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے جس سے ان نعمتوں میں آپ کی طمع ثابت ہوا اور بالفرض اگر یہ کفار آپ پر تہمت رکھیں۔

فَاصْبِرْ تو آپ ان کی جفا اور تہمتوں پر صبر کریں۔ لِحُكْمِ رَبِّكَ اپنے پروردگار کے حکم کی فرماں برداری کے لیے۔ اس لیے کہ اس میں طمع و حرص کی تہمت ہو تو بھی اپنے مالک کی فرماں برداری چاہیے۔ بیت

گر طمع خواہد زمن سلطان دیں
خاک برفرق قناعت بعد ازیں

اور جسے اپنے محبوب کی فرماں برداری کا ذوق حاصل ہوا' اسے دشمنوں کی جفا پر صبر کرنا ضروری ہے کہ جس کے دل میں اس کا عشق جگہ پالے اسے ہزاروں کی جفا برداشت کرنا روا ہے خصوصاً اس سورۃ میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے صبر کی جزا سُنی ہے

اور انہیں جو کچھ دنیوی تعلقات منقطع کرنے پر عطا ہوا ہے' معلوم کیا ہے تو آپ بھی صبر کریں۔

وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا اور ان میں سے کسی گناہ گار' ناشکر کی بات تک نہ سُنیں۔ کہتے ہیں کہ آثم سے مراد عتبہ ہے جو کہ فسق اور عیش کوشی کی داد دیتا تھا جبکہ کفور سے مراد ولید ہے جو کہ کفر میں انتہائی شدید تھا' بے شمار نعمتوں کے باوجود جو کہ اسے حاصل تھیں' ہرگز شکر ادا نہیں کرتا تھا۔

اور اپنے آپ سے حرص اور طمع کی تہمت دُور کرنے کے لیے ایک اور کام کریں کہ وہ تہمت بالکل زائل ہو جائے اور ان لوگوں کو پورا یقین ہو جائے کہ یہ شخص دنیا کی طرف قطعاً مائل نہیں ہے' ان لذیذ نعمتوں کا ذکر صرف تبلیغ قرآن پاک کے لیے فرماتا ہے اور وہ عمل یہ ہے کہ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کریں خواہ نماز میں' خواہ تہلیل و تکبیر میں اور ذکر قلبی میں۔ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا صبح و شام اور اس سے مراد ذکر الٰہی پر ہمیشگی کرنا ہے جو کہ دل سے غیر کی محبت منقطع کرتا ہے اور علائق دنیوی کی دل سے نفی کرنے میں ایک تریاق مجرب ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ سیروا سبق المفردون قالوا وما المفردون قال الذین خفف الذکر عنهم اثقالهم یعنی مفردون کی طرح آگے بڑھو۔ عرض کی گئی کہ مفردون کون ہیں؟ فرمایا وہ لوگ جن کے بوجھ ذکر نے ہلکے کر دیے ہیں۔ اور اسی لیے مشائخ طریقت نے اس بات پر اجماع فرمایا ہے کہ راہِ خدا کے سلوک میں جو کہ دنیوی علائق منقطع کرنے اور خطرات کی نفی کرنے پر موقوف ہے' ذکر سے بہتر کوئی عمل نہیں ہے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ اور رات کو اُٹھ کر اپنے پروردگار کے حضور سجدہ کیجیے تاکہ آپ کو اس دربارِ عالی اور رب الارباب کی بارگاہ کا قرب خصوصی حاصل ہو۔ اس لیے کہ دن ہجوم اور مصروفیت کا وقت ہے' غیبت کا حکم رکھتا ہے اور ذکر غائب ہونے کے مناسب نہیں۔ جبکہ رات خلوت اور فرصت کا وقت ہے' سلام اور تعظیم اس وقت کے مناسب ہے۔ گویا مالک کی بارگاہ میں حاضری ہے۔

وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا اور اپنے پروردگار کی طویل رات تک تسبیح کیجیے۔ مراد یہ ہے کہ نمازِ تہجد کے دوران ہر چار رکعت کے بعد راحت کے لیے بیٹھنا چاہیے اور اس میں تسبیح میں مشغول رہنا چاہیے اور نمازِ تہجد کے بعد بھی اسی طریقے سے تسبیح میں مشغول رہنا چاہیے اور ان تسبیحات کو لمبا کر دینا چاہیے اور جب آپ اپنے دن رات کو ان دونوں اعمال سے معمور کریں گے تو یہ لوگ خود بخود آپ کی صحبت چھوڑ جائیں گے اور آپ سے ان کی رشتے داری کا تعلق ختم ہو جائے گا۔ اس لیے کہ وہ لوگ آپ کی دوستی اور رشتے داری کے لائق نہیں ہیں اس لیے کہ قرابت اور دوستی اس لیے منظور ہوتی ہے کہ کسی بامقصد کام میں امداد کریں جبکہ ان لوگوں میں اس کام کی اہلیت ہرگز نہیں ہے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ تحقیق یہ گروہ قریش جو کہ آپ کے قریبی ہیں اور آپ ہمیشہ ان کے درمیان رہے ہیں اور ان کے ساتھ دوستی اور محبت کے تعلقات رہے ہیں۔

يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ دنیوی لذتوں کو پسند کرتے ہیں۔ اور جو چیز کسی کی محبوب ہو اس کا چھوڑنا اس پر دشوار ہوتا ہے۔ خصوصاً جب محبوب کو چھوڑنے کے ساتھ ساتھ ناپسندیدہ بوجھ بھی اٹھانا پڑے جو کہ نفس کا مجاہدہ' ذکر پر ہمیشگی اور شب بیداری ہے۔

وَيَذَرُوْنَ اور چھوڑتے ہیں وَرَآءَهُمْ اپنی پس پشت ڈال کر يَوْمًا ثَقِيْلًا سخت وزنی دن کو اور اس دن کی فکر بالکل نہیں کرتے حالانکہ اس دن کو وہ جتنا پس پشت ڈالتے ہیں' اتنا ہی وہ ان کے پیش پیش آتا ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ ہم نے انہیں پیدا فرمایا ہے جیسا کہ سورۃ کی ابتدا میں فرمایا گیا۔ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ پس ہم ان کی استعداد کے مرتبوں کو جانتے ہیں اور یہ جس چیز کی طرف دلی میلان رکھتے ہیں اور اسے چھوڑنا ان پر دشوار ہے' وہ بھی ہمیں معلوم ہے۔

وَشَدَدْنَا اَسْرَهُمْ اور ہم نے دنیا کی فانی لذتوں اور وہاں کے عیش اور کامرانی کی پسندیدگی کے ساتھ ان کی وابستگی اور پابندی کو سخت کر دیا ہے جیسا کہ سورۃ کی ابتدا میں ہم نے فرمایا ہے اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَ وَاَغْلٰلًا پس ان سے دینِ خداوندی کی

امداد اور آپ کی مصروفیت کو جو کہ ذکر پر ہمیشگی، شب بیداری اور مجاہدۂ نفس ہے، تقویت دینے کی توقع ہرگز نہیں ہے۔

وَاِذَا شِئْنَا اور جب ہم چاہیں گے کہ آپ کے اس قبیلے سے دین کی تائید اور آپ کی مصروفیت کی تقویت اور اعانت کرائیں۔ بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ ہم ان کا بدل لائیں گے اسی قبیلے سے ان لوگوں کو جو کہ حسب و نسب، عالی ہمتی، ذہانت اور زود فہمی میں ان کی مثل ہوں گے۔

تَبْدِيْلًا ظاہری طور پر بدل لانا۔ کہ جسے ہر کوئی دیکھے اور سمجھے گا۔ چنانچہ اسی طرح واقع ہوا۔ حضرت حذیفہ بن عتبہ رضی اللہ عنہ کو عتبہ کا بدل لایا گیا اور آپ پہلے مہاجرین میں سے ہوئے ہیں اور زہد، پرہیزگاری، تقویٰ اور مجاہدۂ نفس میں اللہ تعالیٰ کی آیات میں سے ایک آیت تھے جبکہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ولید بن مغیرہ کا بدل لایا گیا کہ بے شمار فتوحات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ عالیہ میں بھی اور آپ کے وصال مبارک کے بعد بھی آپ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئیں یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو سیف من سیوف اللہ کا لقب عطا فرمایا اور حضرت عکرمہ بن ابوجہل رضی اللہ عنہ کو ابوجہل کا بدل لایا گیا جو کہ ظاہر و باطن دونوں جہادوں میں بے مثل اور لاجواب تھے اور حضور علیہ السلام کو خواب میں بشارت دی گئی کہ ان کے لیے جنت میں انگور کے گچھے تیار ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اسی قبیلۂ قریش سے وہ جوان پیدا کیے گئے جنہوں نے دین کا ہر کام سرانجام دیا اور وہ تلوار اور نیزے کی ضرب سے، محبت اور برہان کے بیان سے اور وعظ و نصیحت سے دوسروں کو دینِ اسلام کی راہ پر لائے اور انہوں نے دنیا کو ظاہر و باطن کے انوار سے منور کیا۔

اور وہ جو سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آخر میں مذکور ہے کہ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَايَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ تو اس سے مراد یہ ہے کہ اے کافرو! وہ سرکشی، کفر و عناد اور بات نہ سننے میں تمہاری طرح نہیں ہوں گے اور جو مماثلت یہاں مذکور ہے اس سے مراد نسب و حسب، اچھے اخلاق، دلیری، پختہ عزم اور روشن ذہن کی

مماثلت ہے جو کہ اس قبیلے کے ساتھ مخصوص تھی۔ پس ایک دوسرے کے منافی ہونے کا وہم بے جا ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تحقیق یہ قرآنی آیات تَذْكِرَةٌ پند و نصیحت ہے کہ ان آیات میں قربِ الٰہی کے فوائد اور اس دربارِ عالی سے دُوری کے نقصانات ذکر کیے جاتے ہیں۔ شادی کا کھانا اور برادری کا سلوک نہیں ہے کہ اپنے قبیلے سے ہر کسی کو اس سے حصہ دیا جائے' پند و نصیحت کی تقسیم اور ہدایت وارشاد میں صلاحیتوں اور رغبتوں کی رعایت کی جاتی ہے۔

فَمَنْ شَآءَ تو جو چاہے دُور ونزدیک سے اور قریبیوں اور اجنبیوں سے اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا اپنے پروردگار کی طرف ایک راستہ اختیار کرے کہ اس راہ سے اس دربارِ عالی تک رسائی حاصل ہو جائے خواہ ابرار کا راستہ ہو یا اللہ تعالیٰ کے بندوں کا جو کہ مقربین ہیں۔

وَمَا تَشَآءُوْنَ اور تم ازخود اس راہ پر چلنا نہیں چاہتے۔ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ مگر اس وقت جبکہ خدا تعالیٰ کی مشیت حاصل ہو۔ اس لیے کہ تمہاری چاہت اس کی مشیت کے تابع ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر کسی کے حق میں نہیں چاہا ہے کہ اس راہ کے سلوک کی خواہش کرے اس لیے کہ

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا تحقیق اللہ تعالیٰ باحکمت' دانا ہے۔ اگر بے صلاحیت لوگوں کو بھی جبراً چاہتے ہوئے یہ راستہ عطا فرمائے' امتحان اور آزمائش کی حکمت دگرگوں ہو جائے اس لیے کہ مجبوری اور بے اختیاری میں امتحان اور آزمائش نہیں ہے' امتحان اور آزمائش کے لیے اختیار ضروری ہے اور اس کے باوجود اس کارخانے کو بے کار نہیں چھوڑتا اور باصلاحیت لوگوں کو امدادِ غیبی سے محروم نہیں فرماتا بلکہ

يُدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ جسے چاہتا ہے اور اس راہ کے سلوک کا مستحق سمجھتا ہے' اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے۔ پس اسے اس راہ کے سلوک کی توفیق عطا فرماتا ہے اور غیب سے ہر لحہ اسے الہام اور بشارت پہنچاتا ہے تاکہ اس کی خواہش قوی ہو اور سلوک پورا کرے اور قرب اور وصول کی حد کو پہنچ جائے۔

وَالظّٰلِمِیْنَ اور ظالموں کو جو کہ ہدایت و ارشاد کی نعمت کا حق ضائع کرتے ہیں اور اپنے منعم کا شکر بجا نہیں لاتے۔ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ان کے لیے ایک دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے تا کہ رحمت و غضب کے دونوں پروگرام انجام پذیر ہوں اور جنت اور جہنم دونوں کارخانے آباد ہوں اور آدمی کو پیدا کرنے کا جو مقصد تھا' پورا ہو۔

سورۂ مرسلات

مکی ہے اور اس کی پچاس (۵۰) آیات ہیں۔

سورۃ دہر کے ساتھ رابطے کی وجہ

اور اس سورۃ کی سورۃ دہر سے رابطے کی وجہ یہ ہے کہ سورۃ دہر کی ابتدا میں کافروں کو شدید وعید فرمائی گئی ہے کہ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا اور اس کے آخر میں بھی ظالموں کے لیے دردناک عذاب کا وعدہ فرمایا گیا اس وعدے کے سچے ہونے میں کفار اور ظالم شک کرتے تھے اس لیے کہ یہ دنیا میں واقع نہیں ہوتا اور برزخ کو کوئی دیکھ کر نہیں آیا تاکہ اس سے تحقیق کی جائے۔ حق تعالیٰ نے اس سورۃ میں اس وعدے کو قسم کے ساتھ پکا کر کے ارشاد فرمایا کہ اس کے وقوع کا وقت یوم الفصل ہے نہ کہ دنیا اور برزخ

اور اس سورۃ کے اور اس سورۃ کے مختلف مضامین بھی باہمی مناسبت اور یک جہتی رکھتے ہیں اس سورۃ کی ابتدا میں آدمی کی پیدائش اس عبارت کے ساتھ ارشاد فرمائی گئی کہ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا جبکہ اس سورۃ میں اس عبارت کے ساتھ اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ الخ اور اس سورۃ میں ابرار اور مقربین جن کا لقب عباد اللہ ہے کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّلَا زَمْهَرِيْرًا وَّدَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا جبکہ اس سورۃ میں متقین کے حق میں ارشاد ہوا کہ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ اور اس سورۃ میں قیامت کے دن کے بارے

میں ارشاد ہوا کہ یَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِیْرًا - وَیَذَرُوْنَ وَرَآءَ هُمْ یَوْمًا ثَقِیْلًا جبکہ اس سورۃ میں اس دن کے بارے میں یوں فرمایا گیا ہے کہ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ لِیَوْمِ الْفَصْلِ وَمَا اَدْرَاكَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ - وَهٰذَا یَوْمُ لَایَنْطِقُوْنَ - وَهٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنَاكُمْ وَالْاَوَّلِیْنَ پس اس سورۃ میں اس دن کے ثقل اور ترش روئی کی شرح ہے جو کہ اس سورۃ میں مجمل تھی۔ پس اس اعتبار سے یہ سورۃ شرح کا حکم رکھتی ہے جبکہ وہ سورۃ متن کا حکم رکھتی ہے اور قال اقول کی ترتیب میں متن کو شرح پر مقدم رکھتے ہیں اور متن کے کلام کے پیچھے شرح کا کلام لکھتے ہیں۔

سورۂ مرسلات کی وجہ تسمیہ

اور اس سورۃ کو سورۂ مرسلات اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سورۃ کی ابتدا میں ہوا کے پانچ کاموں کی قسم اُٹھائی گئی ہے کہ ان میں سے ہر کام احسان کے انتقام کے ساتھ بدلنے کا سبب ہے۔ پس بندوں کے بارے میں معاملۂ الٰہی کے انقلاب کی دلیل ہوگی کہ پرورش، رحمت اور احسان سے پھر جائے اور تخریب، ہلاک کرنے، انتقام لینے اور غضب کرنے میں مصروف ہو اور جس کام کو پہلے ذکر فرمایا گیا ہے اور اسے مرسلات کے ساتھ تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ان پانچوں کاموں میں سے عوام کے فریب اور دھوکہ کھانے کا زیادہ تر باعث ہوتا ہے اور وہ اسے خیر محض سمجھتے ہیں اور اس بات کا وہم ہرگز نہیں کرتے کہ یہ کام خرابی اور بُرائی پر انجام پذیر ہو۔ اور جب لوگوں کے ذہنوں میں افعال الٰہی کو جو کہ جہان کے ایک حال سے دوسرے حال میں منقلب ہونے کے باعث ہوتے ہیں ہواؤں کے ساتھ پوری مشابہت ہے اور اسی لیے کہتے ہیں کہ اس گردش میں دنیا کی ہوا دگرگوں ہے اور ٹھہریئے تاکہ ہوا صاف ہو جائے اور اس وقت کی ہوا کو فلاں دیکھتا ہے تو ناچار ہواؤں کے مختلف افعال سے استدلال بہت مناسب رہا تاکہ اس سے افعال الٰہی کے اختلاف کا سراغ لگائیں اور وعدۂ انتقام کے واقع ہونے کے منکر نہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی ضعیف ترین مخلوق جو کہ ہوا ہے اس قسم کی تبدیلیاں رکھتی ہے اور عمدہ انقلاب کا موجب

اجمال کی تفصیل

اور اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عناصر اربعہ میں سے ہوا سب سے زیادہ لطیف اور بے رنگ ہے اور اس کی کیفیتیں غالباً اس چیز کے تابع ہیں جس پر سے گزرتی ہے اسی لیے کہا گیا ہے کہ ہوا اسی سے اثر لیتی ہے جس پر سے گزرتی ہے۔ بدبو سے بدبو اور خوشبو سے خوشبو۔ اور یہ بھی اس کے کمالِ لطافت کی وجہ سے ہے۔ بخلاف آگ کے کہ اپنے نفس میں حرارت اور خشکی کی کیفیت غالب رکھتی ہے اور جلاتی اور ہلاک کرتی ہے اور مرکبات کے مزاج کو دگرگوں کر دیتی ہے اور بخلاف پانی اور مٹی کے کہ اپنی کثافت کی وجہ سے دوسری مخلوقات کی کیفیات کو برداشت نہیں کر سکتے اور ان سے حرکت' انتقال اور ایک مخلوق کی کیفیت دوسری مخلوق تک پہنچانا ممکن نہیں ہے اگرچہ پانی مٹی کی بہ نسبت اس امر میں کچھ برتری رکھتا ہے اور ہوا کے ساتھ مشابہت ظاہر کرتا ہے لیکن پھر بھی وہ ہوا کی لطافت اور جلد اثر کرنا نہیں رکھتا۔ اس بناء پر حق تعالیٰ نے اس عنصر کو بعض مخلوقات کی کیفیتیں بعض تک پہنچانے پر مقرر فرمایا ہے اور تین عمدہ قوتوں سمع' بصر اور شامہ کے ساتھ احساس کرنے کا آلہ اسی عنصر یعنی ہوا کو قرار دیا کیونکہ سماعت کا ادراک نہیں ہے مگر آوازیں جبکہ آوازوں کو لاحق ہونے والی کیفیات اور آواز نہیں پائی جا سکتی مگر ہوا کے تموج اور اس کے کان کے سوراخ میں پہنچنے اور اس کیفیت کو کان میں پہنچانے کے ساتھ اور بصر کا ادراک نہیں ہے مگر زیادہ قوی مذہب کے مطابق شعاع نکلنے کے ساتھ۔ جبکہ بے رنگ' لطیف عنصر کے سوا شعاع کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اور یہ عنصر نہیں ہے مگر ہوا۔

اور شم یعنی سونگھنے کی قوت کا ادراک نہیں ہوتا مگر اس ہوا کے پہنچنے کے ساتھ جو کہ بو والی چیز کی کیفیت میں متکیف ہو کر ناک کے اندر پہنچتی ہے اور خود کو سونگھنے کی قوت کے متصل پہنچاتی ہے اور ٹٹولنے کے احساس میں بھی اس کی مدد بہت زیادہ ہے اس لیے کہ چیزوں کی حرارت' ٹھنڈک' رطوبت اور خشکی کو خود اٹھا کر چمڑے کے مسام میں سرایت کرتی ہے۔ پس ہوا دو وجہ کے ساتھ ٹٹولنے میں مدد کرتی ہے۔ پہلی یہ کہ ٹٹولنے والے کی جلد سے دور چیزوں کی حرارت' برودت' رطوبت اور خشکی کا ادراک نہیں ہو سکتا مگر اسی عنصر

کی وجہ سے اور دوسری یہ اندرونی اعضاء کو ان کیفیات پر اطلاع نہیں ہوتی مگر مسام میں ہوا کی سرایت کرنے کے ساتھ اور اس کے علاوہ ہر زندگی والی شے کا سانس لینا اسی عنصر پر موقوف ہے اور یہ عنصر گویا روح ہوائی کی پہلی غذا ہے جس سے زندگی قائم ہے اور اسی لیے کہتے ہیں۔

پاک ہے وہ ذات جس نے خشک گوشت کی اس کی سختی کے باوجود ضرورت پیدا کر دی حالانکہ لوگ اس قسم کی چیزوں کی ضرورت نہیں رکھتے اور ہوا کے سانس ذلیل کیے حالانکہ ہر سانس لینے والا اس کے سانسوں کا محتاج ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ اگر کسی جاندار کو زمین کے نیچے دفن کر دیں یا پانی میں غوطہ دیں اس طریقے سے کہ ہوا نہ پہنچے تو وہ مر جاتا ہے اور اس کا سانس ختم ہو جاتا ہے۔ پس بقائے حیات اور حواس کے ساتھ احساس کے طریقے سے ربوبیتِ الٰہی کا ظہور اسی عنصر میں ہے اور بعض مخلوقات کو بعض دوسری مخلوق کی کیفیات کے ساتھ نفع بخشنا بھی اسی عنصر کا کام ہے۔ پس یہ عنصر اپنی تاثیرات اور افعال میں قدسی غیبی تاثیرات کے ساتھ کمال مشابہت رکھتا ہے اور اس کا انقلاب افعالِ الٰہی کے انقلاب پر واضح دلیل ہے اور اسی لیے اس سورۃ کی ابتدا میں اس کے پانچ کاموں کی قسم اُٹھا کر وعدۂ انقلاب کو ثابت فرمایا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا مجھے ان ہواؤں کی قسم ہے جو کہ مخلوقِ خدا کی بہتری اور نفع کے لیے بھیجی جاتی ہے اور ہوا چلنے کی وجہ سے مخلوقِ خدا کے نفع کی وجوہات اس قدر ظاہر ہیں کہ محتاج بیان نہیں ہیں۔ پہلی وجہ ہر جان دار کا سانس لینا اس سے واقع ہوتا ہے' دوسری وجہ جسم کے اندرونی حصہ میں ٹھنڈک پہنچنا اور کھیتی کے دانہ اور درخت کے میوہ کا بڑھنا' سبزے کی افزائش اور اُگنا اسی کے طفیل ہے' تیسری وجہ بارش کا آنا اسی کی وجہ سے ہے' چوتھی وجہ کشتیوں کا دریائے شور میں تجارت اور دوسری صنعتوں کے لیے جاری ہونا اسی کے ساتھ متعلق ہے' پانچویں وجہ جو کام ہوا چلنے پر موقوف ہیں اسی کے ساتھ صورت پکڑتے ہیں۔

فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا پس ان کی قسم جو کہ چلنے میں تیز ہونے والی ہیں تیز ہونا۔ کہ ان کی وجہ سے عظیم انقلاب رونما ہوتا ہے اور نیکی بدی کے ساتھ بدل جاتی ہے اور کھیتی کے دانے پژمردہ ہو جاتے ہیں اور درختوں کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتی ہے' پھلوں کو بے مزہ کرتی ہے' آدمیوں کے جسموں میں ہوائیں اور بخارات کا غلبہ ہو جاتا ہے' زخم از سر نو تازہ اور صدمہ گویا ابھی پہنچا' بارش بالکل معدوم' کشتیوں کو غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہوگیا' مسافروں کو راستہ طے کرنا دشوار ہوگیا' سبزہ خشک ہوگیا' درختوں کے پتے گر گئے' ننگے بدن کی طرح بے رونق رہ گئے' ہر سبز و سرخ کا رنگ زردی اور سیاہی میں بدل گیا۔

اور چونکہ ابتدا میں ہوا کا چلنا آہستگی کے ساتھ ہوتا ہے کہ اس سے نفع کی توقع ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ وہی ہوا طوفان بن کر خرابی کرتی ہے اس لیے فالعاصفات میں فا کا لفظ لایا گیا ہے۔ گویا نرم چلنے اور تیز چلنے کے دونوں مجموعی کاموں کی قسم فرمائی جا رہی ہے اور ایک حال کے دوسرے حال میں انقلاب کو سمجھایا گیا ہے اور ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ہوا کے نرم چلنے سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے کہ وہ ہوائیں یہ کام بھی کرتی ہیں۔

وَالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا اور مجھے ان ہواؤں کی قسم جو کہ منتشر کرتی ہیں منتشر کرنا۔ اور ہوا کا یہ عمدہ کام ہے کہ ہر چیز سے لطیف اجزا اُٹھا کر اپنے ساتھ اُڑا لے جاتی ہے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتی ہے۔ گویا ہوا ہر مخلوق کے اجزاء کو لوٹنے والی ہے۔ کہ قیمتی جنس کو لوٹ کر لے جاتی ہے اور ایک شہر سے دوسرے شہر پہنچاتی ہے۔ یا بمنزلہ ایک تاجر کے ہے کہ ایک ملک کا سامان خرید کر دوسرے ملک کے سپرد کرتا ہے اور اگر ہوا کا یہ کام درمیان میں نہ ہو تو کوئی مخلوق دوسری مخلوق کے اجزا سے کبھی بہرہ ور نہ ہو اور ایک دوسرے کو کیفیات منتقل نہ کریں اور کیفیات کے جمع کرنے اور جوڑنے' منتقل کرنے اور بدلنے کا پروگرام کہ جسے ہر مخلوق کے اجزائے لطیفہ اُٹھائے ہوئے ہیں' ایجاد کا نقش حاصل نہ کر سکے۔

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا پس کیفیت اور کیفیت والی چیز کے درمیان اور ایک چیز کے لطیف اور کثیف اجزا کے درمیان فرق کرتی ہے' فرق کرنا۔ اور یہی فرق اور جدائی ہے جس کی

وجہ سے کہتے ہیں کہ ہر چیز خشک ہوگئی اور نرم چیز سخت ہوگئی۔ اور دانہ بھس سے صاف ہوگیا اور پانی کی کدورت دُور ہوگئی اور چونکہ فرق کرنا منتشر کرنے پر مرتب ہوتا ہے اس لیے ان دونوں فعلوں درمیان بھی لفظ فالایا گیا تا کہ فرع ہونے اور مرتب ہونے پر دلالت کرے اس لیے کہ فرق اور جدائی ایک مکان میں جمع شدہ اجزا کے منتشر ہونے کی وجہ سے ہے جو چلا گیا وہ اس سے جو باقی رہ گیا' جدا ہوگیا اور متفرق ہوگیا اور ان دونوں فعلوں کو بھی ایک قسم میں لایا گیا اور اس عظیم انقلاب کی طرف اشارہ فرمادیا گیا جو کہ ہر چیز کے اجزا میں ان دونوں فعلوں کے مجموعے سے واقع ہوتا ہے۔

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا پس مجھے ان ہواؤں کی قسم ہے جو کہ ذکر کا القاء کرتی ہے اور ذکر اللہ تعالیٰ کے کلام لفظی کے وجود سے عبارت ہے جسے تلاوت کیا گیا قرآن بھی کہتے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ اسی لفظ کے ساتھ قرآن سے تعبیر کی گئی ہے اور اگرچہ اصل لغت میں ذکر ہر چیز کے لفظی وجود کو کہتے ہیں اور ہوا کو ہر چیز کے وجود لفظی کو پہنچانے میں انفرادیت حاصل ہے اگر ہوا نہ ہو تو کسی چیز کا وجود لفظی دنیا میں صورت پذیر نہ ہو۔ اس لیے کہ لفظ ایک کیفیت ہے جو کہ آواز کو لاحق ہوتی ہے اور آواز ہوا کے کندھوں پر سوار ہو کر کان کے سوراخ تک پہنچتی ہے لیکن کلام اللہ کے لفظی وجود کو پہنچانا ایک عمدہ منصب ہے جو کہ اس ہمیشہ مصروف سفر ایلچی کے ساتھ مخصوص ہے۔ گویا تمام عناصر میں سے یہ عنصر پیغام رسانی کی ڈیوٹی رکھتا ہے کہ کلام اللہ کو ہر شخص کے کان تک پہنچاتا ہے اور اس کے احکام اور خطاب پہلے کان کے سوراخ کے سپرد کرتا ہے اس کے بعد خیال اس کے بعد عقل اور اس کے بعد قلب کو دیتا ہے اور قلب استعداد کے مطابق اس سے اثر قبول کرتا ہے۔ پس یہ عنصر جبریئلی حقیقت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے اور یہیں سے اس بات کا راز واضح ہو جاتا ہے کہ حقیقت جبریئلی کو اس عنصر کے ساتھ کیا مناسبت ہے کہ شرع میں وارد ہوا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام ہواؤں پر مقرر کیے گئے ہیں اور کلام الٰہی کے سامع کے کان میں پہنچنے کی وجہ سے اس کی روح میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہوتا ہے یا خیر کی طرف جاتا ہے اور وہ ابدی سعادت حاصل کرتا ہے یا شر کی طرف جاتا

ہے اور ہمیشہ کا خسارہ حاصل کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا

عُذْرًا یعنی کلامِ الٰہی پہنچانا یا عذر کی بناء پر ہے تا کہ اعمال کی باز پُرس کے وقت اس کے پاس کوئی عذر اور سند ہو کہ میں نے یہ کام خداتعالیٰ کے حکم کی بناء پر کیا اور یہ کام خداتعالیٰ کے حکم کی وجہ سے نہیں کیا۔ اور یہ اسی صورت میں ہے کہ کلامِ الٰہی میں احکام۔ امر اور نہی ہو یا اس میں صحیح اعتقادات پر مبنی ذات و صفات' نبوت اور آخرت کی بحثیں ہوں۔

اَوْ نُذْرًا یا ڈرانے اور خوف دِلانے کی بناء پر ہے کہ کلامِ الٰہی میں سابقہ اُمتوں کے گزشتہ واقعات اور خبریں ہیں۔ یا قبر' حشر' نشر' اعمال تولنے' پل صراط سے گزرنے' بہشتی نعمتوں اور جہنم کی ہولناکیوں کے حالات ہیں۔ کہ ان سے مقصود صرف خوف دِلانا اور ڈرانا ہے اور یہاں بشارت کا ذکر اس لیے نہیں فرمایا گیا کیونکہ اس سورۃ میں خطاب کافروں سے ہے اور وہ بشارت کے لائق نہیں تھے۔ نیز عذر کا لفظ دونوں چیزوں عذاب اور جنت کے درجات پانے میں کامیابی کو شامل ہے اس لیے کہ احکامِ الٰہی پر عمل کرنا دونوں چیزوں کی سند طلب کرتا ہے کہ قیامت کے دن اس سند کے ساتھ دونوں کو چاہے گا۔

یہاں جاننا چاہیے کہ ہواؤں کی پہلی صفت جو کہ مرسلات عرفا ہوتی ہے' حقیقت میکائیلی کے شعبوں سے ایک شعبہ ہے کہ جسے جسموں کی پرورش' کھیتی باڑی کے کاموں کی اصلاح اور رزق سپرد کیے گئے ہیں۔ اور دوسری صفت جو کہ عاصفات ہے' حقیقت عزرائیلی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے کہ انتظام درہم برہم کرنا' جسموں کو خراب کرنا اور آپس میں ملے ہوئے اجزا کو جدا جدا کرنا اس کا کام ہے۔ اور تیسری اور چوتھی صفت جو کہ ناشرات اور فارقات ہے حقیقت اسرافیلی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے کہ صور پھونکنے کے ساتھ ارواح کو بکھیرنا تا کہ اپنے جسموں میں داخل ہو جائیں اور پھر ہر مذہب' ہر ملت' ہر طریقے' ہر عادت اور ہر عمل والوں میں جدائی کا کام ان کے سپرد ہے اور دنیا میں بھی ارواح کو بکھیرنا تا کہ ماؤں کے پیٹوں میں موجود بچوں کے جسموں کے ساتھ تعلق

ہوں اور ارواح کے درمیان فرق کہ اس روح کو فلاں بدن کے ساتھ اور اس روح کو فلاں بدن کے ساتھ لگانا چاہیے بھی انہیں کا کام ہے۔

اور پانچویں صفت کہ فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا عُذْرًا اَوْنُذْرًا ہے حقیقت جبرئیلی کے شعبوں میں سے ایک ہے کہ احکامِ الٰہی اور اس کی طرف سے خوف دِلانے اور ڈرانے کے خطابات رسول علیہ السلام کے قلب مقدس تک پہنچانا تاکہ وہاں سے لوگوں کے کانوں تک پہنچیں۔ آپ کی ڈیوٹی ہے اور چونکہ یہ صفت بہت بلند مرتبہ اور اونچا مقام رکھتی ہے اس لیے اس پر فائے تعقیب لائی گئی۔ گویا یوں ارشاد ہوا کہ میں گزشتہ چار صفات کے بعد اس صفت کی قسم اُٹھاتا ہوں۔ بخلاف اس فائے تعقیب کے جو کہ فالعاصفات اور فالفارقات میں لائی گئی اس لیے کہ وہ فا گزشتہ فعل کے بعد فعل لانے کے لیے ہے نہ کہ قسم کے بعد قسم لانے کے لیے۔ پس اس کلام میں درحقیقت تین قسمیں مذکور ہیں اور ہر قسم دو فعلوں کے ساتھ ہے۔ پہلی قسم ہوا کے نرم چلنے اور تیز چلنے کے ساتھ اور دوسری قسم بکھیرنے اور فرق کرنے کے ساتھ جبکہ تیسری قسم عذر عطا کرنے اور ڈرانے کے ساتھ ہے لیکن تیسری قسم کو پہلی اور دوسری قسم پر فا کے ساتھ عطف دیا گیا ہے تاکہ قسم میں ترقی پر دلالت کرے جبکہ پہلی دو قسموں کے دونوں فعلوں کے درمیان بھی حرف فا کے ساتھ عطف لایا گیا تاکہ ایک فعل کے دوسرے فعل کی فرع کے طور پر آنے پر دلالت ہو اور تیسری قسم کے دونوں فعلوں کو اجمالی طور پر ایک کلمہ بنا کر حرف او کے ساتھ تقسیم فرما دیا گیا تاکہ ذکر کے ان دو قسموں میں تقسیم ہونے کا پتہ دے' اللہ تعالیٰ اپنے کلام کے اسرار کو بہتر جانتا ہے۔

ان پانچ مذکورہ افعال کے مصداق میں اختلاف

اور ان پانچ مذکورہ افعال کے مصداق کے تعین میں مفسرین کا بہت اختلاف ہے یعنی بعض ہواؤں پر محمول کرتے ہیں اس تفصیل کے ساتھ کہ مرسلات عرفا جسم کے لیے خوشگوار ہوائیں ہیں اور عاصفات تیز ہوائیں جو کہ جسموں کو نقصان دیتی ہیں اور کشتیوں کو غرق کر دیتی ہیں اور ناشرات' فارقات اور ملقیات بارش سے متعلق ہوائیں ہیں جو کہ

پہلے بادل کے مادہ کو فضا میں پھیلاتی ہیں اور جب بادل برس کر فارغ ہو جاتا ہے تو اسے جدا جدا کر دیتی ہے اور پھاڑ دیتی ہیں اور بارش کی وجہ سے لوگ ذکر الٰہی میں مشغول ہو جاتے ہیں اور اس وقت ان کا ذکر کرنا دو میں سے ایک مقصد کے لیے ہوتا ہے یا شکر کے طور پر ہوتا ہے اگر بارش مفید ہے۔ پس یہ ذکر اس نعمت کا حق ادا کرنے میں ان کا عذر بن جاتا ہے یا ڈر اور خوف کے طور پر ہے اگر بارش نقصان دہ ہو۔

اور حضرات صوفیاء نے فرمایا ہے کہ مرسلات عرفا سے مراد ربانی محرکات اور الہامات ہیں جو کہ سالک کو نفع پہنچانے کے لیے اس کے دل پر آتے ہیں تا کہ وہ راہِ خدا کا سلوک کرے اور عاصفات سے مراد جذب و کشش کی وہ ہوائیں ہیں جو کہ سالک کے دل سے ماسوی اللہ کی محبت زائل کرتی ہیں اور اس کے شوق کی شدت کا موجب ہوتی ہے اور ناشرات سے مراد وہ اشغال اور اذکار ہیں جو کہ اپنے اثرات اور انوار ذاکر و شاغل کے تمام آلات و اعضاء میں پھیلا دیتے ہیں اور فارقات سے مراد وہ وارداتِ الٰہیہ ہیں جو کہ وجود ناسوتی کی فنا کا موجب ہوتے ہیں اور وجودِ حقیقی اور وجودِ مجازی کے درمیان فرق کرتے ہیں اور ملقیات ذکرا سے مراد وہ علوم و معارف ہیں جن کا فیض مرتبۂ بقاء حاصل ہونے کے بعد ہوتا ہے اور فیض پانے والے کو ان کی وجہ سے خدا تعالیٰ کا ذکر حاصل ہو جاتا ہے۔ محبت کے طریقے سے جو کہ عذر ہے یا خوف کے طور پر جو کہ نذر ہے۔

جبکہ واعظ کہتے ہیں کہ ان پانچ چیزوں سے مراد فرشتوں کے گروہ ہیں۔ پس مرسلات عرفا فرشتوں کا وہ گروہ ہے جسے کوئی کام سرانجام دینے کے لیے بھیجا جاتا ہے اور اس صورت میں عرفا کا معنی کسی کام کے لیے جمع ہونا اور پے در پے آنا ہے۔ عرب کے محاورے میں کہتے ہیں جاء واعرفا دا حداً یعنی سب پے در پے آئے اور اس لفظ کی اصل عرف الفرس سے لی گئی ہے جو کہ گھوڑے کی گردن کے معنوں میں ہے اور گھوڑے کی گردن میں بال جمع ہو جاتے ہیں اور پے در پے نظر میں آتے ہیں جب ایک جماعت کسی کام کے لیے اونٹوں کی قطار کی طرح آگے پیچھے روانہ ہوتی ہے تو وہ انہیں بالوں کے مشابہہ ہوتی ہے۔ نیز عرب لوگ کسی کام پر ہجوم کے مقام پر بولتے ہیں کہ ہم علیہ کعرف

الضبع یعنی انہوں نے اس کام پر اس طرح ہجوم کیا ہے کہ گویا بجو کے بال ہیں۔

اور عاصفات سے مراد فرشتوں کا ایک اور گروہ ہے جو کہ تندی اور تیزی کے ساتھ کسی کام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں یا مرسلات سے مراد رحمت کے فرشتے ہیں اور عاصفات سے مراد عذاب کے فرشتے مراد ہیں جو کہ کسی گھر یا لشکر یا ملک کو برباد کرنے کے لیے آتے ہیں۔ اور ناشرات سے مراد فرشتوں کا ایک اور گروہ ہے جو کہ وحی' الہام اور خدائی فیصلوں کو سننے کے لیے اپنے پر کھولے ہوئے۔ منتظر کھڑے رہتے ہیں یا جہان میں اور اولیاء اور ایمان والوں کے دِلوں میں رحمتِ الٰہی کے آثار یعنی انوار' برکات اور اچھے الہامات بکھیرتے ہیں اور فارقات سے مراد وہی گروہ یا اور گروہ ہے جو کہ حق و باطل اور مطیع و نافرمان میں فرق کرتے ہیں یا جادو اور معجزے کے درمیان امتیاز عطا کرتے ہیں اور ملقیات ذکر سے مراد ایک اور گروہ ہے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی کا القاء کرتے ہیں جو کہ حق والوں کے لیے عذر ہوتی ہے اور باطل پرستوں اور بدمذہبوں کے لیے خوف

اور ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ ناشرات وہ فرشتے ہیں جو کہ قیامت کے دن مردوں کو زندہ کریں گے جبکہ فارقات وہ فرشتے ہیں جو کہ اہلِ محشر کو جدا جدا کریں گے اور ہر ملت اور ہر مذہب والوں کے درمیان تفریق کریں گے۔

اور اہلِ قرأت یوں کہتے ہیں کہ ان تمام پانچ صفات سے مراد آیاتِ قرآنی ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے نفع کے لیے پے در پے نازل ہوئی ہیں اور باطل ملتوں اور فاسد دینوں والوں پر سختی اور تیزی کرتی ہیں اور ان کے غلط اعتقادات کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکتی ہیں۔ ان تیز ہواؤں کی طرح جو کہ پرانی عمارتوں اور کھوکھلے درختوں کو زیروزبر کر دیتی ہیں۔ اور استعداد والوں اور علمائے کرام کے ذہنوں میں ہدایت کے آثار اور حکمت کے انوار پھیلا دیتی ہیں۔ پس حق و باطل اور غلط و صحیح کے درمیان فرق کرتے ہیں پھر خدا تعالیٰ کی یاد کو ہر مرد مومن کے دل میں جگہ دیتی ہیں اور آیاتِ قرآنی کے یہ کام یا تو عذر کے طور پر ہیں اگر اللہ تعالیٰ کے بندے ان پر کاربند ہوں اور ان کے مطابق عمل کریں یا ڈرانے

کے طور پر ہیں اگر ان سے منہ پھیریں۔

اور واقعات بیان کرنے والوں میں سے بعض نے کہا ہے کہ ان صفات سے مراد انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات ہیں جو کہ مخلوقِ خدا کے نفع اور احسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے اور انہوں نے مخالفت اور عداوت کرنے والوں پر سختی اور قہر فرمایا اور دعوت الی اللہ کو مخلوقات میں پھیلایا' حق و باطل کے درمیان فرق کیا اور لوگوں تک ذکر اور توحید الٰہی کو پہنچایا تا کہ انہیں حق تبلیغ و رسالت ادا کرنے میں عذر ہو یا گنہگاروں اور منکروں کے لیے ڈرانا ہو۔

اور مفسرین کے ایک اور گروہ نے ان پانچ صفات کو متعدد موصوفوں پر محمول کیا ہے اور پہلی صفت کو ہواؤں پر اور دوسری تین صفات کو فرشتوں پر محمول کیا اور کہتے ہیں کہ اس قسم میں ہواؤں اور فرشتوں کو جمع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں لطافت بے رنگی' نظر سے پوشیدہ ہونے' تیز چلنے اور حقیقت میں لطیف ہونے کے باوجود طاقت طلب کاموں پر قادر ہونے میں ایک دوسرے کے مشابہہ ہیں یا پہلی دو صفات کو ہواؤں پر اور تین دوسری صفات کو فرشتوں پر محمول کرتے ہیں اور کلامِ الٰہی میں عطف کا انداز اس محمول کرنے کی تائید کرتا ہے یا پہلی صفت کو ملائکۂ رحمت' دوسری صفت کو ملائکہ عذاب اور تین باقی صفات کو آیاتِ قرآنی پر محمول کرتے ہیں۔

بہر حال جب قسموں کی تاکید سے فراغت ہوئی مدعا کا ذکر فرمایا گیا۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ تحقیق تمہارے اچھے اور برے کاموں پر تمہیں جس چیز کا وعدہ دیا جاتا ہے کہ جنہیں تم باقی نہ رہنے والی عارضی چیزیں جانتے ہوئے ہوا کی طرح سمجھتے ہو۔ اور نہیں جانتے کہ یہ اعمال کس اچھے اور برے انقلاب کا موجب ہوں گے۔

لَوَاقِعٌ البتہ واقع ہونے والی ہے' اس اچھے اور برے انقلاب کی طرح جس کا سبب ہوائیں بنتی ہیں اور کسی کے گمان میں نہیں آتا کہ ہوا کا چلنا ایک جہان کی خرابی کا موجب یا کسی مکمل نفع کا سبب کیونکر ہوگا۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ پس جس وقت کہ ستارے بے نور کر دیئے جائیں اور وہ

روح جو کہ ستاروں کے جسموں کی مدبر تھی اور ستاروں کا نور اسی کی تاثیر سے قائم تھا' ان جسموں سے جدا ہو جائے جیسا کہ موت کے وقت روح بصری جدا ہو جاتی ہے اور اسی حالت کے متعلق دوسرے مقام پر اس عبارت کے ساتھ تعبیر فرمائی گئی ہے کہ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ اس کے بعد ستارے کے جسم اپنے مقامات سے زائل ہو کر گر پڑیں اور پراگندہ ہو جائیں اور اسی حالت کے متعلق دوسرے مقام پر اس عبارت کے ساتھ تعبیر کی گئی کہ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ اور چونکہ اصل لغت کے مطابق لفظ نجوم میں ظہور اور طلوع سمجھا جاتا ہے اس لیے بے نور اور مکدر ہونے کے مقام پر لفظ نجوم ارشاد فرمایا اور لفظ کوکب میں اصل لغت کے اعتبار سے ثابت اور پکار ہنا سمجھا جاتا ہے اس لیے پراگندہ ہونے اور گرنے کے مقام پر اسی لفظ کو اختیار فرمایا گیا تا کہ لاحق ہونے والی حالت کا گزشتہ حالت کے منافی ہونا زیادہ روشن ہو اور جب روح کواکب ان سے جدا ہو جائے تو اس روح کا بنی آدم کے اعمال کی مثالی صورتوں کو روشن اور ظاہر کرنے کا اثر ان کے عقلی اور خیالی حواس پر غلبہ کرے۔

وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ اور جب آسمان میں شگاف ڈال دیئے جائیں اور دوسرے مقام پر اس حالت کے متعلق انفطار' انشقاق اور تشقق کے ساتھ تعبیر فرمائی گئی ہے اور اس حالت سے پہلے آسمان کو سستی اور اجزاء کے مضبوط نہ رہنے کا عارضہ لاحق ہوگا کہ جسے سورۂ حاقہ میں اس عبارت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ اور نفوس سماویہ کے ان کے جسموں کی تدبیروں سے منقطع ہونے اور ان نفسوں کے بنی آدم کے نفسوں کی امداد کرنے کی وجہ سے عقلی اور خیالی حواس کئی گنا بڑھ بھی جائیں اور ترقی کریں اور انہیں گنتی' شدت اور مدت میں غیر متناہی افعال کی قوت بھی حاصل ہو اور وہ ابدی جزا چکھنے کے قابل ہو جائیں۔

وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ اور جس وقت پہاڑوں کو ہوا میں اُڑا دیا جائے۔ اور لغت عرب میں منسف اس چیز کو کہتے ہیں جس سے غلے کو بھس' تنکوں اور دھول سے پاک کیا جاتا ہے اور اس علاقے کی زبان میں اسے چھاج کہتے ہیں اور پہاڑوں کے بارے میں

قرآن مجید میں چند عبارات واقع ہوئی ہیں۔ سورۂ طٰہٰ میں یہی معنی ارشاد فرمایا گیا کہ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا جبکہ دوسری سورتوں میں اور عبارات ہیں اور ان عبارات کے مختلف مضامین کو جمع کرنے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تو زلزلے کی وجہ سے زمین اور پہاڑ آپس میں ٹکرائیں کہ حُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً پھر پہاڑ رنگین دھنکی ہوئی روئی کی طرح ہو جائیں جیسا کہ سورۂ قارعہ میں ہے۔ پھر گردوغبار کی طرح معلوم ہوں کہ سورۂ واقعہ میں ہے فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا پھر ہواؤں کو پہاڑوں پر مسلط کریں گے اور یہی نسف کی حالت ہے۔ اور پہاڑ اپنی جگہ سے اُڑ جائیں گے تو جو انہیں دُور سے دیکھے' گمان کرے کہ پہاڑ ہے اور جب نزدیک پہنچے تو جان لے کہ ان میں سختی اور اجزا کا باہم اکٹھا رہنا بالکل نہیں رہا اور بادل کی طرح ہوا میں اُڑ رہے ہیں جیسا کہ سورۂ نمل میں مذکور ہے کہ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابُ اور سورۂ تساءل میں ہے کہ وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا پھر وہ زمین جو پہاڑوں کے نیچے ڈھکی چھپی تھی' ظاہر ہو جائے جیسا کہ سورۂ کہف میں ہے وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالُ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً اور پہاڑوں پر یہ حالت طاری ہونے کی وجہ سے زمین کی سختی کے اجزا زمین سے جدا ہو کر بنی آدم کے جسموں میں پیوست ہو جائیں اور انسانی جسم ان اجزا کے ملنے کی وجہ سے حد بیان سے زیادہ طول وعرض اور قوت ومضبوطی پیدا کریں۔

وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ اور جس وقت رسولوں کا وقت مقرر کر دیا جائے تاکہ اپنے اس مقررہ وقت کے مطابق سوچ بچار کر کے اپنے اُمتیوں کے ہمراہ میدانِ حشر میں حاضر آئیں اور حساب' وزن اعمال' ظالموں سے مظلوموں کے حقوق لینا اور رسل علیہم السلام کی گواہی اور ان کی موجودگی میں پل صراط سے گزارنے کا کام صورت پذیر ہو اور جنہوں نے رسل علیہم السلام کے پیغام کو قبول کر کے اس کے مطابق عمل کیے تھے' ان لوگوں سے جدا ہو جائیں جنہوں نے ان کے پیغام کا انکار کیا اور اس کے مطابق عمل نہ کیے اور جو جس معاملے کا مستحق ہو اسی کے مطابق جزا دی جائے اور حرف شرط جو کہ اذا ہے' کی جزا سابق

قرینے کی وجہ سے محذوف ہے یعنی جب یہ امور واقع ہوں تو وہ وعدہ بھی واقع ہو جائے۔

اور اگر قیامت کے منکر پوچھیں کہ لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ کہ کس دن کے لیے ان چیزوں کی تاخیر کی گئی' یہ چیزیں اس وقت واقع کیوں نہیں ہوئیں تاکہ جزا کا وعدہ بھی ثابت ہو جائے اور ہمارا شک وشبہ دُور ہو جائے تو جواب میں کہنا چاہیے کہ

لِیَوْمِ الْفَصْلِ یعنی یہ چیزیں فیصلے کا دن آنے کے لیے مؤخر کی گئی ہیں اور فیصلے کا دن ایسا نہیں کہ تم اس کی تاخیر کو آسانی سے دریافت کر سکو جیسا کہ سورۂ تساءل میں اس دن کی تاخیر کی بعض وجوہ آتی ہیں' ان شاء اللہ تعالیٰ

وَمَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الْفَصْلِ تو کیا جانے کہ روز فصل کیا ہے۔ اس لیے کہ اس کے ادراک سے عقل عاجز ہے۔ اور اگر غیب سے اسے بیان کیا جائے تو اس کا بیان نہیں ہوگا مگر انہیں عظیم حادثوں کے ساتھ جو کہ اس میں واقع ہوں گے۔ پس یہ کہیں گے کہ ان حادثوں کو اس دن پر کیوں موقوف رکھا گیا ہے۔ پس زیادہ بہتر اور مناسب یہی ہے کہ اس دن سے ڈرایا جائے اور کہا جائے کہ

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ اس دن انکار کرنے والوں کے لیے سخت مصیبت ہے۔

یہاں جاننا چاہیے کہ قیامت آنے کے منکروں کو اس واقعہ کے رونما ہونے کے وقت دس وجوہ سے سختی درپیش ہوگی۔ پہلی وجہ یہ کہ جس چیز کی انہیں توقع نہ تھی اچانک واقع ہو جائے اس کے واقع ہونے کی وجہ سے مدہوش اور متحیر ہو جائیں اور یہی وہ سختی ہے جو کہ آئندہ واقعہ کے ہر منکر کو اس کے واقع ہونے کے وقت لازم ہوتی ہے اور اس آیت میں مذکور سخت مصیبت سے مراد یہی سختی ہے اور اس کے بعد نو دوسری سختیاں جو کہ خاص قیامت کے منکروں کو درپیش ہوں گی اس سورۃ کے باقی حصے میں بیان فرمائی گئی ہیں اور ان سختیوں کے اسباب کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔ پس اس سورۃ میں اس آیت کے تکرار کو صرف تاکید کے لیے سمجھنا غور وفکر کی کوتاہی ہے۔ پس سختی کی دوسری' تیسری اور چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے جہل مرکب اور اپنے خوشنما جھوٹے مقدمات کے فاسد ہونے پر جن کی وجہ سے قیامت آنے سے انکار میں پوری ضد کرتے تھے' اچانک مطلع ہوں گے

اور اپنی سمجھ کی کوتاہی اور غلط فہمی پر آگاہ ہوں گے اور انہیں معلوم ہوگا کہ ہمیں دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے عقائد پر قطعاً یقین نہ تھا' ہم اس کی قدرت اور تاثیر سے بے خبر رہے۔ پس اس سختی کی دوسری وجہ یہ ہوگی کہ انہیں دنیا میں اتنی کثیر مخلوق سے بدلہ لینے پر حق تعالیٰ کے قادر ہونے کا پتہ نہ چلا اور وہ کہتے تھے کہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام یوم الفصل کو نوعِ انسانی کی پورے طور پر ہلاک کرنے کے بعد بیان کرتے ہیں اور یہ بات کسی کی عقل میں نہیں آتی کہ تمام نوعِ انسانی ایک وقت میں فنا ہو جائے اور عام ہلاکت رونما ہو۔ اس لیے کہ جو حادثہ بھی دنیا میں واقع ہوتا ہے اس سے بعض افراد قوتِ بازو یا مکان کی حفاظت یا تدبیر و حیلے کے زور سے بچ جاتے ہیں۔ اور دنیا میں ایسا اتفاق کبھی نہیں ہوا کہ سب کے سب ایک حادثے میں گرفتار ہو کر ہلاک ہو گئے ہوں۔

اللہ تعالیٰ ان کے اس شبہ کے جواب میں ایک مثال بیان فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کہ اس بات کو سمجھنا اور اس شبہ کو دُور کرنا تم پر بہت آسان ہے اس لیے کہ ایک شخص اور ہزار شخصوں کو ہلاک کرنا برابر ہے۔ جب مختلف اوقات میں لاکھوں کروڑوں کا مرنا مشاہدے میں آتا ہے تو قیاس کرلو کہ ایک وقت میں تمام نوعِ انسانی کی روح سلب ہو سکتی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر فرمایا ہے مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ اور اگر وہ مختلف اوقات میں لاکھوں ہزاروں کے ہلاک ہونے میں بھی تردد کریں تو ہم کہتے ہیں

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ کیا ہم نے پہلوں کو ہلاک نہیں فرمایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر اب تک سب کی روح سلب کی گئی ہے۔

ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ پھر ہم ان کے پیچھے پچھلوں کو لے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ہر وقت میں مر کر جا رہے ہیں اور جب مختلف اوقات میں اتنی کثیر تعداد کی ہلاکت ثابت ہوگئی تو ثابت ہوا کہ

كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ہم پہلی دفعہ صور پھونکنے کے وقت گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح سلوک کریں گے کہ سب کی ایک ہی وقت میں روح سلب ہو جائے گی۔

اور اس وقت سے پہلے جبکہ تمام نوع انسانی کی ایک ہی وقت میں روح سلب نہیں ہوتی' اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بے گناہ بھی ہوتے ہیں اور بعض گناہ گاروں کی پشت میں نیک نسل ہوتی ہے اور ان سے معرفت اور عبادت کی توقع ہوتی ہے جبکہ اس وقت جبکہ سب گناہ گار ہوں گے اور اس وقت سے چالیس سال پہلے بانجھ پن کی وجہ سے جو کہ بنی آدم کو لاحق ہوگا' نسل کے جاری ہونے کی امید بھی نہیں رہے گی۔ پس سب کے سب ہلاک کرنے کے لائق ہو جائیں گے جیسا کہ احادیث صحیحہ میں یہ بات وارد ہے کہ لَاتَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَایَبْقٰی فِی الْاَرْضِ اَحَدٌ یَقُوْلُ اللّٰہُ اللہ یعنی اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ زمین میں ایک شخص بھی اللہ اللہ کہنے والا باقی ہے۔

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ اس روز منکروں کے لیے سخت مصیبت ہے کہ اپنے عقیدہ کے غلط ہونے پر اپنے اس شبہ کے باطل ہونے کی وجہ سے جس کا دنیا میں معمولی غور وفکر سے ازالہ ہوسکتا تھا اور انہوں نے نہ کیا' مطلع ہوں گے اور حسرت کے ساتھ ہاتھ کاٹیں گے اور اس دن کی سختی کی تیسری وجہ یہ ہوگی کہ کفار دنیا میں مردوں کو زندہ کرنے پر حق تعالیٰ کے قادر ہونے کا عقیدہ نہیں اپناتے اور یقین نہیں کرتے تو گویا وہ اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کی دائمی ربوبیت کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نے آخرت کے انتقام کو دنیا کے انتقام پر قیاس کر کے ثابت کیا لیکن یہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے دنیا میں انتقام زندوں سے ممکن ہے کہ انہیں درد اور عذاب پہنچائیں اور ہلاک کر دیں جبکہ مردے سے انتقام اس میں زندگی لوٹائے بغیر ممکن نہیں ہے اور زندگی کے لیے شرط ہے کہ زندگی قبول کرنے کا مادہ ہو' پتھر اور لکڑی کو زندہ نہیں کیا جا سکتا اور مردوں کے بدن یوم فصل آنے تک بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو کر زندگی قبول کرنے سے مکمل دُور ہو چکے ہوں گے' ان میں زندگی لوٹانا کس طرح متصور ہوسکتا ہے۔ حق تعالیٰ نے عقیدہ کے بارے میں ان کی غلط فہمی اور غور وفکر کی کوتاہی پر آگاہ کر کے اس حقیقت کا پتہ دیا کہ یوم فصل میں اس عقیدہ کے غلط ہونے اور اس شبہ کے کمزور ہونے پر بھی مطلع ہو جاؤ گے اس لیے کہ تم اپنی تخلیق کی ابتدا کو جانتے ہو کہ گندی' بدبودار چیز سے ہوئی ہے۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ کیا ہم نے تمہیں حقیر بدحال پانی سے پیدا نہیں فرمایا؟ اور وہ ایک نطفہ ہے جو کہ پیشاب کی راہ سے باہر آتا ہے اور اس سے آلودہ ہونے کی وجہ سے کپڑا اور جسم ناپاک ہو جاتا ہے اور اس کی بدبو مشام میں خلل ڈال دیتی ہے اور وہ اس قدر بدحال ہو چکا ہے کہ ہضم کے تمام درجے طے کر کے آخری ہضم کا فضلہ ہو چکا اور طبیعت نے اپنے خالق کے حکم سے اسے ہر عضو سے کھینچ کر گردوں اور کپوروں کے راستے سے عضو مخصوص کے سوراخ سے باہر پھینک دیا اور اسے بدن کو غذا دینے کے قابل نہ پاتے ہوئے اس سے لاپرواہی اختیار کی۔ جیسے بول و براز۔ اور ظاہر ہے کہ اگر اس میں زندگی قبول کرنے کی کچھ استعداد بھی ہوتی تو طبیعت اسے پھینکنے میں بخل کرتی جیسا کہ خون میں بلکہ دوسری اخلاط میں بھی کرتی ہے کہ انہیں اس حقارت کے ساتھ ہرگز نہیں پھینکتی۔

فَجَعَلْنَاهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ پس ہم نے اپنی کمال مہربانی سے اس بے کار پانی کو محفوظ قرار گاہ میں جو کہ مکانیت کے قابل ہے' رکھا جو کہ ماں کا بچہ دان ہے اور عرب کی زبان میں اسے رحم کہتے ہیں اور وہ ایسا پٹھوں والا عضو ہے جس کی لمبائی حمل سے خالی ہونے کے وقت رحم والی عورت کی بارہ انگلیوں کی قدر ہوتی ہے۔ اس کی دُم معدے کے ساتھ متصل ہو کر مثانے کے نیچے سیدھی آنت کے اوپر ہوتی ہے۔ اور اس میں اگر اتفاق ہو جائے دو جڑواں بچوں کی ولادت کے لیے دو خانے بنائے گئے ہیں اور اس کا ہر خانہ ناف کی طرف پستان تک ایک سوراخ رکھتا ہے کہ بچے کی غذا کے لیے خون اور حیض اسی راہ سے آتا ہے۔ اور جب اس میں بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو کھل جاتا ہے اور طول و عرض بچے کے اندازے کے مطابق بڑھتا ہے۔ اور اس عضو کو پشت کے ساتھ طنابوں کے ذریعے باندھ کر مضبوط کر دیا گیا ہے اور انہیں طنابوں کی وجہ سے باہر آنے کے وقت بچے کو پیٹ سے کھینچا جاتا ہے اور اس کا منہ شرمگاہ کے سوراخ کے متصل ہے اور جماع کے وقت اس میں مرد کا آلۂ تناسل داخل ہوتا ہے اور ہم نطفے کی اس قسم کے محفوظ مکان میں حفاظت کرتے ہیں جو کہ مضبوط طنابوں سے باندھا گیا جو کہ پیٹ کے اندر واقع ہے جو کہ

شہر کے درمیان محفوظ محلے ہر طرف سے بند کوچے میں واقع مضبوط حویلی کی طرح ہے۔

اِلٰی قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ مدت معین تک جو کہ غالباً نو ماہ ہوتی ہے اور کبھی کبھی کم و بیش بھی ہوتی ہے۔

فَقَدَرْنَا پس ہم نے اس مدت میں ہر چیز کا اندازہ کیا جو کہ شرائط و لوازمات میں سے زندگی کے فیضان اور اس کے کمال میں مطلوب تھی۔

فَنِعْمَ الْقَادِرُوْنَ پس ہم اچھا اندازہ کرنے والے ہیں اس لیے کہ اس مدت میں ضروریات میں سے کوئی چیز فوت نہیں ہوتی اور زائد اور فالتو چیزوں میں سے کوئی شے بھی پیدا نہیں ہوتی۔ بخلاف دوسرے اندازہ کرنے والوں کے جو کہ کسی اہم شے کو لانے کے وقت بعض ضروریات کو فوت کر دیتے ہیں اور بعض زائد چیزوں کو درج کر دیتے ہیں اور اسی لیے جب وہ کام سے فارغ ہوتے ہیں تو اندازے والی شے اور فی الواقع موجود صورت میں بہت فرق ظاہر ہوتا ہے اور وہ جمع اور خرچ میں تغیر و تبدل کے محتاج ہوتے ہیں۔

رحم مادر میں بچے کی تخلیق کا تفصیلی بیان

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب بچہ دان معتدل منی پر مشتمل ہو جاتا ہے تو اس کا منہ بند ہو جاتا ہے اور اس کے اندر کوئی چیز داخل نہیں ہوتی تاکہ منی کو خراب نہ کرے۔ پس منی میں سے وہ جو اس کی سطح کو چھوتی ہے' اسے تنگ کھال کی طرح جسے عربی میں غشاء اور ہندی میں جھلی کہتے ہیں' کر دیا جاتا ہے تاکہ اس میں شریانیں داخل ہو سکیں اور اس داخل ہونے کی وجہ سے خون پہنچانا آسان ہو اور اس جھلی کو عرب لوگ مشیمہ کہتے ہیں اور ہندی جیمر کہتے ہیں اور اس پردے کے اندر ناف سے مثانے تک فضلات کو دُور کرنے کے لیے ایک اور پردہ تن دیا جاتا ہے اور اس پردے کے اندر رطوبتوں کی حفاظت کے لیے تیسرا پردہ ہوتا ہے اور ظلماتِ ثلثہ جو کہ سورۂ زمر میں واقع ہوئیں' سے مراد یہی ہے اور وہ جو منی کا خلاصہ ہوتا ہے' بچہ دان کے ان گڑھوں میں چمٹ جاتا ہے جو کہ اس کے منہ کے ساتھ ہوتے ہیں اور آہستہ آہستہ جمنا شروع ہو جاتا ہے اور اس جمنے کے ساتھ مقام کی حرارت

کی وجہ سے قدرے جوش بھی مارتا ہے اور اس سے ایک جھاگ نکلتی ہے جو کہ اس کے درمیان میں قرار پکڑتی ہے اور وہ دل ہے اور اس جھاگ کا ظاہر ہونا منی واقع ہونے کے تیسرے دن ہوتا ہے اور چوتھے روز اس کے اوپر ایک اور نقطہ پیدا ہوتا ہے جو کہ دماغ ہے پھر چھٹے دن اس نقطے کی دائیں جانب جس نے درمیان میں قرار حاصل کیا تھا' ایک اور نقطہ پیدا ہوتا ہے اور وہ جگر ہے اور غالب طور پر اس مدت میں ایک ہفتہ لگ جاتا ہے۔ منی کو رغوہ اور کف کہتے ہیں۔

اس ہفتے کے گزرنے کے بعد اس میں رگوں کے ریشے کھنچ جاتے ہیں اور یہ کام غالباً منی کے واقع ہونے کے دسویں دن ہوتا ہے اور اس وقت منی کا رنگ سرخی پیدا کرتا ہے جب پندرھواں دن ہوتا ہے' سرخی شدت اختیار کر جاتی ہے اور اس وقت منی کو علقہ کہتے ہیں اس لیے کہ وہ سب کی سب سرخ ہو گئی۔ سوائے پہلے ذکر کیے گئے تین پردوں کے جو کہ اس سے باہر ہے اور اسی لیے محقق طبیبوں نے کہا ہے کہ یہ تینوں مذکورہ پردے خاص کر عورت کی منی سے ہوتے ہیں نہ کہ مرد کی منی سے اور جب ستائیسواں دن آتا ہے' وہ منجمد خون جسے علقہ کہتے ہیں' سخت ہونے لگتا ہے اور دونوں کندھوں سے دماغ جدا ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ اعضاء ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ اکتالیسویں دن اس میں مختلف اعضاء کی شکلیں نمودار ہوتی ہیں اور اس وقت اعضائے رئیسہ سے خدمت کرنے والے اعضاء اُگتے ہیں اور شریانیں پیدا ہوتی ہیں اور مذکورہ پردوں میں سے ہوتی ہوئی رحم کی شریانوں کے ساتھ چسپاں ہو جاتی ہیں۔

اور پینسٹھ (۶۵) دن گزرنے کے بعد اعضاء خون سے غذا لینا شروع کرتے ہیں اور دموی اعضاء جیسے گوشت وغیرہ پیدا ہونے لگتے ہیں اور اس کی وریدیں ماں کی وریدوں کے ساتھ چمٹ کر ایک سی ہو جاتی ہیں' خون چوستی ہیں یہاں تک کہ تہتر (۷۳) دن گزرنے کے بعد اس کا سارا بدن گوشت اور کھال کا لباس پیدا کرتا ہے اس کا منہ ماں کی پشت کی طرف' ہاتھ کی دونوں ہتھیلیاں اپنے دونوں زانوؤں پر' دونوں پاؤں اس کی دونوں جانب اور سر دونوں پاؤں کے درمیان جھکا کر بیٹھتا ہے اور جتنا بڑھتا ہے' بچہ دانی

اسی قدر کھلتی ہے اور حرارت اور طبعی روح اس میں منی کے واقع ہونے سے انیسویں (۱۹) دن تک نشوونما کا کام کرنے میں مشغول ہوتی ہے اور وقوع منی سے نوے (۹۰) دن گزرنے کے بعد اس میں حیوانی قوتیں پیدا ہوتی ہیں۔

پس پہلے مہینے میں معدن یعنی کان کا حکم رکھتا تھا کہ بالکل حرکت نہیں کرتا تھا اور دوسرے مہینے میں اُگنے والی گھاس کی طرح تھا کہ ارادے کے بغیر حرکت کر کے اس سے غذا لینا ظہور پذیر ہوتا تھا' تیسرے مہینے میں حیوان کا حکم پیدا کیا اور جب سو دن گزرتے ہیں' اس کی حیوانی قوت دماغ میں پہنچتی ہے اور اس میں کمزور حرکت ارادی پیدا ہوتی ہے اس نحیف و کمزور آدمی کی طرح جو کہ بالکل قوت نہیں رکھتا اور ایک سو دس دن کے بعد اس شخص کی طرح ہو جاتا ہے جو کہ نیند اور بے داری کے درمیان ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک سو بیس (۱۲۰) دن کے بعد کامل حیوانی قوت پیدا کرتا ہے اور وہ جو حدیث شریف میں وارد ہے کہ تین چلے گزرنے کے بعد پیٹ کے اندر بچے میں روح پھونکی جاتی ہے اسی حالت کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے بعد اس میں روح حیوانی پھونکی جاتی ہے کہ حقیقت میں روح وہی ہے اور اس سے پہلے وہ حیوانات میں سے ایک حیوان تھا۔

اور جب اس حد سے آگے بڑھتا ہے تو اس کی حرکت پیٹ کے باہر سے اس میں محسوس ہوتی ہے یہاں تک کہ ساتویں مہینے میں اس کے اعضاء مسلسل حرکت کی وجہ سے سخت ہو جاتے ہیں اور قوت پکڑتے ہیں گویا اس مدت تک ورزش اور محنت کرائی جاتی ہے۔ پس وہ تینوں پردوں کو ترتیب کے ساتھ پھاڑنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ نیز اپنی رگوں کو اپنی ماں کی رگوں سے جدا کرنے کی قدرت بھی حاصل کرتا ہے' چاہتا ہے کہ اس تنگ مکان سے باہر آئے یہاں تک کہ نویں مہینے میں باہر آ جاتا ہے۔

تخلیقِ انسانی کے تدریجی مراحل کے متعلق نجومیوں کی تحقیق

اور اہلِ نجوم کہتے ہیں کہ جب تک نطفہ جمع شدہ پانی کی صورت میں ہوتا ہے' زحل اور مشتری کی تربیت میں ہوتا ہے۔ پس زحل کی ٹھنڈک اور مشتری کی رطوبت کام کرتی ہے اور جب خون کا رنگ اختیار کرتا ہے اس پر مریخ مسلط ہو جاتا ہے اور یہ تینوں ستارے

لمبی گردش والے ہیں اس کے بعد قریبی گردش والے ستارے اس کی تربیت کرتے ہیں جو کہ شمس زہرہ اور عطارد ہیں اور جب روح پھونک دی جاتی ہے تو قمر کے احاطے میں آ جاتا ہے اس کے بعد پھر زحل کی تربیت میں آتا ہے اس لیے کہ نواں حرکت ونقل کا مقام ہے۔

اور یہ جو معین مقدار بیان کی گئی ہے اس صورت میں ہے کہ دوسری خصوصیات جیسے والدین کے مزاج کی گرمی یا منی کی حرارت یا بہار کا زمانہ اور موسم گرما اور بلد جنوبی یا ان خصوصیات کی ضدیں لاحق نہ ہوں ورنہ ان خصوصیات کی وجہ سے رحم میں رہنے کی مقدار کم وبیش ہو جاتی ہے اور اس کا قاعدہ یہ ہے کہ فعل وتاثیر میں ٹھنڈک کی بہ نسبت حرارت زیادہ قوی ہوتی ہے جبکہ رطوبت متاثر ہونے اور اثر قبول کرنے میں یبوست سے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ پس اگر والدین جوانی اور گرم مزاجی کی عمر میں ہوں اور منی بھی شہد اور اس قسم کی چیزوں سے پیدا ہوئی اور حمل قرار پانے کا وقت گرم اور ملک بھی گرم ہو تو حرارت اور یبوست کی رفتار بھی کمال کے ساتھ ہوگی جبکہ اس کے عکس میں ٹھنڈک اور رطوبت اور ان چار کیفیات میں سے دو کیفیتوں کے جمع ہونے کے مطابق حمل کی مدت جدا جدا ہو جاتی ہے لیکن چھ ماہ سے کم اور روایتوں کے اختلاف کے مطابق دو سال یا چار سال سے زیادہ واقع نہیں ہوتی۔

اور جب نطفے کو زندہ کرنا معلوم ہے جو کہ تعفن بدبو حقارت اور کچھ نہ ہونے میں مردوں کے جسموں اور ہڈیوں سے کم نہ تھا اور رحم میں طویل مدت تک رہنے کے بعد جیسا کہ مردے طویل مدت تک زمین میں رہتے ہیں قسم قسم کے اندازوں کے ساتھ اس درجہ کامل اور پورا ہوا۔ پس زمین میں مدتِ دراز گزرنے کے بعد مردوں کی ہڈیوں اور اجزا کو زندہ کرنا کیوں بعید سمجھا جائے اور جب زندہ کرنا واقع ہوگا تو

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس روز اس قدرت کے منکروں کے حال پر افسوس ہے باوجودیکہ اس قدرت کا اثر ہر روز اور ہر رات آدمیوں کے پیدا ہونے میں دیکھتے ہیں اور ہوش نہیں کرتے۔

منکروں پر اس دن کی سختی کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کاموں کو اپنے مشہور و متعارف اسباب کا پابند سمجھتے ہیں اور اسے اپنی طرح اسباب اور آلات کا پابند سمجھتے ہیں۔ گویا اسباب کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہیں' اکیلے اللہ تعالیٰ کو اسباب کے بغیر تاثیر میں عاجز شمار کرتے ہیں اور اسی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ ماں کے شکم میں آدمی کو پیدا کرنا رحم کی خاصیت کی وجہ سے ہے ورنہ اگر نطفہ زمین پر ڈالیں تو اس نطفے سے آدمی کی پیدائش کس طرح صورت پکڑے گی؟ حق تعالیٰ ان کے اس عقیدے کو بھی باطل فرماتا ہے اور جتلاتا ہے کہ یوم فصل میں اپنے اس عقیدے پر بھی بڑی حسرت کا اظہار کریں گے اور اپنی غلط فہمی کو پہچان لیں گے کہ ہم نے دنیا میں غور وفکر نہ کی اور یہ نہ سمجھا کہ زمین بھی رحم کی مانند ہے۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا کیا ہم نے زمین کو جمع کرنے اور فراہم کرنے والی نہ بنایا۔

اَحْيَآءً بے شمار زندوں کو جو کہ حشرات الارض ہیں اور ماں کے رحم کے بغیر پیدا ہوتے ہیں۔ وَّاَمْوَاتًا اور بے شمار جمادات کو جو کہ خوش رنگی' بناؤ سنگھار کے حسن اور قابلِ تعریف و رغبت کیفیات میں زندوں سے کم نہیں ہیں جیسے یاقوت' الماس' زبرجد' نمک کی قسمیں اور دوسری معدنیات جو کہ تاثیر میں نباتات اور حیوانات سے بہتر ہیں تو جب زمین کی تربیت میں اس قسم کی چیزوں کو دیکھا گیا تو مردے کی ہڈیوں کی تربیت میں کیا امر محال رہا۔

اور اگر کہیں کہ زمین اگرچہ زندوں اور مردوں کی تربیت کرتی ہے لیکن انسانوں کی ولادت تربیت کے ساتھ متصور نہیں ہے۔ ہاں اس میں حشرات اور معدنیات پیدا ہوتے ہیں اس لیے کہ انسانی جسم انتہائی مختلف اجزا سے مرکب ہے' ان میں سے بعض انتہائی سخت ہیں جیسے ہڈی اور ان میں سے بعض انتہائی لطیف اور رقیق ہیں جیسے ہوائی روح اور بعض منجمد اور جمے ہوئے جیسے اعضاء اور بعض بہنے والے اور جاری جیسے اخلاط اور فضلات' زمین کی بے شعور طبیعت سے ہم اس قسم کی مختلف اور رنگارنگ صورتوں کا یقین کیسے کریں

تو ہم کہتے ہیں کہ ہاں بے شعوری کے باوجود زمین یہ رنگ رکھتی ہے اس لیے کہ ہم اور زمین دونوں بے شعور ہیں اور افعال کی رنگینیاں ہمارے ارادے سے ہیں۔

وَجَعَلْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ شَامِخَاتٍ اور ہم نے زمین میں نہایت اونچے پہاڑ بنائے جن کی مضبوطی اور اونچائی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اور ہم نے پہاڑوں کے نیچے سے نہریں اور چشمے جاری کیے۔

وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتًا اور ہم نے تمہیں پہاڑ کے دامن سے میٹھا پانی پلایا جو کہ تشنگی کو دُور کرتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زمین میں اس قسم کے سخت اور اس حد تک لطیف اجزا کی تربیت ممکن ہے اور جب یہ امر واقع ہوگا۔

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ اس دن منکروں کے حال پر افسوس ہے جو کہ زمین میں انسان کے زندہ ہونے کا انکار کرتے اور نہیں سمجھتے تھے۔ ان لیے زمین میں اجزائے لطیفہ اور اجزائے کثیفہ دونوں موجود ہیں اور ان میں سے ہر ایک زمین کی طبیعت کی خاصیت کی وجہ سے جدا صورت اختیار کرتا ہے تو کیا بعید ہے کہ مردوں کے بعض اجزا زمین میں نطفہ ہونے کی استعداد پیدا کریں اور بعض لطیف ہو کر روح ہوائی ہو جائیں اور بعض کثیف اور غلیظ ہو کر اعضاء ہڈیوں پٹھوں اور نرم ہڈیوں کی شکل اختیار کریں اور روح پھونکنا ارواح مجردہ کے جسموں کے ساتھ تعلق پیدا کرنے کا باعث ہو جائے جیسا کہ ماں کے پیٹ میں بچے میں روح پھونکنا

اور منکروں کے حق میں اس دن کی سختی کی پانچویں وجہ یہ ہوگی کہ جب اس دن سورج کو قریب لایا جائے گا اور دوزخ کی آگ کی گرمی اور اُٹھنے والی بھاپ اس کے ساتھ مل کر میدانِ قیامت کو شعلوں اور دھوئیں سے بھرے ہوئے تنور کی مانند کر دے گی اور لوگ سایہ کی تلاش میں دائیں بائیں دوڑیں گے اور کہیں سایہ نہ پائیں گے کہ ایک لحظہ کے لیے ستا لیں' اللہ تعالیٰ کامل ایمان والوں کو اپنے عرش کے سائے میں جگہ عطا فرمائے گا جبکہ کفار کو عذاب کے فرشتے آگ کی گرزوں اور خوف ناک شکلوں کے ساتھ نمودار ہو کر کہیں گے

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی مَا کُنْتُمْ بِہٖ تُکَذِّبُوْنَ اس چیز کی طرف چلو جس کا تم انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ چیز ہرگز واقع ہونے والی نہیں۔ اور وہ چیز نیکوں اور بروں کے درمیان امتیاز' جدائی' علیحدگی اور فرق کرنا ہے۔ اور پہلی چیز جو اس دن ان دونوں گروہوں کے درمیان امتیاز کے طور پر واقع ہوئی' یہی ہے کہ نیکوں کا سایہ اتنا لطف رکھتا ہے کہ اس کی وجہ سے انہیں رب العالمین کا قرب نصیب ہوا اور تمہارا سایہ یہ بدمزگی رکھتا ہے کہ تم دیکھو گے۔

اِنْطَلِقُوْٓا اِلٰی ظِلٍّ ذِیْ ثَلٰثِ شُعَبٍ تین شاخوں والے سائے کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔

قتادہ اور دوسرے مفسرین نے روایت کی ہے کہ کافروں اور بدکاروں کے سائے کے لیے جہنم سے ایک دھواں اٹھے گا جو کہ ہر ایک کو تین طرفوں سے گھیر لے گا اس کا ایک حصہ سائبان کی طرح سر پر کھڑا ہو جائے گا' دوسرا حصہ دائیں طرف سے ہوگا اور تیسرا حصہ بائیں طرف سے اور وہ اسی سائے میں ہوں گے یہاں تک کہ ان کے حساب سے فراغت ہو اور ایمان والے نیک لوگ عرش کے سائے میں کھڑے ہوں گے۔

حکمائے اسلام کے محققین نے فرمایا ہے کہ آگ کے دھوئیں کا یہ سایہ ان کے اعمال کی تاریکی کی طرح ہوگا کہ ان کے نفس نے انہیں ان تین سمتوں سے گھیرا ڈالا تھا۔ شیطانی قوت کی تاریکی جو کہ وہم سے آلودہ عقل سے عبارت ہے اور اس کے پیدا ہونے کا مقام دماغ ہے جو کہ بدن کے اوپر کی جانب میں ہے اور صوفیہ قدس اللہ اسرارہم کے نزدیک قوتِ غضبیہ اور شہویہ دونوں قلب میں ہیں لیکن قوتِ غضبیہ دل کی دائیں سمت اور قوتِ شہویہ اس کی بائیں سمت متعلق ہوتی ہے اسی وجہ سے جو دھواں کہ غضبیہ تاریکی سے اٹھا ہوگا' بدن کی دائیں جانب ہوگا اور جو دھواں کہ شہوت اور حرص کی تاریکی سے اٹھا ہوگا' بدن کی بائیں جانب ہوگا۔

اور ابو مسلم اصفہانی نے کہا ہے کہ ذی ثلث شعب کا معنی یہ ہے کہ اس دھوئیں کی تین صفتیں ہیں' ان میں سے ایک لاظلیل' دوسری لایغنی من اللھب اور تیسری انھا

ترمي بشرر کالقصر ہے لیکن اس صورت میں ان کی ضمیر کی تانیث باوجودیکہ اس کا مرجع ظل ہے اور وہ مذکر ہے توجیہ طلب رہ جاتی ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ جب ظل کو ذی ثلث شعب کے ساتھ موصوف کیا گیا اور اس میں اس کی صفات اور اس کے شعبوں پر نظر کرتے ہوئے جمع ہونے کا معنی پیدا ہو گیا تو معنی پر نظر کرتے ہوئے اسے مؤنث لایا گیا کیونکہ ہر جمع مؤنث ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ان کی ضمیر شعب کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ ظل کی طرف جب ظل کے حال کا ذکر ہوا کہ وہ راحت بخشے گا نہ آگ کے شعلوں کو دور کرے گا تو اس کی علت بیان کرنے کے مقام میں ترقی کے طور پر ارشاد فرمایا کہ اس کے تینوں شعبے اس قسم کے شعلے پھینکیں گے تو اس ظل سے نفع کی کس طرح توقع کی جا سکتی ہے۔ بہر صورت اس دن کافروں کا سایہ ایمان والوں کے سائے کے خلاف ہو گا کہ

لَاظَلِيْلٍ وہ سایہ سورج کی گرمی کو روکنے والا نہ ہو گا۔ عرب کہتے ہیں ظل ظلیل یعنی سائے کا ہجوم ہے اور اس میں سوراخ نہیں ہیں جن سے سورج کی شعاعیں پہنچیں اور سائے کے فائدہ میں کمی کریں۔

وَلَا يُغْنِيْ مِنَ اللَّهَبِ اور آگ کے شعلوں یا تشنگی کی وجہ سے اندرونی جلن میں سے کچھ بھی دور نہیں کرے گا۔ اور سائے کے یہی دو فائدے ہیں اور جب اس سائے میں یہ دونوں فائدے نہیں ہیں۔ گویا سایہ ہی نہیں بلکہ جہنم کی آگ کا دھواں ہے جو کہ دور سے سائبان اور بادل کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اس لیے کہ

اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ تحقیق اس دوزخ سے بہت بڑے بڑے شعلے اڑتے ہیں کہ ان میں سے ہر شعلہ طول و عرض میں كَالْقَصْرِ بادشاہوں کے محلات اور رئیسوں کے ایوانوں کی طرح ہے کہ دنیا میں بہترین سایہ انہیں کا تھا اور کفار ہوا گرم ہونے کے وقت ان محلات اور ایوانوں کی آرزو کرتے تھے اس وقت ان کی وہ آرزو اس صورت میں نمودار ہوئی اور رنگ جلد چلنے اور پے در پے آنے میں

كَاَنَّهٗ گویا کہ وہ چنگاری جِمٰلَتٌ صُفْرٌ زرد رنگ کے اونٹوں کی قطار ہے جو کہ پے

درپے جارہے ہیں اور کفار دنیا میں جب جنگل اور سفر میں چلتے تھے تو آرزو کرتے کہ کاش ہم بھی بادشاہوں اور رئیسوں کی طرح مسہریاں اور بڑے بڑے سائبان اونٹوں پر لاد کر اپنے ہمراہ رکھتے تا کہ جہاں بھی ڈیرہ جمائیں وافر سایہ موجود ہو جیسا کہ کہا گیا ہے صاحب نعمت پہاڑ جنگل اور بیابان میں بھی مسافر نہیں جہاں بھی پہنچا خیمہ گاڑا اور دربار بنالیا۔

اور ان کی یہ آرزو بھی اس روز اس شکل میں رونما ہوگی۔ اور ان کے لیے اس دھوئیں میں سفری اور حضری دونوں قسم کا سایہ مہیا ہوگا اور جمال جمل کی جمع ہے اور تا کو جمع کے معنوں کی تاکید کے لیے استعمال کرتے ہیں اور جمالہ کہتے ہیں جیسا کہ حجارہ میں جو کہ حجر کی جمع ہے بھی تا زیادہ کی گئی ہے اور چونکہ روز فصل میں پہلے ہی تفریق اور تمیز ہوگی اور جس چیز کا اس دن میں وعدہ کیا گیا تھا واقع اور ظاہر ہونے لگے گی۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس روز منکروں کے حال پر افسوس ہوگا اس لیے کہ پہلے تو یہ دکھ اور تکلیف برداشت کریں گے اور دوسرے اس بات کا سراغ لگالیں گے کہ ہم اس دن میں نیکوں اور بروں میں امتیاز کے لیے جو سختیاں اور پریشانیاں سنتے تھے سب واقع ہونے والی ہیں۔ گویا اس وقت تک اس دن کے انکار اور اپنے عقائد کے غلط ہونے کی حسرت میں سختیاں جھیلی تھیں اور اب اس دن کے واقعات کا خوف جو کہ نہایت خطرناک ہے ان کا گریبان پکڑے گا اور سختی پر سختی بڑھ جائے گی۔

اور منکروں کے حق میں اس دن کی سختی کی چھٹی وجہ یہ ہوگی کہ جب بھی کوئی شخص اچانک ایسی مصیبت میں پڑ جائے جس کی توقع نہ ہو اور وہ گمان کرے کہ اس مصیبت کے بعد اس سے بھی زیادہ سخت مصیبت آنے والی ہے تو جلد اس موجودہ اور متوقع تکلیف کو دور کرنے میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اور اگر اسے کسی گناہ اور خیانت میں پکڑتے ہیں تو وہ چاہتا ہے کہ تقریر کرے اور باتیں بنا کر اس گناہ کا انکار کرے۔ اور اگر انکار کی پیش نہ جائے تو کوئی عذر کرنا شروع کر دے تا کہ اسے مواخذہ نہ ہو اور اپنی چرب زبانی کی وجہ سے خلاصی پائے۔ اور وہ پہلے اسی طریقے پر توجہ دیتا ہے یہ آسان بھی ہے اور اس میں

دوسرے سے مدد مانگنا بھی ضروری نہیں ہوتا۔ کفار بھی جب فیصلے اور جزا کے دن کی آمد دیکھیں گے اور اس کے کچھ آثار سایوں کی تقسیم میں چکھیں گے تو ارادہ کریں گے کہ اپنے گناہوں کے لیے کسی عذر کی تمہید باندھیں اور بعض گناہوں کا انکار کریں' انہیں اس تدبیر اور حیلہ گری سے بھی مایوس فرمایا جارہا ہے کہ

ھٰذَا یہ دن جس کا اس کلام میں ذکر ہورہا ہے اور اسی راہ سے اسے حاضر قرار دے کر قریب یا درمیانی اشارہ کے صیغے کے ساتھ متعین فرمایا گیا۔

یَوْمُ لَا یَنْطِقُوْنَ ایک ایسا دن ہے جس میں وہ بالکل دم نہیں ماریں گے اور بات نہیں کریں گے کہ ہم سے کیا کوتاہی سرزد ہوئی کہ ہمیں دھوئیں کے اس سائے میں لے جا رہے ہیں اور قسم قسم کے دکھ اور تکلیفیں دی جارہی ہیں۔

نافع بن ارزق نے جو کہ خارجی علماء میں سے تھا' حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ وہ اس دن بات نہیں کریں گے جبکہ دوسری آیات میں اس کے خلاف ارشاد ہوا۔ سورۃ الانعام میں فرمایا گیا ہے کہ قَالُوْا وَاللّٰهِ مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ یعنی وہ کہیں گے کہ قسم بخدا ہم مشرک نہ تھے اور سورۂ زمر میں فرمایا ہے کہ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اے کافرو! قیامت کے دن تم اپنے پروردگار کے حضور ایک دوسرے سے جھگڑا کرو گے پیروی کرنے والے اپنے مقتداؤں کو ملامت کریں گے اور مقتدا اپنے پیروکاروں سے بیزار ہوں گے۔ اس کے علاوہ اور آیات میں بھی کفار کی گفتگو اور جھوٹے عذر لانے کا بہت زیادہ ذکر کیا گیا ہے۔ ان مختلف مضامین کے درمیان مطابقت کس طرح کی جاسکتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قیامت کے دن مختلف مجلسیں اور مختلف مقامات درپیش ہوں گے اور بعض مقامات اور محافل میں وہ باتیں اور بے ہودہ گفتگو کریں گے جبکہ بعض مقامات پر انہیں اس بے ہودہ گفتگو سے باز رکھا جائے گا۔ پس ان مضامین کا اختلاف زمانوں اور اوقات کے اختلاف کے مطابق ہے۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے اس خارجی کے جواب میں یوں فرمایا ہے

کہ کفار اور گناہ گار صحیح دلیل اور قابلِ قبول عذر نہیں لائیں گے تو ان کا بات کرنا گویا بات کرنا ہی نہیں اور ان کا عذر کرنا گویا عذر کرنا ہی نہیں ہے۔ ان کی ظاہری گفتگو کی وجہ سے ایک مقام پر انہیں بات کرنے والا قرار دے کر ان کی خرافات کو نقل فرمایا گیا ہے جبکہ حقیقت اور معنوں پر نظر کرتے ہوئے دوسرے مقام پر انہیں گونگے قرار دیا گیا۔ پس کوئی تناقض نہیں ہے۔

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ اور انہیں گناہوں کا عذر بیان کرنے کی اجازت نہیں دی جائے گی اس لیے کہ یہ بات معلوم ہے کہ ان کے پاس کوئی معقول عذر نہیں ہے' بے ہودہ بکیں گے۔

فَيَعْتَذِرُوْنَ پس وہ عذر بیان کریں۔ اس لیے کہ صحیح عذر ان کے پاس نہیں اور بے ہودہ عذر وہاں کوئی نہیں سنتا۔

اور عربی قانون کے مطابق یہاں ایک مشہور اُلجھن ہے اور وہ یہ ہے کہ یہاں فَيَعْتَذِرُوْا کیوں نہ فرمایا تا کہ نصب کی وجہ سے ن گر جاتا اور نفی کا جواب ہوتا جیسا کہ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا واقع ہے اور اس مشکل کا حل یہ ہے کہ اگر نون کو حذف کر دیا جاتا تو معلوم ہوتا کہ ان کا عذر نہ کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ انہیں اجازت نہ ملی ورنہ وہ معقول عذر کرتے اور وہ عذر ان کے پاس موجود اور تیار تھا۔ حالانکہ واقعتاً ایسا نہیں ہے بلکہ حقیقت میں ان کے پاس کوئی عذر نہ ہوگا جس سے وہ دلیل پکڑیں۔ پس فَيَعْتَذِرُوْنَ میں فا کلمہ صرف عطف کے لیے ہے' سببیت کے بغیر اور جب سببیت ثابت نہ ہوئی تو نفی کا جواب نہیں ہو سکتا اس لیے کہ نفی کا جواب ہونے میں سببیت ضروری ہے۔ بہر حال اس روز کفار اس قسم کی چاپلوسی' خوشامد' مکر اور حیلے سے بھی عاجز ہو جائیں گے۔

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ اس دن منکروں کے لیے افسوس ہے کہ اس دن کو اور اس دن کی مصیبتوں کو دُور کرنے کی تدبیر نہیں پائیں گے اور مطلقاً مایوس ہو جائیں گے۔

منکروں کے بارے میں اس دن کی سختی کی ساتویں وجہ یہ ہوگی کہ جب وہ اس دن کی سختیوں کو دُور کرنے میں اپنی گفتگو اور حیلہ گری سے مایوس ہو جائیں گے تو اپنی نوع

والوں سے اس کام کا علاج تلاش کریں گے اور خیال کریں گے کہ جس طرح دنیا میں مصیبت کی شدت اور اسے دُور کرنے کی تدبیر ناکام ہونے کے وقت ہم اپنے سے زیادہ قوت اور زیادہ عقل والوں کے ہاں التجا کرتے اور گرہ کشائی ہو جاتی اسی طرح آج بھی شاید اس حیلے سے عقدہ کشائی ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس تدبیر سے بھی مایوس فرمادے گا اور فرشتوں کی زبان سے انہیں خطاب پہنچے گا کہ

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ یہ دن فیصلے اور جدائی کا ہے' ہم ہر چیز میں بُروں کو نیکوں سے جدا کر دیں گے اور سب نیکوں اور بُروں کو ایک مکان اور ایک وقت میں جمع کیے بغیر فیصلہ اور جدائی کا تصور نہیں ہے اس لیے کہ ہر شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا معاملہ جس طرح بھی واقع ہو' خاص و عام تک مشہور ہو جاتا ہے۔ نیز بعض نیکوں اور بُروں کو بعض دوسروں پر حقوق ثابت ہیں اور مدعی اور مدعی علیہ کے حاکم کی مجلس میں حاضر ہوئے بغیر پورے طور پر حقوق دِلائے نہیں جا سکتے۔ نیز بعض نیکوں اور بُروں کے بعض دوسروں کے قوی تعلقات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے ایک دوسرے کی امداد' اعانت اور سفارش کی توقع ہوتی ہے جیسے نسب' سسرال' دوستی' پیری مریدی' استادی شاگردی' مقتدا اور مقتدی ہونے کا تعلق۔ اور جیسے انہیں یہ تعلقات اپنے ہم زمانہ لوگوں کے ساتھ حاصل تھے' پہلوں کے ساتھ بھی رکھتے تھے بلکہ نسبی تعلق ہر کسی کو نوع کے سب سے پہلے فرد کے ساتھ ثابت ہے اور اس تعلق کی وجہ سے امداد و اعانت کی توقع رکھتا ہے۔

اور اسی لیے پہلی مرتبہ سب مخلوق حضرت آدم علیہ السلام کی طرف رجوع کرے گی اور کہیں گے کہ آپ ہم سب کے باپ ہیں' کوئی فکر کریں کہ ہم ان سختیوں سے نجات پائیں۔ تو اگلوں پچھلوں کو ایک مجلس اور ایک وقت میں جمع کیے بغیر نیکوں اور بُروں کے درمیان اس طرح فیصلہ اور جدائی کہ پھر حکم کے تغیر و تبدیلی میں کسی کی پیش نہ چلے' مفید نہیں ہے اسی لیے

جَمَعْنٰكُمْ وَالْاَوَّلِيْنَ ہم نے تمہیں اور تمہارے پہلوں کو جمع کر دیا ہے کہ تم مصیبت اور آفت کو دُور کرنے سے عاجز آنے کے وقت انہیں یاد کرتے تھے اور کہتے تھے

کہ اگر ہمارے پہلے لوگ اس وقت موجود ہوتے تو اس لاینحل عقدہ کو حل کر دیتے۔ بادشاہ مملکت کے بندوبست سے عاجز ہونے کے وقت تیمور اور سکندر کو یاد کرتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس ہر فرقہ کے لوگ اپنے گزشتہ لوگوں کو جن کے کمال کے معتقد ہوتے ہیں' اپنے عاجز ہونے کے وقت یاد کرتے ہیں اور ہر مشکل کا حل ان کی طاقت اور کفایت کے حوالے کرتے ہیں اس وقت ہم نے تمہارے تمام اگلوں اور پہلوں کو تمہارے پاس حاضر کر دیا ہے تو آج کی پریشانیوں کو دور کرنے کی فکر میں ان کی طرف رجوع کرو اور باہم مشورہ کرو۔

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ كَيْدٌ پس اگر تمہارے لیے کوئی حیلہ اور فریب ہو جس کی وجہ سے آج کے دن کی سختی تم سے دور ہو جائے۔ فَكِيدُونِ پس وہ حیلہ اور مکر میرے سامنے استعمال کرو اور دیکھو کہ تمہاری پیش چلتی ہے یا نہیں چلتی اور جب کفار باہم تگ و دو کر کے اس قسم کی تدبیر اور حیلے سے بھی عاجز ہو جائیں گے۔

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ اس دن منکروں کے لیے افسوس ہے کہ اس دن کی مصیبت کو دور کرنے کی تدبیر سے بالکل عاجز ہو کر مایوس ہو جائیں گے۔

اور منکروں کے بارے میں اس دن کی سختی کی آٹھویں وجہ یہ ہوگی کہ ان کے مخالفوں اور دشمنوں کو ان کے سامنے مختلف قسم کی نوازشات کے ساتھ مخصوص فرمایا جائے گا اور انہیں کہا جائے گا کہ دیکھو

إِنَّ الْمُتَّقِينَ جو لوگ خدا تعالیٰ اور روز جزا سے ڈرتے تھے اور اس ڈر کی وجہ سے گناہوں اور برائیوں سے پرہیز کرتے تھے اور بندگی اور اطاعت پر ہمیشگی کرتے تھے' آج وہ لوگ

فِي ظِلَالٍ عمدہ سایوں میں ہیں۔ پہلے تو رب العالمین کے عرش کے سایہ میں پھر پل صراط سے گزرتے وقت اپنے صدقات اور خیرات کے سائے میں یہاں تک کہ اگر کسی نے خدا تعالیٰ کی راہ میں آدھی کھجور دی تھی' اس دن وہی آدھی کھجور اس کے کام آئے گی اور اسے دوزخ کے شعلوں سے محفوظ رکھنے کے لیے سر پر سایہ ہوگا پھر جب جنت میں

داخل ہوں گے تو طوبیٰ اور دوسرے درختوں کا سایہ پائیں گے اور جب اپنی منزلوں میں پہنچیں گے تو محلات' اونچے مکانات اور تختوں کے سائے پائیں گے۔

وَّعُيُوْنٍ اور جاری چشموں میں ہیں جن میں سے بعض چشموں کی مہک کافوری ہے اور بعض کا ذائقہ سونٹھ کا اور بعض کو تسنیم کہتے ہیں اور ان چشموں کے ہوتے ہوئے انہیں تشنگی بالکل نہ رہی۔ بخلاف تمہارے کہ آگ کے دھوئیں کا سایہ تمہاری اندرونی بے چینی اور جلن کا زیادہ موجب ہوا ہے۔

فَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ اور ان پھلوں میں ہیں جو انہیں مرغوب ہیں' کھٹے میٹھے سرد گرم۔ سرد ملکوں اور گرم ملکوں کے' موسم بہار اور موسم خریف والے' کچے اور پکے تاکہ ان پھلوں کی وجہ سے بھوک کی گرمی بھی ان کے باطن میں اثر انداز نہ ہو۔ پس ان کی آب و ہوا اور ان کے پھل سب کے سب گرمی دور کرنے میں ایک دوسرے کے معاون واقع ہوں۔ بخلاف تمہارے کہ پھلوں کے بجائے تم' جہنم کی آگ کے چنگارے کھاتے ہو اور اندر اور باہر سے گرمی تم پر غلبہ کرتی ہے اور یہ سب تفریق اور جدائی اس وجہ سے ہے کہ تم نے اس دن کے انکار اور شک کی گرمی کو اپنے دل میں جگہ دی جبکہ انہوں نے یقین کی ٹھنڈک کو اپنے دل میں جاگزیں کیا۔ پس ہر کسی کو وہی ملا جو اس نے اختیار کیا۔ اور اس کے علاوہ متقیوں کے حق میں یہ بھی ہے کہ معظم و مکرم مہمانوں کی طرح انہیں کھانے اور پینے کی بار بار تاکید فرمائی جا رہی ہے اور انہیں کہا جا رہا ہے کہ

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓئًا کھاؤ اور پیو' تمہیں خوشگوار ہوگا بخلاف دنیا کے کھانے پینے کے کہ اس سے ہیضہ' بدہضمی' ثقل اور تکلیف کے خوف کی وجہ سے ڈرتے تھے اور تمہارا یہ کھانا اور پینا۔

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ اس کے عوض ہے جو تم عمل کرتے تھے اور گرم دنوں میں روزہ رکھتے تھے اور پیاسے رہتے تھے اور خداتعالیٰ کی رضا کے لیے روزے میں بھوکے رہتے تھے اور راہِ خدا میں لذیذ کھانوں کو فقیروں پر خرچ کرتے تھے۔ اور اسی طرح تم روزہ داروں اور مسکینوں کو نہایت عمدہ شربت پلاتے تھے اور اگرچہ تمہارے اعمال چند دنوں

سے زیادہ نہ تھے اور تمہارے ذہن میں اس کے عوض اتنی مقدار کی جزا کا تصور نہ تھا لیکن ہماری عادت یہی ہے کہ ہم جزا کے مقام میں ایسی دائمی منفعت عنایت فرماتے ہیں جو کہ ناقص ہونے کے عیب سے پاک ہو اور کمال کے اعلیٰ مرتبوں کو پہنچے۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ تحقیق ہم احسان کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں کہ ایک چیز کے بدلے دس سے سات سو تک اور اس سے بھی زیادہ عطا فرماتے ہیں اور فانی کے بدلے میں ہمیشہ باقی رہنے والی چیز عنایت فرماتے ہیں اور ناقص کے بدلے کامل عطا فرماتے ہیں اور یہ کہنے سے متقیوں کا عقلی اعزاز حسی اعزاز کے ساتھ جمع ہو کر ان کی مسرتیں بڑھائے اور وہ جان لیں کہ ہمارے سب کام قبول ہوئے کہ یہ پھل ملا اور جب منکر دُور سے دیکھ کر یا ارشاد پر مبنی اس کلام کو سُن کر یہ حال معلوم کریں۔

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ اس دن منکروں کو افسوس ہوگا اور وہ جان لیں گے کہ متقیوں نے یہ نوازشات روزِ جزا کے عقیدے کی وجہ سے پائیں اور ہم نے اس دن کا انکار کر کے یہ دُکھ اور تکلیف اُٹھائی۔

اور منکروں کے بارے میں اس دن کی سختی کی نویں وجہ یہ ہوگی کہ دنیا میں قیامت آنے کا انکار کرنے کی وجہ سے کھانے پینے اور لذیذ چیزوں سے بہرہ مند ہونے میں نہایت بے خوفی اور بے احتیاطی کرتے تھے اور جب پرہیزگاروں کو دیکھتے تھے کہ اس دن کے ڈر سے دنیوی لذت سے فائدہ نہیں اُٹھاتے تو اپنے دل میں کہتے کہ یہی عقیدہ دنیوی لذتوں سے محرومی کا باعث ہے اور ہم نے اچھا کیا کہ ہم اس عقیدے کی وجہ سے ان نعمتوں سے محروم نہ رہے۔ قیامت کے دن انہیں کہا جائے گا کہ

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا کھاؤ اور فائدہ حاصل کرو دنیا کے حرام و حلال سے بے گانہ ہو کر اور یہاں امر کا صیغہ ماضی کے معنوں میں ہے اور عربوں کا قاعدہ ہے کہ جب فعل ماضی کو ایسے مقام میں ذکر کرتے ہیں کہ جہاں امر و نہی کے لیے اس کام کی لیاقت بیان کرنا منظور ہو تو اسے امر اور نہی کے صیغے سے ادا کرتے ہیں جیسا کہ شاعر نے کہا ہے اخوتی لا تبعدوا ابدا و بلا واللہ قد بعدوا حاصل کلام یہ کہ تم دنیا میں کھاتے پیتے اور بہرہ مند ہوتے رہے۔

قَلِیْلًا تھوڑا سا وقت جو کہ تمہاری عمر کی مدت تھی اور وہ پرہیز گاروں کے کھانے پینے اور بہرہ مند ہونے کے وقت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں اس لیے کہ یہ زمانہ ابد کی جانب نہ ختم ہونے والا ہے اور ختم ہونے والے کو نہ ختم ہونے والے کے ساتھ کیا نسبت؟ پس تم نے فائدہ لینے کی چیزوں کی تھوڑی سی مقدار جو کہ خالص اور کامل بھی نہ تھی، دائمی، کامل، نہ ختم ہونے والے منافع کے بدلے اختیار کی اور یہ دے کر اسے خرید کیا اور اس کے باوجود اِنَّکُمْ مُّجْرِمُوْنَ تحقیق تم گناہ گار ہو، تم نے اس کھانے اور فائدہ لینے کو بھی گناہ میں صرف کیا۔ پس یہ تمہارے عذاب کی زیادتی کا موجب ہوا اور جب کافر اس بات پر مطلع ہوں گے کہ روزِ قیامت کے انکار کی وجہ سے ہماری تمام دنیوی زندگی نے سم قاتل اور زہر ہلاہل کا حکم پیدا کر لیا اور ہم نے جو کچھ کھایا اور پیا سب خلط فاسد ہو کر آگ کی صورت اختیار کر گیا۔

وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ اس دن منکروں کو افسوس ہوگا کہ اپنے کاروبار کے خسارے پر مطلع ہوں گے اور جان لیں گے کہ ہم نے سیاہ سانپ کو پھولوں کا ہار سمجھ کر اپنی گردن میں ڈال لیا اور ایسے نفع کی وجہ سے جو کہ حقیقت میں نقصان تھا، ہم نے ان حقیقی دائمی منافع کو ضائع کر دیا اور یہ سب کچھ ان کے بات نہ سننے کی وجہ سے ہے اور اسی لیے منکروں کے بارے میں اس دن کی سختی کی دسویں وجہ یہ ہوگی کہ بات نہ سننے کی اپنی روش پر افسوس کرتے ہوئے ہاتھ کاٹیں گے اور حسرتیں اُٹھائیں گے اس لیے کہ دنیا میں ان کی عادت یہی ہے کہ پیغمبروں علیہم السلام، مرشدوں اور واعظوں کے حکم پر بالکل عمل نہیں کرتے بلکہ اس کے برعکس اس کی ضد کو عمل میں لاتے ہیں یہاں تک کہ اگر انہیں آسان کام کا حکم دیں، قبول نہیں کرتے۔

نماز میں رکوع کی حکمت

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ ارْکَعُوْا اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اپنی عبادت میں رکوع کرو تاکہ تم مسلمانوں کے زمرے میں داخل ہو جاؤ اس لیے کہ عبادت میں رکوع کرنا مسلمانوں کا خاصہ ہے۔ دوسرے لوگ اپنی عبادات میں قیام اور سجدہ کرتے ہیں رکوع

نہیں کرتے اور رکوع کی حقیقت امانت کا بوجھ اُٹھانے کے لیے دل کا جھک جانا ہے اور اسی لیے اس شریعت میں اس صورت کو عبادت قرار دیا گیا ہے تا کہ اس بات کا اظہار ہو کہ میں نے بارِ امانت کو اپنی پشت پر اُٹھا لیا اور اس نے مجھے کھڑے قد والا آدمی پیدا کر کے حکم دیا کہ میں اس بوجھ کو اُٹھاؤں۔ میں اس کے حکم کی وجہ سے اپنے سیدھے قد پر مغرور نہ ہوا اور خود کو اونٹ، خچر، گائے اور گھوڑے کی طرح خم کر کے اس کے دربار میں حاضر ہو گیا تا کہ جو چاہے میری پشت پر لاد دے اور اسی لیے قرآنِ پاک میں دوسرے مقام پر ارشاد ہوا اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ پس نماز میں رکوع کرنا مسلمانی کی علامت ہے اور کفار اگر اس اہم علامت کو بجا لاتے تو قیامت کے دن جو کہ جدائی کا وقت ہے اس علامت کی وجہ سے اہلِ اسلام کے زمرہ میں شمار ہوتے لیکن وہ

لَا یَرْکَعُوْنَ ہرگز رکوع نہیں کرتے اور اپنے آپ کو مسلمانوں کی مشابہت سے دُور رکھتے ہیں۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جب بنو ثقیف کے رئیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے اور انہوں نے اسلام کا اظہار کیا تو حضور علیہ السلام نے انہیں نماز کا حکم دیا اور نماز کا طریقہ بیان فرمایا۔ انہوں نے کہا کہ ہم نماز کے سارے ارکان بجا لائیں گے مگر رکوع نہیں کریں گے کہ یہ آدمی کے لیے بہت عار کا موجب ہے۔ ایک آدمی سیدھے قد کے باوجود خود کو جانوروں کی طرح پشت جھکا کر اُلٹا کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا خَیْرَ فِیْ دِیْنٍ لَیْسَ فِیْہِ رُکُوْعٌ یعنی اس دین میں کوئی خوبی نہیں ہے جس میں رکوع نہ ہو۔ اس لیے کہ دینِ انسانیت کے معنوں کا محقق کرتا ہے اور انسانیت تقاضا کرتی ہے کہ اپنے مالک کے اوامر و نواہی کی ذمہ داریوں کو خوشی ناخوشی قبول کیا جائے اور اس مشقت کے بوجھ کو اُٹھانے کے لیے اپنی پشت خم کی جائے۔

اور یہی وجہ ہے کہ عرفِ عام میں تعظیم و سلام کے وقت پشت کو خم کرتے ہیں۔ گویا اشارہ کرتے ہیں کہ ہم نے آپ کے احسان کا بوجھ اپنی پشت پر لیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ واقعہ قیامت کے دن رونما ہوگا کہ تجلی الٰہی کشف ساق فرمائے گی اور لوگوں کو حکم ہوگا کہ سجدہ کریں۔ ایمان والے سجدے میں گر پڑیں گے جبکہ